ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع شدہ تحقیقی و علمی مضامین کا مجموعہ

تحقیق و نظرِ ثانی

حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقالات الحدیث

ماہنامہ الحدیث حضرو میں شائع شدہ تحقیقی و علمی مضامین کا مجموعہ

(۲۰۰۴ء تا ۲۰۱۰ء)

تحقیق و نظر ثانی: حافظ زبیر علی زئی

مکتبۃ الحدیث حضرو / مکتبہ اسلامیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مقالات الحدیث حضرو

توحید وسنت سے متعلق مسائل

مسلک اہلِ حدیث

طہارت ونماز سے متعلق مسائل

الدعاء

اصولِ حدیث وتحقیق الروایات

تذکرۂ علمائے حدیث

تعارف وتبصرہ

اہلِ باطل اور مبتدعین کارد

زکوۃ ومعاملات

دریچۂ اصلاح

متفرق

حرفِ اول

الحمدللّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد :

انسان کی رُشد وہدایت اور فلاح ونجات کتاب وسنت میں مضمر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ (الاحزاب:۷۱)

نیز فرمایا: ﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کریں، خوفِ الٰہی رکھیں اور اس کے عذابوں سے ڈرتے رہیں، وہی نجات پانے والے ہیں۔ (النور:۵۲)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بابت لوگوں سے فرمایا:

﴿ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت وفرمانبرداری کروگے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ (النور:۵۴)

نبی کریم ﷺ نے معیارِ ہدایت قرآن وسنت کو ہی قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ((**إني قد ترکت فیکم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدًا: کتاب اللّٰه و سنة نبیه** ﷺ .)) میں تمھارے درمیان وہ چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے: کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔

(المستدرک للحاکم ۹۳/۱ وسندہ حسن)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں روشن (شریعت) پر چھوڑے جا رہا ہوں، جس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔ میرے بعد وہی شخص کج روی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔'' (سنن ابن ماجہ:۴۳ وسندہ صحیح)

نیز سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " لو ترکتم سنة نبیکم لضللتم ."
اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴، دارالسلام: ۱۴۸۸)

یاد رہے کہ قرآن وحدیث سے اجماع کا حجت ہونا اور اجتہاد کا جواز ثابت ہے۔
قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ کے مطالعہ کے بعد کسی معتدل ومنصف مزاج پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہتی کہ دینِ محمدی (ﷺ) کے پاسبان اہل الحدیث ہی ہیں، جنھوں نے کتاب وسنت کی وہی تعبیر کی جو عہدِ نبوت میں رائج تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر کاربند تھے۔ والحمدللہ

مولانا علی محمد سعیدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: " یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ مسلک اہلحدیث کا بنیادی اصول صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پیروی ہے۔ رائے ، قیاس ، اجتہاد اور اجماع یہ سب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت ہیں۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث ۱/۶)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مسلک اہل حدیث ان تمام مسلم اور سنی المسلک جماعتوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے، جس میں مصالح دینیہ کی سب سے زیادہ مراعات رکھی گئی ہیں، کتاب وسنت کی موجودگی میں کسی خاص آدمی کے طریق فکر کا لزوم اس میں یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے، ہر عالم کو، مجتہد ہو یا غیر مجتہد، حق پہنچتا ہے کہ کتاب و سنت کو پڑھے اور سمجھے، ائمہ سنت وصنادیدِ سلف کی روشنی پر چلتے ہوئے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔" (مقالاتِ حدیث ص ۸۰)

تعارف کتاب: ماہنامہ الحدیث اپنے سفر کے قیمتی سات سال گزار چکا ہے، اس میں شائع ہونے والے علمی، تحقیقی، تنقیدی اور اصلاحی مضامین دادِ تحسین پا چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا مسلسل اصرار برقرار ہے کہ " الحدیث " کا شروع سے لے کر اب تک کا مکمل ریکارڈ چاہیے۔ جو فی الحال مہیا کرنا چند وجوہ کی بنا پر ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ اس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے مقالات کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے علمی مقالات کی چار جلدیں منظر عام پر آ کر

پذیرائی حاصل کر چکی ہیں اور مزید کام جاری ہے، اسی طرح محترم بھائی محمد زبیر صادق آبادی حفظہ اللہ کے تمام مضامین علیحدہ سے مقالات کی صورت میں تیاری کے مراحل میں ہیں۔

زیرِ نظر کتاب مقالات ''الحدیث'' میں وہ تمام قابلِ ذکر مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں جو مختلف اہلِ علم واہلِ قلم نے تحریر فرمائے تھے جو یقیناً ایک علمی فائدہ وخزانہ متصور ہوں گے۔ ان شاء اللہ

حرف آخر کے طور پر ماہنامہ الحدیث کے بانی و مدیر استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے لئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور حاسدوں وشریروں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

انھی کے زیرِ نگرانی یہ علمی و تحقیقی امور پایہ تکمیل تک پہنچ رہے ہیں۔ اُن تمام علماء، فضلاء اور معاونین کے لئے بھی دعا گو ہوں جنھوں نے تحریر یا کسی بھی طرح کا تعاون کیا کہ یہ کتاب عوام وخواص کے لئے ہدایت اور ان سب کے لئے ذریعۂ نجات ہو۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

نائب مدیر ماہنامہ الحدیث حضرو

(۱۲/مئی ۲۰۱۱ء)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد للّٰه ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الأمین ،أما بعد :

راقم الحروف نے حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کے تعاون سے ماہنامہ الحدیث حضرو کی اشاعت شروع کی اوراس کا پہلا رسالہ جون ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ''احسن الحدیث'' قرار دیا اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

اللہ اس شخص کے چہرے کو تر وتازہ رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی، پھر اسے یاد رکھا حتیٰ کہ آگے پہنچا دیا۔ (ابوداود: ۳۶۶۰ وسندہ صحیح وحسنہ الترمذی: ۲۶۵۶)

راقم الحروف نے لکھا تھا:

''اسلام کی بنیاد انھی دو حدیثوں (قرآن اور حدیثِ رسول) پر ہے،قرآن وحدیث سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہے.... کتاب وسنت کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے ثابت ہے۔...اجتہاد کرنا جائز ہے مگر یہ عارضی اور وقتی ہوتا ہے'' (الحدیث:۱ص۴۔۵)

اسی منہج ،اصولِ حدیث اور اسماء الرجال میں جمہور محدثین کی ترجیح کے ساتھ الحدیث حضرو کا سفر شروع ہوا، جو کہ ابھی تک جاری ہے۔ والحمدللہ

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اہلحدیث کا مذہب ہے کہ دین کے اصول چار ہیں:

(۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجماع (۴) قیاسِ مجتہد۔'' (اہلِ حدیث کا مذہب ص ۵۸)

چوتھی قسم اجتہاد میں آثارِ سلف صالحین، قیاس صحیح ،ترجیح اَولیٰ اور مصالح مرسلہ وغیرہا شامل ہیں اور ماہنامہ الحدیث میں ہمیشہ انھیں مدنظر رکھا گیا ہے۔

چونکہ ہمارے رسالے میں راقم الحروف اور حافظ ندیم ظہیر حفظہ اللہ کا متفق ہونا

ضروری ہے، لہٰذا ہم نے تمام مضامین کو خود چیک کیا اور جہاں صاحب تحریر سے اختلاف تھا، اس کی وضاحت وصراحت کردی۔

الحدیث حضرو میں محترم ابو الاسجد محمد صدیق رضا حفظہ اللہ کی دو کتابیں قسط وار شائع ہوئیں، جنھیں بعد میں انھوں نے درج ذیل ناموں سے شائع کیا:

۱: مشہور واقعات کی حقیقت (مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد و لاہور)

۲: امت اور شرک کا خطرہ (نعمان پبلیکیشنز)

اب مختلف علماء اور اصحابِ تحریر کے مضامین، جو الحدیث حضرو میں شائع ہوئے، مقالات الحدیث کی صورت میں پیش خدمت ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی

(۹/مئی ۲۰۱۱ء)

توحید وسنت سے متعلق مسائل

ابو جابر عبداللہ دامانوی

نبی ﷺ کا حاضر وناظر ہونا؟

سوال: شیطان اگر ہر جگہ آ کر لوگوں کو بہکا سکتا ہے تو کیا نبی ﷺ ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہو سکتے؟

الجواب بعون الوھاب: تمام دنیا کو بہکانے کے لئے ایک ہی شیطان متعین نہیں ہے، بلکہ ہر انسان کے ساتھ جنوں میں سے ایک قرین (ساتھی) پیدا کیا جاتا ہے جو اسے زندگی بھر بہکاتا اور گمراہ کرتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْكُم مِنْ اَحَدٍ اِلّاوَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُه، مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُه، مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا: وَ اِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَاِيَّايَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَيْرٍ .))

مکمل تخریج کے لئے ملاحظہ فرمائیں: موسوعہ مسند احمد (۱۵۹/۶ حدیث نمبر: ۳۶۴۸)

تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس کا (ایک) ساتھی جنوں میں سے اور اس کا (دوسرا) ساتھی ملائکہ میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے لئے بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میرے لیے بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی ہے اور وہ مسلم ہو گیا ہے، لہٰذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا''

(صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین باب تحریش الشیطان وبعثہ سرایاہ لفتنۃ الناس وأن مع کل انسان قرینا۔ حدیث نمبر: ۷۱۰۸، مشکوۃ المصابیح: ۶۷، مسند احمد ۳۸۵/۱)

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ''ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے'' (مسلم: ایضاً)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُه، وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ، بَعِيْدٍ﴾ (قیامت کے دن) اس شخص کا ساتھی (شیطان) کہے گا: ''ہمارے رب! میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ یہ خود دور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔'' (ق: ۲۷)

شیطان اعظم (ابلیس) اکیلا یہ کام نہیں کرتا بلکہ وہ دوسرے شیاطین کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے، کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں اور فتنے میں مبتلا کریں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی کے اوپر بچھاتا ہے، پھر اپنی فوجوں (شیاطین) کو حکم دیتا ہے کہ وہ لوگوں میں جا کر ان کو گمراہ کریں اور فتنے میں ڈالیں۔ ابلیس کی اس جماعت میں ادنیٰ سا شیطان وہ ہے جو انتہا درجے کا فتنہ پرداز ہوتا ہے ان میں سے ایک شیطان واپس آ کر ابلیس سے کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا۔ وہ کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا اس کے بعد ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس اور اس کی بیوی کے درمیان تفرقہ نہ ڈال دیا۔

آپ (ﷺ) نے فرمایا: یہ سن کر ابلیس اسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ بھی کہے: ابلیس اسے سینے سے لگا لیتا ہے۔ (صحیح مسلم: ایضاً، مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسۃ: ۷۱)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اکیلا ابلیس (شیطان اعظم) یہ سارا کام نہیں کرتا بلکہ اس کے رضا کار شیطان اور لشکر یہ کام سرانجام دیتے ہیں، لہٰذا سوال میں جو دعویٰ کیا گیا تھا وہی غلط ثابت ہوا۔

رہا یہ دعویٰ کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو یہ دعویٰ بھی قرآن اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ کے سراسر خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نہ تو غیب کا علم جانتے تھے اور نہ حاضر و ناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جب اور جس وقت چاہا وحی کے ذریعے سے آگاہ فرما دیا اور جب تک وحی نازل نہ ہوتی تو آپ اس بات سے بالکل بے خبر رہتے تھے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں (اللہ کے خزانوں کا مالک میں نہیں ہوں) اور

نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں ۔ میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے۔ (الانعام:۵۰)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے علم غیب کی نفی فرما دی اور ساتھ ہی یہ بھی بیان کر دیا کہ آپ صرف وحی کے تابعدار ہیں، وحی آ جانے کے بعد ہی آپ غیب کی خبر دیتے ہیں۔ لا اعلم مضارع کا صیغہ ہے، یعنی میں غیب نہیں جانتا، میں غیب نہیں جانوں گا، یعنی میں نہ اب غیب جانتا ہوں اور نہ آئندہ جانوں گا، نیز اللہ کے خزانوں کا بھی میں مالک نہیں ہوں، میں گنج بخش نہیں ہوں اور نہ میں نوری (فرشتہ) ہی ہوں، عالم الغیب ہونا صرف اور صرف خاصہ رب العالمین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ آپ کہہ دیجئے کہ آسمان والوں اور زمین والوں میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا، سوائے اللہ تعالیٰ کے اور انھیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔ (نمل:۶۵)

علم غیب کی نفی سے حاضر و ناظر کی بھی نفی ہوگئی، البتہ حاضر و ناظر کے متعلق بھی چند آیات ملاحظہ فرمائیں: ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ اور آپ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ کی طرف) احکامات کی وحی نازل فرمائی تھی اور نہ آپ شاھدین (اس واقعہ کے دیکھنے والوں) میں سے تھے، لیکن ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں جن پر لمبی مدتیں گزر گئیں اور نہ تو آپ مدین کے رہنے والوں میں سے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی؟ تلاوت کرتے بلکہ ہم ہی رسولوں کے بھیجنے والے ہیں اور نہ آپ طور کی طرف تھے جب کہ

ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) آواز دی بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے اس لئے کہ ان لوگوں کو ہوشیار کردے جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔! (القصص:۴۴تا۴۶)

آپ چونکہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے زمانۂ گزشتہ کے واقعات آپ کو بذریعہ وحی بتا دیئے ہیں، ورنہ ان واقعات کے ظہور کے وقت آپ ان مقامات پر موجود نہیں تھے۔

نیز فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾

اور اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہیں دے گا جب کہ آپ ان میں موجود ہوں اور اللہ انھیں عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ (شرک وکفر سے) توبہ واستغفار کرتے ہوں۔ (الانفال:۳۳)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے لوگوں پر عذاب نہیں آسکتا۔ اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے طرح طرح کے عذاب نازل ہو رہے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ اور جب آپ ان میں موجود ہوں تو انھیں نماز پڑھائیں۔ (النساء:۱۰۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جب موجود ہوں تو آپ ہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور اب چونکہ آپ موجود نہیں ہیں اس لئے دوسرے امام لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید حوالہ جات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: سورۂ یوسف:۱۰۲، سورۂ ھود:۴۹ اور سورۂ آل عمران:۴۴ وغیرہ۔

اگر رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر مان لیا جائے تو پھر معراج اور ہجرت کے تمام واقعات باطل قرار پاتے ہیں۔ معراج میں نبی ﷺ مکہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے۔ (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل آیت:۱)

اور پھر آپ زمین سے آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک تشریف لے گئے۔

(دیکھئے سورۃ النجم آیات:۱۳تا۱۸)

یعنی جب آپ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے تو آپ مکہ میں موجود نہ تھے اور جب آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو زمین پر موجود نہ تھے، اسی طرح جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ مکہ مکرمہ میں موجود نہ تھے، حالانکہ مشرکین مکہ آپ کو پوری سرگرمی سے تلاش کررہے تھے۔ معلوم ہوا کہ حاضر وناظر کا عقیدہ اہل اسلام کا نہیں بلکہ چودھویں صدی کے مشرکین ومبتدعین کا ایجاد کردہ ہے۔ **ھذا ما عندی واللّٰہ اعلم بالصواب**

(تنبیہ: شیطان مردود کے علم وغیرہ کا ذکر، نبی ﷺ کے ساتھ کرنا، آپ ﷺ کی گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کی ہر قسم کی گستاخی سے ہر مسلمان کو بچائے۔ آمین)

[الحدیث:۴]

تصنیف: الشیخ عبدالمحسن العباد المدنی　　　ترجمہ: حافظ عبدالحمید ازہر

اتباعِ کتاب وسنت

[فضیلۃ الشیخ عبدالمحسن بن حمد العباد المدنی حفظہ اللہ (مدرس مسجد نبوی ﷺ) جزیرۃ العرب کے کبار علماء میں سے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے نائب رئیس (vice-chancellor) رہ چکے ہیں۔ حدیث اور فقہ آپ کا خاص موضوع ہے، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ زیرِنظر کتاب "**الحث علی اتباع السنة و التحذیر من البدع وبیان خطرها**" ان کی مختصر اور جامع تصنیف ہے جس کا اردو ترجمہ ممتاز عالمِ دین حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ نے انتہائی آسان اور سلیس انداز میں کیا ہے (جزاهما اللہ خیراً) جسے افادہ عام کے لئے ماہنامہ "الحدیث" میں قسط وار شائع کیا جارہا ہے۔/ حافظ ندیم ظہیر]

خطبۂ مسنونہ ....**أما بعد :**

حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی اپنے بندوں پر نعمتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں کسی دائرہ میں محدود کیا جاسکتا ہے اور نہ شمار میں لایا جاسکتا ہے، سب سے بڑی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے آخری زمانے کے جن وانس پر فرمائی، یہ ہے کہ ان میں اپنا معزز ومحترم رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے وہ پیغام اور وہ (دین) جسے دے کر انہیں بھیجا گیا تھا مکمل اور تام شکل میں لوگوں تک پہنچا دیا۔ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا قول ہے: "(رسالت کا) پیغام اللہ عزوجل کی طرف سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اسے پہنچانا تھا اور اسے تسلیم کرنا ہمارا فریضہ ہے۔"

(امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ قول صحیح بخاری میں کتاب التوحید کے باب قول اللہ تعالیٰ:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ﴾ کے آغاز میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔[۵۰۳/۱۳ مع فتح الباری قبل ح ۷۵۳۰]) تو جو چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے وہ پیغام (ہدایت) ہے، وہ آچکا۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج﴾
اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا، تاکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے اجتناب کرو۔ (النحل:۳۶)

نیز فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اللہ نے ان مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے اور کتاب و حکمت (سنت) کی تعلیم دیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔ (آل عمران:۱۶۴)

اور جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا وہ بھی کامل ترین طریقے سے انجام پا چکا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ﴾
تو کیا پیغمبروں کے ذمہ احکام کی کھلی تبلیغ کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ (النحل:۳۵)
نیز فرمایا: ﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ﴾ اور پیغمبر کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ (النور:۵۴)

باقی رہا بندوں کا فریضہ، تو وہ تسلیم واطاعت ہے۔ اس بارے میں لوگ تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو توفیق سے بہرہ مند ہو کر راہ حق کی اتباع کرنے والے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو توفیق سے محروم راہ حق سے بھٹک کر دوسرے راستوں پر چل نکلے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے پس تم اسی پر چلنا اور دوسرے راستوں پر نہ چلنا کہ یہ تمھیں اللہ کی راہ سے الگ کر دیں گے۔ اللہ تمھیں ان باتوں کا حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (الانعام:۱۵۳)

شریعت اسلامیہ کی صفات میں سے ہے کہ یہ محفوظ اور باقی رہنے والی ہے، یہ عام

ہے، یہ کامل ہے، اور یہ شریعت جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے معزز و محترم رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے، تین صفات کی حامل ہے جو بقا، عموم اور کمال ہیں۔

چنانچہ یہ شریعت قیامت تک باقی رہنے والی ہے، جبکہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ ﴾

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر ہیں (یعنی آپ پر نبوت ختم ہے) [الاحزاب:۴۰]

امام بخاری (۷۱) امام مسلم (۱۰۳۷) نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے، اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں عطا کرنے والا تو اللہ ہے۔ اور یہ امت اللہ کے حکم پر قائم رہے گی ان کی مخالفت کرنے والا انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ (قیامت کا دن) آ جائے گا۔

آپ کی دعوت ثقلین، یعنی جن وانس کیلئے عام ہے اور وہی آپ کی امت، یعنی امتِ دعوت ہیں اس لیے ہر جن وانسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر قیامت کے قائم ہونے تک اس دین حنیف میں داخل ہونے کی دعوت دے دی گئی ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (یونس:۲۵)

تو اس آیتِ کریمہ میں امتِ دعوت اور امت اجابت (جو دعوت حق قبول کر چکی ہے) دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ " وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ " اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، میں امتِ دعوت مراد ہے، یعنی وہ ہر ایک کو بلاتا ہے۔ مفعول اس لیے حذف کیا گیا ہے کہ جملہ عموم کا فائدہ دے اور فرمان الٰہی: ﴿ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

صِـرَاطٍ مُّسْتَـقِيْـمٍ ﴾ ''اور جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے'' میں امتِ اجابت مراد ہے۔اس لیے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سیدھی راہ پر آنے کی توفیق مرحمت فرمائی اُنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی، آپ کے دین حنیف میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا اور مسلمان ہو گئے۔امتِ اجابت کے لیے ہدایت کا حاصل ہونا محض اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے ہے اور اس طرح سیدھے راستے کی طرف آنا یہ ہدایت یافتگان کے لیے اللہ کی توفیق ہے۔جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ جسے چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ (القصص:۵۶)

جہاں تک اس ہدایت کا تعلق ہے جس کا مطلب رہنمائی اور ارشاد ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے اپنے فرمان: ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سیدھا راستہ دکھاتے ہیں۔'' (الشوریٰ: ۵۲) میں اس کا اثبات کیا ہے۔اس کا معنی یہی ہے کہ آپ رہنمائی کرتے ہیں، راہ دکھاتے ہیں اور آپ کی دعوت کے عموم و شمول کے دلائل میں سے اللہ عزوجل کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿ قُلْ يٰٓـاَيُّهَـا النَّـاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ ''(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دو، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' (الاعراف: ۱۵۸) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی: ((والذي نفسي بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار))
اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان لوگوں میں سے کوئی بھی: یہودی ہو یا نصرانی میرے متعلق سن لے اور پھر اس حالت میں مر جائے کہ مجھے جس دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنمی ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۳)

اور اس کی تصدیق اللہ کی کتاب میں ہے۔جیسا کہ اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿ وَمَـنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ''اور ان جماعتوں میں سے جو کوئی اس کا منکر

ہو تو اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے'' (ہود: ۱۷) کی تفسیر میں سعید بن جبیر (تابعی) رحمہ اللہ سے وارد ہے۔ جسے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۂ ھود کی اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے①۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں جنوں کے شامل ہونے کی دلیل میں سے اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

اور جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تمہاری طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو آپس میں کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ جب قراءت تمام (پوری) ہوئی تو وہ اپنی برادری کے لوگوں کی طرف انھیں نصیحت کرنے کے لیے چلے گئے۔ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے اور سچا دین اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ (الاحقاف: ۲۹۔۳۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے سورۂ رحمٰن میں فرمایا: ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴾ تو تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

① تفسیر ابن کثیر ۳/ ۵۲۷ وتفسیر طبری ۱۲/ ۱۳ وسندہ صحیح إلی سعید بن جبیر رحمہ اللہ/ زبیر علی زئی

اس میں بھی خطاب انسانوں اور جنوں کو ہے۔ یہ آیت اس سورت میں اکتیس (۳۱) مرتبہ ذکر ہوئی ہے اور سنن ترمذی میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان پر سورۂ رحمٰن اول سے لے کر آخر تک پڑھی، ان لوگوں نے خاموشی سے سنی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے جنوں سے ملاقات کی۔ رات یہ سورت جنوں کے سامنے تلاوت کی تو ان کا جواب تمہارے جواب سے اچھا تھا۔ میں جب بھی اس آیت پر پہنچتا:

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" تو وہ کہتے " لا بشيءٍ من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد" اے ہمارے رب! ہم تیری نعمت میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے اور سب حمد تیرے لیے ہے۔

(الترمذی: ۳۲۹۱ وھو حدیث حسن وللحدیث شواہد عند البزار کشف الاستار ۳/۴۷ ح ۲۲۶۹ تفسیر الطبری ۲۷/۲۷ وغیرہما، تنبیہ: یہ روایت ولید بن مسلم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے تمام شواہد بھی ضعیف ہیں۔)

تفسیر ابن جریر میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس کی تخریج کے لیے ملاحظہ ہو محدث الالبانی رحمہ اللہ کا سلسلہ صحیحہ (۲۱۵۰)

اسی طرح قرآن کی سورۃ الجن میں بھی اللہ تعالیٰ نے جنوں کے کچھ اقوال ذکر فرمائے ہیں۔

اس شریعت کا تیسرا وصف اس کی کاملیت ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب عزیز میں فرمایا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لیے دین کے طور پر اسلام کو پسند کیا۔ (المائدہ: ۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لقد تركتم على مثل البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها إلا هالك)) میں تمھیں روشن (شریعت) پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد وہی شخص کج روی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔ (ابن ابی عاصم: ۴۷۔۴۹، سنن ابن ماجہ ح ۴۳، صحیح)

صحیح مسلم (حدیث: ۲۶۲) میں سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے (بطورِ تمسخر) کہا: تمھیں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز سکھائی ہے یہاں تک کہ قضائے حاجت کرنے کا طریقہ بھی! تو انھوں نے کہا: جی ہاں، ہمیں منع کیا ہے کہ ہم پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کریں اور اس دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا اور اس بات سے بھی کہ ہم تین پتھروں سے کم سے استنجا کریں اور ہڈی یا لید وغیرہ سے استنجا کرنے سے بھی منع فرمایا۔

یہ ثبوت ہے کہ شریعت مکمل ہے اور ایسے تمام امور کو شامل کیا ہے جن کی امت کو ضرورت رہتی ہے حتی کہ قضائے حاجت کے آداب تک سکھا دیئے گئے ہیں۔ صحیح مسلم ہی میں (حدیث: ۱۸۴۴) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**إنه لم يكن نبي قبلي إلا كان حقًا عليه أن يدل أمته على خير ما يعلمه لهم وينذرهم شر ما يعلمه لهم**)) مجھ سے پہلے جو بھی نبی گزرا اس کے ذمے تھا کہ جو بھلائی وہ جانتا ہے اس کی طرف اپنی امت کی رہنمائی کرے اور جس جس برائی کو جانتا ہے اس سے انہیں ڈرائے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیکی چھپا کر اس دنیا سے نہیں گئے دین کی سب باتیں امتیوں کو بتا دی ہیں۔)

صحیح بخاری میں (حدیث: ۵۵۹۸) ہے کہ ابوالجویریہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (مشروب) بادہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے فرما گئے: جو نشہ آور ہے وہ حرام ہے۔

نیز فرمایا: مشروب وہ ہے جو حلال اور طیب ہو اور حلال اور طیب کے بعد حرام اور خبیث کے سوا کچھ نہیں۔

بادہ مشروبات میں سے ایک (نشہ آور) قسم ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے اس کا اور اس کے

علاوہ تمام انواع کا احاطہ کر رکھا ہے۔اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ((ما أسكر فهو حرام)) ''جونشہ لائے وہ حرام ہے'' (صحیح بخاری:۵۵۹۸) کا عموم ہے۔اس حدیث کا عموم دلالت کرتا ہے کہ ہر نشہ آور چیز خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی یا بعد میں بنی ہو مائع یا جامد اور ٹھوس ہو حرام ہے جو ایسی نہ ہو وہ حلال ہے۔

سگریٹ جو بعد کے زمانے میں ایجاد ہوا اس کے بارے میں بھی وہی کہا جائے گا جو (بادہ) کے بارے میں کہا جا چکا ہے کہ شریعت اپنے عمومات سے اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾

اور آپ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷)

اور یہ طیبات میں سے نہیں بلکہ خبائث میں سے ہے اس لئے حرام ہی ہوگا، مزید برآں یہ ایسے امراض کا سبب بنتا ہے جو موت کے منہ میں لے جاتے ہیں اس میں مال کا ضیاع ہے اور اس کی بدبو لوگوں کی ایذا رسانی کا ذریعہ بنتی ہے۔ یہ تمام امور اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر گئے تو اپنے پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ نہ تھا جس کے بارے میں ہمارے پاس علم نہ ہو۔

(ابن حبان موارد الظمآن ۱/۱۶۸ح ۷۱)

[اس روایت کی سند ضعیف ہے، کیونکہ سفیان بن عیینہ مدلس ہیں اور روایت معنعن (عن سے) ہے۔/ حافظ زبیر علی زئی]

پرندوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں سے ہی ہمارے پاس وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

" نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل ذى ناب من السباع وعن كل ذي مخلب من الطير" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کچلیوں والے جانور اور

پنجہ (سے شکار کرنے والے پرندوں) سے منع کیا۔ (صحیح مسلم:۱۹۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلیل ہے کہ ہر پرندہ جو پنجوں سے شکار کرتا ہے وہ حرام ہے اور یہ حدیث آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جوامع الکلم میں سے ہے جو احکام میں سے ہیں۔ اسی طرح آپ نے جو خبریں دیں ان میں بھی جامعیت ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد: ((لو أنکم توکلون علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماصًا وتروح بطانًا))

اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمھیں اس طرح روزی دے جس طرح وہ پرندوں کو دیتا ہے۔ وہ صبح بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔ (ترمذی:۲۳۴۴ وقال حسن صحیح، ابن حبان ۲۵۴۸، الحاکم ۳۱۸/۴ وقال: ھذا حدیث صحیح الاسناد، النسائی فی الکبریٰ، طبعۃ جدیدۃ ۳۸۹/۱۰ ح ۱۱۸۰۵ وإسنادہ حسن)

اور یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن کا ابن رجب نے اربعین نووی میں اضافہ کیا ہے۔ امام ابن قیم اپنی تالیف اعلام الموقعین (۴۔۳۷۵، ۳۷۶) میں شریعت کی کاملیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: ”یہ قاعدہ اہم ترین اور مفید ترین ضابطہ ہے اور یہ ایک ہی بات پر مشتمل ہے اور وہ ہے بندوں کے لیے ضروری علوم، معارف اور اعمال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا عموم واشتمال اور یہ کہ انھوں نے اپنی امت کو اپنے بعد کسی کا ضرورت مند نہیں رہنے دیا۔ ان کی ضرورت صرف یہ ہے کہ ان تک کوئی وہ شریعت پہنچائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں دو عموم پائے جاتے ہیں اور دونوں محفوظ ہیں، یعنی ان میں کوئی تخصیص لاحق نہیں ہوتی۔ ایک عموم تو ان کے مخاطبین کے اعتبار سے ہے اور ایک عموم ان کی امت کی ضروریات کے اعتبار سے کہ اس میں دین کے اصول و فروع سب بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تو آپ کی رسالت کافی شافی اور عام ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور آپ پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک ان دونوں اعتباروں سے آپ کی رسالت کے عموم پر ایمان نہ لائے۔ مکلفین

میں سے کوئی آپ کے دائرہ رسالت سے باہر نہیں اور علوم و اعمال حقہ جن کی امت کو ضرورت ہو ان سب سے کوئی بھی آپ کی رسالت سے باہر نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو آسمان کی فضا میں اپنے پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ نہ تھا جس کے بارے میں امت کو علم نہ رہا ہو (ابن حبان موارد الظمان ۱/۱۶۸ ح ۱۷) اور انہیں ہر چیز سکھا دی حتی کہ قضائے حاجت، مباشرت کرنے، سونے جاگنے نشست و برخواست کے لئے، سوار ہونے، سواری سے اترنے، سفر وحضر، خاموشی اور کلام، خلوت و میل جول، امیری و غریبی، صحت و بیماری کے آداب، زندگی اور موت سے متعلق تمام احکام بیان کئے۔ اس کے ساتھ ساتھ عرش، فرشتوں، جنوں اور جنت جہنم کے اوصاف، قیامت کے احوال اور اس میں ہونے والے واقعات اس طرح بیان کرتے کہ کوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور ان لوگوں کو ان کے معبود برحق کا تعارف مکمل طریقے سے کرایا، گویا وہ اسے اس کی صفات کمال وجلال کے ذریعے سے دیکھ رہے ہوں اور مشاہدہ کر رہے ہوں۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا تعارف اور ان کے مابین ہونے والے واقعات اس طرح بتائے، گویا یہ ان میں موجود ہوں۔ اور خیر وشر کے چھوٹے بڑے ایسے راستے بتائے جو آپ سے پہلے کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائے، موت اور اس کے بعد پیش آنے والے برزخی احوال اور ان میں پیش آنے والے بدن اور روح کے لئے ثواب و عذاب کی ایسی تفصیل بیان فرمائی جو آپ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید، نبوت، آخرت کے دلائل اور اہل کفر وضلال کے تمام فرقوں کی تردید اس تفصیل سے کی کہ انہیں جان لینے کے بعد کسی اور کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہاں! انہیں صرف اس (مبلغ و عالم) کی ضرورت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ان تک پہنچائے اور ان میں سے جو ان کے لئے واضح نہ ہو اس کی وضاحت کر دے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جنگوں میں کی جانے والی تدابیر اور حکمت عملی سے بھی روشناس کرایا اور

بتایا کہ دشمن کا آمنا سامنا کس طرح کرنا چاہئے اور یہ کہ فتح وظفر تک پہنچنے کے راستے کون سے ہیں؟ جنھیں سمجھ کر اور اچھی طرح جان کر ان کا کماحقہ خیال رکھا جائے تو کوئی دشمن ان کے سامنے ٹھہرنے کی سکت ہی نہ رکھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ابلیس کی تمام چالبازیوں، اس کے مکروفریب دھوکا دھی کے طریقوں سے آگاہ کر دیا جنہیں اختیار کر کے وہ ان پر حملہ آور ہوتا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کے مکروفریب سے محفوظ کس طرح رہا جاسکتا ہے اور اس کے شر سے بچنے کے طریقے بتا دیئے جن پر اضافہ ناممکن ہے۔

اسی طرح افراد امت کو ان کے اپنے باطن کے احوال واوصاف اور اس کے پوشیدہ اسرار کے متعلق ایسی باتیں بتا دیں جن کے ہوتے ہوئے انہیں مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاش سے متعلق ایسی باتیں بتا دیں جنھیں سمجھ کر ان پر عمل کرلیں تو ان کی دنیا باعظمت طریقے سے ختم ہو جائے۔

غرضیکہ آپ دنیا وآخرت کی مکمل بھلائی کے ساتھ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے سوا کسی کا محتاج نہیں رہنے دیا تو یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی وہ شریعت جس سے اعلیٰ واکمل شریعت دنیا میں کوئی بھی نہیں، ناقص ہے اور اسے کسی ایسی سیاست لانے کی ضرورت ہے جو اس کی تکمیل کر سکے! اس میں قیاس کی ضرورت ہے یا حقیقت یا معقولات کے نام پر کسی خارجی چیز کی ضرورت ہے جو پہلے سے اس میں نہیں ہے! جو شخص ایسا سمجھتا ہے وہ گویا یہ گمان رکھتا ہے کہ لوگوں کو آپ کے بعد کسی اور رسول کی ضرورت ہے۔ اور اس کی کم نصیبی ہے کہ وہ اس فہم سے بے خبر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو بہرہ ور فرمایا تھا۔ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر اکتفا کیا، اسے کافی سمجھا اور اس کی بدولت اس کے سوا ہر چیز سے مستغنی ہو گئے اور انہوں نے اس کے ذریعے سے دلوں کو فتح کیا اور ملکوں کو بھی۔ اور آئندہ نسلوں کو یہ پیغام دے کر گئے: یہ چیز ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونپ کر گئے تھے اور ہم تمہیں سونپ رہے ہیں۔

لفظ سنت کے معانی

یہ شریعت کامل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام معنی کے ساتھ سنت ہے۔ اس لئے کہ لفظ سنت چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اول: کتاب وسنت میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ آپ کی سنت ہے اور یہی آپ کا طریقہ ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاربند تھے۔ اسی میں سے آپ کا یہ فرمان ہے:

((فمن رغب عن سنتي فليس منی))

جو میری سنت سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں۔

(صحیح بخاری:۵۰۶۳، صحیح مسلم:۱۴۰۱)

دوم: سنت حدیث کے معنی میں، جب اس لفظ کا عطف کتاب پر ہو۔ آپ کا یہ فرمان:

((يا ايها الناس إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدًا، كتاب اللّٰه وسنة نبيه صلى اللّٰه عليه وسلم)) لوگو! میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے تھام لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ (المستدرک ۱/۹۳ ح ۳۱۸)[1] نیز فرمایا:

((إني قد تركت فيكم شيئين لن تضلوا بعدهما كتاب اللّٰه وسنتي))

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑیں ان کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ (المستدرک ۱/۹۳ ح ۳۱۹ وھو حسن)

اور جب بعض علماء بعض مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مسائل کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہیں تو اس وقت سنت کا لفظ اسی معنی میں ہوتا ہے۔

---

(۱) اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے، کیونکہ اسماعیل بن ابی اویس جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔
نیز اس روایت کے بارے میں مہر محمد میانوالوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''صحیح ہے'' (شیعہ کے ہزار سوال کا جواب ص ۴۹۳) / حافظ زبیر علی زئی

سوم: سنت کا لفظ بدعت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، اس کی مثالوں میں سے سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((فإنه من يعش منكم فسيرى اختلافًا كثيرًا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة))

تم میں سے جو زندہ رہا بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ اس لئے میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر کاربند رہنا، اسے مضبوطی سے تھامنا اور دانتوں سے پکڑ لینا، اور (دین میں) نو ایجاد کاموں سے بہت اجتناب کرو کہ (دین میں) ہر نو ایجاد کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

(ابوداود: ۴۶۰۷ یہ الفاظ اسی کے ہیں، ترمذی: ۲۶۷۶ وقال: ''حسن صحیح''، ابن ماجہ ۴۲۔۴۴)

اور اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ بعض محدثین کا عقیدے کے موضوع پر اپنی تالیفات کا نام سنت رکھنا ہے۔ مثلاً:

[السنۃ: تالیف: محمد بن نصر المروزی] [السنۃ: تالیف: ابن ابی عاصم] [السنۃ: للا لکائی]

امام ابوداود کی سنن میں بھی کتاب السنۃ ہے جو عقیدے سے متعلق احادیث پر مشتمل ہے۔

چہارم: سنت کا لفظ مستحب اور مندوب کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے، یعنی وہ کام جس کے بارے میں حکم اس انداز سے دیا گیا ہے کہ اس کا کرنا پسندیدہ ہے۔ یہ استعمال فقہاء کے ہاں ہے اور اس کی مثالوں میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((لو لا أن أشق على أمتي لأ مرتهم بالسواك عند كل وضوء))

اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دے دیتا۔

(بخاری ۸۸۷۔ مسلم: ۲۵۲، البخاری: قبل ح ۱۹۳۴ تعلیقاً واللفظ لہ)

پس بے شک مسواک کے لئے استحبابی حکم تو موجود ہے، یہ حکم بطورِ ایجاب اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس میں امت کی مشقت کا ڈر تھا۔

سنتوں کے اتباع اور بدعتوں و گناہوں سے اجتناب کے متعلق آیات، احادیث اور آثار

کتاب اللہ میں بہت سی آیات وارد ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے صادر ہونے والے امور کی اتباع کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اس پر ابھارا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے (دینِ) حق اور ہدایت کی مخالفت کرنے، نیز شرک و بدعات اور معاصی کے ارتکاب سے روکا گیا ہے۔ ان میں سے اللہ عز وجل کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ اور بلاشبہ یہ میرا راستہ سیدھا راستہ ہی ہے تم اسی پر چلنا آوارہ راستوں پر نہ چلنا کہ ان پر چل کر اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا تمھیں اللہ حکم دیتا ہے تا کہ تم پرہیز گار بنو۔ (الانعام:۱۵۳)

نیز یہ فرمان: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق (حاصل) نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کریں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔ (الاحزاب:۳۶)

نیز فرمایا: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ پس جو لوگ آپ (ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔ (النور:۶۳)

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ''مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ڈرنا چاہئے اور اس (حکم) سے مراد آپ کا راستہ، آپ کا منہج، آپ کا طریقہ، آپ کی سنت اور آپ کی شریعت ہے۔'' اس لئے اقوال و اعمال کو آپ کے اقوال

واعمال کی میزان پر تولا جائے گا جو اس کے موافق ہوا مقبول ہوگا اور جو اس کے مخالف ہوگا اسے اس کے قائل وفاعل پر لوٹا دیا جائے گا (یعنی رد کر دیا جائے گا) خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

صحیحین وغیرہ میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے حکم (طریقہ ومنہج) کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔ (صحیح مسلم:۱۷۱۸)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی ظاہری یا باطنی طور پر مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ آفت کا شکار ہو جائیں، یعنی ان کے دلوں میں کوئی نفاق یا بدعت پیدا ہو جائے یا انہیں دردناک عذاب آئے، یعنی انہیں دنیا میں قتل یا حد شرعی کے نفاذ یا قید یا اسی قسم کی سزا کا سامنا کرنا پڑے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ (کی ذات) میں بہترین نمونہ موجود ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملاقات) اور روزِ قیامت (آنے) کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔ (الاحزاب:۲۱)

نیز فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیں! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ [آل عمران:۳۱]

ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے خلاف فیصلہ دے رہی ہے جو اللہ سے محبت کا دعوی کرتا ہے، لیکن طریقہ محمدیہ (ﷺ) پر نہیں ہے اس لئے کہ درحقیقت وہ جھوٹا ہے، تاوقتیکہ اپنے اقوال واعمال میں دین نبوی اور شرع محمدی ﷺ کی تابعداری کرے'' جیسا کہ صحیح (حدیث) میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ

ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ)) جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔ (مسلم: ۱۷۱۸)

اس لئے آپ نے فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ (آل عمران: ۳۱)

یعنی تمہیں اس سے کہیں زیادہ مل جائے گا جس کے تم اس کے ساتھ محبت کے صلہ میں طالب ہو، اور وہ ہے اس کی تمہارے ساتھ محبت۔ پہلی بات سے عظیم تر ہے، جیسا کہ اصل علم وحکمت میں سے کسی کا قول ہے: ''عظمت یہ نہیں کہ تم محبت کرو، عظمت اس سے ہے کہ تم سے محبت کی جائے۔''

سلف میں حسن بصری وغیرہ کا قول ہے کہ کچھ لوگوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے ان کی آزمائش کی:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

[یہ قول تفسیر طبری (۳/ ۱۵۵) میں موجود ہے، لیکن اس کی سند میں عباد بن منصور مدلس و ضعیف ہے۔]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ پس جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی انھیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ (البقرہ: ۳۸)

نیز فرمایا: ﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾

تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (طہٰ: ۱۲۳-۱۲۴)

نیز فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا

يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اسے خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ (النساء:٦٥)

نیز فرمایا: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ لوگو! جو تم پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نازل ہوا اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا رفیقوں (اولیاء) کی پیروی نہ کرو تم کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ (الاعراف:٣)

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ O وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾

اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے آنکھیں بند کرتا ہے، یعنی تغافل اختیار کرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور یہ شیطان انھیں اصل راستے سے روکتے رہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سیدھے راستے پر ہیں۔ (الزخرف:٣٦۔٣٧)

نیز فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾ مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف (ہی) رجوع کرو یہ بات بہت اچھی ہے۔ (النساء:٥٩)

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ﴾

اور تم جس بات میں اختلاف کرنے لگو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔ (الشوریٰ:١٠)

نیز فرمایا: ﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾

(اے پیغمبر) کہہ دو! اللہ کی فرماں برداری کرواور رسول (ﷺ) کے حکم پر چلو۔ اگر منہ موڑ و گےتو رسول (ﷺ) کے ذمہ تو صرف اس چیز کا ادا کرنا ہے جس کا اسے ذمہ دار بنایا گیا اور تمہارے ذمہ اس چیز کوادا کرنا ہے جس کے تم ذمہ دار بنائے گئے ہواور اگر تم اس کے حکم پر چلوتو سیدھا راستہ پاؤ گے۔اور رسول ﷺ کے ذمہ تو صاف صاف احکام الٰہی کا پہنچا دینا ہی ہے۔ (النور:۵۴)

نیز فرمایا:﴿ وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴾ سو جو چیز پیغمبر تمہیں دیں وہ لےلواور جس سے منع کریں اس سے باز رہواور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔(الحشر:۷)

نیز فرمایا:﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴾ اے ایمان والو! کسی بات کے جواب میں اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(الحجرات:۱)

نیز فرمایا:﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ج وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾
مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو، جبکہ وہ (رسول) تمہیں ایسے کام کے لئے بلاتے ہیں جو تمھیں زندگی (جاوداں) بخشتا ہے اور جان رکھو! اللہ (تعالیٰ)، آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اس کے رُوبرُو جمع کئے جاؤ گے۔(الانفال: ۲۴)

نیز فرمایا:﴿ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾
مومنوں کی بات تو یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان میں

فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے حکم سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اللہ کا خوف رکھے گا اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ (النور: ۵۱۔۵۲)

نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔ (الاحقاف: ۱۳)

نیز فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴾ جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ۔ (حم سجدہ: ۳۰)

نیز فرمایا: ﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ط﴾

کیا ان کے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ (الشوریٰ: ۲۱)

نیز فرمایا: ﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

تو جو لوگ اس (رسول) پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت اختیار کی اور اسے مدد دی اور جو نور اس کے ساتھ نازل ہوا اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

اور جب جن قرآن سننے کے بعد اپنی قوم کی طرف نصیحت کنندہ بن کر گئے تو ان کے متعلق فرمایا: ﴿ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍO وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾

اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، تمہارے گناہ بخش

دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا اس کے حمایتی ہوں گے، یہ لوگ صریح گمراہ ہیں۔(الاحقاف:۳۱۔۳۲)

اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جو سنتوں کی اتباع کرنے کی ترغیب دلاتی ہیں اور بدعتوں سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں اور ان کی خطرناکی واضح کرتی ہیں۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۱) آپ ﷺ کا یہ فرمان:

((مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ)) جس نے ہمارے دین میں ایسا کام ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔ (بخاری:۲۶۹۷،مسلم:۱۷۱۸)

صحیح مسلم میں ایک روایت ان الفاظ سے بھی وارد ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں تو وہ مردود ہے۔(مسلم:۱۷۱۸)

اور یہ دوسری روایت جو صحیح مسلم میں ہے معنی کے اعتبار سے پہلی روایت کی نسبت زیادہ عموم کی حامل ہے اس لئے کہ یہ بدعت کے موجد اور اس پر عمل کرنے والے دونوں کو شامل ہے اور یہ حدیث قبولیت اعمال کی دو شرطوں میں سے ایک، یعنی اتباع رسول ﷺ کے واجب ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے جو عمل بھی کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوتا، تاوقتیکہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں:

اول: اللہ وحدہ تعالیٰ کے لئے کامل اخلاص جس میں کوئی شائبہ نہ ہو اور یہی تقاضا ہے اس شہادت کا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

دوم: رسول اللہ ﷺ کے لئے کامل اتباع، اور یہ تقاضا ہے اس شہادت کا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مجموع الفتاویٰ (۱۸/۲۵۰) میں ہے کہ فضیل بن

عیاض رحمہ اللہ نے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ کہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کون کرتا ہے۔ (الملک: ۲) میں ''اچھے'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ خالص ترین اور درست ترین۔

(حلیۃ الاولیاء ۸/ ۹۵ وسندہ ضعیف)

یہ اس لئے کہ عمل اگر چہ خالص ہو، لیکن درست نہ ہو تو مقبول نہیں ہوتا اسی طرح اگر درست ہو، لیکن خالص نہ ہو وہ بھی مقبول نہیں ہوتا۔ اور قبولیت اس وقت پاتا ہے جب خالص اور درست ہو۔ خالص سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے لئے ہو اور درست سے مراد یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔

ابن کثیر رحمہ اللہ، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہو اسے چاہئے کہ عملِ نیک کرے اور پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ (الکہف: ۱۱۰) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ﴾ ''نیک عمل کرے'' سے مراد ہے کہ ایسا عمل کرے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق ہو۔ اور ﴿ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے'' سے مراد ہے کہ اپنا عمل بجالاتے وقت صرف اللہ وحدہ کی خوشنودی کا طلبگار رہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت پانے والے عمل کے یہ دو رکن ہیں۔

ضروری ہے کہ وہ اللہ کے لئے خالص ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق درست ہو۔ (تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبدالرزاق المهدی ۴/ ۴۵۲)

۲) سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ کیا اس قدر بلیغ کہ ہماری آنکھیں چھلک چھلک گئیں اور دل لرز لرز گئے تو ایک شخص عرض پرداز ہوا، اے اللہ کے رسول! یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ الوداعی خطاب ہے! تو آپ ہمیں کیا نصیحت فرماتے ہیں؟ فرمایا: میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، سمع وطاعت کو لازم پکڑنا خواہ

حکم دینے والا حبشی غلام ہو، تم میں سے جو زندہ رہا بہت اختلاف دیکھے گا، لہٰذا میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کا التزام کرنا اسے تھامے رکھنا اور اسے دانتوں سے پکڑ لینا۔ خبردار! نو ایجاد کاموں سے دور رہنا، ہر نو ایجاد کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ابوداود: ۴۶۰۷، یہ الفاظ بھی انہی کی روایت کے ہیں۔ ترمذی: ۲۶۷۶ وقال: ''حسن صحیح'' اور ابن ماجہ: ۴۳۔۴۴)

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد مبارک کے قریبی دور میں اختلاف رونما ہونے کی خبر دے دی تھی اور اس سے بچنے اور اس کے نقصانات سے محفوظ رہنے کے راستے کی طرف رہنمائی بھی فرما دی تھی، جو آپ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کے طریقہ کار کی پیروی اور بدعات اور نو ایجاد کاموں سے اجتناب سے عبارت ہے۔

آپ ﷺ نے سنت پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی اور اس کی ترغیب دلائی اور فرمایا:

((فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ)) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔

اور بدعات اور نو ایجاد کاموں سے ڈرایا اور فرمایا:

((وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

۳) امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (۸۶۷) میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرماتے تو کہتے:

((أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

اما بعد! بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین کام وہ ہیں جو نو ایجاد ہوں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

٤) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))

جس نے میری سنت سے بے رغبتی ظاہر کی وہ مجھ سے نہیں۔ (بخاری ۵۰۶۳، مسلم: ۱۴۰۱)

۵) نیز آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میں تم میں وہ کچھ چھوڑ رہا ہوں کہ اگر اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

نیز فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے ہوتے ہوئے کبھی گمراہ نہ ہو گے اللہ کی کتاب اور میری سنت۔ (حاکم ۹۳/۱ ح ۳۱۸ نیز دیکھئے ''الحدیث'' ۱۴ص ۴۰)

حجۃ الوداع کے متعلق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے اور اس میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے: ''میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اس کے ہوتے ہوئے تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے، بشرطیکہ اسے مضبوطی سے تھام لو۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور ہاں، تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ سب نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی اور خیر خواہی اور نصیحت کی۔ تو آپ نے انگشتِ شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھکایا اور کہا: اے اللہ! گواہ ہو جا، اے اللہ! گواہ ہو جا۔ تین بار ایسے فرمایا۔'' (صحیح مسلم: ۱۲۱۸)

٦) امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح (۷۲۸۰) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جو انکار کر دے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جنت میں جانے سے کون انکار کرتا ہے؟ فرمایا: جو میری اطاعت کرتا ہے جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا۔

۷) امام بخاری رحمہ اللہ (۷۲۸۸) اور امام مسلم (۱۳۳۷) نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ امام مسلم کی روایت کے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں تمھیں جس کام سے منع کروں اس سے اجتناب کرو اور جس چیز کا حکم دوں اسے اپنی طاقت کے مطابق انجام دو۔ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ وہ اپنے انبیاء سے بہت سوال کرتے اور ان سے بہت اختلاف کرتے تھے۔''

۸) آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع ہوجائے۔

[اس روایت کی سند ہشام بن حسان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے اضواء المصابیح فی تحقیق مشکوٰۃ المصابیح (۱۶۷)/ ز۔ع]

امام نووی رحمہ اللہ نے اربعین میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح قرار دیا ہے۔ اور حافظ رحمہ اللہ نے فتح الباری (۲۸۹/۱۳) میں کہا: بیہقی نے ''المدخل'' اور ابن عبدالبر نے اپنی تالیف ''بیان العلم'' میں حسن، ابن سیرین، شریح، شعبی اور نخعی رحمہم اللہ جیسے تابعین کی ایک جماعت سے جید سندوں کے ساتھ محض رائے سے کسی بات کے قائل ہونے کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ اور ان تمام امور کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جامع اور شامل ہے۔ تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو اسے حسن بن سفیان وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند کے راوی ثقہ ہیں اور نووی نے اربعین کے آخر میں اسے صحیح کہا ہے۔

۹) امام بخاری (۱۵۹۷) اور امام مسلم (۱۲۷۰) نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اسے بوسہ دیا اور کہا: ''میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے نبی ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ تمہیں بوسہ دیتے تھے تو میں تمہیں بوسہ نہ دیتا۔''

۱۰) امام مسلم رحمہ اللہ (۲۶۷۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہدایت کی طرف دعوت دے اسے اس کی اتباع کرنے والوں کے اجر کی مانند اجر ہے اس سے ان کے اجر میں کمی واقع نہ ہوگی اور جو گمراہی کی طرف بلاتے ہیں اسے اس کی پیروی کرنے والوں کے گناہوں کی مانند گناہ ہوگا، اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ جس طرح کتاب وسنت میں سنت کی اتباع کی ترغیب وتاکید اور بدعات سے اجتناب کی تلقین کے بارے میں نصوص وارد ہوئی ہیں اسی طرح سلف امت، یعنی

کتاب وسنت کی مثالی پیروی کرنے والے صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے زمانے کے صالحین سے بہت سے آثار وارد ہیں جن میں اتباع سنت کی تلقین کی گئی ہے بدعات سے متنبہ کیا گیا ہے اور ان سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے۔

ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " **اِتَّبِعُوْا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فَقَدْ كُفِيْتُمْ** " اتباع کرو بدعت اختیار نہ کرو، تمہاری کفالت کی جا چکی یعنی تمہیں خود رائی کی ضرورت نہیں۔

(دارمی: ۲۱۱)

[اس روایت کی سند اپنے تمام شواہد کے ساتھ ضعیف ہے۔ دیکھئے کتاب الزہد للوکیع (۳۱۵) السنۃ للمروزی (۷۸) وغیرہ / ز۔ع]

۲۔ عثمان بن حاضر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں گیا ان سے نصیحت کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا: ہاں! اللہ سے تقوی کو لازم پکڑ و استقامت اختیار کرو، اتباع کرو اور بدعت سے دور رہو۔ (دارمی: ۱۴۱)

[یہ روایت زمعہ بن صالح کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کے علاوہ السنۃ للمرزی (۸۳) میں ایک اور سند ہے، لیکن وہ بھی سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ / ز۔ع]

۳۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جسے اس بات سے مسرت ہوتی ہو کہ کل اللہ کے حضور مسلمان ہونے کی حالت میں پیش ہو، اسے چاہئے کہ جہاں اذان ہو ان نمازوں کو پابندی کے ساتھ (باجماعت) ادا کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت کے طریقے مقرر کئے اور یہ نمازیں بھی ہدایت کے طریقوں میں سے ہیں اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھنا شروع کر دی جیسا کہ جماعت سے پیچھے رہنے والے کرتے ہیں تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تارک ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴)

۴۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے اچھا ہی

خیال کرتے ہوں۔ (السنۃ للمروزی:۸۲ وسندہ صحیح)

۵۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نو ایجاد کاموں سے دور رہو اس لئے کہ جو بھی نو ایجاد کام ہے بلاشبہ گمراہی ہے۔ (ابوداود:۴۶۱۱ وسندہ صحیح)

۶۔ ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں تقدیر کے متعلق استفسار کیا تھا تو انہوں نے جواب میں تحریر کیا:

اما بعد! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ، اس کے معاملے میں میانہ روی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ثابت اور قائم ہو جانے کے بعد اہل بدعت نے جو ایجاد کیا اس سے اجتناب کرو کہ اس کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ تو تم سنت کا التزام کرو کہ یہی اللہ کے فضل وکرم سے تمہیں بچا کر رکھے گی۔

(ابوداود:۴۶۱۲)

[یہ روایت ابوالصلت اور ابورجاء (مجہولوں) کی وجہ سے ضعیف ہے۔/ ز۔ع]

۷۔ سہل بن عبداللہ کا قول ہے: ''علم میں جس کسی نے نئی چیز داخل کی اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا اگر سنت کے مطابق ہوئی تو بچ جائے گا وگرنہ نہیں'' (فتح الباری ۲۹۰/۱۳)

[یہ قول بے سند ہے۔/ ز۔ع]

۸۔ شیخ الاسلام ابوعثمان نیساپوری کا قول ہے: جو اپنے آپ پر سنت کو قول وفعل میں حاکم بنالیتا ہے اس کی زبان سے حکمت جھڑنے لگتی ہے۔ اور جو شخص اپنے قول وفعل میں خواہش نفس کو حاکم بنالیتا ہے اس کی زبان سے بدعت جاری ہو جاتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء:۲۴۴/۱۰ وسندہ صحیح)

۹۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص اسلام میں بدعت جاری کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اچھی ہے تو اس نے یہ سمجھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں خیانت کی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ تو جو چیز اس وقت دین نہیں تھی آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

(الاعتصام للشاطبی: ۱/۲۸)

[یہ قول بھی بے سند ہے۔/ ز۔ع]

۱۰۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے ہاں اہل سنت کے اصول یہ ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے طریقہ کی سختی سے پابندی اوران کی اقتداء، بدعات سے اجتناب، اور یہ اعتقاد کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ للا لکائی: ۳۱۷)

[سندہ ضعیف، اس سند کے دو راویوں علی بن محمد بن عبداللہ السکری اور ابو جعفر محمد بن سلیمان المنقری کے حالات مطلوب ہیں۔واللہ اعلم/ ز۔ع]

اصول کی طرح فروع میں بھی سنت کی اتباع لازم ہے

کتاب وسنت کے دلائل کے مطابق جس طرح عقیدے سے متعلقہ امور میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع واجب ہے،جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((**فإنه من يعش منكم فسيرى اختلافًا كثيرًا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين**)) کہ تم میں سے جو زندہ رہا بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا اس صورت میں میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے رکھنا۔(سنن ابی داود: ۴۶۰۷ مسند احمد ۴/۱۲۷ ح ۱۷۱۴۵، الموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۸/ ۳۷۵، الموارد ح ۱۰۲ مسند دارمی ۱/۴۵ ح ۹۶)

بعینہ اسی طرح فروعی مسائل جن میں اجتہاد جائز ہے، دلیل ظاہر ہو جانے پر ان میں بھی سنت کی اتباع لازم ہے۔اس امت کے سلف نے اسی طرح کی نصیحت کی جن میں ائمہ اربعہ، یعنی ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور امام احمد شامل ہیں۔ان کی نصیحت ہے کہ دلیل سے ثابت شدہ موقف کو اختیار کرنا چاہئے اور یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث وارد ہو تو اس کے خلاف ہونے کی صورت میں ان کے اقوال ترک کر دیئے جائیں۔

امام مالک کا یہ مقولہ تو زبان زد عام ہے: " **كل يؤخذ من قوله ويرد عليه إلا**

رســول الــلّٰــه ﷺ'' ہرایک کی بات پر عمل ہوسکتا ہے اور اسے رد بھی کیا جاسکتا ہے، ماسوائے رسول اللہ ﷺ کے (کہ آپ کا قول واجب الاتباع ہے ☆)

[☆ بے سند قول ہے۔ یہ قول سند متصل سے نہیں ملا۔ نیز دیکھئے مقدمۃ صفۃ الصلاۃ النبی ﷺ ص ۱۰۳]

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''لوگوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو اس کیلئے روا نہیں کہ کسی شخص کے قول کے سبب (سنت) چھوڑ دے'' (کتاب الروح لابن القیم ص ۳۹۵، ۳۹۶)

ابن قیم نے یہ قول نقل کرنے سے کچھ پہلے لکھا ہے کہ ''جو شخص علماء کے اقوال کو نصوص پر پیش کرتا ہے ان سے موازنہ کرتا ہے اور ان میں سے جو نص کے مخالف ہو اس کی مخالفت کرے تو ان کے اقوال بے وقعت کرنے یا ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ ان کی اقتداء کرنے والا بنتا ہے اس لئے کہ ان سب نے اسی کا حکم دیا ہے۔ تو ان کا حقیقی پیرو وہ ہوگا جو ان کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہو نہ کہ وہ جو اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو۔''

ائمہ مذاہب اربعہ کی فقہ سے اشتغال رکھنے والے بعض علماء سے بھی منقول ہے کہ وہ ائمہ کے اقوال کے دلائل صحیحہ سے ٹکراؤ کی صورت میں دلائل پر اعتماد کرتے تھے۔ چنانچہ اصبغ بن الفرج کہتے ہیں: ''حالت حضر میں (موزوں پر) مسح نبی ﷺ اور اکابر صحابہ سے ہمارے نزدیک قوی تر ہے اور اس قدر ثابت ہے کہ ہم اس کے مقابلے میں امام مالک کے قول کی اتباع نہیں کر سکتے۔'' (فتح الباری ۱/۳۰۶)

اور حافظ رحمہ اللہ فتح الباری (۱/۲۷۶) میں فرماتے ہیں: ''کتے کے برتن میں منہ ڈالنے کی صورت میں مالکی فقہاء اسے مٹی سے مانجھنا ضروری خیال نہیں کرتے۔ قرافی (مالکی) کہتے ہیں: اس بارے میں احادیث درجہ صحت کو پہنچی ہیں تو ان (مالکی فقہاء) پر تعجب ہے کہ انہوں نے ان کے مطابق قول اختیار کیوں نہیں کیا؟''

ابن عربی مالکی کہتے ہیں: ''مالکی فقہاء کہتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ سیدنا محمد ﷺ کے

لئے خاص تھی۔ہم کہتے ہیں کہ جس بات پر محمد ﷺ نے عمل کیا ان کی امت کو بھی ویسا ہی عمل کرنا چاہئے، کیونکہ اصل عدم خصوصیت ہے، وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے لئے زمین سکیڑ دی گئی اور جنازہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ہم کہتے ہیں کہ ہمارا رب اس پر قادر ہے اور یہ ہمارے نبی ﷺ کے شایان شان بھی تھا، لیکن وہی بات کہو جو روایت کے ذریعے سے تم تک پہنچی ہے، اپنی طرف سے بات نہ بناؤ۔۔اور صرف ثابت شدہ احادیث و روایات بیان کرو۔ضعیف روایات کو چھوڑو، کیونکہ اس کا نتیجہ نا قابلِ تلافی نقصان کی صورت میں نکلے گا۔" (فتح الباری:۱۸۹/۳، نیل الاوطار للشوکانی:۵۴/۴)

ابن کثیر رحمہ اللہ " والصلوٰۃ الوسطی "کے تعین کے بارے میں بحث کا خاتمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی کہ اس سے مراد عصر کی نماز ہے تو اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ کار ہی نہیں۔" پھر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: "میرا جو قول بھی ایسا ہو کہ نبی ﷺ سے بسند صحیح اس کے خلاف مروی ہو تو نبی ﷺ کی حدیث اولیت رکھتی ہے اس صورت میں میری تقلید نہ کرو۔" نیز فرمایا: "جب حدیث پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور میری رائے اس کے خلاف ہو (تو یوں سمجھو) میں اپنی اس رائے سے رجوع کر چکا ہوں اور میرا قول وہی ہے جو حدیث نبوی سے ثابت ہے۔"

یہ نقل کرنے کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں: "یہ چیز ان کی کمالِ امانت پر دلالت کرتی ہے۔بعینہ یہی بات ان کے تمام بھائیوں، یعنی ائمہ کرام نے کہی۔اللہ کی ان پر رحمت و رضوان ہو۔آمین۔اسی بنیاد پر قاضی ماوردی نے دوٹوک الفاظ میں لکھا ہے کہ امام شافعی کا موقف یہ ہے کہ صلاۃ وسطی نماز عصر ہے، حالانکہ انہوں نے جدید قول میں صراحت کی ہے کہ اس سے مراد فجر کی نماز ہے اور شافعی مذہب رکھنے والے محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس طریقہ پر ان کی موافقت کی ہے۔ **وللہ الحمد والمنة**"

(تفسیر ابن کثیر ۵۸۷/۱ بتحقیق عبدالرزاق المهدی)

حافظ ابن حجر فتح الباری (۲۲۲/۲) میں فرماتے ہیں: "ابن خزیمہ نے دو رکعتوں سے

اٹھتے وقت رفع الیدین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سنت ہے، اگرچہ شافعی نے اس کا ذکر نہیں کیا پس (اس کی) سند صحیح ہے اور شافعی کہہ چکے ہیں کہ سنت کے مطابق موقف اختیار کرو اور میرا قول چھوڑ دو۔"

فتح الباری (۹۵/۳) میں یہ بھی ہے کہ: "ابن خزیمہ نے کہا ہے کہ عالم کے لئے حرام ہے کہ سنت معلوم ہو جانے کے بعد اس کی مخالفت کرے۔"

فتح الباری (۴۷۰/۲) میں ہے کہ بیہقی نے معرفۃ (السنن والآ ثار ۵۴/۳ ح ۱۹۳۴ وسندہ صحیح) میں ربیع (شافعی کے تلمیذ خاص) کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا: "عورتوں کے عیدگاہ میں جانے کے متعلق ایک حدیث مروی ہے، اگر ثابت ہو تو وہی میرا قول ہے۔" ان کا اشارہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف تھا۔ اس لئے شوافع پر لازم ہے کہ اس کے قائل ہوں۔ امام نووی نے شرح مسلم (۴۹/۴) میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راھویہ کا کہنا ہے کہ اس بارے میں دو احادیث ہیں ایک سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی اور دوسری سیدنا براء رضی اللہ عنہ کی یہ موقف قوی تر ہے، اگرچہ جمہور اس کے خلاف ہیں۔"

حافظ ابن حجر نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ((أمرت أن أقاتل الناس)) کی شرح میں مانعین زکوۃ کے بارے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی بحث کا ذکر کر کے لکھا ہے: "اس قصے میں دلیل ہے کہ سنت اکابر صحابہ پر بھی مخفی رہ سکتی ہے، جبکہ ان میں سے عام آدمی اس پر مطلع ہو اس لئے سنت کے ہوتے ہوئے آراء کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھنا چاہئے، خواہ آراء بظاہر اچھی ہی کیوں نہ ہوں جب وہ سنت کے خلاف ہوں تو ان کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔ اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ سنت فلاں ہستی پر کیسے مخفی رہ گئی۔" (فتح الباری: ۷۶/۱)

اور فتح الباری (۵۴۴/۳) میں فرماتے ہیں: ھدی کو نشان لگانا سلف و خلف میں سے جمہور کا قول ہے۔ طحاوی نے "اختلاف العلماء" میں امام ابوحنیفہ سے اس کی کراہت نقل کی

ہے، جبکہ ان کے سوا ائمہ کا خیال ہے کہ سنت کی اتباع میں یہ مستحب ہے، حتیٰ کہ ان کے شاگردان خاص محمد اور ابو یوسف بھی اسے مستحسن قرار دیتے ہیں۔

تمام بدعات گمراہی ہیں کوئی بدعت حسنہ نہیں ہوتی

بدعات تمام کی تمام گمراہی اور ضلالت ہیں جس کی دلیل سیدنا جابر اور سیدنا عرباض رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ احادیث میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام ہے کہ ((كل بدعة ضلالة)) ہر بدعت گمراہی ہے [سنن ابی داود: ۴۶۰۷] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ((كل بدعة ضلالة)) کا عموم واضح کر رہا ہے کہ جو شخص کہتا ہے یا سمجھتا ہے کہ اسلام میں کوئی بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے تو اس کا یہ قول اور زعم باطل ہے۔ مزید برآں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف ان سے مروی اثر میں قریب ہی گزرا ہے کہ "كل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة" ہر بدعت گمراہی ہے، خواہ لوگ اسے اچھا ہی سمجھیں، [السنۃ للمروزی: ۸۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: ((من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها بعده من غير أن ينقص من أجورهم شيئ ومن سن في الإسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غير أن ينقص من أوزارهم شيئ))

جس نے اسلام میں کوئی اچھا نمونہ قائم کیا تو اسے اپنے اس عمل کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد اس پر تمام عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو، اور جس نے اسلام میں برا نمونہ قائم کیا تو اس کے سر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کا بھی، بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے بوجھ میں کوئی کمی واقع ہو۔ (مسلم: ۱۰۱۷) سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اسلام میں بدعت حسنہ بھی ہوتی ہے، ہرگز روا نہیں، اس لئے کہ اس سے مراد ثابت شدہ نیک اعمال کی طرف سبقت کرنا ہے (نہ کہ بدعت جاری کرنا) جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور فرمان نبوی سے پہلے اس کا سبب بتایا گیا ہے

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ مدینہ آئے ان پر فقر و فاقہ کے آثار ظاہر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دلائی تو انصار میں سے ایک شخص ایک تھیلی لے کر آیا جسے اٹھانے سے اس کا ہاتھ عاجز آ رہا تھا (اس کے بعد لوگ پے در پے صدقات لے کر آئے) تو اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((من سن فی الإسلام سنة حسنة)) [حوالہ مذکور ہے] اسی طرح ایسے علاقے میں جہاں نبی اکرم ﷺ کی کوئی ثابت شدہ سنت معروف نہ رہی ہو تو اسے وہاں زندہ کرنا بھی اس کے مفہوم میں شامل ہوگا، لیکن اس سے یہ معنی مراد لینا کہ دین میں نو ایجاد امور کو شامل کر دیا جائے تو یہ ہرگز روا نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا فرمان ذکر کیا جا چکا ہے: ((من أحدث فی أمرنا ھذا مالیس منه فھو رد)) جس نے ہمارے اس دین میں نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۹۷ وصحیح مسلم: ۱۷۱۸)

اس لئے کہ شریعت مکمل ہے۔ بدعات اور نو ایجاد کاموں کی محتاج نہیں اور بدعات ایجاد کرنا درحقیقت شریعت پر نامکمل اور ناقص ہونے کا الزام لگانے کے مترادف ہے اور قریب ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے۔ ''کل بدعة ضلالة وإن رآھا الناس حسنة'' ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے اچھا ہی سمجھیں۔ (السنۃ للمروزی: ۸۲)

اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی کہ جس نے اس میں کوئی بدعت نکالی اور اسے اچھا سمجھا تو اس نے یہ گمان کیا کہ سیدنا محمد ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچانے میں خیانت کا ارتکاب کیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے'' تو جو کام اس روز دین نہیں تھا آج بھی دین نہیں ہو سکتا۔ (دیکھئے الحدیث: ۱۵ ص ۳۳)

جہاں تک سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو نمازِ تراویح میں ایک امام پر جمع کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایک مسنون عمل کو ظاہر کرنے اور سنت کو زندہ کرنے کی مثال ہے، اس لئے کہ خود نبی ﷺ نے رمضان کی بعض راتوں میں لوگوں کو قیام رمضان کی نماز پڑھائی تھی۔ اور اسے

مستقل طور پر ادا کرنا امت پر اس قیام کے فرض ہونے کے خدشے سے ترک کیا تھا، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے۔ (حدیث:۱۱۲۹)

اور جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو سلسلہ وحی کے منقطع ہو جانے کے سبب فرض ہونے کا خدشہ جاتا رہا، تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ تراویح کے متعلق یہ جو کہا ''نعم البدعة هذه'' یہ اچھا آغاز ہے۔(بخاری:۲۰۱۰) تو یہاں لفظ ''بدعت'' اپنے شرعی مفہوم میں نہیں لغوی مفہوم میں ہے۔

لغوی ''بدعت'' (آغاز) اور شرعی ''بدعت'' (نوایجاد) کا فرق

لغوی مطالب عام طور پر شرعی مفاہیم سے وسیع تر ہیں، زیادہ تر شرعی مفہوم لغوی معنی کا جز ہوتا ہے۔ تقوی، صیام (روزہ) حج، عمرہ اور بدعت کے الفاظ اس کی مثالیں ہیں۔ چنانچہ تقوی کا لغوی معنی یہ ہے کہ انسان اپنے اور ایسی چیز کے درمیان جس سے وہ خوف محسوس کرتا ہے بچاؤ کے لئے کوئی چیز رکھ لے جو اسے دوسری چیز کے شر سے محفوظ رکھے، جیسا کہ سورج کی گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں یا خیمے لگائے جاتے ہیں۔ زمین پر بڑی اشیاء کے ضرر سے بچنے کے لئے جوتے استعمال کئے جاتے ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں اللہ سے تقوی کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے اور اللہ کے غضب کے درمیان کوئی ایسی چیز رکھے جو اسے غضبِ الٰہی سے محفوظ رکھے اور یہ اس کے احکام بجالانے اور اس کی ممنوعات سے پرہیز کرنے سے ہوگا۔

صیام (روزہ) لغت میں رکنے کو کہتے ہیں، جبکہ شریعت کی اصطلاح میں خاص قسم کے رکنے کو کہتے ہیں۔ اور وہ ہے کھانے پینے اور روزہ افطار کرنے کے جملہ اسباب سے طلوع فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک پرہیز کرنا۔

حج لغت میں ہر ارادہ وقصد کو کہتے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں خاص مناسک کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔

عمرہ لغوی طور پر ہر زیارت کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں کعبہ کی زیارت جو اس کا طواف، صفامروہ کی سعی اور حلق یا تقصیر سے عبارت ہے۔

اسی طرح لغت میں ہر وہ چیز جو پہلے سے مثال نہ ہوتے ہوئے نئی ایجاد کی جائے اور شرعی اصطلاح میں وہ عمل واعتقاد ہے جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو اور یہ سنت کی ضد ہے۔

مصالح مرسلہ بدعات میں سے نہیں

مصلحت مرسلہ ایسی مصلحت کو کہتے ہیں کہ کوئی شرعی دلیل اس کے اعتبار کرنے یا اس کے ساقط کرنے پر دلالت نہ کرے۔ جبکہ وہ کسی شرعی مقصد کو پورا کرتی ہو، جیسا کہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں جمع قرآن، کتابوں کا لکھا جانا اور بیت المال سے وظیفہ لینے والوں کا ریکارڈ محفوظ کرنا۔ شریعت میں کوئی نص ان امور کے ثبوت یا ممانعت میں وارد نہیں۔ جہاں تک جمع قرآن کا تعلق ہے تو یہ ذریعہ ہے اس کے محفوظ رہنے کا اور اسی کی بدولت اس کا کوئی حصہ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اور اسی سے اللہ عزوجل کا فرمان: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم ہی نے قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے'' (الحجر:۹) پورا ہوا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھی تو وہ متردد تھے، انہوں نے کہا: میں ایسا کام کیوں کرسکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بہتر ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس امر پر بار بار کہتے رہے حتی کہ اللہ نے مجھے شرح صدر عطا کیا اور میں عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق ہو گیا۔ (بخاری:۴۶۷۹)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحیفوں میں جمع کیا تھا، جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے ایک مصحف میں جمع کیا۔ رجسٹروں اور ریکارڈوں کی تیاری سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی۔ جب فتوحات بکثرت ہوئیں، غنیمت اور فیئ کی صورت میں وافر مال بیت المال میں آ گیا تو

لشکریوں اور بیت المال سے وظیفہ لینے والے دیگر افراد کے ناموں کا ریکارڈ رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ یہ نظام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے پہلے وجود میں نہ آیا تھا، جبکہ یہ عمل ذریعہ ہے مستحق افراد کے حقوق کی یقینی ادائیگی کا۔اور سد باب ہے ان میں سے کسی کے محروم رہ جانے کے خدشے کا ، لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض بدعات کو مصالح مرسلہ میں شامل کر کے حسن قرار دیا جا سکتا ہے۔اس لئے کہ مصالح مرسلہ میں شریعت کے مقرر کردہ کسی مقصد کو پورا کیا جاتا ہے، جبکہ اس کے برخلاف بدعات میں شریعت پر ناقص ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے قول میں گزر چکا ہے۔

نیت اچھی ہونے کے ساتھ سنت کی موافقت بھی ضروری ہے

بدعات کے معاملے کو معمولی سمجھنے والوں کی طرف سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے بدعت کا مرتکب ہوتا ہے اس کی نیت تو اچھی ہے اس لئے اس اعتبار سے اس کے عمل کو بھی اچھا ہی کہا جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مقصد نیک ہونے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عمل سنت کے مطابق ہو اور یہ بھی نیک عمل کی قبولیت کی دو شرطوں میں سے ایک ہے جن کا تذکرہ ہو چکا ۔ یہ دو شرطیں ، اللہ کے لئے اخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہیں۔

اور وہ حدیث گزر چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نو ایجاد بدعات ایسا عمل کرنے والوں کو لوٹا دی جاتی ہیں (اللہ تعالیٰ کے حضور شرف قبولیت نہیں پا سکتیں) متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((من أحدث فی أمرنا ھذا مالیس منه فھو رد)) جس نے ہمارے دین میں ایسا عمل ایجاد کیا جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے۔(بخاری:۲۶۹۷، مسلم:۱۷۱۸)

صحیح مسلم کے الفاظ یوں ہیں: ((من عمل عملا لیس علیه أمرنا فھو رد))
جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے طریقہ پر نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔(صحیح مسلم:۱۸/۱۷۱۸)

اور مقصد نیک ہونے کے ساتھ سنت کی اطاعت ضروری ہونے کے دلائل میں اس صحابی کا قصہ بھی ہے جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((شاتك شاة لحم)) تمہاری وہ ذبح کی بکری ایسی ہے جس طرح گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی بکری ہوتی ہے (قربانی شمار نہیں ہوگی)۔

(بخاری:۹۵۵، مسلم:۱۹۶۱)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (۱۰/۱۷) میں لکھا ہے: ''شیخ ابو محمد بن ابی جمرہ کا قول ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ عمل اگرچہ اچھی نیت سے کیا گیا ہو اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔''

سنن دارمی (۲۱۰) میں صحیح سند کے ساتھ مذکور اس واقعہ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے: ''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھے لوگوں کے پاس آئے جن کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں۔ ان میں سے ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو۔ اور وہ کنکریوں پر شمار کر کے سو بار اللہ اکبر کہتے، پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ کہو۔ سو بار سبحان اللہ کہو۔ اور لوگ اسی طرح کرتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا: یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ابو عبدالرحمٰن ہم تکبیر تسبیح تھلیل کنکریوں پر شمار کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: تو تم اپنے گناہ شمار کرو (یعنی ان اعمال سے توبہ کرو تو) میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ اے محمد ﷺ کی امت! تم پر افسوس ہے تم اس قدر تیزی سے ہلاکت کی طرف لڑھک گئے۔ یہ تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ وافر تعداد میں موجود ہیں۔ یہ آپ ﷺ کے ملبوسات ہیں جو ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے۔ ابھی آپ ﷺ کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یا تو تم ایسے طریقہ پر ہو جس میں ملت محمدیہ سے بھی زیادہ ہدایت پائی جاتی ہے یا تم گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔ وہ کہنے لگے: ابو عبدالرحمٰن! ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی کا ہے۔ ابن مسعود

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلائی کا ارادہ کرنے والے کتنے لوگ ایسے ہیں جو اسے پا نہیں سکتے۔ ملاحظہ ہو السلسلہ الصحیحہ لمحدث الالبانی رحمہ اللہ (ح:۲۰۰۵)[اس کی سند حسن ہے]

بدعات کے خطرات اور اس حقیقت کا بیان کہ ''یہ گناہوں'' سے بدتر ہیں

بدعات کا معاملہ گھمبیر اور ان کا قضیہ غیر معمولی ہے۔ان کے برے اثرات بہت وسیع ہیں، یہ عام گناہوں اور نافرمانیوں سے زیادہ خطرناک ہیں، کیونکہ عام گناہ کا مرتکب جانتا ہے اور مانتا ہے کہ وہ حرام میں ملوث ہے، کبھی نہ کبھی اسے چھوڑ کر تائب ہو جاتا ہے جب کہ بدعت کا رسیا یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے، اس لئے مرتے دم تک اسی پر ڈٹا رہتا ہے، جبکہ وہ اپنی خواہشات نفس کا پیرو ہوتا ہے اور راہ راست سے بھٹکا ہوا رہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ بھلا وہ شخص جسے اس کے اعمال بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ انھیں نیکی سمجھنے لگے تو وہ (بھلا راہ راست پر کیسے آئے گا؟) بلاشبہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔(فاطر:۸)

نیز فرمایا: ﴿اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ﴾ بھلا جو شخص اپنے رب کی مہربانی سے واضح ہدایت پر ہو، وہ ان لوگوں کے مانند ہو سکتا ہے جنھیں ان کے برے اعمال مزین کر کے دکھائے جائیں اور وہ اپنی خواہشات کے غلام بن کر رہ گئے ہوں۔ (محمد:۱۴)

نیز فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾

اور اپنی خواہش کے پیچھے نہ لگو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی۔(صٓ:۲۶)

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ﴾ اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔(القصص:۵۰)

اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن اللّٰه حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته))

اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی سے توبہ کو اوجھل کر رکھا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنی بدعات کو چھوڑ دے۔

اس حدیث کو منذری نے ترغیب وترہیب (۸۶) ترک سنت اور بدعات کے ارتکاب اور خواہشات کی پیروی کرنے کی وعید میں ذکر کیا ہے، نیز فرمایا: اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔ (ملاحظہ ہو سلسلہ صحیحہ للالبانی: ۱۶۲۰)

اعتقادی، فعلی اور قولی بدعات

بدعات کی متعدد اقسام ہیں: یہ اعتقادی بھی ہوتی ہیں، قولی بھی اور فعلی بھی۔ فعلی بدعات میں سے کچھ ایسی ہیں جن کا تعلق جگہوں کے ساتھ ہے اور کچھ کا تعلق اوقات کے ساتھ ہے۔

اعتقادی بدعات کی مثالوں میں سے خارجیوں، رافضیوں اور معتزلہ وغیرہ کی بدعات شامل ہیں۔ ان لوگوں کا زیادہ تر اعتماد علم کلام پر اور کچھ جھوٹی اور گھڑی ہوئی روایات پر ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ، جامع بیان العلم وفضلہ (۹۵/۲) میں لکھتے ہیں: ''تمام علاقوں کے فقہاء محدثین کا اجماع ہے کہ علم کلام پر اعتماد کرنے والے بدعتی اور بھٹکے ہوئے لوگ ہیں اور ان تمام حضرات کے نزدیک بدعتیوں کا شمار علماء کے طبقات میں سے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ علماء کا لقب صرف ان کے لئے ہے جو احادیث وآثار کے علم سے وابستہ ہوں اور ان میں فقہ استنباط میں مصروف ہوں اور اسی میں تخصص اور مہارت کے اعتبار سے ان کے مراتب ہوں۔''

قولی بدعات میں بول کر نیت کرنا ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں: میں نیت کرتا ہوں کہ اتنی نماز پڑھوں، میں آج کے روزے کی نیت کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

اس سے صرف حج اور عمرہ کے مناسک مستثنیٰ ہیں۔ عمرہ کرنے والا کہتا ہے: '' لبيك عمرة ''

چنانچہ حج افراد کرنے والا کہتا ہے "**لبیك حجًا**" اے اللہ! میں حج کے ارادے سے لبیک کررہا ہوں اور قران کرنے والا کہتا ہے "**لبیك عمرة و حجًا**" اس لئے کہ سنت میں اس کا ثبوت وارد ہے۔

اسی قسم سے کسی کی جاہ یا ذات کا واسطہ دے کر دعا کرنا ہے۔ اس طرح کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی ثابت سنت میں وارد نہیں ہیں۔ قولی بدعات میں سے بعض کفریہ بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً قبروں میں مدفون لوگوں کو پکارنا، ان سے مدد کا خواستگار ہونا اور مشکل کشائی اور حاجت روائی کا طلبگار رہونا۔ اور ان سے ایسی چیزیں مانگنا جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں مانگی جاسکتیں۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ (الجن:۱۸)

نیز فرمایا: ﴿ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ بھلا کون لاچار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون اس کی تکلیف دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے؟ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ ہرگز نہیں! مگر تم بہت کم غور کرتے ہو۔

(النمل:۶۲)

جہاں تک اس کے مرتکب کو کافر قرار دینے کا معاملہ ہے تو ایسا اس پر اتمام حجت کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اہل علم میں سے ایک بڑی جماعت کا بھی یہی موقف ہے۔ تطہیر الاعتقاد و شرح الصدور کے مقدمہ میں، میں نے ان میں سے سات کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے سرفہرست امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ ہیں اور آخر میں امام محمد بن عبدالوھاب رحمہ اللہ ہیں۔

عملی بدعات مکانی بھی ہیں اور زمانی بھی۔ مکانی بدعات، یعنی جن کا تعلق مقامات

کے ساتھ ہے ان میں سے ایک قبروں پر بطورِ تبرک ہاتھ پھیرنا اور انہیں بوسہ دینا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ مجموع شرح المہذب (۲۰۶/۸) میں نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کے گرد بنائی گئی دیوار کو بوسہ دینے اور اس پر ہاتھ پھیرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''عوام کا کثیر تعداد میں مخالف شرع کاموں میں مبتلا ہونے سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ عمل صرف صحیح احادیث پر اور (ان کی روشنی میں) علماء کے فتاوی پر ہوتا ہے، عوام کے ایجاد کردہ اعمال اوران کی جہالتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ صحیحین میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد)) جس نے ہمارے اس حکم (دین) میں ایسے کام کا اضافہ کیا جو اس میں نہیں ہے تو وہ کام مردود ہے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸)

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا تجعلوا قبري عيدًا ، وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيثما كنتم))

میری قبر کو عید (میلہ گاہ) نہ بنا لینا اور مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو (اس حدیث کو ابوداود نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)

(سنن ابی داؤد: ۲۰۴۲ و إسنادہ حسن)

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کا قول ہے، جس کا معنی یہ ہے: ''ہدایت کے راستے اختیار کرو اور ان پر کاربند رہو، ان پر چلنے والے اگر تعداد میں کم ہوں گے تو بھی تم پر کچھ ضرر نہیں۔ گمراہی کے راستے پر چلنے سے بچو اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت تعداد سے دھوکا نہ کھاؤ۔'' اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ ہاتھ وغیرہ سے ان کو چھونا زیادہ باعث برکت ہے تو یہ اس کی بھول اور جہالت ہے، کیونکہ برکت شریعت کے مطابق عمل میں ہے۔ حق کی مخالفت میں فضیلت اور برکت کہاں؟'' (مجموع ۲۷۵/۸)

[یہ بے سند قول ہے۔ / ز۔ع]

زمانی، یعنی اوقات کے ساتھ تعلق رکھنے والی بدعات میں سے ایک میلاد کے نام سے

تقریبات ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کا جشن ولادت ، یہ چوتھی صدی ہجری کی ایجادات میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ، آپ کے خلفاء اور آپ کے صحابہ سے اس بارے میں کچھ بھی وارد نہیں بلکہ تابعین اور اتباع تابعین سے بھی کچھ مروی نہیں۔ پہلی تین صدیاں اس بدعت کے ایجاد ہونے سے پہلے گزر گئیں۔ اس عرصے میں تالیف ہونے والی کتابیں میلاد (منانے) کے تذکرہ سے خالی ہیں۔ یہ بدعت چوتھی ہجری میں ایجاد ہوئی۔ عبیدی جو مصر کا حاکم تھا، اس کا موجد ہے۔ تقی الدین احمد بن علی المقریزی اپنی تالیف المواعظ بذکر الخطط والآثار (۱/۴۹۰) میں لکھتے ہیں:

''فاطمیوں کے ہاں سارا سال میلے اور جشن جاری رہتے۔ انہوں نے ان کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بہت زیادہ ہیں۔ انہی میں رسول اللہ ﷺ کا مولود، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مولود، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مولود، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا مولود اور خلیفہ وقت کا مولود بھی شامل تھے۔''

حافظ ابن کثیر اپنی تالیف البدایہ والنہایہ میں ۵۶۷ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اسی سال ان کے آخری بادشاہ ''العاضد'' کی وفات کے ساتھ ان کے اقتدار کا خاتمہ ہوا.... ان کے دور حکومت میں بدعات و منکرات کا غلبہ رہا.... فسادیوں کی کثرت اور علماء وعباد کی قلت رہی....''

اس سے کچھ ہی پہلے حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے تمام مصر میں حی علی خیر العمل کے کلمات اذان سے نکلوائے اس موضوع پر شیخ اسماعیل بن محمد انصاری رحمہ اللہ کی ''القول الفصل فی حکم الاحتفال بمولد ختم الرسل'' بہترین تالیف ہے۔

اور یہ امر تو شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں نبی کریم ﷺ کی محبت اس کے والدین، اولاد اور تمام جہان کی محبت سے بڑھ کر ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من ولده ووالده والناس أجمعين))

تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (صحیح مسلم:۴۴)

اور آپ ﷺ کی محبت آپ ﷺ کے طریقہ کے مطابق چلنے کا نام ہے، نو ایجاد بدعات اختیار کرنے کا نہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (اے نبی ﷺ!) لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (آل عمران:۳۱)

بعض شخصیات کے اعتبار سے لوگوں کو جانچنے کی بدعت

اس زمانے میں رونما ہونے والی بدعات میں سے ایک نہایت بری بدعت اہل سنت میں سے بعض افراد کا لوگوں کو شخصیات کے اعتبار سے جانچنے کی بدعت ہے۔ خواہ ایسا جانچے جانے والے فرد کے ساتھ دوستی اور بے مروتی کی بنا پر کیا جائے یا معیار بنائے جانے والی شخصیت کے بارے میں غلو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر امتحان دینے والے کی مرضی کے مطابق جواب ہے تو اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور یہ مدح وتوصیف میں رطب اللسان ہو جاتا ہے اور اگر دوسری صورت ہو تو کسوٹی پر رکھے گئے شخص کو بدعتی قرار دیا جاتا ہے۔ نا قابلِ اعتبار کہہ کر اس سے کنارہ کشی کرلی جاتی ہے اور لوگوں کو بھی اس سے دور رہنے کی تلقین شروع ہو جاتی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی سے اقتباسات نقل کر رہے ہیں جن میں سب سے پہلے لوگوں کو شخصیات کی کسوٹی پر پرکھنے کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔ اور آخر میں کچھ شخصیات میں غلو کرتے ہوئے انھیں معیار قرار دینے کو بدعت کہا گیا ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مجموع فتاوی (۴۱۳/۳) میں یزید بن معاویہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس بارے میں صحیح طریق کار وہ ہے جو ائمہ نے اختیار کیا کہ نہ اس سے خصوصی محبت رکھی جائے اور نہ اسے لعن طعن کا نشانہ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ فاسق اور ظالم بھی ہو تو اللہ تعالیٰ فاسق اور ظالم کو معاف کرنے والا ہے خاص طور پر جب وہ بڑے نیک اعمال بھی بجالایا ہو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدہ ام حرام (رضی اللہ عنہا) سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفورلهم**)) میری امت میں سے جو پہلا لشکر قسطنطنیہ پر حملہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش پائے گا۔ (بخاری:۲۹۲۴)

اور جس لشکر نے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کیا اس کا امیر یزید بن معاویہ تھا اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے، لہٰذا اس معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے کہ یزید بن معاویہ کا اس طرح ذکر کر کے مسلمانوں کا امتحان نہ لیا جائے، کیونکہ ایسا کرنا اہل سنت والجماعت کے طریقے کے خلاف ایجاد کی جانے والی بدعات میں سے ہے۔''

[یزید کا قسطنطنیہ پر حملہ آور پہلے لشکر میں شامل ہونا باسند صحیح ثابت نہیں ہے، نیز دیکھئے علمی مقالات (ج۱ص۳۰۵) / ز۔ع]

مزید فرماتے ہیں: ''اسی طرح امت میں افتراق پیدا کرنا اور افراد امت کو ایسے معیار پر پرکھنا جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا (بدعات میں سے ہے)''

(فتاوی:۴۱۵/۳)

نیز فرمایا: ''کسی کو حق نہیں ہے کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا) کسی خاص شخصیت کو معیار بنا کر اس کے طریقے کی دعوت دینا شروع کردے اور اسے دوستی اور دشمنی کی بنیاد بنالے اور نہ ایسا کرنا چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام اور اجماع امت کے سوا کسی کی بات کو کسوٹی بنالے اور اسی کو دوستی اور دشمنی کی بنیاد بنالے۔ ایسا کرنا اہل سنت کا طریقہ نہیں بلکہ یہ اصل

بدعتیوں کی روش ہے جو کسی شخصیت یا کلام کو معیار بنا لیتے ہیں اور اسے امت کے درمیان تفرقہ کا ذریعہ بناتے ہیں۔اسی بات یا اسی نسبت سے محبت کرتے یا دشمنی رکھتے ہیں''

(فتاوی: ۲۰/۱۶۴)

اور (فتاوی ۲۸/۱۵۔۱۶) میں فرماتے ہیں: ''اگر معلم یا مربی حکم دے کہ فلاں شخص سے قطع تعلق کرلو، یا اس کی توہین کرو، یا اسے نظروں سے گرادو، یا اس کو دور کرو تو دیکھنا چاہئے اگر اس شخص نے کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو شریعت کی نگاہ میں گناہ ہے تو اسے اس کے جرم کے مطابق سزا دی جائے گی اس سے زیادہ نہیں اور اگر شرعی لحاظ سے اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا تو صرف استاد یا کسی اور کی خواہش پر اسے سزا نہیں دی جاسکتی۔''

[اس بہترین کلام میں ان کاغذی تنظیموں و جماعتوں کے اُمراء کا رد ہے جو اپنے مامورین و متبعین کو تنظیم پرستی اور حزبیت کی تعلیم دیتے ہوئے اپنے مخالفین سے بائیکاٹ اور دوری کا حکم دیتے ہیں۔/ ز۔ع]

اساتذہ کا کام لوگوں کے تعلقات خراب کرنا اور ان کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرنا نہیں بلکہ نیکی کے کاموں میں باہم تعاون کرنے والے کو بھائی بھائی بنانا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۠ ﴾

اور نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔ (المآئدہ:۲)

اگر اس زمانے میں لوگوں کو اس طرح پرکھنا روا ہوتا کہ معلوم کیا جاسکے کہ کون اہلِ سنت اور کون دوسروں میں سے ہے تو اس لحاظ سے سب سے زیادہ حق رکھنے والی شخصیت شیخ الاسلام، مفتی عالم، امام اہل السنۃ فی زمانہ ہمارے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (متوفی ۲۷ محرم ۱۴۲۰ھ) رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اجر عظیم عطا فرمائے کہ ہر خاص و عام ان کی وسعتِ علم اور عموم نفع، صداقت، شفقت، نرم دلی، لوگوں

کی ہدایت واستقامت کی حرص کا شاہد ہے۔ہم ان کے بارے میں یہی گمان رکھتے ہیں۔

ولا نزکی علی اللّٰہ أحدًا

ان کا دعوت الی اللہ(لوگوں کو بھلائی کی تعلیم وترغیب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) میں منفرد انداز تھا۔نرم خوئی اور ملائمت جس کا طرہ امتیاز تھا۔جو ان کی ہر نصیحت اور دوسروں کے جوابات میں مترشح ہوتا تھا جس میں اہل سنت کے ساتھ مقابلہ آرائی کے بجائے ان کی رہنمائی ہوتی ۔ان میں محاذ آرائی کے بجائے ان کی ترقی کی فکر کارفرما ہوتی جس پر چل کر وہ عروج کی منزلیں طے کر سکتے ہیں اور عیوب ونقائص سے محفوظ ہو سکتے ہیں۔ایسا طریقہ جوافتراق کومٹاتا اوراتفاق پیدا کرتا ہے،ٹوٹے ہوؤں کو جوڑتا ہے جڑے ہوؤں کوتوڑتا نہیں،جس میں بناؤ ہی بناؤ ہے بگاڑ نہیں،جس میں تعلیمات نبویہ کے مطابق لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنا مقصود ہے دشواریوں سے دوچار کرنا نہیں۔علماءاور طالب علموں کو(مسلمانوں کی بھلائی کے حصول اورانہیں مشکلات سے نکالنے کے لئے)اس عظیم و مستقیم منہج اختیار کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

اس صورت حال میں عقیدت کے ساتھ اتباع کرنے والوں اور جن لوگوں کی اتباع کی جاتی ہےاور جواس طرح سے لوگوں کو جانچنے کی عادت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔اس روش سے نجات حاصل کریں کہ جس نے اہل سنت میں افتراق پیدا کر کے آپس میں دشمنیاں پیدا کی ہیں اوراس کا علاج یہ ہے کہ عقیدت مند حضرات اس طرح سے لوگوں کا امتحان لینا چھوڑ دیں بلکہ ماضی میں اس روش کے اثرات ونتائج بھی ختم کریں اور بغض وعداوت کو الفت سے بدل دیں اور نیکی وتقوی میں باہم تعاون کرنے والے بھائی بھائی بن جائیں۔اور جن لوگوں کی اتباع کا دعوی کیا جاتا ہے انہیں بھی چاہیئے کہ اپنے عقیدت مندوں کی اس روش سے لاتعلقی اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔اس طرح اتباع کرنے والے اس مصیبت سے نجات پالیں گے اور جن لوگوں کی عقیدت کا بہانہ بنا کر ایسا کیا جاتا ہے وہ اس کی برائی اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے برے اثرات سے بری الذمہ ہوسکیں گے۔

عصرِ حاضر میں اہل سنت کے ایک دوسرے پر حرف گیری کرنے اور ایک دوسرے کو بدعتی قرار دینے کے فتنے پر تنبیہ

شخصیات کو معیار بنا کر لوگوں کو پرکھنے کے قریب قریب ہی ایک اور بدعت ہے جو اس زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی ہے وہ یہ کہ اہل سنت میں سے ایک مختصر گروہ اس فتنے میں مبتلا ہو گیا ہے کہ اپنے اہل سنت بھائیوں پر حرف گیری کرتا ہے اور انہیں بدعتی کہتا ہے اور اس کے نتیجے میں آپس میں قطع تعلقی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے سے استفادہ کرنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے، جب کہ اس طرح کی نکتہ چینی اور بدعتی قرار دینا بسا اوقات صرف ایسے عمل کو بدعت سمجھ لینے کی بنا پر ہوتا ہے جو درحقیقت بدعت نہیں۔ اس کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ جلیل القدر شیخین عبدالعزیز بن باز اور شیخ محمد صالح عثیمین رحمہما اللہ نے ایک معاملے کو قرین مصلحت سمجھتے ہوئے اس کا فتوی دے دیا جو اس مختصر گروہ کو پسند نہیں آیا تو انہوں نے اس فتوی پر نکتہ چینی شروع کر دی، لیکن معاملہ یہیں نہیں رکا بلکہ نکتہ چینی کا دائرہ ان لوگوں تک وسیع کر دیا گیا جو محاضرات و دروس کے سلسلے میں شیخین مذکورین کے ساتھ تعاون کرتے تھے اور کہا جانے لگا کہ یہ لوگ سلف کے طریقے سے منحرف ہیں، حالانکہ یہ دونوں جلیل القدر شیخ اس جماعت کے ہاں بھی ٹیلیفون کے ذریعے سے درس دیتے تھے۔

اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ کسی خاص شخص کے درسوں میں حاضر ہونے سے یہ کہہ کر منع کر دیا جاتا ہے کہ وہ فلاں شخصیت یا فلاں جماعت کے بارے میں نکتہ چینی کرتا ہے اور اس مہم کا سرکردہ شخص میرا ایک شاگرد [اس سے مراد شیخ فالح بن نافع الحربی المدنی ہیں۔ (واللہ اعلم) شیخ ربیع المدنی نے بھی ان کا رد لکھا ہے، نیز دیکھئے الحدیث: ۱۱ص ۴۰۔۴۱] ہے جو کلیہ شرعیہ میں جامعہ اسلامیہ سے ۱۳۹۵۔۱۳۹۶ھ کو فارغ ہوا۔ جس کی کامیاب ہونے والے ایک سو انیس (۱۱۹) طلبہ میں سے ایک سو چارویں (۱۰۴) پوزیشن تھی۔ وہ علم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور نہ میرے علم کے مطابق اس کے کوئی ایسے دروس ہیں جن کے کیسٹ تیار

ہوتے ہوں اور نہ اس کی کوئی چھوٹی بڑی تالیف ہے، اس کی تمام تر کائنات حرف گیری، بدعت قرار دینے اور اہل سنت سے دور رہنے کی تلقین ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ علم وعمل میں ان لوگوں کے ٹخنوں تک بھی نہیں پہنچتا جن پر نکتہ چینی کرتا ہے، کیونکہ ان لوگوں کے محاضرات، دروس اور تالیفات سے ایک زمانہ استفادہ کر رہا ہے۔ جب کوئی سلیم العقل آدمی اس کا کیسٹ سنتا ہے جو مدینہ منورہ اور الجزائر کے مابین ٹیلفونک مکالمہ پر مشتمل ہے تو اس کی حیرت کی حد نہیں رہتی جس میں اس نے اہل سنت میں سے کثیر تعداد کا گوشت کھایا ہے (غیبت کی ہے) اور اس میں سائل نے اپنا مال ناحق ضائع کیا ہے، جن شخصیات کے بارے میں سوال کیا گیا ہے ان کی تعداد تیس سے زائد ہے ان میں وزیر بھی ہیں اور چھوٹے بڑے دوسرے افراد بھی۔ اور ان میں چند افراد ایسے بھی ہیں جن کے متعلق افسوس نہیں ہوتا، اور کچھ لوگ اس سے بچے رہے اور بعض لوگ جو اس سے بچ پائے وہ دوسرے کیسٹوں میں نہیں بچ سکے۔

ان کے بارے میں معلومات انٹرنیٹ پر سائٹ میں دے دی گئی ہیں۔ اس شخص پر واجب ہے کہ علماء اور طلاب علم کی گوشت خوری سے ہاتھ اٹھائے، جبکہ نوجوانوں اور طالب علموں کا فرض ہے کہ اس تنقید اور تبدیع کی طرف توجہ نہ دیں جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر ضرررساں ہے، نیز انہیں چاہئے کہ ایسے مفید علم کے حصول میں مصروف ہوں جو ان کے لئے مفید ہو اور خود ان کے لئے دنیا وآخرت میں بھلائی کا باعث ہو۔

ابن عساکر رحمہ اللہ اپنی کتاب تبیین کذب المفتری (ص ۲۹) میں فرماتے ہیں:

''میرے بھائی! اللہ ہمیں اور تمہیں توفیق سے نوازے کہ ایسے کام کریں جو اسے راضی کریں، اور ہم سب کو اپنی خشیت سے بہرہ مند فرمائے اور ایسا تقوی عطا فرمائے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اچھی طرح جان لو! علماء رحمہم اللہ کے گوشت زہریلے ہوتے ہیں۔ اور ان کی تنقیص کرنے والوں کی پردہ دری سنت الٰہیہ ہے۔''

اور میں نے اپنے رسالہ ''رفقًا أهل السنة بأهل السنة ''میں اہل سنت اور

خاص طور پر اس علم کے بارے میں زبان کو محتاط رکھنے کے متعلق بہت سی آیات، احادیث اور آثار ذکر کیئے ہیں۔ اس کے باوصف میرا وہ رسالہ ان تنقیص پسندوں کو پسند نہیں آیا اور اسے نا قابل اشاعت قرار دے دیا اور اس کے مطالعہ اور اس کی نشر و اشاعت سے بھی منع کر دیا اور کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی اس رسالے کو پڑھے اور پھر اس کے متعلق اس جارحانہ رویہ کو دیکھے گا تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ دونوں کے درمیان بعد المشر قین ہے اور معاملہ شاعر کے اس شعر کا مصداق ہے:

قد تنكر العين ضوء الشمس من رمد و ينكر الفم طعم الماء من سقم

بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ آنکھوں کو آشوب کے سبب سورج کی روشنی بھی لگتی ہے اور یوں بھی ہوتا ہے کہ بیماری کے سبب منہ کو پانی کڑوا لگتا ہے۔

جہاں تک ہمارے اس شاگرد کا ہمارے رسالہ " **رفقاأهل السنة بالسنة** " کے بارے میں یہ کہنا ہے مثال کے طور پر کلام کرنا ہے کہ "شیخ عبدالعزیز بن باز اور شیخ ابن عثیمین دوسرے اہل سنت سے الگ منہج رکھتے ہیں اور یہ بلا شبہ غلط ہے، کیونکہ اس سے مؤلف رسالہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ زیادہ جوابات نہیں لکھتے اور لکھیں بھی تو صرف مخالفین کے جوابات لکھتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو اہل سنت کے منہج کے خلاف ہے اور درحقیقت شیخین کی عیب جوئی ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے علماء کی بھی تنقیص ہے جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے"

اس کا جواب کئی وجہ سے دیا جا سکتا ہے:

اول: اس رسالہ میں ہرگز نہیں ہے کہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ زیادہ جوابات نہیں لکھتے۔ کیوں نہیں؟ دوسروں کی تردید میں لکھے گئے ان کے مضامین ورسائل کثیر تعداد میں موجود ہیں اور رسالہ میں تحریر کیا گیا ہے (ص:۵۱) مناسب یہ ہے کہ تردید میں لکھا گیا مضمون ملائمت اور نرمی سے متصف ہو اور اس میں غلطی میں مبتلا کی سلامتی کی رغبت ٹپکتی ہو اور تردید بھی ایسی خطا پر ہونی چاہیئے جو بالکل واضح ہو۔ اس سلسلہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز

رحمہ اللہ کے جوابات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس کا مناسب ترین طریقہ سیکھنے کے لئے ان سے استفادہ کرنا چاہئے۔

دوم: جوابات کے سلسلہ میں میں نے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کے منہج کا بالکل حوالہ نہیں دیا تھا، کیونکہ کسی کی تردید میں میں نے ان کا کوئی رسالہ چھوٹا موٹا بھی نہیں دیکھا۔ میں نے شیخ کے ایک ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے والے شاگرد سے بھی دریافت کیا تو اس نے بھی بتایا کہ اسے شیخ کے کسی ایسے مضمون یا رسالہ کا علم نہیں اور یہ ان میں اعتراض یا تنقید کا موجب نہیں اس لئے کہ وہ علم کے بیان اور تالیف اور نشر و اشاعت میں مشغول ہیں۔

سوم: شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا منہج ہمارے تنقید کے شوقین شاگرد اور ان جیسے حضرات سے قطعاً مختلف ہے، کیونکہ شیخ کے منہج کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ملائمت اور نرمی سے متصف ہے اور اس میں اس شخص کے ساتھ مکمل خیر خواہی پائی جاتی ہے جس کو نصیحت کرنا مقصود ہے اور اسے سلامتی کے راستے پر واپس لانا مطمحِ نظر ہوتا ہے، جبکہ ہمارے تنقید پسند شاگرد اور ان جیسے حضرات، تشدد، نفرت اور دور کرنے کو وتیرہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور جن افراد پر اپنے کیسٹوں میں اس تنقید پسند نے کلام کیا ہے ان میں سے بہت سے لوگوں کو شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ بہت اچھے الفاظ میں یاد کرتے تھے، انہیں دعائیں دیتے تھے اور انہیں لوگوں میں دعوت و تعلیم کا کام جاری رکھنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ اور لوگوں کو ان سے مستفید ہونے اور علم حاصل کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

الغرض میں نے شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کی نسبت یہ نہیں کہا کہ وہ دوسروں کا رد نہیں کرتے تھے اور جہاں تک ابن عثیمین رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو ان کا تو میں نے اس سلسلہ میں نام بھی نہیں لیا۔

اس لئے اس تنقیص پسند نے جو کچھ لکھا ہے اس کا رسالے کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ موصوف بغیر سوچے سمجھے اندھیرے میں تیر چلانے کے شوقین ہیں، جب ان کا تحریر میں یہ حال ہے تو تقریر میں کیا ہوگا؟

اوراس تنقیص پسند نے یہ جو کہا ہے کہ ''میں نے رسالہ کا مطالعہ کیا ہے اوراس بارے میں اہل سنت کے موقف کا مجھے علم ہے آپ نے بعض علماء ومشائخ کے تحریر کردہ جوابات پڑھے ہوں گے میں نہیں سمجھتا کہ جوابات اب موقوف ہو جائیں گے کچھ لوگ ہیں جو لکھتے ہی رہیں گے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

جاء شقيق عارض رمحه ان بنى عمك فيهم رماح

شقیق (سگا بھائی) اپنے نیزے کو تھامے ہوئے چل رہا ہے اسے بتاؤ کے تمہارے مقابل تمہارے چچیرے بھائیوں کے پاس بھی بہت سے نیزے ہیں۔

اس نے اسی طرح ''عارض'' لکھا ہے جب کہ درست ''عارضاً'' ہے۔

تواس کا جواب یہ ہے کہ جن اہل سنت کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے وہی تو ہیں جن کا اسلوب ومنہج شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے بالکل مختلف ہے جس کی طرف میں نے کچھ ہی دیر پہلے اشارہ کیا ہے اس کا مقصد تو صرف اس قدر ہے کہ اپنی جان پہچان کے لوگوں کو رسالے کے خلاف اکسانے کے بعد ان لوگوں کو بھی اس کے خلاف برانگیختہ کرے جنہیں وہ نہیں جانتا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے نیزہ نہیں نکالا میں نے تو خیر خواہی ظاہر کی جسے اس تنقیص پسند اوراس جیسے لوگوں نے پسند نہیں کیا۔ اس لئے کہ نصیحت تو نصیحت کیے گئے فرد کے لئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو مریض کے لئے دوا کی ہے اور بعض مریض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ دوا استعمال کرتے ہیں چاہے وہ کڑوی ہو اس لئے کہ اسے اس کے استعمال میں فائدہ کی امید ہوتی ہے، لیکن جنہیں نصیحت کی جاتی ہے ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ خواہش نفس انہیں نصیحت سے دور رکھتی ہے وہ صرف یہی نہیں کہ نصیحت قبول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے دور رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت کی توفیق سے نوازے اور شیطان کے مکروفریب سے محفوظ رکھے۔

ہمارے اس تنقیص پسند شاگرد کے مشن میں تین افراد (شریک) ہیں۔ ان میں سے دو تو مکہ اور مدینہ میں ہیں، دونوں جامعہ اسلامیہ مدینہ میں میرے شاگرد ☆ رہے ہیں۔ ان

میں سے پہلا (۱۳۸۴۔۱۳۸۵ھ) میں فارغ ہوا جبکہ دوسرے نے (۱۳۹۱۔۱۳۹۲ھ) میں فراغت پائی۔ تیسرا ☆☆ ہمارے وطن کے جنوب بعید سے تعلق رکھتا ہے دوسرے اور تیسرے نے اس رسالہ کے تقسیم کرنے والے کو بدعتی قرار دیا ہے اور بدعت کا فتوی انہوں نے عام اور تھوک کے حساب سے جاری کر دیا مجھے معلوم نہیں کہ انہیں اس بات کا علم ہے یا نہیں کہ اسے ایسے علماء اور طلبہ نے تقسیم کیا ہے جنہیں بدعتی نہیں کہا جا سکتا۔

[☆ ان دونوں سے مراد شیخ ربیع المدخلی اور شیخ عبید الجابری ہیں (واللہ اعلم) شیخ عبید الجابری کے لئے دیکھئے الحدیث: ۱۵ص ۷

☆☆ ان سے مراد شیخ احمد بن یحییٰ بن محمد النجمی ہیں۔ آپ جیزان، سعودی عرب میں رہتے ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

تنبیہ: شیخ ربیع المدخلی، شیخ فالح الحربی، شیخ احمد النجمی اور شیخ عبید الجابری کی بڑی خدمات ہیں۔ انہوں نے فرقِ ضالہ پر بہترین ردود لکھے یا لکھوائے ہیں۔ ادارہ الحدیث، ان علماء و دیگر سلفی علماء کی خدمات کا معترف ہے اور علمائے حق کے باہمی اختلافات میں غیر جانبدار ہے، تاہم ان علماء کا بعض دوسرے سلفی علماء پر ذاتی مخالفت کی وجہ سے رد و جرح کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم/ حافظ ندیم ظہیر]

میں امید کرتا ہوں کہ یہ فتوی صادر کرنے والے حضرات مجھے ان ملاحظات پر مطلع فرمائیں گے جن کی بنا پر انہوں نے بدعت کا عمومی حکم لگایا۔

شیخ عبدالرحمٰن السدیس امام وخطیب مسجد حرام کا ایک خطبہ ہے جو انہوں نے مسجد حرام کے منبر پر ارشاد فرمایا۔ اس میں انہوں نے اہل سنت کے ایک دوسرے کے بارے میں اس طرح کی نکتہ چینی کرنے سے پرہیز کرنے کی تلقین کی تھی۔ ہم بھی اس کا مطالعہ کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ اس موضوع پر بہت اہم اور مفید ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ سب کو اپنی رضا کے طالب بننے کی توفیق دے۔ دین میں تفقہ اور حق پر ثابت قدمی عطا فرمائے اور لایعنی کاموں سے بچا کر ایسے عمل بجالانے کی

توفیق دے جو توجہ اور اہتمام کے لائق ہیں۔ بلاشبہ وہی اس کا سزاوار اور قدرت رکھنے والا ہے۔ وصلی اللّٰہ وسلم وبارك علی نبینا محمد وعلی اٰله وصحبه ۔

[الحدیث:۱۴،۱۵،۱۶،۱۷]

ابو الاسجد صدیق رضا

اتباع اور تقلید میں فرق

لفظ ''امام'' واحد ہے اور اس کی جمع ''أئـمــه'' ہے۔لفظ ''امام'' فِعال کے وزن پر اسم ہے۔اس کے معنی ہیں ''مَنْ یوتم به'' جس کا قصد یا ارادہ کیا جائے، چونکہ مقتدا ورہنما کا قصد کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے اُسے امام کہتے ہیں، جس کی فرمانبرداری یا پیروی کی جائے اُسے ''امام'' کہتے ہیں، خواہ اس کی پیروی حق پر مبنی ہو یا باطل پر، پھر یہ پیروی کسی کی بھی ہو خواہ انسان کی ہو یا کسی کتاب کی۔

جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''تورات شریف'' کو ''امام'' کہا، ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ﴾

اور اس سے پہلے موسیٰ (علیہ السلام) کی کتاب امام ورحمت تھی۔ (ھود:۱۷، الاحقاف:۱۲)

قرآن مجید اور احادیث میں اس لفظ کا استعمال مختلف معنی میں ہوا ہے، مثلاً حکمران کے معنی میں، اسی طرح نماز پڑھانے والے کے لئے، عام طور پر کسی علم میں بصیرت ومہارت رکھنے والے کو بھی ''امام'' کہا جاتا ہے، خواہ اُس کے عقائد سے اتفاق نہ بھی ہو۔

ہم قارئین کے اطمینا ن کے لئے فریق ثانی کے معتمد عالم اور دیوبندیوں کے موجودہ ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب کے الفاظ نقل کئے دیتے ہیں:

''ہم نے اس کتاب میں مسئلہ علم غیب کے سلسلہ میں علامہ زمخشری سے ان کے غلو فی الاعتزال کی وجہ سے کوئی استدلال نہیں کیا بلکہ صرف امام عربیت ہونے کی وجہ سے حلِ عبارت میں استدلال کیا ہے اور ان کے امام اہل عربیت ہونے کا کوئی منکر نہیں ہے۔''

(ازالۃ الریب ص ۱۳۵)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''تکمیل بحث کے لئے ائمہ لغت سے بھی غیب کی تعریف نقل کردی جائے، مشہور امام لغت ابو منصور عبدالملک بن محمد الثعالبی (المتوفی ۴۲۹ھ) لکھتے ہیں''

(ازالۃ الریب ص ۵۹) حوالے تو مزید بھی دیئے جا سکتے ہیں، لیکن بطورِ تائید یہی کافی ہے۔ اس سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ کسی فن یا علم میں مہارت کی وجہ سے بھی ماہر کو عام طور پر ''امام'' کہا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی امام اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقتدا ورہنما ومطاع اور امامت کے منصب پر فائز نہیں۔ نہ یہ واجب الاتباع امام ہیں کہ ان کی ہر ہر بات ہر ہر فعل پر عمل لازم ہو۔ ایسے ''امام'' صرف انبیاء کرام ہیں، عوام جب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے یا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے اس لفظ کا استعمال سنتے ہیں تو انہیں بڑی حیرانگی ہوتی ہے اور بعض سادہ لوح حضرات تو کہہ بیٹھتے ہیں کہ جناب وہ تو نبی ہیں، نہ کہ امام، حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام میں سے ہر ہر نبی علیہ السلام ''امام'' تھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ انبیاء میں بعض انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا: ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ﴾ اور ہم نے اُن (رسولوں) کو امام بنایا تھا اور وہ ہمارے حکم سے ہدایت/ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُن کی طرف نیک اعمال کرنے کی وحی کی۔ (الأنبیآء:۷۳)

اب دیکھئے قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن پر وحی کا نزول ہوتا ہے، جس سے وہ اپنی قوم کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طرح جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے چند باتوں میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا تو آپ ان آزمائشوں پر پورے اترے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ﴿اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ کہ میں تمہیں لوگوں کا ''امام'' بنانے والا ہوں (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی، تو اللہ نے فرمایا (ہاں لیکن) ظالم لوگ میرے اس وعدہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ (البقرہ:۱۲۴)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد میں سیدنا اسماعیل وسیدنا اسحاق وسیدنا یعقوب وسیدنا یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نبوت وامامت کے منصب پر فائز فرمایا اور بالآخر نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک کے لئے نبوت وامامت کا منصب عطا فرمایا۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انبیاء کرام امام ہوتے ہیں اور اُن میں آخری امام محمد ﷺ ہیں، جنہیں امامت کا منصب اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کی اتباع و پیروی کو اللہ ہی نے فرض ولازم قرار دیا، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جن کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔

امم سابقہ کی طرح علم کے امام تو اس امت میں بھی بے شمار ہوئے اور ہوں گے لیکن واجب الاتباع اور واجب الاطاعت ''امام'' صرف محمد ﷺ ہیں جو کہ دین کے امام ہیں، علم کے امام قابل احترام بلکہ واجب الاحترام ہیں، اُن کا احترام اور بلا امتیاز ان کے علم سے استفادہ کرنا چاہیے، لیکن ان کی اطاعت و پیروی کو واجب یا فرض قرار دینا درست نہیں۔ اب قیامت تک کے لئے واجب الاتباع امام صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ہم نے ان صفحات میں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' جو کہ دین کے ''امام'' ہیں، اُن کی اطاعت اور لوگوں کے خود اپنے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید جو لوگوں نے خود واجب کی ہے اُس میں ''فرق'' ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

واضح رہے کہ اس سے ہمارا مقصد ان ائمہ کی گستاخی یا بے ادبی یا ان کی توہین قطعاً نہیں، بلکہ ہم تو تمام ائمہ کو واجب الاحترام سمجھتے ہیں، انہیں علم کا ''امام'' سمجھتے ہیں۔

ہمارا مقصد تو صرف یہ ہے کہ لوگ حق سمجھیں، قرآن وسنت اور رسول اللہ ﷺ کے حقوق سمجھیں اور اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شعار و زندگی کا مقصد بنا کر اپنی آخرت کو سنواریں اور رب کریم کی بے شمار رحمتوں کے مستحق بن کر اُس کی رضا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوں اور عظیم کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

﴿ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی وہ بڑی عظیم کامیابی پا گیا۔ (الاحزاب:۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی و ہدایت کے لئے انبیاء ورسل اور صحف و کتب کا سلسلہ جاری

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف قوموں بلکہ ہر قوم کے درمیان اپنے رسل مبعوث فرمائے، حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبی آخرالزمان، امام الانبیاء، امام الاتقیاء، خاتم الرسل محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم فرمادیا۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے جونمونہ کامل، مطاع اور امام بنایا وہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں کہ جس کی اتباع، اطاعت، اقتدا، فرمانبرداری و پیروی کو اللہ تعالیٰ نے رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے فرض و لازم کیا ہو، جی ہاں! کوئی ایک بھی ایسا انسان نہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی طرف دعوت دیتے رہے، جن لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کا شرف حاصل کیا ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا ہے کہ محمد ﷺ کی اطاعت رہتی دنیا تک کے انسانوں پر فرض ہے۔ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی ایسی شخصیت نہیں کہ جس کی ہر بات حجت ودلیل ہو اور قیامت تک کے لوگوں کے لئے اس کی اطاعت و پیروی فرض ہو، پھر جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اسلام قبول کیا، پھر جنہوں نے ان تابعین کی دعوت پر اسلام قبول کیا، ان کا بھی یہی عقیدہ وایمان رہا، وہ بھی نمونہ کامل، مطاع اور امام محمد ﷺ ہی کو سمجھتے تھے اور اس طریق حق پر قائم رہے، اور چار سو سال تک یہ سلسلہ مبارکہ یوں ہی چلتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دور بھی آیا جو دیگر امتوں میں آتا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

((ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره ثم إنها تخلف من بعد هم خلوف يقولون مالا يفعلون و يفعلون ما لا يؤمرون. إلخ)) ترجمہ: مجھ سے پہلے جو بھی نبی اللہ تعالیٰ نے کسی امت میں بھیجا اس امت میں ان کے مددگار اور ساتھی ہوتے جو ان کی سنت پر عمل

کرتے اوران کے حکم کی پیروی کرتے ، پھران کے بعد کچھ ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوتے جو ایسی باتیں کرتے جن پر وہ عمل نہیں کرتے (مثلاً رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعوی، سنت پر عمل کا دعوی، لیکن عمل کسی اور کے طریقہ کے مطابق) اور ایسے اعمال کرتے جن کا اُنہیں حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (یعنی اپنی طرف سے نئے نئے عقائد، نئے نئے اعمال اور طریقے ایجاد کرتے، بدعات گھڑتے جس کی قطعاً اجازت نہیں) الخ

(صحیح مسلم:۸۰/۵۰ و دارالسلام:۱۷۹)

صحابہ کرام ،تابعین عظام وتبع تابعین تک یہ سلسلہ درست رہا،لوگوں کی اکثریت قرآن وسنت اور نبی کریم ﷺ کے احکام کی پیروی کرتی رہی ،اتباع اور اطاعت کے لئے انہوں نے کسی اور امام کو مقرر نہیں کیا۔

ذخیرۂ احادیث اور تاریخ میں اس بات کا بالکل کوئی ذکر نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے لئے کوئی ایک امام ومطاع بنا رکھا تھا جس کی وہ تقلید کیا کرتے تھے، ہرگز نہیں۔البتہ ان کے بعد دھیرے دھیرے ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کے بارے میں نبی ﷺ نے مطلع فرمایا تھا، ایسے لوگ جو ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں آتے رہے۔انہوں نے ایسے کام نہ کئے کہ جن کا انہیں حکم ملا تھا، بلکہ ایسے کام کرنے لگے جن کا اُنہیں بالکل ہی حکم نہیں ملا تھا۔ایسے لوگوں نے اپنی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنی درستگی احوال و اصلاح کے لئے ،گمراہی و ضلالت سے بچنے کے لئے ،اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ومطاع،یعنی نبی ورسول کی ذات گرامی اورآپ کی تعلیمات کو عملاً کافی نہ سمجھا بلکہ اپنی طرف سے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام ومطاع اور مقتدا چن لئے ،اُن کی اطاعت وفرمانبرداری و پیروی کو اپنے آپ پر خود واجب کرلیا۔

دیوبندی مسلک کے ''حکیم الامت ومجدد الملت'' اشرفعلی تھانوی صاحب نے قدرے تفصیل سے اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ ''جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانِ فیض اقتران میں طرزِ عمل لوگوں کا یہ تھا کہ آپ کے قول وفعل کا سنتے دیکھتے

اتباع کرتے، جوضرورت ہوتی دریافت کرلیتے، اصول اسباب وعلل واحکام کے نہ کسی نے دریافت کیئے نہ پورے طور سے بیان کیئے گئے۔'' (امدادالفتاوی جلد۵ص۲۹۴)

''بعد وفات شریف آپؐ کے وقائع قدیمہ میں چونکہ ایک صحابی کوکوئی حدیث نہ پہنچی لیکن یادنہ رہی یایادرہی مگرفہم معنی میں غلطی ہوئی'' (۲۹۵،۲۹۴/۵) مزید لکھتے ہیں:

''اورعوام جس سے چاہتے بلاتقیید وتعین کسی امام یامفتی کےفتوی پوچھ کرعمل کرتے اورجس فتوی میں تعارض ہوتا اس میں اعدل واوثق واحوط اقوال کواختیارکرتے، مأۃ رابعہ تک یہی حال رہا۔ بعدمأۃ رابعہ کے قضائے الٰہی سے بہت سے امور پرآشوب پیدا ہوئے۔ تقاصر ہمم یعنی ہمتیں ہرعلم میں پست ہونا شروع ہوئیں'' (۲۹۷،۲۹۶/۵)

''......تعمق فی الفقہ والحدیث یعنی دونوں علموں میں افراط ہونے لگا۔ یعنی بعض فقہاء اپنے اصول ممہدہ سے حدیث صحیح کورد کرنے لگے، اور بعض اہل حدیث ادنیٰ علت ارسال وانقطاع یاادنیٰ ضعف راوی سے مجتہد کی دلیل کو باطل ٹھہرانے لگے جورقضاۃ یعنی قاضی اپنی رائے سے جس پرچاہتے تعدی کرتے۔ تعصب یعنی اپنی جماعت کوامورمحتملہ میں یقیناً حق پر سمجھنا۔ دوسرے کوقطعاً باطل جاننا، جب یہ آفتیں پیدا ہوئیں جولوگ اُس زمانے میں معتدبہ تھےانہوں نے اتفاق کیا......'' (۲۹۷/۵)

''چونکہ ائمہ اربعہ سابقین سے مذہب مشہور نہ تھالہذا اُن کی تقلید پراجماع کیا گیااورراورترک التزام مذہب واحد میں ظن غالب تلاعب فی الدین وابتغاء رخص واتباع ہونے کا تھا۔ لہذا التزام مذہب معین کالابدّ کیا اور بدون کس غرض محمود شرعی کےاس سے انتقال وارتحال کومنع کیا گیا۔ اس وقت سےلوگوں نےتقلید پراطمینان کرکے کچھ تو قوت استخراج کی کم تھی، کچھ توجہ نہ کی، قیاس منقطع ہوگیا، بہت لوگ اہل حدیث میں سے اس مشورت پرمصلحت کے مخالف رہےمگرکسی پرلعن طعن نہیں کرتے تھے۔'' (۲۹۷/۵)

اس کے بعد آگے چل کر تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ''پس کسی کوامام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے ان پرظن اصابت ورشد کا ہوا......کسی کوامام شافعی پر یہ ظن ہواکسی کوامام

مالک پر اور کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔''

(امداد الفتاوی کتاب البدعات ج نمبر ۵ ص ۲۹۷، سوال نمبر ۲۶۸ کا جواب، مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی نمبر ۱۴)

نوٹ: تھانوی صاحب کی طویل ترین عبارت سے چیدہ چیدہ مقامات یہاں درج کیے ہیں، بس اس طرح نبی ﷺ کے فرامین اور اوامر و احکام اور ان کی سنتوں پر ہی ثابت قدمی کے بجائے اس امت کی اصلاح کے لئے وہ قدم اٹھایا گیا، جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے پچھلی امتوں کی طرح اپنے اپنے امام مقرر کر لئے اور محض اپنی مرضی سے ان کی تقلید سے نکلنے کو ناجائز و حرام تک کہا گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق اس فتنہ و اختلاف کا حل چاہتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو جب تمہارا کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے، اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ۔

(النسآء: ۵۹)

لیکن افسوس کہ لوگوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے اپنے ظن کے مطابق اپنے لئے علیحدہ علیحدہ امام مقرر کر لئے۔ اشرفعلی تھانوی صاحب نے واضح الفاظ میں اس کا اقرار کیا ہے کہ کسی نے امام ابو حنیفہ کو مقرر کر لیا، کسی نے امام شافعی کو اور کسی نے احمد بن حنبل اور امام مالک کو مقرر کر لیا۔ معلوم ہوا کہ ائمہ رحمھم اللہ لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے واجب الاطاعت امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام نہیں ہیں، حتیٰ کہ خود ان ائمہ نے بھی اپنی اطاعت یا تقلید لوگوں پر واجب نہیں کی بلکہ ان میں سے کسی امام کی وفات کے سینکڑوں سال بعد اور کسی کی وفات کے پچاس سال بعد لوگوں نے خود اپنی طرف سے اپنی مرضی سے اپنے آپ پر ان کی تقلید اور پیروی کو واجب قرار دے دیا۔

اگر آپ کو ہماری معروضات پر یقین نہ آئے تو اپنے کسی مولوی صاحب سے پوچھ کر دیکھ لیں کہ کیا اللہ یا اس کے رسول ﷺ نے ان مقدس ہستیوں کو منصب امامت پر فائز

کر کے ہمارے لیے امام مقرر کیا ہے؟ کیا قرآن مجید یا احادیث مبارکہ میں اس بات کا کوئی ثبوت ہے؟ آپ کو کوئی ثبوت نہیں ملے گا کہ ان چار اماموں کی تقلید واجب ہے۔

فرض کیجئے! اگر کوئی مولوی صاحب آپ کو ایسی کوئی دلیل دکھا دے تو پھر آپ پر لازم ہے کہ آپ غور کریں اگر ان چاروں کی تقلید فرض یا واجب ہے تو آپ صرف ایک امام کی تقلید کو کیوں واجب قرار دیتے ہیں؟ اگر صرف ایک امام کی تقلید واجب ہے تو پوری اُمت اُس ایک امام کی تقلید کیوں نہیں کرتی؟ چار علیحدہ علیحدہ اماموں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے الگ الگ امام کیوں چن رکھے ہیں؟

سر دست ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ آخری امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید میں کیا فرق ہے؟

پہلا فرق: اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم الٰہی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱: ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو، اگر تم (اُن کی اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کی ذمہ داری تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے۔ (المآئدہ:۹۲)

۲: ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾

اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو اگر تم واقعی مومن ہو۔ (الانفال:۱)

اس آیت پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم مومن ہو یعنی ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو، ورنہ تمہارا یہ دعویٰ ایمان کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۳: ﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ﴾

(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ

پھیریں تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ (آل عمران:۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کرنا، اعراض کرنا، منہ پھیرنا کافروں کا طرزِ عمل ہے نہ کہ ایمان والوں کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۴: ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (آل عمران:۱۳۲)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصول ہوگا۔

۵: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اُس کے رسول کی اور اُن کی بات سن لینے کے بعد اُن کی اطاعت سے روگردانی مت کرو۔ (الانفال:۲۰)

کتنے واضح الفاظ میں فرمایا کہ اُن کی بات سننے کے بعد منہ نہ پھیرو، نافرمانی نہ کرو، اعراض نہ کرو۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے عجیب عجیب اصول بنا لیے ہیں۔

دیوبندیوں کے "شیخ الاسلام" تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"اور اگر اُسے کوئی حدیث اپنے امام کے مسلک کے خلاف نظر آئے تب بھی اُسے اپنے امام کا مسلک نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۹۲ سطر نمبر ۷، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)

اسی طرح بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں: "یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ (جاء الحق، حصہ اول ص ۳۴۳، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ۴۰، اُردو بازار، لاہور والنسخۃ القدیمہ ۱/۲۶)

غور کیجئے! اللہ تو فرما رہا ہے، جب تم رسول اللہ ﷺ کی بات سن لو تو پھر منہ نہ پھیرنا، نافرمانی نہ کرنا مگر ہمارے یہ "علماء" کیا فرماتے ہیں کہ امام کے مسلک کو نہ چھوڑنا۔ مطلب صاف اور واضح ہے کہ قرآن وحدیث چھوٹیں تو چھوٹ جائیں پر امام کا مسلک نہ چھوڑنا۔

اکثر عوام سوال کرتے ہیں، کیا یہ بڑے بڑے علماء قرآن وحدیث نہیں سمجھتے اور پڑھتے

نہیں؟۔عرض ہے کہ ایسے لوگ غور کرلیں، جب ان بڑے بڑے علماء نے یہ اصول بنا رکھے ہیں تو وہ خود کس طرح مانیں گے۔اگرچہ لاکھ حدیثیں پڑھتے رہیں، ایسے لوگوں کے متعلق شاہ ولی اللہ الدھلوی صاحب فرماتے ہیں:"**فإن بلغه حديث و استيقن بصحته ولم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسد وقول كاسد ليس فيه شاهد من النقل والعقل وما كان أحد من القرون السابقة يفعل ذلك.**" اگر کسی مقلد کو کوئی حدیث پہنچی اور اُس نے اُس حدیث کے صحیح ہونے کا یقین بھی کرلیا اور پھر بھی اُس نے حدیث کو اس لیے قبول نہ کیا کہ اُس کی ذمہ داری تقلید کے ساتھ مشغول ہے تو یہ فاسد اعتقاد اور گھٹیا بات ہے، اس میں نقل وعقل کا کوئی شاہد نہیں اور گزشتہ صدیوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسی تقلید نہیں کرتا تھا۔ (عقدالجید ص ۸۵ دوسرا نسخہ ص ۴۷، ۴۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"**فإن شئت أن ترى أ نموذج اليهود فانظر إلى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقداعتادوا تقليد السلف، وأعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة، وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده، واستحسانه، فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم، وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتاويلات فاسدة ...**"

اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو اُن علماءِ سوء کی طرف دیکھو جو دنیا کے طلبگار ہیں اور گزرے ہوئے لوگوں کی تقلید کے عادی ہیں اور کتاب وسنت کی نصوص سے روگردانی کرتے ہیں اور کسی عالم کی روش، اس کے تشدد اور اس کے استحسان کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں اور شارع معصوم کے کلام سے اعراض کرتے ہیں اور جعلی موضوع احادیث اور فضول تاویلات سے استدلال کرتے ہیں اور یہ اُن کی ہلاکت کا سبب ہے۔

(الفوز الکبیر ص ۹ دوسرا نسخہ ص ۱۸)

ویسے تو تقی عثمانی صاحب، معاذ اللہ صحابہ کرام وتابعین عظام کی مقدس جماعت تک کو مقلد ثابت کرنے چلے تھے!!! لیکن افسوس کہ اُن کے اپنے ہی بزرگ یہ بات بیان کر چکے

ہیں کہ وہ جس ''تقلید'' کی دعوت دے رہے ہیں قرونِ سابقہ (پہلی صدیوں) میں کوئی ایک شخص بھی ایسی ''تقلید'' کا قائل نہ تھا، بلکہ محمد تقی عثمانی صاحب جس ''تقلید'' کی دعوت دیتے ہیں شاہ ولی اللہ ایسے لوگوں کو یہودیوں کا ماڈل قرار دیتے ہیں۔

تقی صاحب یا کوئی اور صاحب اسے ہمارا تشدد قرار نہ دیں، بلکہ یہ سب کچھ اُن کے مسلّمہ بزرگ کا فرمایا ہوا ہے، لہٰذا چاہیے کہ وہ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

مذکورہ پانچ آیات پر غور کیجئے! اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا، جبکہ پورے قرآن مجید میں لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام کی اطاعت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ آپ سابقہ صفحات پر اشرف علی تھانوی صاحب کا یہ قول تو پڑھ چکے ہیں کہ ''پس کسی کو امام اعظم صاحب کی مجمل کیفیت سے اُن پر ظن اصابت ورشد کا ہوا کسی کو امام شافعی پر یہ ظن ہوا کسی کو امام مالک پر کسی کو امام احمد پر پس ہر ایک نے ایک کا اتباع اختیار کیا۔'' (امداد الفتاویٰ۔ج ۵ ص ۲۹۹)

اسی طرح دیوبندی مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی صاحب نے یہ اعتراف کیا کہ ''اسی بنا پر بعد کے فقہاء نے یہ فرمایا کہ اب تقلید شخصی کی پابندی ضروری ہے، اور کسی ایک مجتہد کو مُعیّن کر کے ہر مسئلے میں اس کی پیروی کی جائے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۶۸)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''علماء امت نے صرف تقلیدِ شخصی کو عمل کے لیے اختیار کر لیا۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۷۸)

ان کے علاوہ بھی تقی عثمانی صاحب نے اسی کتاب کے ص ۶۰، ۶۱، ۶۵ پر بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان ائمہ کی تقلید کو علماء یا فقہاء نے واجب کیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ائمہ کو مقرر بھی اپنی مرضی سے کیا گیا اور ان کی تقلید و پیروی کو بھی خود لازم کیا گیا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیروی کا حکم دیا۔

یہ عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا اور لوگوں کے

مقرر کردہ امام کی تقلید کو لوگوں نے خود فرض قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا۔

دوسرا فرق: اللہ تعالیٰ کی محبت اور مغفرت کی ضمانت

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اے نبی (ﷺ)! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ (آل عمران:۳۱)

کس قدر فضیلت ہے، اتباع رسول ﷺ کی کہ آپ کی اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ قابل قبول نہیں۔ اس دعویٰ کے صدق کے لیے جس دلیل کی ضرورت ہے وہ دلیل رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت اللہ سے رکھتے ہیں۔ (البقرہ:۱۶۵)

اور اللہ کی محبت مشروط ہے، مقیّد ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت کے ساتھ، آپ ﷺ کی پیروی کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی محبت کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں اور جب ہم اتباع کریں گے تو خالق کائنات مالک ارض وسموات بذات خود ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور پھر جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس کی کیا شان ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا أحب اللّٰه تعالى العبد نادى جبرئيل : إن اللّٰه تعالى يحب فلانًا ، فاحببه ، فيحبه جبريل فينادي في أهل السماء : إن اللّٰه يحب فلانًا فاحبوه ،يحبه أهل السماء ،ثم يوضع له القبول في الأرض .))

جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے (اور بتاتا ہے) کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ [صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: إِنِّي اُحِبُّ فلانًا میں فلاں

بندے سے محبت کرتا ہوں] پس تو بھی اس بندے سے محبت کر، پھر جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریل (علیہ السلام) آسمان والوں (فرشتوں) میں منادی (اعلان) کراتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتا ہے، پس تم بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان والے (فرشتے) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اس شخص کے لیے زمین میں بھی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح البخاری:۳۲۰۹ و صحیح مسلم: ۲۶۳۷، دارالسلام: ۶۷۰۵)

یہ عظیم مرتبہ ومقام کیسے حاصل ہوتا ہے؟ فَاتَّبِعُوْنِیْ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے۔

یہ فضیلت ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت کی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام ہیں۔

قرآن وسنت میں تلاش کیجئے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث بھی آپ کو لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی اتباع، اطاعت، پیروی اور فرمانبرداری کی فضیلت میں ایسی نہیں ملے گی کہ ان اماموں کی تقلید کرنے سے اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمھاری مغفرت فرمائے گا۔ یہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی ہی کی فضیلت ہے، اُسی اتباع کی شان وعظمت ہے۔ افسوس کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع وپیروی کی یہ فضیلت دیکھی اور خود اپنے مقرر کردہ امام کی اتباع وپیروی کو اس سے تہی دامن وخالی پایا تو بعینہ یہی فضیلت وشان خود ساختہ امام کے لیے بھی گھڑ دی، علاء الدین الحصکفی نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا: ''امام ابوحنیفہ رات کے وقت کعبہ میں داخل ہوئے، دوستونوں کے درمیان نماز کے لیے کھڑے ہوئے، اس طرح کہ پہلے اپنی دائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور بائیں ٹانگ کو دائیں کے اوپر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ آدھا قرآن مجید ختم کرلیا، پھر رکوع وسجود کے بعد اپنی بائیں ٹانگ پر کھڑے ہوئے اور دائیں ٹانگ کو بائیں پر رکھا، یہاں تک کہ پورا قرآن مجید ختم کیا، پھر جب سلام پھیرا اپنے رب سے مناجات کی اور کہا: الٰہی! اس بندے نے تیری عبادت کا حق ادا نہ کیا، لیکن تیری معرفت کا حق ادا کردیا۔

اس کی خدمت کے نقصان کو اُس کی کمالِ معرفت کی وجہ سے بخش دے۔کعبہ کے ایک طرف سے ندا دینے والے نے ندا دی (غیب سے آواز آئی) کہ ''یاأبا حنیفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فأحسنت الخدمة قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان علیٰ مذهبك إلی یوم القیٰمة'' اے ابوحنیفہ! تو نے ہماری معرفت کا حق ادا کر دیا اور تو نے خوب ہماری خدمت کی، پس ہم نے تیری مغفرت کر دی اور ہر اُس شخص کی بھی مغفرت کر دی جو تیری اتباع کرے اور تیرے مذہب پر ہو قیامت تک کے لیے (یہی حکم ہے)'' (درمختار عربی ج ا ص ۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

[پوری نماز ایک ٹانگ پر پڑھی !!! یہ قصہ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے، لہٰذا امام صاحب اس من گھڑت قصے سے بری ہیں۔ایک ٹانگ پر نماز پڑھنا خود حنفیوں کے نزدیک بھی مکروہ ہے۔دیکھئے فتاویٰ عالمگیری (۱/ ۱۰۸)/ محمد صدیق رضا]

اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کوئی قصور نہیں، نہ آپ نے کبھی ایسا دعویٰ ہی کیا، لیکن لوگ ہیں کہ اپنی طرف سے باتیں گھڑ دیتے ہیں۔غور کیجئے! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی فضیلت بیان کی، لوگوں نے اپنی کتابوں میں اپنے خود ساختہ امام کے لیے یہی فضیلت گھڑ دی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کے لیے قرآن مجید میں بذریعہ وحی یہ فضیلت بیان کی ہے تو ہمارے امام کو بھی اللہ نے یہ کہا ہے کہ جو تیری اتباع کرے گا ہم اُس کی مغفرت کریں گے، گویا وحی کا سلسلہ اب تک منقطع نہیں ہوا، اب تک جاری ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ سے کس طرح بات کی اور یہ فضیلت بیان کی (معاذ اللہ)۔الغرض یہ ایک اور جوہری فرق ہے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع اور لوگوں کے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اتباع کرنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے اور اُن کی مغفرت بھی فرمائے گا، لیکن لوگوں کے مقرر کردہ امام کی ایسی کوئی فضیلت نہیں۔

تیسرا فرق: اطاعتِ رسول ﷺ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی، پس اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النسآء:۸۰)

یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو اپنی ہی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یا احادیث مبارکہ میں لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کہا۔معلوم ہوا کہ اللہ کی اطاعت کا بس صرف ایک ہی ذریعہ ہے، ایک ہی راستہ ہے، ایک ہی طریقہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی جائے۔آپ ﷺ کے طرز بندگی وطرز زندگی کو اپنایا جائے، اسی طرح اللہ کی اطاعت ممکن ہے۔اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں،کوئی طریقہ نہیں۔یہ ایک زبردست فرق ہے، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام کی تقلید و پیروی میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کا یہ مقام نہیں کہ اسے عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا جا سکے۔قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں۔

چوتھا فرق: قبولیتِ عمل کی یقین دہانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔(محمد:۳۳)

جو عمل اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق نہ ہو وہ عمل باطل ہے،اس کی کوئی فضیلت ہے نہ کوئی ثواب، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد .))

(صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب نقض الأحکام الباطلۃ ورد محدثات الأمور ح۱۷۱۸ ودارالسلام :۴۴۹۳)

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے، یعنی غیر مقبول ہے۔اسے رد کر دیا جائے گا۔جس عمل میں رسول اللہ ﷺ کا حکم یا طریقہ موجود نہ ہو وہ عمل

ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اس کو قبول نہیں کرتا اور جو عمل رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور حکم و اطاعت کے مطابق ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴾

اگر تم اللہ کی اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(الحجرات:۱۴)

کس قدر یقین دہانی کرائی گئی، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اگر عمل کیا جائے تو اللہ اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا، بلکہ اللہ اسے قبول فرمائے گا۔ اور جو لوگوں کے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام ہیں اُن کی تقلید کی یہ شان نہیں اُس کی یہ فضیلت نہیں، اُن کے طریقے کے مطابق ادا کئے جانے والے اعمال کے لیے یہ یقین دہانی نہیں ہے، بلکہ خود ساختہ اماموں کی تقلید تو سراسر شک والی کیفیات پر مبنی ہے، اُن کا اپنا بھی یہی فیصلہ ہے۔ علامہ علاء الدین الحصکفی نے درمختار میں لکھا:

"إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفنا قلنا وجوبًا مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفنا خطأ يحتمل الصواب." اگر ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب سے متعلق پوچھا جائے (کہ کونسا مذہب صحیح ہے) تو ہم یقیناً یہی کہیں گے کہ ہمارا مذہب یا ہمارا طریقِ عمل صحیح ہے، البتہ اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب یا طریقِ عمل غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ وہی صحیح ہو۔ (درمختار ج ۱ ص ۷)

اسی طرح مسلکِ دیوبند کے "شیخ الاسلام" مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ اعتقاد بھی تقلید کا بدترین غُلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا مسلک حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب (معاذ اللہ) باطل ہیں" (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۷)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: "البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا مسلک صحیح ہے، مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا

ہوئی ہے لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے“ (ایضاً ص ۱۵۷)

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی یہ شان ہے کہ اُن کی اطاعت کرنے والا اُن کی پیروی کرے، جب اُن سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اُس کے پاس اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ وہ کہے میرے امام کی یہ بات درست ہے اور معاذ اللہ اس میں خطا کا امکان ہے۔ نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے، ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ کہے کہ میرے امام کی ہی بات درست ہے اس میں خطا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ یقیناً غلط ہے، اس کی غلطی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ ایک اور بے مثال فرق ہے۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرنے والا یقین پر ہوتا ہے اور لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید یا پیروی کرنے والا شک و فریب میں ہوتا ہے۔

پانچواں فرق: رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ حتمی و ابدی ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب:۳۶)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی مومن کے پاس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ”فیصلے“ کے آ جانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اُس کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے صدق دل سے تسلیم کر لے، ورنہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ شان ہے اللہ کے مقرر کردہ ”امام“ کی، اور حق کی یہی شان ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ”خود ساختہ امام“ کے فیصلوں کی نہ تو یہ شان ہے نہ ہی اہمیت۔ اور خود

اُن کے مقلدین کو بھی اس کا اعتراف ہے، دیو بندی مکتبہ فکر کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''نیز جہاں مسلمانوں کی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو وہاں اس خاص مسئلے میں کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جس کی شرائط اصول فقہ وفتویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ ''علمائے احناف'' نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علیٰ تعلیم القرآن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیر کی وجہ سے بعد کے فقہائے حنفیہ نے اُسے جائز قرار دیا، اسی طرح مفقود الخبر عنین اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے لیے اصل حنفی مذہب میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ متاخرین علماءِ حنفیہ نے ان تمام مسائل میں مالکی مذہب کو اختیار کر کے اُس پر فتویٰ دیا'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱)

''آج بھی جن مسائل میں یہ محسوس ہو کہ مسلمانوں کی کوئی واقعی اجتماعی ضرورت داعی ہے، وہاں متبحّر علماء ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۴۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر دیو بندی ''شیخ الاسلام'' تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ بہت سے فقہاءِ حنفیہؒ نے اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترک کر کے دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے، لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے، اسی طرح مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے مسلک کو چھوڑ کر متناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مثالیں تو اُن مسائل کی ہیں جن میں ''تمام متاخرین فقہاء حنفیہ امام صاحب) کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہو گئے'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷ تا ۱۰۸)

مفتی تقی عثمانی صاحب کی یہ تمام باتیں قابل غور ہیں خود ہی بار بار اپنے مقرر کردہ امام

صاحب کی نافرمانی یا اُن کے اقوال کو جانتے بوجھتے نظر انداز و ترک کرنے کا اعلان کرتے ہیں۔ مثلاً امام صاحب انگور کی شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیاء کو اتنی مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، جائز قرار دیتے ہیں، لیکن احناف اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مزارعت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''ناجائز'' حنفیوں کے ہاں جائز، لاپتہ و گمشدہ شخص کی بیوی کے لیے ''اصل حنفی مذہب'' میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تھی، لیکن آج کل ایسے شخص کی بیوی چار سال انتظار کے بعد ''اصل حنفی مذہب'' کے عین خلاف جان چھڑا سکتی ہے۔ کتنی ایسی باتیں ہیں جو کل تک ''اصل حنفی مذہب'' میں ''ناجائز وحرام'' تھیں آج ''جائز وحلال'' ہیں یا اس کے برعکس تو پھر حنفی مذہب اصلی کہاں رہا؟

پھر تقی عثمانی صاحب نے خود ساختہ امام کے مسلک کو چھوڑ کر چار اماموں میں سے کسی اور امام کے قول کو اختیار کرنے کا بھی صاف الفاظ میں اختیار دیا ہے۔ غور کریں تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے ''اللہ کے مقرر کردہ امام'' اور ''لوگوں کے مقرر کردہ امام'' کی اطاعت میں۔ حالات کچھ بھی ہوں واقعی اجتماعی ضروریات ہی کیوں نہ داعی ہوں پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی ''چودہ سو سال'' پہلے کی حلال وجائز کردہ چیز کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ آپ ﷺ کی ''حرام وناجائز'' کردہ چیز کو ''حلال وجائز'' قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ایمان والے تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے جس چیز کو حرام وناجائز قرار دیا وہ قیامت تک حرام وناجائز ہے اور جس چیز کو آپ ﷺ نے جائز وحلال قرار دیا وہ قیامت تک جائز وحلال ہے، اس کے خلاف ذہن رکھنے والا مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کا ہر فیصلہ حتمی وابدی ہے وقتی یا عارضی نہیں۔ اس میں کسی کو کسی قسم کے تغیر وتبدّل کا اختیار نہیں جبکہ ''لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام'' کی یہ شان نہیں خود ان کی تقلید کو فرض اور واجب قرار دینے والے لوگوں نے اپنے مقرر کردہ امام کے کتنے ہی فیصلوں کو بدل دیا ہے، اس کے خلاف اور مخالفت میں فیصلہ دیا۔ تقی صاحب لکھتے ہیں:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

پس یہ ایک اور واضح فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی بات ترک نہیں کر سکتے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی کئی باتوں کو خود ان کی تقلید کو واجب کہنے والوں نے بھی ترک کر دیا۔ باوجودیکہ وہ ان کی تقلید شخصی کو واجب سمجھتے ہیں۔ یا للعجب!

چھٹا فرق: دردناک عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾

پس (رسول اللہ ﷺ) کے امر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔ (النور:۶۳)

اس آیت میں اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کے امر یعنی حکم یا فعل کی مخالفت کرنے والے یا اس سے پہلو تہی کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ شان صرف آپ ﷺ کے حکم یا فعل کی ہے، لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کی یہ شان نہیں، بلکہ وہاں بلا خوف وخطر ان کے امر ونواہی کی مخالفت نہ صرف کی جا سکتی ہے، بلکہ علانیہ طور پر کی گئی ہے، جس کی بہت سی مثالیں آپ فقہ کی کتابوں میں پائیں گے اور بطور نمونہ بعض مسائل تقی عثمانی صاحب کے قلم سے گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید وپیروی میں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کے امر کی مخالفت کرے گا تو اُسے دردناک عذاب کی وعید ہے، لیکن اگر کوئی لوگوں کے مقرر کردہ امام کے امر کی مخالفت کرے تو اسے معمولی عذاب کی بھی وعید نہیں، جب ہی تو لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید کرنے والے "شیخ الاسلام" مفتی تقی عثانی نے واشگاف اعلان فرمایا:

’’بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔‘‘

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی مستند ذرائع سے موجود ہے۔ اگر کوئی آپ ﷺ کے امر کی مخالفت کرے گا تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت کے حصول کے لیے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت کرتے رہیں۔ اگر ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہما کے کسی قول و فعل کی مخالفت کی تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔

پس ہمیں سرے سے یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی اور امام کا قول کیا ہے؟ ہمیں تو بس اللہ کے رسول ﷺ کے قول و فعل کی تلاش رہنی چاہئے۔ آپ ﷺ کی حدیث کی تلاش رہنی چاہئے۔ تاکہ ہم اُس پر عمل پیرا ہوں اور اس کی مخالفت کر کے اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرتکب نہ ہوں۔

ساتواں فرق: ایمان کا دارومدار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(اے رسول ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے (تمام) باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو بھی فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔ (النسآء:۶۵)

یہ صرف رسول اللہ ﷺ کی ہی خصوصیت ہے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کی بات کا انکار کفر نہیں۔ دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ’’امام اہل سنت‘‘ مولوی سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ’’جناب رسول اللہ ﷺ کی پہنچائی ہوئی اور بتائی ہوئی ہر ایک تعلیم خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہوتی ہے‘‘ (راہ سنت ص ۲۳)

’’اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوتی ہے اور اُس کی پیش کردہ تعلیم کا انکار کرنے والا کافر

ہوتا ہے۔رسول کے سوا کسی دوسرے شخص کو اور اس کی پیش کردہ تعلیم کو ہرگز ہرگز یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔" (ایضاً ص۲۳،بیسواں ایڈیشن)

اس مقام پر سرفراز خان صاحب نے صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص کا یہ منصب نہیں کہ اُس کی تعلیمات کا انکار کفر ہو۔مثلاً اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی رائے ، قیاس یا اجتہاد کا انکار کردیتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام مالک ، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل یا کسی اور امام کی رائے وقیاس کا انکار کردیتا ہے تو وہ کافر نہیں ، کیونکہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے انہیں امام ومطاع بنایا،تقلید کے نام پر ان کی اطاعت کو اپنے آپ خود ساختہ فرض یا واجب بھی قرار دیا،لیکن ان کو امام ماننے والا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کی رائے وقیاس کا انکار کفر ہے،لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام ومطاع محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مطیع بڑے ہی یقین اور وثوق سے ببانگ دہل یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تو درکنار آپ کی کسی ایک بھی ثابت شدہ تعلیم،گفتار یا عمل کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے۔ حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کا انکار کفر ہی ہوتا ہے۔غور کریں تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے،اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کی طرف سے بنائے گئے ائمہ کی تقلید میں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا انکار اور آپ کی نافرمانی کفر ہے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید نہ کرنا کفر نہیں۔دوسرے لوگوں کا تو کیا ذکر خود ان کے مقلدین نے بھی ان کی کئی تعلیمات اور ان کے کئی فیصلوں کو تسلیم کرنے سے علانیہ طور پر انکار کردیا بطور مثال پانچواں فرق ملاحظہ کیجئے۔

آٹھواں فرق: شرعی حجت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم دیا۔ گزشتہ اوراق میں اس کی کئی دلیلیں گزری ہیں،کوئی مسلم اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ہم بطورِ مثال مولوی سرفراز خان صفدر کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں:

۱: ''جس طرح قرآن کریم دینی مسائل میں حجت ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حجت ہے۔'' (احسان الباری ص۱۲)

۲: ''قرآن پاک میں ان کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں، جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت نہ ہوتے یا بالفاظِ دیگر حدیث حجت نہ ہوتی تو قرآنِ کریم میں اتنی تاکید کبھی نہ ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کے سلسلے میں تہدید ہوتی۔''

(احسان الباری ص۱۶)

۳: ''چونکہ احادیث کی حجّیت نصوصِ قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے۔''

(احسان الباری لفھم البخاری املائی تقریر ص۱۶)

اسی طرح صفدر صاحب اپنی تقریر ترمذی میں لکھتے ہیں:

''حدیث:- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں، تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا، آپؐ نے وہ بات سنی اور کام دیکھا اور اُس سے منع نہ کیا تو یہ بھی حدیث ہے کیونکہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرما کر اس کا جواز ثابت کر دیا اور تقریر کا لغوی معنیٰ ثابت کرنا ہے۔ (خزائن السنن ج۱ ص ''ن'')

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل تو حجت ہے ہی، لیکن کسی کے قول وفعل پر آپ کا سکوت فرمانا اور منع کرنا بھی حجت ہے۔ یہ شان ہے، یہ مقام ومرتبہ ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، چونکہ آپ کو لوگوں نے اپنی طرف سے امامت یا قیادت وسیادت کے منصب پر فائز نہیں کیا، بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مطاع ومقتدا بنایا، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور سکوت یعنی حدیث کی حجیت کا انکار کرے وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہے۔ اس کے برعکس لوگوں کے مقرر کردہ امام کے بارے میں خود اُن کی تقلید کرنے والوں کا یہ اعلان ہے، جیسا کہ تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ ابن الھمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ ''تقلید'' کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''التقلید العمل بقول من لیس قوله احدی الحجج بلا حجة منها ''

''تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذِ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر لینا۔''

اس تعریف نے واضح کر دیا کہ مقلد اپنے امام کے قول کو مآخذِ شریعت نہیں سمجھتا، کیونکہ مآخذِ شریعت صرف قرآن وسنت (اور انہی کے ذیل میں اجماع وقیاس) ہیں۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴)

پھر کافی آگے چل کر لکھتے ہیں: ''جبکہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ''تقلید'' کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ''مجتہد'' کے قول کا حجیت شرعیہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کا قول ہی نہیں بلکہ فعل وسکوت بھی حجت ہے۔ لوگوں کی تسلی کے لیے ہم نے اس سلسلے میں یہ بات اُن حضرات کی تحریروں کے حوالے سے ذکر کی ہے جو خود لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والے ہیں اور پھر انہی حضرات کا یہ واشگاف اعلان ہے کہ ان کے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کا قول ''حجتِ شرعی'' نہیں۔ سرفراز خان صفدر صاحب نے بھی یہ بات بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔''

(الکلام المفید ص ۳۵)

اسی طرح مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''تقلید غیر کے قول پر بلا حجت عمل کا نام ہے...... الخ'' (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۰۴)

جب قول ہی حجت شرعی نہیں تو فعل، سکوت یا تقریر کس طرح حجت ہو سکتے ہیں؟

الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر بات حجت شرعی ہے اور اپنے بنائے ہوئے امام کی بات اُن کا قول وفعل سرے سے ''حجت شرعی'' نہیں۔

افسوس کہ اس کے باوجود لوگ بضد ہیں کہ ان کے خود مقرر کردہ امام کی ''تقلید'' واجب ہے اور جو لوگ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور ''شرعی حجت'' نہ ہونے کی وجہ سے ان کے امام کی پیروی نہیں کرتے تو یہ لوگ اُن پر طرح طرح کے لعن طعن کرتے ہیں۔ واجب تو ایک شرعی حکم ہے، جب اُن کے مقرر کردہ کسی بھی امام کا قول ''شرعی حجت'' نہیں تو اُن کی تقلید کس طرح واجب ہو سکتی ہے؟

نواں فرق: حکمِ اطاعت وفرمانبرداری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ﴾

(اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے) بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اس کی اتباع کرو۔ (الانعام:۱۵۳)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر نبی کریم ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کو اپنی اطاعت واتباع کا حکم دیں۔ اس سلسلے میں احادیث بھی کافی وارد ہوئی ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبىٰ، قالوا: يا رسول الله ومن يأبىٰ؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبىٰ.))

میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کون انکار کرے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔ (بخاری:۷۲۸۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ یَّعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ)) جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح:۱۸۳۵ ودارالسلام ح:۴۷۴۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور لوگوں کو اس عمل میں رخصت دے دی، لیکن بعض لوگوں نے وہ رخصت قبول کرنے سے گریز کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر فرمایا: ((**مابال اقوام یتنزھون عن الشیئ أصنعه ؟ فواللّٰه! إني لأعلمهم باللّٰه وأشدهم له خشية.**))

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جو کام میں کرتا ہوں کچھ لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمام لوگوں کی نسبت اللہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہوں (یعنی اس کی مرضی ومنشا اور اس کی ناراضی کے اسباب سے خوب واقف ہوں) اور لوگوں کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ (بخاری: ۶۱۰۱، ۷۳۰۱ وصحیح مسلم: ۲۳۵۶ ودارالسلام: ۶۱۰۹)

اس پر بکثرت احادیث مروی ہیں استیعاب مقصود نہیں۔ آیت مبارکہ اور احادیث مذکورہ پر غور کریں تو واضح ہو جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا اور جن امور سے آپ نے منع فرمایا اُن سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا اور اپنی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی قرار دیا اور دخول جنت کی لازمی شرط اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو قرار دیا، یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے، جس کی ہر مومن ومسلم کو طلب ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی طرف سے مبعوث، مطاع، امام اور مقتدا ہیں۔

اس کے برعکس لوگوں نے خود اپنے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا اور انہیں اپنا ''امام'' بنایا انہوں نے کبھی بھی اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع کیا۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں: ''**فان ھؤلاء الفقھاء کلھم قدنھوا عن تقلیدھم وتقلید غیرھم ،فقد خالفھم من قلدھم**''

''یقیناً ان تمام فقہا نے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے، پس جس کسی نے اُن کی تقلید وپیروی کی انہوں نے ان فقہا کی مخالفت کی۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۱۵۵)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان: ''لایحل لأحد یأخذ بقولي مالم یعلم من أین قلته ونهی إلی التقلید وندب الی معرفة الدلیل'' کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ میرے قول کو لے، اُس پر عمل کرے جب تک کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ میں نے کس دلیل سے یہ بات کہی ہے۔ تقلید سے منع فرمایا اور دلیل کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

(مقدمہ عمدۃ الرعایۃ ج ۱ ص ۹)

یہ بات مولوی احمد رضا خان بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں تحریر کی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۷۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان: ''مامن أحد إلا وهو مأخوذ من کلامه ومردود علیه إلا رسول اللّٰه ﷺ'' کوئی شخص ایسا نہیں کہ اُس کی بات لی بھی جا سکتی ہو اور اُس پر رد بھی کیا جا سکتا ہو، سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۷)

امام شافعی کا فرمان: ''وقال یومًا للمزني: یا إبراهیم! لاتقلدني في کل ماأقول وانظر في ذلك لنفسك فإنه دین'' ''ایک دن اپنے شاگرد ابراہیم المزنی سے فرمایا: اے ابراہیم! میری ہر بات کی تقلید مت کرو بلکہ خود اپنے لیے (قرآن وسنت سے) دلائل دیکھو اس لیے کہ یہ دین ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۵۷)

قال صاحبه المزني في أول مختصره..... من أراد علم الشافعي نهی الشافعي عن تقلیده وتقلید غیره . امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابراہیم المزنی نے اپنی اول مختصر میں فرمایا...... ''جو کوئی شافعی کے علم کو چاہتا ہے (تو وہ جان لے) امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید سے منع فرمایا ہے''

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۴۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان: ''لا تقلدني ولا تقلدن مالکاً ،ولا الأوزاعي ، ولا النخعي ولا غیرهم ،وخذ الأحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة'' میری تقلید ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی مالک رحمہ اللہ کی اور نہ ہی اوزاعی و نخعی کی اور نہ ہی ان کے

علاوہ کسی اور کی تقلید کرنا اور دینی احکام وہیں سے لینا جہاں سے انہوں نے لیے یعنی قرآن وسنت سے۔" (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷) (۱)

غور کریں! تو یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور اپنی طرف سے مقرر کردہ "امام" کی تقلید میں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری ان کے حکم سے ہو رہی ہے اور ان اماموں کی تقلید ان کے مذکورہ بالا فرامین کے عین خلاف ہو رہی ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے۔ اگر تقلید کوئی اچھی چیز ہوتی تو ائمہ کرام تقلید سے کیوں منع فرماتے؟ معلوم ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان اماموں کی اطاعت کا حکم دیا نہ ان اماموں نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا بلکہ انہوں نے تو صاف اور واضح الفاظ میں اس سے منع فرمایا اور قرآن وسنت کو اپنانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ علماء تھے وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کی ہدایت کے لیے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، انھی کی غیر مشروط ومکمل اطاعت واتباع کو قیامت تک کے لیے فرض قرار دیا ہے، انہی کی اطاعت واتباع صراط مستقیم ہے اور انہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں نجات ہے، جنت ہے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کی رضا ہے۔

ورضوان من اللّٰہ أکبر

لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ مقلدین اس قدر مغرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری سے بے پروا ہو کر چوتھی صدی کے بعد "تقلید" کی بدعت ایجاد کی۔ مذمت میں قرآن وسنت کے دلائل کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ اتنے متشدد وسخت ہیں کہ جنہیں اپنے لیے "امام" منتخب کیا تقلید کے لئے ان کے فرامین کو بھی خاطر میں نہ لائے، آج تک تقلید شخصی کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اللہ ہی ان مفتیان بے توفیق کو سمجھ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

دسواں فرق: مکمل اطاعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾

اور جو تمہیں رسول (ﷺ) دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو اور تم اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر:۷)

اس آیتِ مبارکہ کا حکم عام ہے کہ جو حکم بھی رسول اللہ ﷺ دیں اُس پر عمل کرنا ہے اور جس چیز سے بھی منع فرمائیں اُس سے رک جانا ہے۔ اس تسلسل میں تقویٰ کا حکم دینا ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی نافرمانی نہ کرنا تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنا، آپ کے حکم کو قبول نہ کرنا اور آپ ﷺ کی نہی اور ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کرنا اللہ رب العزت کے عذاب کا موجب ہے جیسا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ المختصر قرآن مجید کی اس آیت اور دیگر آیات سے ہمیں یہی حکم ملتا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت وفرمانبرداری کریں زندگی کے تمام امور میں خواہ اُن کا تعلق اعتقادیات سے ہو، فروعات سے ہو، معیشت وتجارت سے ہو، سیاسیات سے ہو یا عائلی وخانگی امور سے ہو، ہر ہر معاملے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مکمل پیروی کرنی ہے۔ ہمیں یہ اختیار قطعاً نہیں کہ ہم کہیں کہ فلاں فلاں کے فرامین یا فیصلوں پر عمل کرنا ہے، ہرگز نہیں! اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((من رغب عن سنتي فلیس مني .))

جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح ح ۵۰۶۳)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"فإني أخشی إن ترکت شیئا من أمره أن أزیغ "میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے امر (یعنی آپ کے قول وفعل) میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۳ وصحیح مسلم: ۱۷۵۹، دارالسلام: ۴۵۸۰ عن عائشۃ صدیقۃ رضی اللہ عنہا)

یہ فرمان ہے اُس ہستی کا جنہیں بارگاہ رسالت سے ''صدیقیت'' کی سند ملی اور جنہیں دنیا میں جنت کی خوشخبری دی گئی، اور جن کے ''أفضل البشر بعد الأنبیاء'' ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ وہ حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں، لوگوں کو ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کے کسی امر کو آپ ﷺ کے قول وفعل کو چھوڑ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ الحمد للہ یہ عظیم الشان مقام ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا، چونکہ آپ کو اللہ رب العالمین نے ''مطاع'' و''مقتدا'' بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو امامت کے منصب پر فائز فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس لوگوں کے بنائے ہوئے یا مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کا یہ مقام ومرتبہ قطعاً نہیں۔ کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں یہ اپنے مقرر کردہ خودساختہ ''امام'' کی تقلید کے قائل نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے: ''**وإن خالف أبا حنیفة رحمه الله صاحباه فی ذلك فان کان اختلافهم اختلاف عصر و زمان کالقضاء بظاهر العدالة یأخذ بقول صاحبیه لتغیر احوال الناس، وفی المزارعة والمعاملة ونحوهما یختار قولهما لاجتماع المتاخرین علی ذلك**''

اگر ابوحنیفہ کے صاحبین نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی اور مخالفت کی وجہ زمانہ ہو جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کرنا تو صاحبین کے قول پر فیصلہ ہوگا اسی طرح مزارعت اور معاملات اور ان کی طرح دیگر امور میں بھی صاحبین کا قول اختیار کریں گے متاخرین کے اس پر اجماع کی وجہ سے۔ (فتاویٰ قاضی خان ۲/۱)

علامہ ابن عابدین الشامی (فتاوی) السراجیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں:

''**وقیل إذا کان أبو حنیفة فی جانب وصاحباه فی جانب فالمفتي بالخیار والأول اصح إذا لم یکن المفتي مجتهدًا**'' ''اگر (امام) ابوحنیفہ کسی مسئلے

میں ایک جانب اور ان کے صاحبین (یعنی دونوں شاگرد) دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس کا چاہے قول لے لے۔'' (ردالمحتار ج ا ص ۷۰)

اسی طرح لکھتے ہیں: ''وقد صرّحو بأن الفتویٰ علی قولِ محمد فی جمیع مسائل ذوی الأرحام وفی قضاء الاشباہ والنظائر الفتویٰ علی قول أبی یوسف فیما یتعلق بالقضاء کما فی القنیة والبزازیة ای لحصول زیادةالعلم له به بالتجربة (ردالمحتار ج ا ص ۷۱ والنسخۃ الاخری ا/۵۳) وفی شرح البیری أن الفتویٰ علی قول أبی یوسف أیضًا فی الشهادات ، وعلی قول زفر فی سبع عشرة مسئلة حرر تها فی رسالة'' اور علماء نے صراحت کی ہے کہ ذوی الارحام یعنی رشتہ داری سے متعلق تمام مسائل میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور ''الاشباہ والنظائر'' کے قضاء میں ہے کہ ''قضاء'' (فیصلوں) سے متعلق تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔ شرح البیری میں ہے کہ گواہی سے متعلق مسائل میں بھی انہی کے قول پر فتویٰ ہوگا اور سترہ (۱۷) مسائل میں زفر کے قول پر فتویٰ ہے جنہیں میں نے ایک رسالے میں تحریر کیا ہے۔ (ایضاً ج ا ص ۷۱)

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کی تصریحات سے درج ذیل مسائل میں فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے بجائے ان کے صاحبین کے قول پر ہے۔

(۱) ظاہری عدالت سے متعلق مسائل پر

(۲) مزارعت یعنی زمینداری سے متعلق مسائل پر

(۳) معاملات سے متعلق مسائل پر

(۴) ذوی الارحام (رشتہ داری) سے متعلق مسائل پر

(۵) قضا (فیصلوں) سے متعلق مسائل پر

(۶) گواہی سے متعلق مسائل پر

(۷) اسی طرح سترہ (۱۷) مختلف مسائل پر زفر کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

اب دیکھئے یہ کس قدر اہم مسائل ہیں ان پر یہ اپنے مقرر کردہ ''امام'' کے قول پر فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے، بلکہ اصول بنا لئے گئے ہیں کہ ان مسائل پر صاحبین کے قول پر ''فتویٰ'' دیا جائے اور بعض چیزوں میں ابوحنیفہ کے مقابلے میں ان کے شاگردوں کے علم وتجربہ کی زیادتی کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اسی بنا پر ان کے قول پر فتویٰ دینے کو ترجیح دی گئی۔

دیوبندی ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''تمام اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱۶)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصول عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے موجودہ ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ عقائد اور اصولِ دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح وصحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے۔'' (الکلام المفید ص ۲۳۵)

ان کے ''وکیل احناف'' اور ''مناظر اسلام'' امین اوکاڑوی نے لکھا:

''صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے۔'' (مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۹)

اسی طرح بریلویوں کے ''حکیم الامت'' احمد یار خان نعیمی صاحب نے لکھا ہے:

''تفسیر روح البیان آخر سورۃ ھود آیت **نصیبھم غیر منقوص** میں ہے ''**وفی الآیة ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلادلیل وھو جائز فی الفروعِ والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لابدمن النظر والاستدلال......**

عقائد میں تقلید جائز نہیں۔'' (جاء الحق ص ۲۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

''حکیم الامت'' صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا جو کچھ اس طرح ہے:

''اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور تقلید (کہتے ہیں) کسی غیر کے قول کو بلا حجت تسلیم کرنا اور یہ (تقلید) فروعات وعملیات میں جائز ہے اور اصولِ دین اور عقائد میں جائز نہیں، بلکہ

دلیل پر نظر اور استدلال لازمی ہے۔''

اسی طرح نعیمی صاحب نے لکھا ہے: ''نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت ''**فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ** میں ہے **ھذہ الأیة تدلّ علی أنّ التقلید غیر کاف فی الدین و انّہ لابد من النظر و الاستدلال**''

(جاء الحق ص ۲۵، پرانا نسخہ ص ۱۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور۔ص ۲۵، ضیاء الدین پبلیکیشنز)

موصوف نعیمی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ لکھنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی، ترجمہ کچھ اس طرح ہے: ''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک دین میں تقلید کافی نہیں ہے اور یہ کہ تحقیق و استدلال لازمی ہے۔''

الغرض ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں بھی اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۱) عقائد میں

(۲) اصول عقائد میں

(۳) صریح احکام میں (جاء الحق ص ۲۶ پرانا نسخہ ص ۱۷ ملخصاً، مکتبہ اسلامیہ)

(۴) اصولِ دین میں

(۵) ضروریات دین میں

قصہ مختصر بقول ''وکیل دیوبندیت'' امین اوکاڑوی صرف ''مسائل اجتہادیہ'' میں تقلید کی جاتی ہے۔ بقیہ تمام امور میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ واجب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اب غور کیجئے! اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید یعنی بلا حجت شرعی پیروی میں کس قدر واضح فرق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر ہر معاملے میں اتباع و فرمانبرداری لازمی ہے۔ خواہ وہ عقائد کے مسائل ہوں، اصول دین ہوں یا ضروریاتِ دین، صریح احکام ہوں، ظاہری عدالت، مزارعت، قضا، شہادت،

تجارت ،معیشت ،سیاست بلکہ تمام معاملات میں آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری اتباع وپیروی اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے، لازم ہے۔کوئی صاحبِ ایمان یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ فلاں فلاں امور میں آپ ﷺ کے بجائے کسی اور کے قول وفعل پر فتویٰ ہوگا (نعوذ باللہ) اور نہ کوئی صاحبِ ایمان یہ جرأت کرسکتا ہے کہ وہ کہے کہ چونکہ فلاں فلاں دینی امور میں آپ ﷺ کے بجائے فلاں شخص کا علم وتجربہ زیادہ ہے (نعوذ باللہ) پس اسی لیے ان امور میں فلاں شخص کے قول پر فتویٰ ہوگا، جیسا کہ اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والوں نے اپنے امام کے متعلق کہا اور ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کے متعلق یہ کہنا ایمان وہدایت اور اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ پس یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت و پیروی میں اور لوگوں کے خودساختہ امام کی تقلید میں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((والذی نفس محمد بیدہ لو بدالکم موسی فاتبعتموہ وترکتموني لضللتم عن سواء السبیل ولو کان حیًّا وأدرك نبوتي لاتبعني.))

(سنن الدارمی: ۴۴۱ دوسرا نسخہ: ۴۴۹ وسندہ ضعیف، فیہ مجالد بن سعید وھو ضعیف عندالجمہور)

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے تشریف لے آئیں اور تم میرے بجائے اُن کی اتباع کرنے لگو تو سیدھے راستے سے گمراہ ہوجاؤ گے اور موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے، تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔'' یہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا مقام ومرتبہ اور آپ کی اطاعت واتباع کی اہمیت کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا طریقہ چھوڑ کر کسی نبی علیہ السلام کی پیروی بھی نہیں کی جاسکتی ورنہ گمراہی وبے راہ روی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔اب امتی وغیر نبی کس شمار میں ہیں؟ لہٰذا ایمان وعقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر معاملے میں آپ ﷺ ہی کی سنت وہدایت کے طلبگار رہیں اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

گیارھواں فرق: ترکِ اطاعت ہلاکت وبربادی

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((**قد تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لايزيغ عنها بعدي إلا هالك.**))(لوگو)! میں تمہیں ایسے روشن (دین) پر چھوڑے جارہا ہوں جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہ شخص گریز کرے گا جسے ہلاک ہونا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ح:۴۳ وإسنادہ صحیح)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے دین پر چھوڑا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔ اس میں کہیں اندھیرا نہیں، روشنی ہی روشنی ہے۔ روشنی میں ہر چیز واضح نظر آتی ہے، کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ جس کا دیکھنا مشکل ہو۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس دین پر چھوڑا اُس دین کی ہر ہر بات انتہائی روشن اور واضح ہے، اس میں کہیں پیچیدگیاں، موشگافیاں اور الجھنیں نہیں ہیں، نہ یہ بہت زیادہ مشکل اور کانٹوں بھری وادی ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔

اس قدر روشن اور اتنے آسان دین سے وہی شخص دور ہوگا وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ہلاکت، بربادی اور تباہی چاہتا ہو۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ "امام" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ دین۔ جبکہ لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ دین کے امام کی یہ حیثیت نہیں، نہ تو انہوں نے کبھی اس طرح کا دعویٰ کیا اور یقیناً ان کے فرمودات میں نقص ہے کہ جس کی تلافی کے لیے لوگوں نے ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی تلاش کر لیے کہ فلاں اور فلاں قسم کے مسائل میں فلاں اور فلاں کے قول پر فتویٰ ہوگا، اور اس پر عمل ہوگا اپنے مقرر کردہ امام کے قول پر نہ فتویٰ ہوگا نہ ہی عمل۔ یقیناً یہ روشن اور واضح نہیں ہے، اسی وجہ سے تو یہ ضرورت پیش آئی۔ اگرچہ لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے دین کو آسان اور واضح کردیا۔ اگر اتنا ہی آسان کردیا تھا تو آپ آج تک اُس میں (کتر بیونت) کمی بیشی کیوں کررہے ہیں جس کی مثالیں ہم فرق میں واضح کر چکے

ہیں۔ یہ کیا آسانی ہوئی کہ آپ کو آج تک کمی بیشی کی ضرورت پڑ رہی ہے اور آئندہ بھی آپ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین جو نبی کریم ﷺ نے مکمل بیان فرمایا وہ ہمیشہ ہی سے آسان تھا اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے آسان ہی رہے گا۔ البتہ اس کے لیے ذوق ومحبت رسول ﷺ کی اشد ضرورت ہے۔ غور کریں! تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی اطاعت اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید میں کہ آپ ﷺ کے طریقے سے ہٹنے والا ہلاکت و بربادی کے راستے پر چل پڑتا ہے ،لیکن لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کی تقلید کی یہ شان نہیں اُن کی تقلید ترک کرنا ہلاکت و بربادی نہیں ، بلکہ بعض میں ایمان کی عین شرط ہے، جب کہ ان کی بات قرآن وسنت کے خلاف ہو۔

بارھواں فرق: اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴾

اور اگر (ہمارے نبی ﷺ) بعض باتیں گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم ان کی شہہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس (کام) سے روکنے والا نہ ہوتا'' (الحاقۃ:۴۴ تا ۴۷)

آج کوئی کوتاہ فہم نادان یہ ہرگز نہ سمجھے کہ یہ رب الکریم کی اپنے منتخب آخری رسول خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو ڈانٹ ڈپٹ ہے (**نعوذ باللّٰہ من سوء الفھم**) ہرگز نہیں یہ ڈانٹ ڈپٹ نہیں یہ تو رب الکریم کی اپنے رسول ﷺ کے حق وصدق کی نازل کردہ ٹھوس، واضح اور مضبوط برہان ودلیل ہے۔ آپ کے مخالفین کے الزام کا ایک دندان شکن جواب ہے جو بدبخت آپ پر بہتان طرازی کرتے تھے کہ آپ ﷺ یہ قرآن اپنی طرف سے گھڑ لائے ہیں، ان کی ناپاک زبانیں بند کرنے کے لیے ایک مسکت ولا جواب دلیل ہے۔ جس کے سامنے وہ بالکل عاجز و بےبس ہو چکے ہیں۔ **للّٰہ الحمد**

وہ اس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تریسٹھ (۶۳) سال کی مبارک عمر پوری فرمائی اور طبعی طور پر وفات پائی۔ اس شان سے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزات ودلائل کے ذریعے سے آپ کی بھرپور نصرت وتائید فرمائی، آپ کے تمام دشمنوں پر آپ کو مکمل غلبہ عطا فرمایا اور آپ کے دشمنوں کو نیست ونابود کر دیا، لیکن آپ ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ پیش نہ آیا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے زندگی بھر میں کوئی ایک بات نہیں گھڑی، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بنائی۔ بلکہ پوری زندگی اللہ کے احکام ہی کی تبلیغ فرمائی، اپنی مرضی سے اپنی رائے وقیاس سے کوئی حکم لاگو نہیں فرمایا۔ یہ خاص شان وعظمت ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ ﷺ کی۔

جبکہ جن لوگوں کو لوگوں ہی نے اپنی طرف سے ''امام'' مقرر کیا، ان کی نہ تو یہ شان وعظمت ہے نہ یہ مقام، نہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے متعلق ایسی کوئی تائید ودلیل نازل فرمائی بلکہ وہ تو عدم دلائل کی صورت میں اپنی رائے وقیاس سے بھی حکم صادر فرماتے تھے۔ مثلاً مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے۔ لیکن فقہاءِ حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷، ۱۰۸)

اب غور کیجئے! قرآن وسنت میں یقیناً ایسی کوئی دلیل نہیں کہ انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء یا دیگر اشیاء سے تیار کردہ شراب اتنی کم مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، محض قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے بلکہ دلائلِ قرآن وسنت اس کے خلاف ہیں، اسی لیے تو بعد کے حنفیوں نے بھی امام صاحب کے اس قول کو چھوڑ دیا اور دیگر اشیاء سے تیار کردہ شرابیں بھی حرام قرار دے دیں۔

المقصود جب قرآن وسنت میں اس کی دلیل نہیں تو یقیناً امام صاحب (ابوحنیفہ) نے یہ فتویٰ محض اپنی رائے وقیاس سے دیا، اس کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو ہم یہ قطعاً نہیں کہتے کہ معاذ

اللہ امام ابوحنیفہ نے جان بوجھ کر ہی ایسا کیا، ممکن ہے اس سلسلے میں انہیں قرآن وسنت کے دلائل سے آگاہی نہ ہوا گروہ جانتے تو جانتے بوجھتے قطعاً یہ فتویٰ نہ دیتے، الغرض یہ فتویٰ ان کی اپنی رائے وقیاس سے تھا۔

یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علی وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اگر اُن کی تقلید کرتے رہیں تو بہت سی حرام چیزوں کو بھی حلال کہنا پڑے گا اور حلال چیزوں کو حرام۔ (نعوذ باللہ)

اور یہ کہ اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام غلطی سے یا عدم علم یا دلیل بروقت مستحضر نہ ہونے کی وجہ سے بھی اپنی رائے وقیاس سے فتویٰ دے دیتے تھے۔ ان کی تنبیہ کے لیے بروقت وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا، غور کریں! یہ ایک اور عظیم الشان فرق ہے۔

تیرھواں فرق: خطا پر باقی رہنا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ اور یہ (نبی) اپنی طرف سے نہیں بولتے، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ (النجم ۳،۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اپنی مرضی وخواہش سے نہیں بولتے تھے بلکہ دین کے سلسلے میں آپ نے صرف وہی تعلیمات ارشاد فرمائیں جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی حکم دیا اور اگر زندگی میں چند ایک بار بتقاضائے بشریت ایسی کوئی بات سامنے آئی بھی تو اللہ رب العالمین نے فوراً وضاحت کے لیے وحی نازل فرمائی، جیسا کہ آپ ﷺ نے شہد کے بارے میں فرمایا تھا کہ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ نہیں کھاؤں گا۔

(صحیح بخاری، تفسیر سورۃ التحریم ح ۴۹۱۲)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ إلخ

اے نبی ﷺ! آپ کیوں (اپنے آپ پر) حرام فرماتے ہیں، جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ (التحریم:۱)

حالانکہ احادیث سے واضح ہے کہ آپ ﷺ نے امت پر اسے حرام قرار نہیں دیا تھا، چونکہ آپ ﷺ کی زبان حق سے نکلا ہوا ایک ایک فقرہ اور جملہ ضابطہ حیات ہے، ہر ہر عمل مشعل رشد و ہدایت ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہتی دنیا تک کے لیے امام، مقتدا ومطاع ہیں، آپ کی اطاعت واتباع کا حکم ہے تو لوگ کہیں آپ کی پیروی میں ایک حلال چیز کو حرام نہ کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت نازل فرما دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں تھے، آپ ﷺ ''معصوم عن الخطاء'' تھے اگر ایک آدھ واقعہ پیش آیا بھی تو اُس کی فوراً اصلاح کر دی گئی آپ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا، لہٰذا ان کے کسی قول وفعل میں خطا کا امکان نہیں یہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی شان وعظمت ہے۔ اب لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ یا لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کا حال ملاحظہ کیجئے۔ مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: ''کتب اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ المجتهد يخطئ ويصيب یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی ہو سکتی ہے وہ معصوم نہیں۔'' (الکلام المفید ص ۳۳۰۔ اس کے علاوہ ص ۳۳۱)

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب اپنی ایک اور کتاب (ازالة الريب) میں ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی اور شیخ احمد المدعو، مُلا جیون الحنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''وإن كان أخطأ الرّأى ينزل الوحى للتنبيه على الخطأ وماتقرّر على الخطأ قط بخلاف سائر المجتهدين فانهم إن أخطأوا يبقى خطأهم إلى يوم القيامة'' (نور الانوار مع المنار ص ۲۱۸)

اور اگر آپ (ﷺ) سے خطا سرزد ہوتی تھی تو خطا پر تنبیہ کے لیے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو خطا پر ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا، بخلاف دیگر سب مجتہدین کے، کیونکہ اگر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو قیامت تک اُن کی خطا باقی رہتی ہے۔" (ازالۃ الریب ص ۸۶)

قیامت تک خطا باقی رہنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اُن پر وحی کا نزول نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ "امام" نہیں کہ جن کا ہر ہر قول ضابطہ حیات ہو اور ہر ہر عمل رشد و ہدایت ہو اور نہ اللہ کی طرف سے مقتدا و مطاع ہیں۔ غور کریں! تو ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور بندوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں خطا کا احتمال تک نہیں اور بندوں کی طرف سے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں خطا کی پیروی کا سو فیصد امکان ہے، جبکہ سرفراز خان صفدر صاحب ہی نے علامہ محمد یعقوب البمبانی الحنفی کا یہ قول بھی اس کتاب میں نقل فرمایا کہ "ولا اتباع فی الخطأ" کہ خطا میں پیروی (درست) نہیں (المولوی علی الحسامی ص ۱۶۴ ازالۃ الریب ص ۸۵) ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا امام بنا لے اور اُن کی اتباع و پیروی کرتا رہے، تا کہ وہ خطا میں پیروی کا مرتکب نہ ہو، جبکہ تقلید میں خطا میں بھی پیروی کا مکمل امکان ہے۔

افسوس کہ ان تمام حقائق کے باوجود یہ "علماء" تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں۔

چودھواں فرق: ہر ہر بات حق

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات سنا کرتا اُسے، یاد کر لینے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس عمل سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں (بتقاضائے بشریت) آپ کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی یا غصے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنی بابرکت انگلی سے اپنے مبارک منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اکتب فوالذي نفسي بیده مایخرج منه إلا حق.)) لکھو، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے منہ سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔

(سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی کتاب العلم رقم الحدیث ۳۶۴۶، ورواہ الحاکم فی المستدرک، کتاب العلم رقم الحدیث ۳۵۷ وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ووافقہ الذھبی، المستدرک ج۱ص۱۸۶ والنسخۃ القدیمہ ج۱ص۱۰۴)

سبحان اللہ! یہ عظیم مرتبہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے کلام کا، آپ کے فرامین کا، کہ اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کی زبان مبارک کو محفوظ فرمادیا تھا کہ آپ کی زبان سے حق بات ہی نکلتی تھی، اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ رہتی دنیا تک کے امام، مطاع ومقتدا ہیں۔ آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنی مبارک زبان سے نکلی ہوئی ہر ہر بات لکھنے کا حکم دیا، حالانکہ آپ ﷺ کے سامنے یہ اشکال رکھ دیا گیا تھا کہ لوگوں کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مزاجِ گرامی پر بعض اوقات غصہ وناراضی کے آثار ہوتے ہیں اور بسا اوقات خوشی کے۔

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس اشکال کے باوجود اپنی ہر ہر بات لکھنے کی اجازت دے کر گویا یہ وضاحت فرمادی کہ غصہ یا ناراضی ہو یا خوشی میری زبان سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے ناحق بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے برخلاف لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کا حال ملاحظہ کیجئے:

''فقال یومًا أبو حنیفة لأبي یوسف :ویحك یا یعقوب ،لاتکتب کل ما تسمع مني ، فإني قد أری الیوم غدًا وأری الرّای غدًا ،واترکه بعد غدٍ''

ایک دن ابوحنیفہ نے ابویوسف سے کہا: تیرا برا ہو اے یعقوب! مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کر، اس لیے کہ میں تو آج ایک رائے رکھتا ہوں کل اُسے ترک کردیتا ہوں اور کل دوسری رائے رکھتا ہوں تو پرسوں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ (تاریخ ابن معین ج۲ص۶۰۷ وسندہ حسن)

غور کیجئے! امام ابوحنیفہ کی حقیقت پسندی وحق گوئی پر، کس طرح واضح الفاظ میں اپنے اقوال کی حیثیت بیان فرمائی کہ میں تو رائے سے بھی فتویٰ دیتا ہوں، رائے کا یہ حال ہے کہ

آج رائے دی،کل اس سے بہتر رائے سامنے آئی تو وہ رائے اختیار کر لی، پرسوں ایک اور ''رائے'' اختیار کر لی اور سابقہ رائے چھوڑ دی۔ یہ میری ''رائے'' ہی تو ہے کوئی وحی تو نہیں ہے۔ پھر اس کی یہ حیثیت واہمیت قطعاً نہیں کہ اس کو لکھا جائے، تحریر میں لایا جائے، پس تو نہ لکھا کر اور لکھنے سے منع فرما دیا۔

الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اطاعت اور بندوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد ﷺ کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی ہر ہر بات حق ہے،اس لیے وہ نہ صرف لکھے جانے کے لائق ہے بلکہ ضروری ہے اور اس بات کی پیروی کرنے والا حق کا پیرو ہے اور بندوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی ''رائے'' لکھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ،اس لیے کہ وہ تو کسی بھی وقت بدل جاتی تھی ،اُس کی تقلید کرنے والوں کا حق کی پیروی کرنے والا ہونا یقینی نہیں بلکہ غلطی پر ہونا یقینی ہے کہ عین ممکن تھا کہ وہ بھی بدل جاتی ۔ ہر لحظہ بدلتی ہوئی بات کا حق ہونا یقینی قطعاً نہیں ہوسکتا، البتہ غلط ہونا بالکل یقینی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زبان سے متعلق ہمیں یہ بات بتلائی کہ ''اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا'' بعض لوگوں نے اپنے لیے بھی اس بات کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ دیو بندی ''قطب عالم'' رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق لکھا گیا کہ: ''آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے فرمائے ،سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر......''

(تذکرۃ الرشید ج۲ ص ۱۷)

کیا یہ منصب رسالت پر ''ڈاکہ'' نہیں؟ کہ جو مقام رسول اللہ ﷺ کا تھا، یہ جناب رشید گنگوہی صاحب اپنے لیے ثابت کر رہے ہیں،اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔(الاعراف:۱۵۸)

قرآن مجید تو بتاتا ہے کہ ہدایت ونجات موقوف ہے رسول اللہ ﷺ کی اتباع پر،لیکن

دیوبندیوں کے ''قطب عالم'' صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' کیا یہ قرآن مجید کی تعلیمات سے سراسر غفلت کا نتیجہ نہیں؟ کیا کوئی صاحبِ ایمان ومحبِّ رسول آپ ﷺ کے خصائص کو اپنے لیے ثابت کرسکتا ہے یا اپنے لیے بھی ان خصائص کا مدعی ہوسکتا ہے؟ مگر افسوس کہ بڑے بڑے القابات سے یاد کیے جانے والے صاحب جبہ ودستار بعض افراد نے ایسے دعوے کیے اور کئی لوگ ان کے راستے پر چل کر گمراہ ہوئے۔ [الحدیث:۱۸۔۱۹]

پندرھواں فرق: تارکِ سنت ملعون ہے

اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ستة لعنتهم لعنهم الله و كل نبي مجاب ..... و التارك لسنتي))

چھ قسم کے لوگ ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں، اللہ بھی ان پر لعنت فرمائے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ (ان میں سے ایک) میری سنت کو ترک کرنے والا ہے۔

(المستدرک للحاکم ۳۶/۱ ورقم الحدیث ۱۰۲، وصححہ الذہبی)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ''امام'' سرفراز خان صاحب بھی اپنی کتاب راہِ سنت (ص ۲۵) میں لائے ہیں۔ اس کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قال الحاکم والذہبی صحیح'' یعنی حاکم اور ذہبی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

[تنبیہ: یہ روایت سنن الترمذی: ۲۱۵۴ وصحیح ابن حبان، الموارد: ۵۲ وغیرہ میں بھی ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی الموال ثقہ، وثقہ الجمہور رہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث صحیح بخاری وغیرہ میں موجود ہیں۔ تحریر تقریب التہذیب میں لکھا ہوا ہے: ''بل ثقة و ثقه ابن معين ...'' (۴۰۲۱)

عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن موہب حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ دیکھئے میری تعلیق علیٰ تہذیب التہذیب ۲۸/۷، ۲۹، لہٰذا شیخ البانی رحمہ اللہ کا اس روایت کو ضعیف قرار دینا غلط ہے۔/ زبیر علی زئی]

علامہ راغب اصفہانی نے ''لعنت'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھا: ''**اللعن الطرد والا بعاد علٰی سبیل السخط وذلك من اللّٰه تعالٰی فی الآخرة عقوبة و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمته وتوفیقه ومن الإنسان دعاء علٰی غیره**''

''لعن'' کسی سے ناراض ہوکر اسے دھتکارنے یا دور کردینے کو کہتے ہیں اور یہ (لفظ) جب اللہ کی طرف سے (استعمال) ہوتو اس سے مراد آخرت میں عذاب اور دنیا میں اپنی رحمت و توفیق کا ختم کردینا ہے، اور اگر انسان کی طرف سے یہ لفظ استعمال ہوتو اس سے مراد اس کا کسی دوسرے کے لئے بددعا کرنا ہے۔ (المفردات ص ۴۵۴)

''لعنت'' کے اس معنی اور مفہوم کو ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد ﷺ کا کیا مقام ومرتبہ ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کی سنت کو ترک کردینے والا ہو آپ کے طرزِ عمل سے اعراض کرنے والا ہو آپ کے طریقہ سے منہ پھیرنے والا ہو، اس پر اللہ رب العالمین کی لعنت ہے، مطلب یہ کہ وہ شخص اللہ کی رحمت وتوفیق سے محروم ہوکر آخرت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ **أعاذنا اللّٰه منه**

اسی طرح نبی کریم ﷺ جن کے دل میں انسانیت کے لئے بے انتہا شفقت، محبت و ہمدردی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، کی بددعا کا شکار یہ محروم شخص ہوگا۔ آپ ﷺ جو اپنی امت سے بڑی محبت فرماتے تھے، جنھیں اپنی امت کی فکر ہر لحظہ دامنگیر رہتی، ہر مقام پر اپنی اُمت کا خیال رکھتے، وہ جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ ان رسولِ رحمت ﷺ کی طرف سے بھی ایسے شخص کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت وتوفیق سے محرومی کی بددعا۔ لعنت ہے۔

یہ ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد ﷺ کا مقام ومرتبہ، شان وعظمت کہ جو آپ کی اتباع و پیروی کرے گا آپ کی ہدایات کو اپنائے گا آپ کے نقش قدم پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائے گا، اُس پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا، لیکن جو کوئی اس کے برعکس رویہ اختیار کرے گا، آپ ﷺ کی اتباع، پیروی اور آپ کی سنت سے روگردانی کرے گا اس پر اللہ لعنت فرمائے گا، اپنی رحمت سے دور کردے گا اور اپنے عذاب میں مبتلا کردے گا۔

لیکن جنھیں لوگوں نے خود اپنی طرف سے ''امامت'' کے منصب پر فائز کر دیا اور ان کی مرضی کے خلاف خود اپنی طرف سے ان کی تقلید و پیروی کو واجب، لازمی وضروری ٹھہرایا۔ ان کی تقلید و پیروی کا ہرگز ہرگز بھی یہ مقام و مرتبہ نہیں ہے۔ قرآن وسنت میں کہیں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ جو شخص لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید و پیروی کا انکار کر دے گا، ان کی تقلید کو ترک کر دے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت ہوگی، وہ اللہ کی رحمت وقرب سے دور کر دیا جائے گا، اس پر آخرت میں عذاب ہوگا۔ حاشا وکلا نہیں اور ہرگز ہرگز نہیں، قرآن وسنت میں ایسی کوئی بات نہیں۔ قرآن وسنت اس تصور سے یکسر خالی ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ تو صرف اور صرف اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کے اتباع و پیروی کا ہے، ان کی سنت کا ہے۔ یہ ایک اور واضح فرق ہے امام کی تقلید اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں، لیکن افسوس! کہ جب اپنی مرضی ومنشا سے اپنی طرف سے بغیر کسی سلطان و برہان کے، بغیر کسی دلیل و شرعی حجت کے ''امام'' مقرر کرنے والوں نے اور پھر ساری امت پر ان اماموں کی تقلید کو واجب، ضروری اور لازمی قرار دینے والوں نے جب یہ دیکھا کہ اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کی اتباع و پیروی اور ان کے طریقہ کی اس قدر اہمیت ہے اتنا بڑا مقام ہے کہ جو اسے ترک کر دے تو وہ ''لعنت'' کا مستحق ٹھہرتا ہے اور ہمارے مقرر کردہ امام کی تقلید و پیروی اس سے خالی و تہی دامن ہے اس کا کوئی مقام و مرتبہ نہیں تو بعینہ یہی مقام و مرتبہ بلکہ یوں کہیے کہ اس سے کئی گنا بڑھ کر اپنے بنائے ہوئے امام کے لئے بھی گھڑ لیا گیا۔

علاء الدین الحصکفی (حنفی) نے اپنی کتاب درمختار میں لکھا: ''فَلعنةُ ربنا أعداد رمل علٰی من رد قول أبي حنيفة'' اس شخص پر ریت کے ذرات کے برابر لعنتیں ہوں جو ابوحنیفہ کے قول کو ٹھکرا دے۔ (درمختار ۱/۱۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

بلاشبہ امام ابوحنیفہ ان کے اس بدترین غلو سے بری ہیں، نہ تو یہ ان کی سوچ تھی اور نہ یہ تعلیمات.... لیکن یہ مقلدین کا ''غلو'' ہے۔ ہماری معروضات بھی ان مقلدین ہی سے متعلق ہیں۔

اللہ کی پناہ، غور کریں! تو واضح ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مقابلہ جاری ہے، جو فضائل، جو شان و عظمت جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کو عطا فرمایا اور قرآن و سنت میں ان کے لئے بیان ہوا۔ لوگوں نے پوری کوشش کی کہ ویسی ہی شان و عظمت ویسا ہی مقام و مرتبہ اپنے بنائے ہوئے امام کے لئے بھی گھڑ دیں، بلکہ بعض مقام پر تو اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر دعویٰ کر دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میری زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ تو ایک مولوی صاحب نے اٹھ کر یہ کہہ دیا کہ ''سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے'' (تذکرۃ الرشید ۲/۱۷) اسی ضمن میں گنگوہی صاحب کا یہ فرمان ہے کہ ''حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ میری زبان سے غلط بات نہیں نکلوائے گا'' (حکایات اولیاء المعروف بہ ارواح ثلاثہ ص ۳۱۰ حکایت نمبر ۳۰۸)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ جو نبی ﷺ کی اتباع کرے گا تو اللہ اس سے محبت فرمائے گا اس کی بخشش فرمائے گا تو کچھ ایسا ہی دعویٰ لوگوں نے اپنے امام سے متعلق کر دیا۔ حدیث میں تارکِ سنت پر ''لعنت'' کی گئی تو آلِ تقلید نے بھی اپنے مقرر کردہ امام کے قول رد کرنے والوں پر لعنت نہیں بلکہ لعنتیں کر دیں اور اس قدر لعنتیں کر دیں کہ سارے مقلدین جمع ہو کر بھی اسے شمار میں نہیں لا سکتے، اگرچہ ہر ایک کو ہزار ہزار سال کی عمر ہی کیوں نہ مل جائے۔ آخر ریت کے ذرات کو کون شمار میں لا سکتا اور کس طرح لا سکتا ہے؟

اس طرح لعنت کی برسات کرنے پر حیرت کے ساتھ ساتھ انتہائی افسوس بھی ہوتا ہے کہ اس کا نقصان بھی خود انھیں پہنچتا ہے، چونکہ وہ بہت سے مسائل میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کے اقوال رد کر چکے ہیں، انھیں چھوڑ چکے ہیں اور بہت سے مسائل میں انھوں نے باقاعدہ اصول وضع کئے ہیں کہ ان مسائل میں امام ابوحنیفہ کے بجائے ان کے فلاں فلاں شاگرد کے اقوال لئے جائیں اور ان پر فتویٰ دیا جائے، بطورِ مثال اس مضمون کا ''دسواں فرق'' ملاحظہ کیجئے۔ آپ پر واضح ہوگا کہ کس طرح یہ لوگ بذاتِ خود اپنے ہی تراشیدہ دام میں الجھے ہوئے ہیں، خود ساختہ باتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

[تنبیہ بلیغ: ''فلعنة ربنا'' والاقول درمختار میں امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ یا ابن ادریس (الشافعی) رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ دیکھئے حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار (۴۶/۱، ۴۵ وردالمحتار ار ۴۷) یہ قول بالکل بے سند ہے نہ تو ابن المبارک رحمہ اللہ سے ثابت ہے اور نہ ابن ادریس سے۔ بلکہ کسی امام سے بھی یہ قول باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ بے سند اقوال موضوع روایات سے بھی نچلا درجہ رکھتے ہیں اور سرے سے مردود ہوتے ہیں۔ بے سند اور جھوٹے اقوال وہی لوگ پیش کرتے ہیں جو بذاتِ خود انتہائی خطرناک قسم کے جھوٹے اور بے سند ہوتے ہیں۔ جو لوگ ''فلعنة ربنا'' والاقول کسی امام سے ثابت سمجھتے ہیں تو باسند صحیح پیش کریں۔ ادارہ الحدیث اس مطالبے کے جواب کا منتظر ہے اور اگر ایسی کوئی صحیح سند پیش کر دی گئی تو بصد شکریہ ''الحدیث'' میں شائع کر دی جائے گی۔ ان شاء اللہ]

[الحدیث:۲۶]

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

عذابِ قبر اور برزخی زندگی

سوالات :

۱۔ عذاب قبر سے کیا مراد ہے؟ اور اس کا تعلق روح سے ہوتا ہے یا بدن سے بھی ہوتا ہے؟

۲۔ اگر قبر میں جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے تو پھر اُخروی عذاب کے کیا معنی ہیں؟

۳۔ از روئے قرآن زندگیاں دو ہیں، دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی، پھر برزخی زندگی کیا ہے؟ موت کو زندگی کا نام دینا میرے فہم سے بالاتر ہے۔

۴۔ مُردہ تو سننے سے قاصر ہوتا ہے، پھر" **إنه يسمع قرع نعالهم** " کا کیا مطلب ہے؟ آخر قرآن ہی تو کہتا ہے: ﴿**اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا** ط﴾

۵۔ روح اور جسم کے باہمی ملاپ کا نام زندگی ہے، پھر " **فيعاد روحه في جسده** " سے کیا مراد ہے؟ کئی لوگوں کی نعشیں (جیسے لندن میں فرعون کی اور چین میں ماوز سے تنگ کی) باہر سامنے پڑی ہیں، لیکن ان میں اعادہ روح کے کوئی آثار نظر نہیں آتے مزید یہ کہ جب مردے زندہ ہوں گے تو وہ قبروں سے باہر نکل پڑیں گے؟

۶۔ حدیث میں ہے: مستحق عذاب (کافر یا مشرک) کو فرشتے مارتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی چیخ وپکار سوائے جن وانس کے تمام مخلوق سنتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا خچر تو بدک گیا، لیکن ہمارے ریوڑ کے ریوڑ قبرستانوں میں چرتے ہیں اور کبھی ان کے ڈرنے کا واقعہ نہیں سنا گیا؟ آپ کے خچر کا بدکنا تو خرق عادت تھا اور اس کو معجزہ کہیں گے۔

۷۔ عالم خواب میں فوت شدگان کی روحیں اپنے لواحقین سے آ کر ملتی ہیں یا یہ محض تخیل ہوتا ہے؟ (حافظ محمد عمران فاروقی ضلع وتحصیل میانوالی محلّہ یارو خیل مسجد اہل حدیث)

الجواب: محترمی جناب! حافظ محمد عمران فاروقی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ
آپ کا خط ملا جو آپ نے استاد محترم جناب حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کو ارسال کیا تھا۔ آپ کے سوالات کے مختصر جوابات پیشِ خدمت ہیں:

جوابات:

۱۔ عذابِ قبر سے مراد وہ عذاب ہے جو میت کو قبر میں دیا جاتا ہے۔ اور قرآن وحدیث کی واضح نصوص سے ثابت ہے کہ قبر زمین میں ہوتی ہے اور قیامت کے دن انسانوں کو اسی ارضی قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ ارضی قبر کے علاوہ کسی دوسری فرضی قبر کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس عذاب کا تعلق جسد یعنی میت سے ہوتا ہے۔ اور روح جنت یا جہنم میں ہوتی ہے۔ (دیکھئے سورۃ نوح آیت:۲۵ التحریم:۱۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عذاب قبر اور عذاب جہنم دونوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے:

((المیت یعذب فی قبرہ بمانیح علیھا.))

میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس پر نوحہ کے سبب سے۔ (بخاری:۱۲۹۲ و مسلم:۹۲۷)

یہ حدیث قبر میں میت (بدن) کے عذاب پر بالکل واضح ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ عذاب کا تعلق جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ موت روح اور جسم کی جدائی کا نام ہے اور قیامت ہی کے دن روح اور جسم آپس میں دوبارہ ملیں گے۔

۲۔ قبر میں جسم کو عذاب ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی عذاب ہوگا۔ آپ کا یہ اعتراض کہ پھر اخروی عذاب کا کیا مطلب ہے؟ تو قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ قبض روح کے وقت کافروں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ دیکھئے سورۃ الانعام ۹۳، الانفال آیت ۵۔ آپ سے بھی یہی سوال ہے کہ جب قبضِ روح کے وقت کافروں کو عذاب دیا جاتا ہے تو پھر اُخروی عذاب کے کیا معنی؟ اَب جو جواب آپ کا ہوگا، وہی ہمارا بھی ہے۔

۳۔ دو زندگیوں کا مطلب یہ ہے کہ آج دنیا میں جیسی زندگی ہمیں حاصل ہے اسی طرح کی محسوس اور ظاہری زندگی قیامت کے دن بھی حاصل ہوگی۔ اور مرنے کے بعد حالتِ موت

میں بھی عذاب اور راحت کو میت اور روح محسوس کرتی ہیں۔قرآن نے ضِعْفَ الْمَمَاتِ کے الفاظ کے ساتھ حالت موت میں عذاب کا ذکر کیا ہے۔دیکھئے بنی اسرائیل آیت ۷۵۔ علمائے اسلام نے موت کے بعد ثواب اور عذاب کی کیفیت کو سمجھانے کے لیے اسے برزخی زندگی کا نام دیا ہے، بہر حال نام کی بحث کو چھوڑیں اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

ع۔ آپ کہتے ہیں کہ مردہ سننے سے قاصر ہوتا ہے،قرآن کی کونسی آیت ہے یا کسی حدیث میں ایسا کوئی مضمون آیا ہے کہ مردہ سننے سے قاصر ہے؟ البتہ قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴾

اللہ تعالیٰ جسے بھی چاہے سنا دے اور (اے نبی ﷺ!) آپ ان لوگوں کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ (فاطر:۲۲)

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا سکتا ہے، البتہ نبی ﷺ یا کوئی دوسرا مردوں کو نہیں سنا سکتا۔یعنی نبی کے اختیار میں مردوں کو سنانا نہیں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہتا ہے تو قلیب بدر والوں کو نبی ﷺ کا فرمان سنا دیا۔ (بخاری:۱۳۷۱،۱۳۷۲مسلم:۹۳۲)

میت واپس جانے والوں کی جوتیوں کی چاپ سنتی ہے۔(بخاری:۱۳۳۸)

میت سے قبر میں سوالات کیئے جاتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ، تیرا رب کون ہے؟

مَا تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ تُو اس شخص کے بارے میں کیا جانتا ہے؟ یہ تمام باتیں میت کو اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔آپ نے جو آیت نقل کی ہے وہ بے موقع ہے۔آپ اس سلسلے میں تحقیق کریں۔

۵۔ ''فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ'' کا مطلب یہ ہے کہ سوال وجواب کے وقت روح کو میت میں لوٹایا جاتا ہے اور یہ آخرت کا معاملہ ہے اور آخرت کے معاملات کو عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاسکتا، پھر یہ غیب کا معاملہ ہے۔﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ ایمان والے اِن اَن دیکھی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ایسی حقیقتیں جو پردہ غیب میں ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ نظر کیوں نہیں آتیں تو یہ طرز عمل کفار ومشرکین کا تھا اور اگر آپ اِن حقیقتوں

کو دیکھنے کے ہی متمنی ہیں تو پھر کچھ انتظار کر لیں موت کے وقت یہ تمام حقائق آپ کو معلوم ہو جائیں گے۔

٦۔ جب میت کو عذاب دیا جاتا ہے تو جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام مخلوق اِن کے چیخنے چلانے کی آواز سُنتی ہے۔ایک حدیث میں ((يعذبون حتى تسمع البهائم كلها.)) (بخاری:٦٣٦٦ومسلم:٥٨٦)''تمام چوپائے میت کی آواز کو سنتے ہیں۔''ایک حدیث میں ''يسمع من يليه''قریب کی ہر چیز میت کی آواز کو سنتی ہے۔ (بخاری:١٣٣٨)

میت کے چیخنے چلانے کی آواز ہر چیز سنتی ہے،سوائے انسان کے اور اگر اِنسان اسے سُن لیتا تو بے ہوش ہو جاتا۔(بخاری:١٣٧٤)

اِن احادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ میت کے چیخنے چلانے کی آواز ہر چیز اور تمام جانور سنتے ہیں،لیکن انسان اور جنات اسے نہیں سن سکتے۔ جہاں تک نبی ﷺ کے خچر کے بدکنے کا معاملہ ہے تو یقیناً وہ بھی اس اچانک آواز سے بدک گیا تھا۔دنیا میں جانور بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ شہری جانور جو سڑک پر سائرن کی زبردست آواز سے بھی متحرک نہیں ہوتے۔دوسرے تھر پارکر کے علاقے کے جانور جو دُور سے کسی کار کی آواز سن کر ہی ایسے بدحواس ہو کر اور گھبرا کر بھاگتے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے،لہٰذا قبر کی آواز سے بھی ڈھیٹ قسم کے جانور تو نہیں بدکتے، بلکہ یہ آوازیں اِس کی روزمرہ کا معمول اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں،جبکہ حساس قسم کے جانور اس سے بدکتے ہیں۔

اور نبی ﷺ کا عذاب قبر کو سننا آپ کے نبی ہونے کی وجہ سے تھا۔اور آپ کے خچر کا عذاب کی آواز سے بدکنے کو معجزہ کا نام دینا غلط بلکہ جہالت ہے،کیونکہ تمام ہی جانور عذابِ قبر کی آواز سنتے ہیں،لہٰذا عثمانی فلسفہ کے بجائے قرآن وحدیث پر سچے دل سے ایمان لے آئیں۔

٧۔ خواب میں بعض دفعہ مرنے والے سے ملاقات ہو جاتی ہے جس سے اس کی حالت کا پتا چل جاتا ہے۔جس طرح طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ ہجرت کرنے والے ساتھی کو

خودکشی کے بعد خواب میں دیکھا جس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے بخش دیا ہے، لیکن فرمایا کہ جس چیز کو یعنی ہاتھ کی انگلیوں کو تو نے خود خراب کیا ہے میں انہیں ٹھیک نہیں کروں گا۔ نبی ﷺ نے یہ سن کر دعا فرمائی کہ اللہ اس کی انگلیوں کو بھی معاف فرما دے۔ (مسلم:۱۱۶)

نبی کریم ﷺ نے سیدنا جعفر الطیار رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تھا، ان کے دو پر تھے جن پر خون لگا ہوا تھا۔ دیکھئے المستدرک للحاکم (۲۱۲/۳ ح ۴۹۴۳ وسندہ حسن)

ابو الصہباء صلہ بن اشیم العدوی (ثقہ تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے (سیدنا) ابو رفاعہ العدوی (رضی اللہ عنہ) کو ان کی شہادت کے بعد (خواب میں) دیکھا، وہ ایک تیز اونٹنی پر جا رہے تھے۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۸۴/۱۱، ۸۵ ح ۳۰۵۲۳ وسندہ صحیح)

(۲۳/ رجب ۱۴۲۶ھ) [الحدیث: ۱۸]

فضل اکبر کاشمیری

وَلَا تَفَرَّقُوْا...

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو قرآن وحدیث پر مشتمل ہے۔ یہی دو مصادر ہدایت ورہنمائی کے سرچشمے ہیں اور گمراہی وضلالت سے بچنے کے لئے کافی ہیں۔ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے وہ حق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ ﴿فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ﴾ لیکن افسوس صد افسوس کہ آج انسانوں کی اکثریت یا تو قرآن و حدیث سے جاہل ہے، یا مسلک پرستی، اکابر پرستی اور فرقہ پرستی وغیرہ میں اس قدر مبتلا ہے کہ اصل دین اس پر مشتبہ ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف فرقہ پرستی کی وبا پھیل چکی ہے۔ مروّجہ تقلیدی مذاہب اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

حافظ ابن القیم نے فرمایا: ''حدثت ھذہ البدعة فی القرن الرابع المذموم علٰی لسان رسول اللّٰہ ﷺ'' (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے جس (صدی) کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی (مقدس) زبان سے بیان فرمائی ہے۔

(اعلام الموقعین ۲/۲۰۸)

لہٰذا بعض الناس کا ان تقلیدی مذاہب کو ''اسلام کے بچاؤ کا سامان'' کہنا باطل ومردود ہے۔ اسی طرح آلِ تقلید: حنفیوں اور شافعیوں کے مابین خونریز لڑائیاں بھی ہوئی ہیں۔

(دیکھئے معجم البلدان ۱/۲۰۹، ۳/۱۱۷)

پس تقلیدی مذاہب کو اتفاق واتحاد کا سبب ٹھہرانا محض ہٹ دھرمی ہے۔

اسی طرح تقلیدی مذاہب کے پیروکاروں نے بیت اللہ میں چار مصلے بنا رکھے تھے اور ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

(ملاحظہ فرمایئے تالیفات رشیدیہ ص ۵۱۷)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (آل عمران:۱۰۳)

اللہ کی رسی سے مراد کتاب اللہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((ألا وإني تارك فيكم ثقلين أحدهما كتاب الله عزوجل، هو حبل الله من اتبعه كان على الهدىٰ ومن تركه كان علىٰ ضلالة.))

آگاہ رہو! میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں اُن میں سے ایک اللہ عزوجل کی کتاب ہے، وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کی اتباع کی وہ ہدایت پر رہے گا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہوگا۔ (مسلم:۶۲۲۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حبل اللہ (اللہ کی رسی) سے مراد کتابُ اللہ ہے۔ کتابُ اللہ کا اطلاق حدیث پر بھی ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے بخاری:۶۸۴۲، ۶۸۴۳ ومسلم:۴۴۱۸)

پس واضح ہوا کہ حبل اللہ سے مراد قرآن وحدیث یعنی اللہ کا دین ہے جس کو تھامنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی اسے اللہ کی پسندیدہ چیز قرار دیتے ہوئے فرمایا:

((وأن تعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرّقوا.))

اور یہ کہ تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے نہ بنو۔ (مسلم:۴۴۸۱)

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب نبی ﷺ سے فتنوں کے دور کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے یہ جواب دیا تھا: ((فاعتزل تلك الفرق كلها.))

(ایسی حالت میں) تم تمام فرقوں سے علیٰحدہ ہو جانا۔ (بخاری:۷۰۸۴، مسلم:۴۷۸۴)

اور سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو یہ فرمایا تھا:

((خذ ما تعرف ودع ما تنكر.)) جو کچھ تمھیں معلوم ہو اُسی کو اپنائے رکھو اور جو کچھ نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ (ابوداود:۴۳۴۳ وسندہ حسن)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تعمل ما تعرف وتدع ما تنكر وتعمل بخاصة نفسك وتدع عوام الناس.)) تمھیں جو معلوم ہو اس پر عمل کرو اور جسے تم نہیں جانتے اسے چھوڑ دو۔ خاص اپنے لئے عمل کرو اور عوام الناس کو

چھوڑ دو۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۹۲۲ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۵۹۵۳)

سیدنا ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فعليك بخاصة نفسك ودع العوام.)) خاص اپنی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو۔

(ترمذی: ۳۰۵۸ واسنادہ حسن، وقال الترمذی: ''حسن غریب'')

اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے تم حق سمجھو اسے اپناؤ اور جسے تم سمجھتے ہو کہ حق نہیں ہے اسے چھوڑ دو۔

تفرق کے اسباب جہل، تقلید، تعصب اور خواہشات وغیرہ ہیں۔ اس سے بچنے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ صرف وحی الٰہی کو تھاما جائے اور غیر جانبداری سے قرآن وحدیث کی دعوت دی جائے۔ اللہ کی وحی کو تھامنے والوں کا افتراق کی راہ پر آنا اور تنظیمیں بنانا خیر و برکت کا باعث نہیں بلکہ فشل واختلاف کا سبب ہے۔ اگر کسی کو یہ وسوسہ ستائے کہ صحابۂ کرام کے درمیان بھی دو گروہ بن چکے تھے تو مؤدبانہ عرض ہے کہ صحابہ کا یہ عمل اجتہادی خطا پر مبنی تھا۔ یہ فرقہ بندی اور تنظیم سازی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہادی خطا کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل بھی کیا تھا۔ پھر بسم اللہ کیجئے اور اس ''سنت'' پر بھی عمل کیجئے۔ معلوم ہوا کہ یہ استدلال باطل ہے۔ محدثین عظام نے کوئی تنظیمیں نہیں بنائی تھیں اور اس کے باوجود قرآن و حدیث کی خدمت کے لئے انھوں نے اپنی زندگیاں کھپا دی تھیں۔ دعوت کے لئے تنظیمیں بنانا اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانا ضروری نہیں۔ اگر کوئی یہ شبہ وارد کرے کہ جب خلافت کا دور تھا تو تنظیموں کی کیا ضرورت تھی؟ تو ہم یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ جب خلافت نہ ہو تو فرقے، پارٹیاں اور تنظیمیں بنا بنا کر تعصب کو ہوا دیتے پھریں؟

قارئین کرام! اگر شخصیات سے بالاتر ہو کر خالص قرآن وحدیث کی طرف لوگوں کو بلایا جائے تو اس دعوت میں کوئی تعصب نہیں۔ تعصب تو تب ہے کہ کسی خاص فرقے، مسلک اور امام کی طرف بلایا جائے یا موجودہ کاغذی امیروں کی اطاعت کی دعوت دی جائے۔ اور ایسا کرنا اللہ کے حکم ﴿وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾ کے خلاف ہے۔ الغرض فرقہ بندی سے بچتے

ہوئے صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو اپنا مقتدا اور اہنما بنائیے۔ سلف صالحین کے فہم کی روشنی میں صرف آپ ﷺ کی اتباع کیجئے۔ سلف صالحین (صحابہ وتابعین) اسی نکتہ پر متحد تھے اور یہی سلفی دعوت ہے۔

وکل خیر في اتباع من سلف وکل شر في ابتداع من خلف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تختلفوا فإن من کان قبلکم اختلفوا فھلکوا.))
اختلاف نہ کیا کرو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ اختلاف ہی کی وجہ سے تباہ ہو گئے۔

(بخاری: ۲۴۱۰)

فرقہ بندی اختلاف کا سبب ہے اور اختلاف وتنازعات بزدلی اور کمزوری کا باعث ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ ﴾
اور آپس میں اختلاف مت کرو، ورنہ بزدل بن جاؤ گے اور تمھارا رعب ختم ہو جائے گا۔

(الانفال: ۴۶)

احادیث میں مذکور لفظ ''جماعت'' سے کسی خاص پارٹی یا تنظیم پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس باب سے متعلق تمام احادیث جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ، اجماع یا نماز والی جماعت ہے۔

اگر خلافتِ اسلامیہ نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ کوئی پارٹی یا تنظیم نہ بنائیں اور تمام پارٹیوں اور جماعتوں سے علیحدہ ہو جائیں، جیسا کہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

تنظیمیں اور جماعتیں بنانا قرآن وسنت کے خلاف ہے، اس سے مسلمانوں کا خلوص شدید متاثر ہوتا ہے۔ اس سے آنکھوں پر تعصب کا پردہ چھا جاتا ہے۔ یہ شخصیات میں غلو کا سبب ہے۔ جس طرح ایک کاغذی تنظیم کے غالی کارکن نے اپنے کاغذی امیر کے بارے میں علانیہ کہا: ''ہم نے اُن...... صاحب کا کلمہ پڑھا ہے۔'' نعوذ باللّٰہ من ھٰذا الکفر
یہ بات ہمیں دو قابلِ اعتماد آدمیوں نے تین گواہوں کی موجودگی میں بتائی۔

فرقہ بندی نے مسلمانوں میں شکوک وشبہات اور تعصّبات کو پروان چڑھایا ہے۔ خیرالقرون میں اس کا نام ونشان تک نہیں تھا یہ بعد کی پیداوار ہے۔ تنظیموں کے کارکنوں خصوصاً نوجوانوں سے ہماری گزارش ہے کہ فتنوں کے اس دور میں اپنے ایمان کی حفاظت کریں، اسے فتنوں سے بچائیں۔ اپنے مقصدِ حیات کو پہچانیں، اللہ کی عبادت کے لئے کمر بستہ ہو جائیں۔ اللہ سے تعلق قائم کریں، علم شرعی حاصل کریں اور بے مقصد اور لایعنی اُمور کو چھوڑ دیں۔ پارٹی اور تنظیمی قیود سے آزاد ہو کر ان ذمہ داریوں کو اپنائیں جو شریعت نے ہم پر عائد کی ہیں۔ پارٹی منشور ایک خاص فکر پر مبنی ہوتے ہیں جو کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی موت آپ مرجاتے ہیں، جبکہ سلف صالحین کے منہج پر دعوت الی اللہ کا کام قیامت تک باقی رہے گا۔

ان شاءاللہ

(۱۳/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ)

[الحدیث: ۲۵]

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

مشرکینِ مکہ اور منکرینِ عذاب القبر کے عقیدہ میں مماثلت

منکرین عذاب القبر نے اب عذاب قبر کا صاف الفاظ میں نہ صرف انکار کر دیا ہے بلکہ اس سلسلے میں جو صحیح صریح احادیث مروی ہیں ان سب کا بھی انکار کر دیا ہے۔ اور اس طرح احادیث صحیحہ کا انکار کر کے وہ سرحد پار کر چکے ہیں۔ اور ابھی ان کے اس کفر کی باز گشت جاری تھی کہ ان کی طرف سے ایک نیا عقیدہ بھی سامنے آ گیا ہے اور وہ عقیدہ خلق قرآن کا ہے یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ یہ عقیدہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دشمنی کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ کی وضاحت سے بالکل واضح ہو جائے گا کہ اصلی کافر کون ہے؟ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ یا منکرین عذاب قبر!

چنانچہ اس سلسلے میں عذاب قبر کا ایک منکر اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا شدید دشمن ابو انور گدون قرآن کے متعلق اپنا خبیث عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''خلق قرآن کا مسئلہ ایک غیر ضروری اور فروعی مسئلہ تھا، جس کو سازش کے تحت دین اسلام کا بنیادی مسئلہ بنا دیا گیا اور پھر قرآن کو مخلوق سمجھنے یا اس غیر ضروری بات پر خاموشی اختیار کرنے والوں پر کفر کے فتوے لگنے شروع ہوئے حالانکہ عام فہم کی بات ہے کہ دنیا میں جو قرآن موجود ہے وہ کاغذ یا چمڑے پر لکھا گیا ہے اور چونکہ کاغذ، چمڑا اور سیاہی مخلوق ہیں اس لئے دنیا میں ان چیزوں پر لکھا ہوا اور ان سے بنا ہوا قرآن بھی مخلوق ہوگا جو آگ میں جل کر یا پانی میں گھل کر فنا ہو جاتا ہے ہاں لوح محفوظ میں لکھا ہوا قرآن اللہ کے پاس محفوظ ہے اسے نہ مٹنا ہے اور نہ فنا ہونا ہے''

آگے لکھتا ہے ''اللہ خالق ہے اور ہر چیز مخلوق قرآن کی قسم کھانا اسی لئے حرام ہے کہ قسم صرف اللہ (خالق) کی کھائی جا سکتی ہے، مخلوق کی نہیں'' (دعوت قرآن اور یہ فرقہ پرستی ص ۱۲۰)

موصوف کی تحقیق یا ہفوات آپ نے ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف کے نزدیک:

۱: خلق قرآن کا مسئلہ ایک غیر ضروری اور فروعی مسئلہ تھا۔

۲: سازش کے تحت اس مسئلہ کو دین اسلام کا بنیادی مسئلہ بنا دیا گیا۔

۳: انہی سازشی عناصر نے قرآن کو مخلوق کہنے والوں پر کفر کے فتوے لگائے۔

۴: دنیا میں جو قرآن بھیجا گیا ہے وہ مخلوق اور حادث ہے (معاذ اللہ) اور اللہ کے پاس جو قرآن ہے تو وہ ہمیشہ رہے گا۔

یعنی موصوف کا نظریہ ہے کہ قرآن دو ہیں۔ ایک دنیا میں اور دوسرا لوح محفوظ میں۔ اور دنیا کی سیاہی، کاغذ وغیرہ مخلوق ہیں، لیکن اس کے نزدیک لوح محفوظ مخلوق نہیں ہے۔ گویا موصوف بھی شیعوں کی طرح دو قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جمہور محدثین کرام کے نزدیک لوح محفوظ اور لوگوں کے درمیان والے مصحف میں کوئی فرق نہیں۔'' (میزان ۱۶/۲)

موصوف قرآن کریم کو کیوں مانتا ہے اس کی وجہ تحریر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسی طرح قرآن کریم کو بھی ہم لوگوں کے کہنے کی وجہ سے کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں جو بالکل سچی کتاب ہے۔'' (حبل اللہ ص ۱۴ مجلّہ نمبر ۱۱)

یہ ہے موصوف کا قرآن کریم کے متعلق نظریہ کہ وہ قرآن کریم کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کہنے پر نہیں بلکہ لوگوں کے کہنے پر کتاب اللہ مانتے ہیں۔ یہ ہیں ڈاکٹر عثمانی صاحب کے مایۂ ناز شاگرد اور یہ ہے ان کا مایۂ ناز عقیدہ!! اور ابھی اللہ تعالیٰ محدثین کرام (جو اولیاء اللہ ہیں) کے دشمنوں کو مزید ذلیل و رسوا کرے گا۔ إن شا اللّٰہ العزیز

موصوف نے تحریر کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ باقی ہر چیز مخلوق ہے، اس طرح موصوف اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے جہمیہ وغیرہ کی طرح منکر ہیں۔

اسے کہتے ہیں الٹی گنگا بہنا۔ اللہ تعالیٰ ایسی الٹی کھوپڑی کسی کو نہ دے، جیسی موصوف کو عطا کی گئی ہے، کیونکہ وہ ہر صحیح بات سے غلط نتیجہ اخذ کرنے کا عادی ہے۔ موصوف اپنے استاد کی طرح ہر معاملہ کا سیاہ پہلو دیکھنے ہی کا عادی ہے۔

خلق قرآن کا مسئلہ اہل حق کی نگاہ میں انتہائی اہم اور بنیادی مسئلہ تھا۔ اور جن کو موصوف نے اسلام دشمن اور سازشی عناصر قرار دیا ہے وہ اہل حق یعنی محدثین کرام اور سلف صالحین ہیں۔ موصوف چونکہ جہمیہ کے عقائد کا حامل ہے، لہٰذا اہل حق کو وہ اسلام دشمن اور سازشی باور کروا رہا ہے، جب کہ معاملہ اس کے الٹ ہے۔ اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو شدید عذاب میں مبتلا کرے گا۔ **وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون**

چنانچہ موصوف لکھتا ہے: ''اسلام دشمن، سازشی عناصر مسلمانوں کے اندر بدعقیدگی اور قبر پرستی پھیلانے کے لئے کسی موقع کی تلاش میں تھے اور یہ موقع ان کو اس وقت ہاتھ آیا جب مسلمانوں کے اندر خلق قرآن کا غیر ضروری اور متصوفانہ مسئلہ کھڑا کر کے یہ فلسفیانہ بحث چھیڑ دی گئی کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ مسلمانوں کے خلاف سازش اور بدنیتی پر مبنی اس فلسفیانہ موشگافی اور اس پر شروع ہونے والی منطقی اور کلامی بحث سے متاثر ہونے والوں میں ایک طرف احمد بن حنبل بھی تھے جو اس بحث میں خلق قرآن کی مخالفت میں سب سے آگے تھے۔'' (ص ۱۲۰)

کسی نے سچ کہا ہے: بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

المختصر یہ کہ: **ان لعنة اللّٰه على الكاذبين .**

ابوانور جدون نے قرآن کو مخلوق قرار دے کر اس کے کلام اللہ ہونے کا انکار کر دیا ہے اور یہ عقیدہ مشرکین مکہ کا بھی تھا اور وہ پورے زور وشور سے یہ پروپیگنڈا کیا کرتے تھے کہ قرآن محمد ﷺ کا گھڑا ہوا ہے یعنی مخلوق ہے۔ موصوف اور اس کے ہمنوا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دشمنی میں کہاں تک جا پہنچے ہیں اور کن لوگوں کو انھوں نے اپنا پیشوا اور رہبر و رہنما مان لیا ہے کہ دوسروں پر کفر وشرک کے فتوے داغتے داغتے کن لوگوں کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے ہیں؟ دشمنان احمد بن حنبل کا یہ عبرتناک انجام اب دنیا والوں کے سامنے ہے اور اللہ کے اولیاء سے دشمنی رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اسی طرح ذلیل وخوار کرتا ہے۔

فاعتبروا يا اولى الابصار

اس سلسلے میں قرآن کریم کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾

''جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرے۔ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم یہ قرآن خود گھڑتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے ناواقف ہیں۔ ان سے کہو کہ اسے روح القدس (جبریل) نے ٹھیک ٹھیک میرے رب کی طرف سے بتدریج نازل کیا ہے، تاکہ ایمان لانے والوں کے ایمان کو پختہ کرے اور فرماں برداروں کو زندگی کے معاملات میں سیدھی راہ بتائے اور انہیں فلاح وسعادت کی خوشخبری دے۔ ہمیں معلوم ہے یہ لوگ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس شخص کو ایک آدمی سکھاتا پڑھاتا ہے، حالانکہ ان کا اشارہ جس آدمی کی طرف ہے اس کی زبان عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیات کو نہیں مانتے اللہ کبھی ان کو صحیح بات تک پہنچنے کی توفیق نہیں دیتا اور ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (جھوٹی باتیں نبی نہیں گھڑتا بلکہ) جھوٹ وہ لوگ گھڑ رہے ہیں جو اللہ کی آیات کو نہیں مانتے وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں۔'' (النحل:۱۰۱ تا ۱۰۵)

ثابت ہوا کہ مشرکین مکہ قرآن کریم کو اللہ کا کلام ماننے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کا گھڑا ہوا کلام مانتے تھے اور کبھی یہ الزام بھی لگاتے کہ اسے ایک عجمی یہ کلام سکھا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ

هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾

''جب انہیں ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔ [اے محمد ﷺ!] ان سے کہو: میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں میں تو بس اس وحی کا پیرو ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے اور کہو: اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا۔ آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی واقعی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً مجرم کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔'' (یونس:۱۵تا۱۷)

یعنی میں عمر کا ایک بڑا حصہ تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، اگر یہ قرآن میرا بنایا ہوا ہوتا تو میں اس سے پہلے ہی تمہیں یہ قرآن سنا چکا ہوتا، لیکن نبوت ملنے سے پہلے میرے تصور میں بھی ایسا کلام نہیں تھا۔ اور اب تم مجھے یہ الزام دے رہے ہو کہ یہ کلام میں نے گھڑ لیا ہے۔

مزید فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۫ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

''اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو: اگر تم اپنے اس دعوے و الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لئے بلا لو۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل بھی ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انہوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا۔ اسی طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔'' (یونس: ۳۷ تا ۳۹)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں مشرکین مکہ کے اس مجموعی طرز عمل کا ذکر کیا ہے کہ وہ قرآن کریم کو اللہ کا کلام ماننے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کا کلام مانتے تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے مکہ کے ایک بڑے سردار اور رئیس ولید بن مغیرہ کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے اور اس کے غرور و تکبر کے ساتھ اعراض و انکار و استکبار اور غور و فکر کے مکمل انداز اور اس کی ظاہری اداکاری کا ذکر کرتے ہوئے اس کے قول کو نقل کیا ہے:

﴿فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۭ﴾ ''پھر کہا: یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ یہ تو ایک بشر کا کلام ہے۔'' (المدثر: ۲۴، ۲۵)

رسول اللہ ﷺ قرآن کریم گھڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۙ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۧ﴾

''یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔ اور نہ کسی کاہن کا قول

ہے (افسوس) بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔ (یہ قرآن تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اور اگر یہ (نبی) ہم پر کوئی بات بنا لیتا۔ تو البتہ ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ یقیناً یہ قرآن پرہیز گاروں کے لئے نصیحت ہے۔ ہمیں پوری طرح معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کے جھٹلانے والے ہیں۔ بے شک، (یہ جھٹلانا) کافروں پر حسرت ہے۔ اور بے شک (وشبہ) یہ یقینی حق ہے۔ پس تو اپنے رب عظیم کی پاکی بیان کر۔" (الحاقۃ:۴۱ تا ۵۲)

رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے بغیر لب کشائی نہیں فرمایا کرتے تھے:

﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ۝ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۙ﴾ "اور نبی (ﷺ) اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔" (النجم:۳،۴)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۧ﴾

"اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ (اللہ کا کلام) سن لے، پھر اسے اس کے مأمن (ٹھکانے) تک پہنچا دو۔ یہ اس لئے کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے" (التوبۃ:٦)

قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ انسان ہی کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ اسے کلام اللہ قرار دیتا ہے۔

قرآن کریم کا ایک نام "الکتاب" بھی ہے اور کتاب کا مطلب ہے "لکھی ہوئی تحریر" اگرچہ سیاہی، کاغذ، چمڑا، ہڈی وغیرہ مخلوق ہیں، لیکن قرآن جب کتابی شکل اختیار کر لیتا ہے تو "کتاب اللہ" بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُدۡعَوۡنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحۡكُمَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ وَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ﴾ "تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے ان کا حال کیا ہے؟ انہیں جب "کتاب اللہ" کی

طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو ان میں سے ایک فریق اس سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس فیصلے کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ہے۔'' (آل عمران:۲۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ یہ وہ (عظیم الشان) کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ (البقرۃ:۲)

یعنی اس کتاب قرآن مجید کے ''کلام اللہ'' ہونے میں کوئی شک نہیں یہ اور بات ہے کہ موصوف کو اس کے ''کلام اللہ'' ہونے یا ''کتاب اللہ'' ہونے میں شک ہے۔

مزید تفصیل کے لئے راقم الحروف کی کتاب ''دعوت قرآن کے نام پر قرآن وحدیث سے انحراف'' کا مطالعہ فرمائیں۔ اہل اسلام میں سے کوئی شخص کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کو مخلوق کہتا ہے وہ دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

ان آیات کے تفصیلی بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ مخلوق ہے یہ مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا اور یہی عقیدہ جہاں جہمیہ اور پھر معتزلہ فرقہ نے اختیار کرلیا تھا انہی کی پیروی اور تقلید میں موصوف نے بھی اس عقیدہ کو اپنا لیا ہے اور اس طرح وہ مشرکین مکہ کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن گئے امام احمد بن حنبل اور محدثین کرام پر کفر وشرک کے فتوے داغنے اور ان پر بھونکنے کی وجہ سے اللہ نے اسے اور اس کی عثمانی پارٹی کو مشرکین مکہ کا ہم پلہ اور حق کا منکر بنا دیا۔ اور نبی ﷺ کا یہ ارشاد یہاں بالکل درست اور ٹھیک ثابت ہوا کہ ''جو شخص کسی (مسلم) شخص کو کافر کہے یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ پڑتا ہے۔''

(بخاری:۶۱۰۴ و مسلم:۱۱۱/۶۰ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۱ ح ۴۸۱۵)

اور یہ بات اب مشاہدہ میں آچکی ہے، نیز اس سلسلے کی مزید تفصیل درج ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں:

یوسف:۱۱۱،ھود:۱۳، ۳۵،الانبیآء:۵،الفرقان:۴،السجدۃ:۳،الاحقاف:۸

هذا ماعندی و اللّٰه أعلم بالصواب

[امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا:''**أدركت مشيختنا مذ سبعين سنة، منهم عمرو بن دينار، يقولون: القرآن كلام اللّٰه وليس بمخلوق**''میں نے ستر سال سے استادوں کو بشمول عمرو بن دینار (تابعی) یہی بات کہتے پایا ہے کہ: قرآن اللہ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے۔

(خلق افعال العباد للبخاری ص ۷ ح ا وسندہ صحیح، التاریخ الکبیر للبخاری ۲/۳۳۸ ت ۲۶۶۲ وسندہ صحیح)

درج ذیل محدثین کرام قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق مانتے تھے۔اور اس شخص کو کافر و زندیق سمجھتے تھے جو قرآن کو مخلوق کہتا ہے:

یزید بن ہارون

(مسائل ابی داؤد ص ۲۶۸ وسندہ حسن، شاذ بن یحیی الواسطی حسن الحدیث، وخلق افعال العباد ص ۸ ح ۷)

عبداللہ بن ادریس (خلق افعال العباد ص ۸ ح ۵ وسندہ صحیح)

ابو الولید الطیالسی (مسائل ابی داؤد ص ۲۶۶ وسندہ صحیح، خلق افعال العباد ص ۱۱ ح ۳۴)

علی بن عبداللہ المدینی (خلق افعال العباد ص ۱۱ ح ۳۲ وسندہ صحیح)

یحییٰ بن معین (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبل ج ا ص ۱۲۸ ح ۶۸ وسندہ صحیح)

اس طرح کے اور بہت سے آثار سلف صالحین سے ثابت ہیں اور اس پر محدثین کرام کا اجماع ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور مخلوق نہیں ہے۔ دیکھئے مسائل ابی داؤد (ص ۲۶۶) والشریعۃ للآجری (ص ۷۵ تا ۹۳)

نوٹ: اس مسئلے (قرآن مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ کا کلام ہے پر اگر کوئی شخص صحیح و ثابت آثارِ سلف صالحین باحوالہ جمع کرے تو اسے شائع کرنے کے لئے ''الحدیث'' کے صفحات حاضر ہیں۔ بعض مبتدعین کلام لفظی اور کلامِ نفسی کے درمیان فرق کرتے ہیں ان کا مدلل رد بھی مطلوب ہے۔ / ادارہ الحدیث حضرو] [الحدیث:۲۱]

ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی

دو زندگیاں اور دو موتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴾ ''تم اللہ (کے ایک معبود ہونے) کا کیسے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم مردہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمھیں موت دے گا اور پھر (قیامت کے دن) وہ تمھیں زندہ کرے گا اور پھر تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

(البقرۃ:۲۸)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴾

''پھر یقیناً تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن تم (زندہ کرکے) اٹھائے جاؤ گے۔'' (المؤمنون:۱۵۔۱۶)

قیامت کے دن کافر کہیں گے: ﴿ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾

(کافر کہیں گے کہ) اے ہمارے رب! تو نے واقعی ہمیں دو مرتبہ موت اور دو دفعہ زندگی دے دی اب ہم اپنے قصوروں کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اب یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟ (المؤمن:۱۱)

ثابت ہوا کہ ہر انسان کو دو زندگیاں اور دو موتیں ہی عنایت کی گئی ہیں اور ڈاکٹر عثمانی (کراچی والے) نے بھی اس کا ذکر کیا ہے بلکہ ان لوگوں کا زبردست رد کیا ہے جو بقول ان کے دو زندگیوں کے بعد تیسری زندگی کے قائل ہیں اور ان پر کفر کے فتوے بھی داغے ہیں، لیکن پھر انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ''موصوف'' اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی خود تیسری زندگی کے قائل ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد اگر برزخی جسم کے ساتھ تیسری

زندگی تسلیم کر لی جائے تو یہ بات بالکل درست ہے بلکہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر عثمانی تیسری زندگی کے قائل تھے؟

ڈاکٹر صاحب نے عذابِ قبر کے ماننے والوں کو دو زندگیوں اور دو موتوں کا انکاری قرار دیا ہے، لیکن آپ کو حیرت ہوگی کہ خود موصوف حقیقتاً دو زندگیوں اور دو موتوں کے انکاری اور تین زندگیوں اور تین موتوں کے قائل تھے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''اللہ کے فرمان سے معلوم ہوا کہ ہر مرنے والے کو قبر ملتی ہے چاہے اس کی لاش کو جلا کر خاک کر دیا جائے یا اُس کی میت درندوں اور مچھلیوں کے پیٹ کی غذا بن جائے۔ یہی وہ اصلی قبر ہے جہاں روح کو دوسرے (برزخی) جسم میں ڈال کر قیامت تک جاری رکھا جائے گا۔ اور اسی پر راحت یا عذاب کا پورا دور گزرے گا۔ اور یہ معاملہ صرف مومنوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کافر، مشرک، فاسق وفاجر ومنافق ہر ایک کے ساتھ یہی ہو گا۔ قرآن وحدیث کا یہی فیصلہ ہے......

قرآن کے بیان سے معلوم ہوا کہ فرعون کی لاش اس دنیا میں عبرت کے لئے محفوظ، اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں بھی اسی دنیا میں لیکن ان کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جارہا ہے۔ ثابت ہوا کہ انکو کوئی دوسرا قیامت تک باقی رہنے والا عذاب برداشت کرنے والا جسم دیا گیا ہے۔ جسدِ عنصری وہ بہرحال نہیں ہے............

بخاری کی اس حدیث سے بہت سی باتیں سامنے آگئیں۔

۱۔ روحوں کو جسم (برزخی) ملتا ہے اور روح اور اس جسم کے مجموعہ پر راحت وعذاب کا دور گزرتا ہے۔

۲۔ اس مجموعہ کو قیامت تک باقی رکھا جائیگا اور اس پر سارے حالات قیامت تک گزرینگے۔

۳۔ یہ ایسا جسم ہے کہ اگر اس کو نقصان پہنچایا جائے تو یہ پھر بن جاتا ہے۔

۴۔ دنیا میں زنا کاروں کی قبریں مختلف ملکوں اور مختلف مقاموں پر ہوتی ہیں مگر برزخ میں اُن کو ایک ہی تنور میں برہنہ حالت میں جمع کر کے آگ کا عذاب دیا جاتا ہے اور قیامت تک دیا جاتا رہے گا۔

۵۔ نیکو کار مرنے والے مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی جسم ملتا ہے۔

۶۔ شہداء کو بھی جسم دیا جاتا ہے اور مسلم کی حدیث کے مطابق اُن کے جسم سبز رنگ کے اور اُڑنے والے ہوتے ہیں۔ مسلم کی حدیث کے مطابق ان کے جسم ....

ان ساری صحیح حدیثوں نے بتلا دیا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص بھی وفات پا جاتا ہے اُس کو حسبِ حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم اور روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب وثواب کے سارے حالات گزرتے ہیں اور یہی اس کی اصلی قبر بنتی ہے قرآن اور صحیح احادیث کا بیان تو یہ ہے۔''

(عذاب برزخ ص ۲، ۴، ۶، ۹)

موصوف کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد ہر انسان کو ایک نیا جسم دیا جاتا ہے جسے موصوف برزخی جسم قرار دیتے ہیں اور روح کو اس جسم میں ڈال دیا جاتا ہے اور پھر اس مکمل انسان کو قیامت تک راحت یا عذاب کے مراحل سے گزارا جاتا ہے۔ عذاب کے نتیجے میں یہ جسم ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے اور پھر جب یہ جسم دوبارہ درست ہو جاتا ہے تو اس جسم میں دوبارہ روح کو ڈال دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بار بار اعادۂ روح ہوتا رہتا ہے اور ثواب وعذاب کا یہ سلسلہ قیامت تک رہتا ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جسم چاہے نیا ہو یا پرانا، برزخی ہو یا عنصری، اگر روح اس میں ڈال دی جائے تو یہ ایک زندہ انسان ہو جائے گا اور مرنے والے کو ایک کامل ومکمل زندگی حاصل ہو جائے گی اور جب قیامت آئے گی تو پھر نیا جسم فوت ہو جائے گا اور پرانا جسم دوبارہ زندہ ہو جائے گا۔ موصوف کی اس وضاحت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ موصوف میت (مردہ) کے عذاب کے قائل ہی نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ کے عذاب کے قائل ہیں اور مرنے کے بعد ان کے بقول روح کو ایک نئے جسم کے ساتھ زندگی

دی جاتی ہے۔

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''اس آیت سے تو معلوم ہوا کہ ہر مرنے والے کو قیامت کے دن اُٹھایا جائے گا پھر قیامت سے پہلے مرنے والا اس قبر کے اندر کیسے زندہ ہو جاتا ہے اور اس طرح قبر میں زندہ ہو جانے کے بعد آخر اسے پھر موت کب آتی ہے اور ان تین زندگیوں کے ثبوت میں آخر دلیل کیا ہے تو خاموشی چھا جاتی ہے۔ قرآن کی طرح بخاری کی حدیث بھی یہی بیان کرتی ہے کہ دنیاوی جسم کو مٹی کھا لیتی ہے اور صرف قیامت کے دن عجب الذّنب پر یہ جسم عنصری پھر بنے گا اور میدانِ محشر میں فیصلہ کے لئے حاضر کیا جائے گا....

آخر جب قیامت سے پہلے روح واپس ہی نہیں لوٹتی اور مٹی جسم کو برباد کر دیتی ہے تو اس دنیاوی قبر کے مردہ سے سوال جواب کیسا اور بغیر روح کے مردہ کا احساس راحت... اور اس کی چیخ و پکار کیا معنی؟'' (عذاب برزخ ص ۱۱)

موصوف عذابِ قبر کے قائلین سے سوال کر رہے ہیں کہ قبر میں اگر عذاب مان لیا جائے تو بقول موصوف یہ تیسری زندگی ہو جائے گی اور ان تین زندگیوں کے ثبوت کی آخر دلیل کیا ہے؟ لیکن خود موصوف جس حقیقی زندگی کے قائل ہیں اس کا ان کے پاس کیا ثبوت ہے؟ اور اس کی کوئی بھی دلیل اس نے پیش نہیں کی۔ پھر موصوف آگے لکھتے ہیں کہ روح کے بغیر عذاب و راحت کا احساس بے معنی ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عذابِ قبر میت کے بجائے زندہ کو ہونا چاہیئے اور وہ خود زندہ کے عذاب ہی کے قائل ہیں۔ بالفاظ دیگر موصوف گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میت کو عذاب نہیں ہوسکتا بلکہ یہ عذاب زندہ انسان کو ہونا چاہیئے، کیونکہ روح کے بغیر عذاب و راحت بے معنی ہے؟ بہت خوب۔!

اس وضاحت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ موصوف تیسری زندگی کے قائل ہیں اور اعادۂ روح کے بھی۔ نئے جسم میں پہلی بار جب روح کو داخل کیا گیا تو وہ زندہ انسان بن گیا۔ اب عذاب کے نتیجے میں جب یہ جسم ریزہ ریزہ ہو گیا تو اسے دوبارہ بنا دیا گیا۔ اور

پھر بار بار نئے جسم کی طرف اعادۂ روح ہوتا رہے گا اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ روح کے نئے جسم میں ڈالے جانے والے عقیدہ سے ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کو بھی تقویت ملتی ہے۔ گویا موصوف ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

حدیث قدسی میں آتا ہے کہ ''جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے اسے میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔'' (بخاری:۶۵۰۲)

ڈاکٹر عثمانی صاحب محدثین کرام کے سخت دشمن تھے اور ان پر کفر کے فتوے لگانا ان کا روزمرہ کا معمول تھا، چونکہ روح اصل ہے اور جب وہ کسی جسم میں داخل کی جائے گی تو اس جسم کو زندگی حاصل ہوجائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف تیسری زندگی، اعادۂ روح اور ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے قائل ہوکر اس دنیا سے برزخ کی طرف رواں دواں ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ موصوف:

① تیسری زندگی کے قائل تھے۔

② بار بار اعادۂ روح کے قائل تھے۔

③ ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ کے بھی قائل تھے۔

④ میت کے عذاب کے برخلاف وہ زندہ کے عذاب کے قائل تھے اور اس اصول کے مطابق وہ عذابِ قبر کے انکاری تھے۔ برزخی قبر میں عذاب کے قائل تھے، جبکہ برزخی قبر کا عقیدہ شیعوں کا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

⑤ موصوف تکفیری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ تکفیری خارجی فرقہ کے متعلق تفصیل ہماری کتاب الدین الخالص جدید ایڈیشن میں ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف نے برزخی جسم کے ثبوت کے لئے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے کسی میں بھی جسم کے الفاظ ثابت نہیں ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح کو برزخی جسم میں ڈال دیا جاتا ہے بلکہ موصوف نے زبردستی ان احادیث سے برزخی جسم کو کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جہنم میں ارواح کے عذاب کے مناظر ہیں جو نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مختلف موقعوں پر

دکھائے ہیں اور بس۔ لیکن موصوف نے نبی ﷺ پر برزخی جسم کے نام سے جو واضح اور کھلا جھوٹ باندھا ہے اس کی سزا جہنم میں اپنا ٹھکانا بنا لینے کے مترادف ہے۔ (دیکھئے بخاری: ۱۰۷، و مسلم: ۲)

تین زندگیاں یا بے شمار زندگیاں؟؟؟

موصوف کے بار بار اعادۂ روح کے عقیدہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موصوف تین زندگیوں ہی کے نہیں بلکہ بے شمار زندگیوں کے قائل تھے، کیونکہ برزخی جسم کا ریزہ ریزہ ہو جانا پھر اس جسم کا دوبارہ بننا اور پھر اس میں روح کا اعادہ! اس طرح تو ایک ہی دن میں بے شمار زندگیاں بن جاتی ہیں۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ پر کفر کے فتوے لگانے والے سوچیں کہ ان کے پیرِ مغاں پر اب کفر کے کتنے فتوے لگ سکتے ہیں؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ اُن کے پرستار اُن پر کفر کے فتوے لگانے کا کب آغاز کرتے ہیں؟؟؟

موصوف معجزات کو دلیل بنانے والوں سے کہتے ہیں: ''نبی کے معجزہ کو معمول بنا کر اپنے عقیدہ کے ثبوت میں پیش کرنا بلا کی چابکدستی ہے'' (عذاب برزخ ص ۱۹) لیکن خود موصوف ان احادیث سے برزخی جسم کشید کرنے لگ گئے اور انھیں یہ خیال تک نہ آیا کہ معجزات سے بھلا کبھی دلیل اخذ کی جاسکتی ہے؟ کسی چیز کا نفس الامر میں موجود ہونا اور معجزہ اسے صرف ظاہر کرے، مثلاً کسی میت پر عذاب ہو رہا ہے اور آپ ﷺ وحی کے ذریعے سے بتا دیں کہ اسے عذاب ہو رہا ہے، یہ معجزہ نہیں ہے بلکہ وحی کی ایک شکل ہے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا بھی ایک معجزہ ہے، لیکن اس سے کوئی عام دلیل اخذ نہیں کی جاسکتی اور نہ اسے دلیل بنایا جاسکتا ہے۔ پھر حیرت اس بات پر ہے کہ جرائم جسم عنصری کرے اور عذاب نئے برزخی جسم کو دیا جائے!! یہ کیا بوالعجبی ہے اور کیا جہالت ہے؟؟

ڈاکٹر موصوف نے قبر کے عذاب کے ماننے والوں پر کفر کے فتوے داغے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ''قبر کے عذاب کو اگر تسلیم کر لیا گیا تو یہ بات دنیاوی قبر میں عذابِ قبر کا اثبات

حیات فی القبر کے ہم معنی اور قبر پرستی کے شرک کی اصل اور بنیاد ہے۔'' (عذابِ قبر ص ۲۶)

یہ بات تو درست ہے کہ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، وہاں چادر، بکرا اور مٹھائی وغیرہ چڑھانا قبروں کی پوجا پاٹ کرنا، بزرگوں سے دعائیں مانگنا اور انھیں مدد کے لئے پکارنا وغیرہ شرکیہ افعال ہیں، لیکن قبر کے اندر کے معاملات پر لب کشائی کرنا، آخرت کے حالات کو دنیا پر قیاس کرنا اور قبر کے عذاب و راحت پر ایمان لانے کے بجائے الٹا اس پر فتویٰ بازی کرنا جہالت کی انتہا ہے اور احادیثِ صحیحہ متواترہ کا انکار ہے۔ عذابِ قبر کے بیان پر اس قدر کثرت کے ساتھ احادیث مروی ہیں کہ جن کا کوئی شمار ہی نہیں اور ان احادیث کے ماننے والوں پر فتویٰ بازی کرنا یقیناً سخت گمراہی ہے اور ایسا شخص یقیناً ضال و مضل ہے یعنی وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے۔

حیرت اس بات پر ہے کہ خود موصوف مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے ایک ایسی مکمل زندگی کے قائل ہیں کہ اس طرح کی زندگی کا قائل اس امت مسلمہ میں کوئی نہیں ہے اور دنیاوی قبر میں عذاب کے قائل کو موصوف نے حیات فی القبر اور قبر پرستی کے شرک کا اصل مجرم قرار دے دیا ہے، لیکن جو شخص مرنے کے بعد ایک کامل و مکمل تیسری زندگی کا قائل ہو اس پر کون کون سے فتوے چسپاں ہو سکتے ہیں؟ ان فتووں کا ان کے پرستار خود ہی تعین کر دیں تو بہتر ہوگا۔ فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں ہے۔

مرزا غلام قادیانی اور ڈاکٹر عثمانی کے عقیدہ میں مماثلت

ڈاکٹر موصوف نے نئے جسم میں روح کے داخل ہونے کا عقیدہ مرزا غلام قادیانی سے لیا ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

''سو ان تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعالِ کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کے رو سے جسم کی رفاقت روح کے ساتھ دائمی ہے۔ گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک روح کو کسی قدر اپنے

اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور بعض جسم نورانی اور بعض ظلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظلمت سے تیار ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسانِ کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیتِ جسم کے علاوہ پا سکتا ہے۔ اور عالمِ مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اگرچہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالمِ مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے۔ تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے ملتا ہے۔ یہی عالم برزخ میں نیک و بد کی جزا کا موجب ہو جاتا ہے۔ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا کہ گویا وہ دھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض میں اس کُوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم ملتا ہے خواہ نورانی خواہ ظلمانی۔ انسان کی یہ غلطی ہوگی۔ اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔ بلکہ جاننا چاہئے کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلا سکتی۔ اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ ایسا ہی وہ علومِ معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عُقدہ حل نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لئے علیحدہ علیحدہ وسائل رکھے ہیں۔ پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی از مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ص ۱۳۵، ۱۳۶، روحانی خزائن ج ۱۰ ص ۴۰۴)

عذابِ قبر کی کیفیت

موت کے وقت ملک الموت روح کو قبض کر لیتا ہے۔(دیکھئے سورۃ السجدۃ:۱۸) اور جسم اور روح میں جدائی واقع ہو جاتی ہے اور یہ جدائی قیامت تک رہتی ہے۔ قبر کے سوال و جواب کے بعد روح جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے اور میت قبر میں ہوتی ہے۔ روح کو جو عذاب ہوتا ہے اسے عذابِ جہنم کہتے ہیں اور میت (جسم) کو قبر میں جو عذاب ہوتا ہے اسے عذابِ قبر کہتے ہیں اور نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان دونوں عذابوں یعنی عذابِ جہنم اور عذابِ قبر کو الگ الگ بتایا ہے اور امت کو نماز کے آخر میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔(دیکھئے صحیح مسلم:۵۹۰) اور آپ بھی ہمیشہ نماز کے آخر میں ان سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ (بخاری:۸۳۲)

عذابِ قبر قیامت تک جاری رہے گا، لیکن ڈاکٹر عثمانی نے عذابِ قبر کو سمجھنے میں زبردست ٹھوکر کھائی ہے اور عذابِ جہنم والی احادیث کو ذکر کر کے اسے ہی عذابِ قبر قرار دے ڈالا اور اصل عذابِ قبر کا صاف انکار کر دیا اور جنت اور جہنم کو برزخی قبریں قرار دے دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار (تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' کا مطالعہ فرمائیں)

ڈاکٹر موصوف کا سفید جھوٹ

ڈاکٹر عثمانی صاحب لکھتے ہیں: ''دوسرے حضرات اس بات پر مصر ہیں کہ نہیں، ہر مرنے والے کی روح اسی دنیاوی جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور یہی جسم قبر میں پھر زندہ ہو جاتا ہے اور برابر زندہ رہتا ہے اگر کہا جائے کہ مردہ کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے یا آگ اسے جلا کر خاکستر کر دے تو جلا دیا جانے والا کافر تو عذاب سے بچ گیا۔ اس کے دونوں کانوں کے درمیان گرز کیسے مارا جائے گا اور عذاب کا دور اس پر کیسے گذرے گا تو اللہ کی قدرت اور اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ سُبحان اللّٰہ۔ اللہ کی قدرت سے کس کو انکار ہے لیکن قدرت کے ساتھ ساتھ اللہ کی ایک نہ بدلنے والی سنت بھی تو ہے۔ اس کو نظر

انداز کردینا بھی تو اچھا نہیں۔

قرآن و بخاری و مسلم کی احادیث نبویؐ کے فیصلہ کے برخلاف اَب جو یہ کہا جانے لگا ہے کہ روح نکلنے کے بعد اسی دنیاوی قبر کے مردے میں واپس لوٹا دی جاتی ہے اور یہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ دیکھنے اور سننے لگتا ہے اور اس قبر میں اس زندہ ہو جانے والے مُردے پر عذاب اور راحت کا پوارا دَور قیامت تک گزرے گا۔'' (عذاب برزخ ص۱۰)

موصوف نے یہ بالکل سفید جھوٹ بولا ہے، کیونکہ قرآن مجید اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں میت کے عذاب کا ذکر آیا ہے۔ میت راحت و آرام یا عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ عذاب سے چیختی چلاتی بھی ہے (بخاری:۱۳۷۴) اور قبر میں سوال و جواب کے وقت اعادۂ روح بھی ہوتا ہے (ابوداود:۴۷۵۳، مسند احمد:۱۸۵۳۴، وھو حدیث صحیح) کیونکہ یہ انتہائی اہم سوالات ہوتے ہیں کہ جن پر میت کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ہوتا ہے، اس لئے اس اہم موقع پر روح کو بھی حاضر کیا جاتا ہے، لیکن روح کے اعادہ کے باوجود مرنے والا میت ہی ہوتی ہے، اس لئے کہ دو زندگیاں یعنی دنیاوی زندگی اس کی ختم ہو چکی ہے اور قیامت کے دن کی زندگی ابھی شروع نہیں ہوئی اور انسان اس وقت حالت موت میں ہوتا ہے یعنی میت ہوتا ہے۔ روح کے اعادہ سے زندگی ثابت نہیں ہوتی جس طرح دنیا میں سوتے وقت روزانہ انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے اس کی روح قبض کر لی جاتی ہے اور جاگنے پر اعادۂ روح ہو جاتا ہے۔ (دیکھئے سورۃ الزمر آیت ۴۲ اور اس آیت کی تفسیر بخاری: ۶۳۲۰) اور انسان جاگ جاتا ہے، لیکن اس سے کئی زندگیاں ثابت نہیں ہوتیں۔ دنیاوی زندگی میں روزانہ اعادۂ روح کے باوجود بھی کئی موتیں ثابت نہیں ہوتیں بلکہ اسے ایک ہی زندگی کہا جاتا ہے۔ موت کے بعد میت کی طرف سوال و جواب کے لئے اعادۂ روح ہوتا ہے تو اس سے بھی زندگی ثابت نہیں ہوتی بلکہ میت بدستور میت ہی رہتی ہے۔

قرآن و حدیث میں عذابِ قبر اور میت کے متعلق جو کچھ بیان ہوا ہے یہی اللہ تعالیٰ کی ''نہ بدلنے والی سنت'' ہے، لیکن موصوف کا خیال ہے کہ اس کے خودساختہ اور من گھڑت

نظریات اللہ تعالیٰ کی نہ بدلنے والی سنت ہیں۔ ویا للعجب !

موت کا مطلب

قرآن وحدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انسان پر موت آتی ہے تو اس کی روح کو فرشتے قبض کر لیتے ہیں یعنی روح کو بدن سے نکال لیتے ہیں۔ گویا روح اور بدن میں جدائی کا نام موت ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''مَاتَ : موت (ضدحیات) بمعنی کسی جاندار سے روح یا قوت کا زائل ہو جانا ۔ (م۔ل) جسم سے روح کا جدا ہونا۔'' (مترادفات القرآن مع فروق ص ۷۶۷ مکتبۃ السلام لاہور)

اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ موت کی وجہ سے جسم اور روح میں جدائی ہو جاتی ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہتا ہے اور قیامت کے دن تمام انسان زندہ ہو کر زمین سے پودوں کی طرح اُگ پڑیں گے اور روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ قیامت سے پہلے روح کو جسم کی طرف نہیں لوٹایا جاتا سوائے دفن کے وقت، کہ اس وقت سوال و جواب کے لئے روح کو قبر میں پڑے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر آتا ہے اور یہ ایک استثنائی صورت ہے۔ البتہ روح کے لوٹائے جانے کے باوجود بھی میت بدستور میت ہی رہتی ہے، کیونکہ ہر انسان کو دو زندگیاں اور دو موتیں دی گئی ہیں۔ اب میت کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے اور دوسری زندگی اسے قیامت کے دن حاصل ہو گی۔ اب میت جس حالت میں ہے یہ حالت موت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پھر یقیناً تم اس کے بعد ضرور میت ہو جاؤ گے یعنی مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن تم (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے۔'' (المؤمنون: ۱۵، ۱۶)

واضح رہے کہ قبر میں روح کے لوٹنے سے زندگی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دنیا میں جب نیند کی وجہ سے انسان پر عارضی موت طاری ہو جاتی ہے اور جاگنے کی صورت میں اس کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے، جیسا کہ سورۃ الزمر اور سورۃ الانعام میں مذکور ہے۔ اور یہ اعادۂ روح

روزانہ ہی ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی کسی نے اسے کئی زندگیاں قرار نہیں دیا بلکہ اسے ایک ہی زندگی سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ **فافهم**

برزخی قبر کا تصور کہاں سے آیا؟

قرآن وحدیث کے دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر زمین میں ہوتی ہے جسے ارضی قبر کہتے ہیں اور کسی فرضی (برزخی) قبر کا قرآن وحدیث میں کہیں دور دور تک نام ونشان نہیں ملتا، لیکن موصوف اس بات پر مصر ہیں کہ قبر برزخ میں ہوتی ہے، اس سلسلے میں جب ہم نے تحقیق کی تو اس کی ایک دلیل مل گئی اور معلوم ہوا کہ برزخ میں قبر کا تصور شیعوں کے ہاں پایا جاتا ہے، چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

" محمد بن يحيٰى، عن أحمد بن محمد بن عيسٰى ، عن أحمد بن محمد ، عن عبدالرّحمٰن بن حماد، عن عمرو بن يزيد قال :قلت لأبي عبدالله عليه السلام :إنّي سمعتك و أنت تقول: كلُّ شيعتنا فى الجنّة علٰى ما كان فيهم؟ قال :صدقتك كلّهم والله فى الجنة ، قال:قلت :جعلت فداك إن الذّنوب كثيرة كبار ؟ فقال:أمّا فى القيامة فكلكم فى الجنّة بشفاعة النبيِّ المطاع أو وصي النّبيّ ولكنّي والله أتخوَّفُ عليكم فى البرزخ ۔ قلت :وما البرزخ؟ قال:القبر منذحين موته إلٰى يوم القيامة . " عمرو بن یزید بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام شیعہ جنت میں ہیں۔ المختصر یہ کہ امام صاحب نے فرمایا کہ جنت میں تمام شیعہ رسول اللہ ﷺ یا وصی رسول ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے جائیں گے، لیکن اللہ کی قسم! میں تمھارے حال پر ڈرتا ہوں، برزخ میں۔ عرض کیا: برزخ کیا ہے؟ فرمایا: "وہ قبر ہے جو موت کے وقت سے لے کر قیامت کے دن تک ہے۔" (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۴۲ طبع تہران)

معلوم ہوا کہ برزخ میں قبر کا تصور ملت جعفریہ کے ہاں پایا جاتا ہے جسے ڈاکٹر موصوف نے وہاں سے اسمگل کر کے عام مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہے اور برزخی قبر کو نہ ماننے والوں کو کافر قرار دے دیا۔ غور کیجئے کہ شیعیت کے لئے کیسے کیسے ہاتھ کام کر رہے ہیں؟ فاعتبروا یا أولی الأبصار

واضح رہے کہ دنیاوی قبر، دنیاوی جسم، برزخی قبر اور برزخی جسم کی اصطلاحات موصوف کی ایجاد کردہ ہیں اور ان سے جہاں قرآن وحدیث کا صاف انکار لازم آتا ہے وہاں یہ اصطلاحات بدعات کے زمرے میں بھی آتی ہیں اور انھیں ہم عثمانی بدعات کہہ سکتے ہیں اور یہ سب ((کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار)) کا مصداق ہے۔

برزخ کیا ہے؟

برزخ مرنے والوں اور دنیا والوں کے درمیان ایک آڑ ہے اور بس اور برزخ کسی جگہ یا مقام کا نام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴾

اور ان مرنے والوں کے پیچھے ایک برزخ (آڑ) ہے قیامت کے دن تک۔

(المؤمنون:۱۰۰)

یہ برزخ (آڑ) قیامت کے دن تک قائم رہے گی، قیامت کے دن یہ آڑ یا پردہ اٹھ جائے گا اور انسان وہاں ہر چیز کا مشاہدہ کرے گا۔ (قٓ آیت: ۲۲) کیونکہ غیب وہاں مشاہدہ میں بدل جائے گا۔

امت مسلمہ میں سلف صالحین سے لے کر موجودہ دور تک کوئی شخص بھی برزخی قبر کے نام سے واقف نہیں تھا۔ موصوف ہی نے مرزا غلام قادیانی کی طرح پہلی مرتبہ اس نام کا انکشاف کیا ہے!! فافهم

تناسخ کیا ہے؟

وارث سرہندی صاحب لکھتے ہیں: ''تناسخ: روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں آنا۔ (ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق) بار بار جنم لینا، جون بدلنا، چولا بدلنا، آواگون۔''

(جامع علمی اردو لغت ص ۴۶۹)

نیز ملاحظہ فرمائیں: رابعہ اردو لغت جدید (ص ۲۶۰)

سید قاسم محمود صاحب تناسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آواگون! جون بدلنا بقول مولانا اشرف علی تھانوی ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف نفس ناطقہ کا انتقال۔

ہندوستان میں اس اعتقاد کے لوگ عام ہیں۔ بقول البیرونی ''جس طرح شہادت بہ کلمۂ اخلاص مسلمانوں کے ایمان کا شعار ہے، تثلیث علامت نصرانیت ہے اور سبت منانا علامت یہودیت، اسی طرح تناسخ ہندو مذہب کی نمایاں علامت ہے۔''

موصوف مزید لکھتے ہیں:

''عقیدۂ تناسخ روح کے ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہونے کے معنی میں متعدد شیعی فرقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔''

موصوف آخر میں لکھتے ہیں:

''تناسخ کا عقیدہ ہندومت اور مسلمانوں کے علاوہ بدھ مت، قدیم یونانیوں اور دنیا کے دیگر مذاہب واقوام کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔ اسلام کی صحیح تعلیمات اس عقیدے کی مخالف ہیں اور واضح طور پر اس کی تردید کرتی ہیں۔'' (شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۵۳۴)

برزخی قبر کی طرح تناسخ کا عقیدہ بھی ہندوؤں کے علاوہ متصوفین یا مسلمانوں کے بعض فرقوں شیعہ وغیرہ میں پایا جاتا ہے اور وہاں سے ڈاکٹر موصوف نے اس عقیدے کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ فاعتبروا یا أولی الأبصار

حافظ ابن حزم ظاہری اندلسی رحمہ اللہ کا فتویٰ عقیدۂ تناسخ کے حاملین پر

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے اصحاب التناسخ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے اور انھوں نے واضح کیا ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنا تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ اور انھوں نے اس مسئلے کو عقیدۂ توحید کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

''**۴۳۔ مسألة :** وأن الأنفس حيث رآها رسول الله ﷺ ليلة أسرىٰ به أرواح أهل السعادة عن يمين آدم عليه السلام ؛ وأرواح أهل الشقاء عن شماله عند سماء الدنيا لا تفني ولا تنتقل إلٰى أجسام أخر، لكنها باقية حية حساسة عاقلة في نعيم أونكد إلٰى يوم القيامة فترد إلٰى أجسادها للحساب وللجزاء بالجنة أو النار ؟ حاشي أرواح الأنبياء عليهم السلام وأرواح الشهداء فإنها الآن ترزق وتنعم۔ ومن قال بإنتقال الأنفس إلى أجسام أخر بعد مفارقتها هٰذه الأجساد فقد كفر.

برهان هٰذا ما حدثناه عبدالله بن يوسف:ثنا أحمد بن فتح:ثنا عبدالوهاب بن ... كان من أهل النار فالنار؛ ثم يقال له :هٰذا مقعدك الذي تبعث إليه يوم القيامة . ففي هٰذا الحديث إن الأرواح حساسة عالمة مميزة بعد فراقها الأجساد . وأما من زعم أن الأرواح تنقل إلٰى أجساد أخر فهو قول أصحاب التناسخ :وهو كفر عند جميع أهل الإسلام. وبالله تعالى التوفيق''

ارواح نہ تو فنا ہوتی ہیں اور نہ ہی دوسرے جسموں (برزخی) کی طرف منتقل ہوتی ہیں وہ باقی رہتی ہیں، زندہ رہتی ہیں آرام و آسائش اور اذیت و تکلیف کو برداشت کرنے میں حساس و عاقل ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، پھر اچھے اعمال اور جنت و جہنم کے بدلے کے لئے ان کو ان کے جسموں کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے سوائے انبیائے کرام علیہم السلام اور شہدائے کرام کی ارواح کے، کہ وہ اب بھی رزق اور نعمتوں سے سرشار ہیں اور جو

شخص یہ عقیدہ رکھے کہ روحیں ان جسموں سے جدا ہونے کے بعد دوسرے جسموں میں منتقل کر دی جاتی ہیں (یا بالفاظ دیگر ان ارواح کو برزخی اجسام دیئے جاتے ہیں) تو یقیناً یہ کفر ہے اور اس پر یہ دلیل ہے۔'' (المحلّی ۱/۲۶۔۲۷)

اس کے بعد انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی معراج کے سلسلہ والی مشہور حدیث جو انھوں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے بیان کی اور آخر میں ایک اور حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں:

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ارواح اپنے جسموں سے مفارقت کے بعد حساس ہوتی ہیں جانتی اور پہچانتی ہیں اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ روحیں دوسرے جسموں میں منتقل ہو جاتی ہیں تو یہ قول اصحاب التناسخ کا ہے اور تمام اہل اسلام کی نگاہ میں (ایسا عقیدہ رکھنا) کفر ہے۔'' (ایضاً)

قہرِ رحمانی بر فرقۂ عثمانی

برزخی فرقہ کے باطل ہونے کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان زبردست اختلافات پیدا کر دیئے ہیں اور یہ کئی تکفیری گروہوں اور فرقوں میں بٹ چکے ہیں اور ہم عقیدہ ہونے کے باوجود بھی یہ ایک دوسرے پر مرتد ہونے کا فتویٰ لگاتے ہیں اور ایک دوسرے کو نہ تو سلام کرتے ہیں اور نہ ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں بلکہ خروج کرنے والے فرقہ نے شروع میں اپنا امیر بدرالزمان صدیقی کو بنایا تھا، لیکن اس نے جب کہیں مخالفین کی مسجد میں ایک نماز ادا کر لی تو اسے امارت سے فارغ کر دیا گیا اور یہ تعصب کی انتہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تکفیری فرقے سخت تعصب کا شکار ہیں اور ان فرقوں نے ایک دوسرے کے خلاف پمفلٹ بازی بھی کی ہے اور اس سے پہلے بھی اس فرقے نے کئی فرقیاں جنم دی ہیں جن کی کوکھ سے منکرین حدیث پیدا ہو چکے ہیں اور وہ اس گندے عقیدے کی دعوت بھی لوگوں کو دے رہے ہیں۔ یہ یقیناً ان برزخیوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے۔ کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ لیتے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

ہے: ''کہو وہ (اللہ) اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تمھیں گروہوں میں (تقسیم کرکے) الجھا دے اور تمھیں ایک دوسرے کی طاقت (کا مزا) چکھائے۔ دیکھو کس طرح ہم اپنی آیات بار بار بیان کر رہے ہیں شاید کہ یہ سمجھ لیں۔'' (الانعام:٦٥)

اب برزخی حضرات اس عذاب کے بعد کیا اوپر اور نیچے کے عذاب کے منتظر ہیں؟ یا وہ اس جہالت سے توبہ کرکے قرآن وحدیث کی طرف پلٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

مختصر المختصر

① ڈاکٹر موصوف نے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۴۰ کا انکار کیا جس میں ہے: ''کافر کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔'' اور اس آیت کے معنی میں تحریف کی بھی زبردست کوشش کی ہے، نیز اس آیت کا مذاق بھی اڑایا ہے۔

دیکھئے عذاب برزخ (ص۳۳)

② موصوف نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں سخت گستاخی کا ارتکاب کیا ہے اور آپ کی سخت توہین بھی کی ہے۔ یعنی آپ پر ''بحرانی کیفیت'' طاری ہونے کا الزام لگایا ہے۔

دیکھئے عذاب برزخ (ص۲۰)

③ موصوف نے رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے 1 سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بدحواسی کی حالت میں کفر پر مرنے والا قرار دیا اور 2 بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور ان دونوں صحابہ پر دبے الفاظ میں کفر کے فتوے داغے ہیں۔ (**نعوذ باللہ من ذالك**)

(عذاب برزخ ص۱۸۔۱۹)

④ موصوف نے اس امت کے جم غفیر یعنی تمام محدثین کرام اور پوری امتِ مسلمہ پر کفر کے کھلے اور واضح فتوے داغے ہیں۔ (عذاب برزخ ص۲۶) اور یہ فتوے پلٹ کر ان پر چسپاں ہو چکے ہوں گے۔ **إن شاء اللہ تعالیٰ**

۵ موصوف اپنے نظریہ کے دفاع کے لئے احادیث کو نقل کرنے میں قطع وبرید سے بھی کام لیتے ہیں اور جو حدیث ان کے نظریے سے ٹکراتی ہے، اس کے اہم الفاظ سرے سے نقل ہی نہیں کرتے ۔ دیکھئے عذاب برزخ (ص ۱۷۔۱۸)

الغرض آپ جس قدر بھی غور کریں گے تو آپ کو موصوف کی شخصیت دھوکا وفریب اور جھوٹ سے مزین کفر کی مشین گن اور عجمی سازش معلوم ہوگی۔ **فاعتبروا یاأولی الأبصار**

قارئین سے ایک درخواست

اس مضمون کو پڑھ کر اسے دوسرے بھائیوں تک پہنچانے کا انتظام واہتمام کریں، کیونکہ یہ فتنہ عام ہوتا جا رہا ہے اور لوگ منکرین حدیث بنتے جا رہے ہیں، لہٰذا اس فتنے کا سدباب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اسے ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے متاثرین تک پہنچائیں جو لوگ شائع کرنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ فوٹو اسٹیٹ کر کے اسے پھیلائیں اور کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' کو بھی شائع کر کے لوگوں تک پہنچائیں۔

۲ عذابِ قبر کے موضوع پر ہماری کتاب ''عذابِ قبر کی حقیقت'' اور دیگر لٹریچر کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ **هٰذا ماعندي والله أعلم بالصواب .**

[الحدیث:۳۲]

فضلِ اکبر کاشمیری

فتنۂ تکفیر

فتنۂ تکفیر نے دین اسلام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ہے، اس کی وجہ سے کئی باطل فرقے معرض وجود میں آئے، جنھوں نے مسلمانوں ہی کو کافر قرار دینے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ تکفیر کی یہ بیماری بہت پرانی ہے۔ اسلام میں بگاڑ پیدا کرنے والے یہودی بھی اسی بیماری کے مریض تھے، چنانچہ انھوں نے سلیمان علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ دیکھئے البقرۃ:۱۰۲

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم پہلی امتوں کے طریقوں کی بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ پیروی کرو گے، یہاں تک کہ اگر وہ لوگ کسی گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ ہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (آپ کی مراد پہلی امتوں سے) یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ نے فرمایا: پھر (اور) کون ہو سکتا ہے؟ (بخاری:۳۴۵۶، ۷۳۲۰ ومسلم:۲۶۶۹)

قومِ یہود کی باقیات سئیات میں سے روافض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی مقدس جماعت کو کافر قرار دیا۔ ان کے نزدیک تین صحابۂ کرام (مقداد بن الاسود، ابو ذر غفاری اور سلمان فارسی) کے علاوہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مرتد قرار پائے۔ **معاذاللہ**

ملاحظہ کیجئے رجال الکشی (ص ۱۲) وکتب الشیعہ، اسی طرح شیعہ مزید باون (۵۲) فرقوں میں بٹ گئے۔

خوارج نے بھی سلسلۂ تکفیر کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہی سے کیا۔ جدل و مناظرہ ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ شدتِ نزاع و خصومت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اپنی آراء و افکار میں تعصب ان کا خصوصی وصف تھا۔ مناظرات و مناقشات میں تنگ نظری کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ خوارج قرآن کے معنی و مفہوم کی گہرائی میں اترنے کی زحمت نہ کرتے بلکہ نصوص پر سطحی نگاہ ڈالنے کے عادی تھے۔ ان پر ظواہر پرستی کا رنگ نمایاں تھا۔ سبیل المؤمنین سے

منحرف ہو کر گمراہی وضلالت ان کا مقدر بنی۔ اسی طرح خوارج کے بھی ستائیس (۲۷) فرقے معرضِ وجود میں آئے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اس امت میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے (پیدا ہوں گے) کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں حقیر جانو گے۔ وہ قرآن کی تلاوت کریں گے، لیکن (قرآن) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے (پار) نکل جاتا ہے۔ (بخاری:۶۹۳۱)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، اگر میں نے ان کو پایا تو میں ان کو قوم عاد کی طرح قتل کر ڈالوں گا۔ (مسلم:۱۰۶۴)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (خوارج) آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہیں جن کو انھوں (خوارج) نے قتل کیا۔ خوارج جہنم کے کتے ہیں، یقیناً یہ لوگ مسلمان تھے، پھر کافر ہو گئے۔

ابو امامہ سے پوچھا گیا کہ یہ بات تم اپنی طرف سے کہہ رہے ہو؟ کہا:

(نہیں) بلکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

(ابن ماجہ:۱۷۶، وسندہ حسن)

اہلِ سنت کا واضح موقف ہے کہ تکفیر بہت خطرناک چیز ہے، کسی کو کافر قرار دینا بہت نازک مسئلہ ہے۔ اس سلسلے میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ جب تک کسی میں ایسی واضح شرائط نہ پائی جائیں کہ اسے کافر قرار دیا جا سکے اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو قطعی طور پر کسی کو کافر کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ بغیر دلیل کے کسی کو کافر قرار دینا دانشمندانہ اقدام نہیں۔ کسی شخص معین پر کفر کا فتویٰ لگانے کے سلسلے میں محدثین بہت محتاط واقع ہوئے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص اسلام سے براہ راست متصادم ہو، کافرانہ اور مشرکانہ عقائد ونظریات رکھے اور ضروریاتِ دین کا انکار کرے تو اس کے کفر اور شرک میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

عملِ کفر کے مرتکب کی تکفیر کا مسئلہ؟!

نبی ﷺ نے گو بعض اعمال پر کفر کا اطلاق فرمایا ہے لیکن اہلِ علم وسلف صالحین نے ان اعمال کے مرتکب پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا، کیونکہ احادیث ہی میں ان کی توجیہ وتوضیح موجود ہے، اگر اس سلسلے کے دلائل اکٹھے کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس مختصر مضمون میں ہم چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔ (بخاری:۴۸، مسلم:۶۴)

ایک اور موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا:

میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ (بخاری:۱۷۳۹)

درج بالا دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا یا اس سے قتال کرنا کفر ہے، لیکن صرف ان احادیث کی بنا پر قاتل پر کفر کا فتویٰ لگا کر اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اپنے والد (کی طرف انتساب) سے نفرت نہ کیا کرو، کیونکہ جس نے اپنے والد (کی طرف انتساب) سے انکار کیا تو اس نے کفر کیا۔ (مسلم:۶۲)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لوگوں میں دو باتیں ایسی موجود ہیں جن کی وجہ سے وہ کفر کا ارتکاب کرتے ہیں:

(۱) نسب میں طعن کرنا (۲) اور میت پر نوحہ کرنا۔ (مسلم:۶۷)

سیدنا جریر البجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے پیغمبر کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

جو غلام بھی اپنے مالک کے پاس سے بھاگ جائے تو اس نے کفر کیا، تاوقتیکہ وہ واپس نہ آجائے۔ (مسلم:۶۸)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے:

یقیناً آدمی اور اس کے کفر وشرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کر دینا ہے۔ (مسلم: ۸۲)

کسی پر کفر وشرک کا فتویٰ لگا دینا بہت بڑی جسارت ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کسی کی تکفیر کرتا ہے اور وہ شخص درحقیقت ایسا نہیں ہوتا تو ایسے مکفر کیلئے احادیث میں بہت زیادہ زجر وتوبیخ موجود ہے، چنانچہ اس سلسلے کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیے:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو (کلمۂ کفر) دونوں میں سے ایک پر لوٹ آتا ہے۔

(بخاری: ۶۱۰۴، مسلم: ۶۰)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کوئی شخص کسی پر فسق کی تہمت لگائے نہ کفر کی، کیونکہ اگر وہ شخص ایسا نہیں ہے تو یہ (کلمہ کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (بخاری: ۶۰۴۵)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی کو کافر کہہ کر پکارے، یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کلمہ کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔ (مسلم: ۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو یہ اُس کو قتل کر دینے کے برابر ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی، پس یہ اُس کو قتل کر دینے کے مترادف ہے۔ (بخاری: ۶۱۰۵)

اندازہ کیجئے کہ مسلمانوں کی تکفیر کرنا کتنا خطرناک فعل ہے اور تکفیر کرنے والے کے ایمان کے زائل ہونے کا شدید خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، لہٰذا تکفیریوں کیلئے یہ انتہائی ڈرنے کا مقام اور لمحۂ فکریہ ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب اس طرح قائم کیا ہے:

''جو شخص اپنے بھائی کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔''

(صحیح بخاری کتاب الادب، باب نمبر ۷۳)

پھر امام بخاری نے ایک دوسرا باب بایں الفاظ قائم کیا ہے: ''جو شخص کسی کو تاویل یا جہالت کی وجہ سے کافر کہہ دے اس کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الادب باب نمبر ۷۴)

تکفیر معین کیلئے کچھ قواعد وضوابط، شرائط اور موانع ہیں۔ ذیل میں ہم تکفیر کیلئے چند موانع ذکر کرتے ہیں:

① حدیث میں تین (۳) اشخاص کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے:

(۱) سونے والے سے یہاں تک کہ جاگے (۲) اور دیوانے سے یہاں تک کہ اس کو عقل آجائے (۳) اور بچے سے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو جائے۔ (ابوداود: ۴۳۹۸ وھو حسن)

② خطا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ﴾

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو کچھ تم سے بھول چوک میں ہو جائے۔ (الاحزاب: ۵)

③ سبقت لسانی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو بے آب ودانہ زمین میں اپنے اونٹ پر سوار ہو، پھر وہ اونٹ چل پڑے اور اس پر اس کا کھانا اور پانی ہو۔ پس وہ اس سے ناامید ہو جائے تو وہ ایک درخت کے پاس آکر اُس کے نیچے لیٹ جائے۔ یقیناً اپنے اونٹ سے نا اُمید ہو گیا ہو، وہ اسی حالت میں ہو کہ اچانک اونٹ اس کے پاس آکر کھڑا ہو جائے۔ پس وہ اس کی نکیل پکڑ لے، پھر وہ شدتِ خوشی کی وجہ سے کہنے لگے:

اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر بیٹھے۔

(مسلم: ۲۷۴۷)

④ جہالت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص بہت گناہگار تھا جب وہ قریب المرگ ہوا تو اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے

جلا دینا، پھر میری ہڈیوں کو پیس کر ہوا میں اڑا دینا۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے ایسا عذاب دے گا کہ ایسا عذاب کسی کو نہیں دیا ہوگا۔ پس جب وہ فوت ہوا تو اس کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر، پس زمین نے ایسا ہی کیا، تو وہ بندہ کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: اے میرے رب! تیرے ڈر کی وجہ سے، پس اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

(بخاری:۳۴۸۱، مسلم:۲۷۵۶) [مزید دلائل کیلئے دیکھئے المآئدۃ:۱۱۲، بنی اسرآءیل:۱۵، الترمذی:۲۱۸۰ وغیرہ]

⑤ اکراہ (مجبوری):

اللہ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾

جس نے اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کیا مگر جس کو مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، لیکن جس نے کھلے دل سے کفر کیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ (النحل:۱۰۶)

الغرض خوارج کی راہ پر گامزن تکفیری فرقے ہر طرف اپنا زہر پھیلا رہے ہیں، مثلاً ڈاکٹر مسعود عثمانی کی پارٹی اور اس کے تمام ذیلی فرقے، مسعود بی ایس سی کا گروہ اور اس کے تمام ذیلی فرقے اور فرقیاں وغیرہ۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ علمائے حق ان فتنوں کو قرآن و حدیث کے محکم دلائل کے ذریعے سے کچل ڈالیں، تاکہ ان باطل فرقوں کو سر چھپانے کی جگہ نہ ملے۔ اگر کسی کا منہج، نظریہ اور فکر صحیح سمت پر قائم نہ ہو تو اس کا گمراہ کن خلوص و تقویٰ کسی کام کا نہیں۔ خیر اسی میں پنہاں ہے کہ دینی راہنمائی کیلئے ایسے اہلِ علم سے رابطہ رکھا جائے جو ثقہ ہوں، اللہ سے ڈرنے والے ہوں، اللہ کے دین کیلئے مخلص ہوں۔ ایسے ربانی علماء کا وجود اس معاشرہ میں مسلمانوں کیلئے باعثِ خیر و سعادت ہے۔

اللھم احفظنا من الفتن ماظھر منھا وما بطن ۔ (آمین) [الحدیث:۳۴]

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

عقیدۂ عذابِ قبر پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ

عقیدۂ عذابِ قبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمتِ مسلمہ کا زبردست امتحان لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے عذاب قبر کے عقیدے کو عقل کی بنیاد پر پرکھا اور اپنے خودساختہ عقائد ونظریات کے تناظر میں اسے دیکھنے کی کوشش کی، جبکہ اہلِ ایمان عذابِ قبر کے عقیدے کو مِن وعَن اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ دور ماضی کی طرح موجودہ دور میں بھی یہی روش برقرار ہے۔ منکرینِ حدیث کے ساتھ ساتھ عثمانی فرقہ بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔ عثمانی فرقے کے رسالے ''حبل اللہ'' میں کسی ''محمد سہیل'' نامی شخص کا ایک مضمون دو قسطوں میں چھپا ہے جس میں اگرچہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر عثمانی کے عقائد ونظریات کو گھما پھرا کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کچھ عنوانات برزخ، روح، اعادۂ روح وغیرہ پر خامہ فرسائی کی گئی ہے اور اپنے اسلاف اور ''سلف طالحین'' معتزلہ کا بھرپور دفاع کیا ہے، لہٰذا موصوف کے ان خیالات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جائزہ پیشِ خدمت ہے:

عذابِ قبر کیا ہے؟ عربی زبان کی معمولی استعداد رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ عذاب القبر مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ ہے ''قبر کا عذاب'' یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے اور امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قبر وہ مقام ہے جس میں میت دفن کی جاتی ہے۔ اب اتنی عام فہم بات کو مشکوک بنانے کے لئے عجیب وغریب فلسفے بیان کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اصلی قبر جو برزخ میں ہے وہ آسمانوں میں ہے گویا زمین پر جو قبر ہے، جسے قرآن مجید نے قبر کہا، حدیث نے بھی قبر کہا، پوری امتِ مسلمہ نے بھی قبر کہا، لیکن ڈاکٹر عثمانی نے اسے نقلی قبر کہا اور برزخ میں قائم کردہ فرضی قبر کو اصلی قبر قرار دیا ہے۔ دراصل روح کے راحت وآرام اور عذاب کی احادیث کو عذابِ قبر قرار دینے کے لئے یہ

ساری تگ ودو کی گئی ہے، کیونکہ ڈاکٹر موصوف صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور اسی کی اتباع کرتے ہوئے مقلدین عثمانی بھی اسی عقیدے کو عام کر رہے ہیں۔فرقہ پرستوں میں تقلید کی اس سے زیادہ خوفناک مثال نہیں ملتی۔ان مقلدین سے پوچھا جائے کہ برزخ میں قبر قائم کرنے کا کیا مقصد ہے؟ زمین میں جو قبر ہے اس میں تو میت دفن کی جاتی ہے اور برزخ والی قبر میں کسے دفن کیا جاتا ہے؟ کیا روح کو دفن کیا جاتا ہے؟ یہ بڑی عجیب وغریب منطق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے،لیکن ڈاکٹر موصوف نے اس کا حل بھی پیش کر دیا ہے۔

برزخی جسم کا تصور: ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد اس روح کو ایک نیا برزخی جسم دیا جاتا ہے اور یہی جسم راحت وعذاب کے تمام مراحل سے گزرتا ہے اور یہ ایسا جسم ہے جو ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے دوبارہ درست کیا جاتا ہے۔اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ڈاکٹر موصوف نے کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں اگر چہ یہ وضاحت موجود نہیں ہے، البتہ موصوف نے ان احادیث سے اس عقیدے کو کشید کرنے کی مکمل کوشش کی ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب ''عذاب قبر'' کی حقیقت میں ہے۔

قادیانی نظریہ: دراصل ڈاکٹر موصوف نے یہ نظریہ مرزا غلام قادیانی کذاب سے اسمگل کیا ہے۔مرزا غلام قادیانی نے اس نظریے کو دوٹوک الفاظ میں پیش کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''سو اِن تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعالِ کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کے رُو سے جسم کی رفاقت رُوح کے ساتھ دائمی ہے۔گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک رُوح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نُور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔اور بعض جسم نُورانی اور بعض ظُلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظُلمت سے تیار ہوتے ہیں۔اگر چہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔انسانِ کامل

اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیتِ جسم کے علاوہ پا سکتا ہے۔اور عالَمِ مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔اگر چہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔لیکن جن کو عالَمِ مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے۔تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذّت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے مِلتا ہے۔یہی عالَمِ برزخ میں نیک و بد کی جزاء کا مُوجب ہو جاتا ہے۔میں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دُھوئیں سے بنایا گیا ہے۔غرض مَیں اس کُوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم مِلتا ہے خواہ نُورانی خواہ ظُلمانی۔انسان کی یہ غلطی ہوگی ۔اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔بلکہ جاننا چاہئے۔کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلاسکتی۔اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ایسا ہی وہ علومِ معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عُقدہ حل نہیں ہوسکتا۔خدائے تعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی از مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ص۱۳۵، ۱۳۶، روحانی خزائن ج۱۰ص۴۰۴۔۴۰۶)

معلوم ہوا کہ موصوف سے پہلے نئے جسم کا تصور مرزا قادیانی نے پیش کیا اور وہاں سے اسمگل کر کے موصوف نے اس جدید تحقیق کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

تین زندگیاں: موصوف کی اس جدید تحقیق سے دو زندگیوں کا قرآنی تصور بھی غلط ثابت ہو جاتا ہے، یا بالفاظ دیگر موصوف قرآن کے منکر اور کافر قرار پاتے ہیں، کیونکہ دو

موتوں اور دو زندگیوں کے منکرین کو ڈاکٹر موصوف نے بھی کافر قرار دیا ہے۔ دراصل دوسروں پر کفر کے فتوے داغتے داغتے موصوف اپنے آپ کو بھی کافر قرار دے بیٹھے ہیں۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

یہ عجیب منطق ہے کہ اگر کوئی شخص ارضی قبر میں راحت و عذاب کا قائل ہے تو وہ موصوف کے نزدیک کافر ہے، لیکن اگر کوئی شخص موصوف کی قائم کردہ برزخی قبر میں تیسری زندگی کا قائل ہو تو وہ پکا مومن اور پکا موحد بھی ہے۔ **سبحانك هذا بهتان عظيم**

ہر چیز برزخی: قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ ''ان مرنے والوں کے پیچھے قیامت تک ایک برزخ حائل ہے۔ (المومنون: ۱۵۵) یعنی ان کے درمیان ایک آڑ یا پردہ قائم ہے۔

اس وجہ سے اس درمیانی عرصے کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے، جبکہ قرآن و حدیث میں اس عرصے کو آخرت کہا گیا ہے، لیکن ڈاکٹر موصوف نے برزخی زندگی کے علاوہ ہر چیز کو برزخی قرار دیا ہے۔ جیسے برزخی قبر، برزخی جسم وغیرہ، اس طرح کی بیماری مسعود احمد بی ایس سی کو بھی لاحق ہوگئی تھی۔ **تشابهت قلوبهم**۔ اس نے ہر چیز کے ساتھ مسلمین کے اضافے کو لازم قرار دیا جیسے مسجد المسلمین، توحید المسلمین، صلوٰۃ المسلمین وغیرہ آئندہ شاید وضوء المسلمین، مسواک المسلمین شارع المسلمین وغیرہ نام بھی عام اور شائع ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اب عثمانی فرقہ برزخی عثمانی کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

عذاب قبر کی وضاحت احادیث سے: رسول اکرم ﷺ چار چیزوں سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے اور امت کو بھی ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے یعنی عذاب جہنم سے، عذاب القبر سے اور زندگی و موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے۔ (مسلم: ۱۳۲۶)

دوسری حدیث میں ہے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ'' (صحیح مسلم: ۱۳۲۴)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب قبر اور عذاب جہنم دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ موت کے وقت روح کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے اور روح قبر کے سوال و جواب کے بعد جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے۔ روح کو جہنم میں جو عذاب دیا جاتا ہے، اسے عذابِ جہنم کہا جاتا ہے۔ موصوف نے جنت اور جہنم کے عذاب کی احادیث نقل کر کے اسے ہی عذاب قبر قرار دیا ہے، جبکہ جسم جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد اسے راحت و آرام سے نوازا جاتا ہے، یا پھر عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب ہی عذابِ قبر ہے ،اس سلسلے میں احادیث بالکل واضح ہیں ۔ ڈاکٹر موصوف اور اس کے حواری آخرت کے معاملے کو دنیا پر قیاس کر کے قبر کے عذاب کے منکر ہو گئے ۔ یہ آخرت کے معاملات ہیں جنھیں عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر صحابہ کی طرح: **سمعنا و أطعنا** کہا جائے تب ایمان محفوظ رہ سکتا ہے، عذابِ قبر کی وضاحت کے لئے یہاں چند احادیث درج کی جاتی ہیں جن پر غور و فکر کی ضرورت ہے:

پہلی حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الميت ليعذب في قبره ببكاء أهله ، عليه))

بے شک میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کے سبب سے۔ (صحیح بخاری: ۱۲۸۸، ۳۹۷۸، صحیح مسلم: ۹۲۷، دارالسلام: ۲۱۴۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ میت کو عذاب ہوتا ہے اور یہ عذاب قبر میں ہی ہوتا ہے، کیونکہ میت قبر میں دفن ہوتی ہے۔ یہ حدیث ڈاکٹر موصوف کے مطالعہ میں نہ تھی اور اگر تھی تو اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور اس حدیث کو ظاہر نہیں کیا۔ اب جبکہ یہ واضح حدیث سامنے آ گئی ہے تو تمام برزخی عثمانیوں کو اس پر یقین (ایمان) رکھنا چاہئے اور اپنے تمام باطل نظریات سے فوری طور پر توبہ کر لینی چاہئے اور اگر کوئی مرزائی و عثمانی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے واضح اور صحیح حدیث کا انکاری ہے تو قرآن و حدیث کے منکرین کو جہنم کا عذاب چکھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ج وَ مَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور رسول (ﷺ) تمھیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس بات سے تمھیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر:۷)

دوسری حدیث: سیدنا براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آیت ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ج﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے قول ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔ (ابراہیم:۲۷) کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب القبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (قبر میں میت سے) کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ ''اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو سچی بات کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔'' (صحیح مسلم:۲/۲۸۷، دارالسلام:۷۲۱۹، نیز ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری:۱۳۶۹)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب القبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے اور سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ عذاب القبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور قبر میں میت کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی اسی حدیث میں یہ بات موجود ہے) اور اس سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ قبر کا سوال و جواب حق ہے اور اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ سوال و جواب کے وقت روح کو بھی قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور قبر کے مسئلے کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، اس لئے اسے دنیا کی زندگی پر قیاس کرنا گمراہی اور جہالت ہے، کیونکہ میت کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے اور اب وہ آخرت کے مراحل سے گزر رہی ہے، اس عنوان پر مزید تفصیل بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

منکرینِ عذاب القبر احادیث کے انکار میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ حدیث پر تنقید کرتے ہوئے نبی ﷺ کی توہین کا بھی ارتکاب کر جاتے ہیں اور یہ تک نہیں

سمجھتے کہ ان کے قلم نے کیا لکھ مارا ہے۔اس کی ہم بہت سی مثالیں بیان کر سکتے ہیں،لیکن یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہے،لہٰذا یہاں ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا ایک انتہائی اندھا مقلد اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسی طرح یہ فرقہ پرست اور قبر پرست قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ارضی قبر کی زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں......اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں بھی۔یعنی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایمانداروں کی مدد کرے گا۔چونکہ اس آیت کا ذکر بخاری کی حدیث میں عذاب القبر کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے بعض جاہل اور گمراہ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے عقیدے (مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے) کا ثبوت قرآن کی یہ آیت ہے۔'' (دعوت قرآن اور یہ فرقہ پرستی ص ٦٧)

یہ ہے ابوانور رجدون کی ''دعوت قرآن'' اوران کا ''ایمان خالص''

اس آیت کے متعلق خود نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا تعلق عذاب القبر کے ساتھ ہے،لیکن موصوف نے فتویٰ لگایا ہے ''فرقہ پرست'' ''قبر پرست'' ''جاہل'' ''گمراہ'' ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی اس قدر توہین کرنے والا کبھی مومن نہیں ہوسکتا اور ایسے شخص کی موت کفر کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں ہوسکتی۔شیطان رشدی جیسے لوگوں کا انجام اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ **وذلك جزاء الظلمين** [تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''دعوت قرآن کے نام سے قرآن وحدیث سے انحراف'' ملاحظہ فرمائیں۔]

تیسری حدیث: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

بے شک جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پیٹھ موڑ کر لوٹتے ہیں اور وہ ابھی ان کی جوتیوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس (شخص یعنی محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے

بدل دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: پھر وہ اپنے دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ چوڑی کردی جاتی ہے اور اسے قیامت تک سرسبز وشادابی سے بھر دیا جاتا ہے۔ پھر قتادہ رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف پلٹے یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بقیہ حدیث بیان کی۔(رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا: اور منافق یا کافر سے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص (محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ قرآن پڑھا (اور نہ اس سے رہنمائی حاصل کی) یہ کہہ کر اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جنوں اور انسانوں کے سوا قریب کے (تمام جانور) سنتے ہیں۔'' (صحیح بخاری:۱۳۷۴، صحیح مسلم:۲۸۷۰، دارالسلام:۷۲۱۶)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے قبر میں اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور اس سے سوال وجواب ہوتا ہے۔ مومن کو قبر میں راحت وآرام ملتا ہے جبکہ منافق وکافر کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میت دفن کرکے واپس جانے والے ساتھیوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے اور یہ ایک استثنائی حالت ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میت یہ جان لے کہ جس اہل وعیال کے لئے اس نے آخرت کو فراموش کررکھا تھا آج وہ اسے تنہا چھوڑ کر جارہے ہیں اور قبر میں ایمان اور نیک اعمال کے سوا کوئی چیز اسے نجات نہیں دلا سکتی۔ بعض حضرات نے حدیث کے اس حصے کو خلاف قرآن قرار دیا ہے، حالانکہ یہ حدیث خلاف قرآن نہیں بلکہ ایک استثنائی صورت ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب میں ''مردار'' کی مثال بیان کی تھی۔ عثمانی فرقہ کے بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے، لیکن اس کی تاویل کی ہے۔ ان کا پہلے یہ کہنا تھا کہ اس حدیث میں حقیقت نہیں بلکہ مجاز بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جوتیوں کی آواز سنی جا سکتی ہے کہ میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے اس حدیث کی دوسری تاویل یہ پیش کی کہ میت فرشتوں کی جوتیوں کی چاپ سنتی ہے اور اس بات کو ثابت

کرنے کے لئے اس نے جمع اور تثنیہ کی بحث بھی کی ہے، لیکن (اول) تو اس حدیث کا سیاق وسباق ہی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ نیز ڈاکٹر موصوف نے اس حدیث کی غلط تاویلات اس لئے کیں کہ اس نے حدیث قرع نعال میں وتولی و ذهب أصحابه کا غلط اور باطل ترجمہ کیا تھا، جبکہ بخاری کی دوسری حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہو جاتا ہے اوراس کے الفاظ یہ ہیں: و تولى عنه أصحابه (ح ۱۳۷۴) یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے ۔(ح ۷۲۱۶) اور صحیح مسلم کے الفاظ کے پیشِ نظر موصوف کی باطل تاۤویلات مزید بعید بلکہ بعید تر نظر آتی ہیں۔ مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((إن العبد إذا وضع في قبره و تولى عنه أصحابه إنه ليسمع قرع نعالهم قال : يأتيه ملكان...)) جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے منہ پھیر کر واپس پلٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی چاپ سنتا ہے۔ یہاں پر حدیث کا جملہ مکمل ہو جاتا ہے اور راوی بیان کرتا ہے'' قال: يأتيه ملكان.'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں یہ جملہ اوپر والے جملے سے بالکل الگ تھلگ ہے، لہٰذا موصوف کی باطل تاۤویلات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں، نیز صحیح مسلم کی تیسری روایت اس باطل تاویل کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوڑ دیتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الميت إذا وضع في قبره أنه ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا))

بے شک جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے جبکہ وہ (اسے دفنا کر) واپس لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۷)

اس حدیث میں فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کا ذکر ہے، لہٰذا اس حدیث سے وہ باطل مفروضہ پاش پاش ہو جاتا ہے مگر افسوس کہ جو لوگ قرآن و حدیث کے بجائے ڈاکٹر عثمانی پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ ڈاکٹر موصوف کی اس باطل تاویل کو درست مانتے ہیں اور صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں۔

چوتھی حدیث: سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اس وقت سورج کو گرہن لگ گیا تھا اور لوگ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے............... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: جو جو چیزیں میں نے اب تک نہیں دیکھی تھیں وہ آج اس مقام پر دیکھ لی ہیں، یہاں تک کہ جہنم اور جنت بھی دیکھ لی اور مجھ پر وحی آئی کہ قبروں میں دجال کی مثل یا فتنہ دجال کے قریب تمھاری آزمائش ہوگی۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ قبر میں تم میں سے ایک کے پاس فرشتہ آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تو اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) کہتا ہے وہ اللہ کے (سچے) رسول ہیں۔ وہ ہمارے پاس دلیلیں اور ہدایت کی باتیں لے کر آئے تھے۔ ہم نے انھیں مان لیا اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کی پیروی اختیار کی، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جا، ہم جانتے تھے کہ تو ایمان والا ہے۔ اور منافق یا مرتاب (شک کرنے والا) کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ (صحیح بخاری:۱۰۵۳)

پانچویں حدیث: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنونجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے، ناگہاں چھ یا پانچ یا چار قبریں معلوم ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں (جانتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کب مرے ہیں؟ وہ بولا شرک کے زمانے میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن هذا الأمة تبتلى في قبورها فلو لا أن لا تدا فنوا لدعوت اللّٰه أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه)) یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے پس اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تمھیں بھی قبر کا عذاب سنا دے جس طرح میں سنتا ہوں۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ

کی پناہ مانگو۔ہم نے کہا کہ ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہو۔ ہم نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: ظاہر اور باطن فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ہم نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۷، دارالسلام: ۷۲۱۳)

اس حدیث کو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/ ۲۹۵، ۲۹۶ ح ۱۴۱۵۲، وسندہ صحیح) اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/ ۱۱۴ ح ۱۲۱۲۳، وسندہ صحیح، سنن النسائی ۴/ ۱۰۲ ح ۲۰۶۰) بھی بیان کرتے ہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات میں یہ واقعہ مروی ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کو اسی ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح آپ ﷺ عذابِ قبر سنتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی عذابِ قبر سنے، لیکن پھر اس خوف سے کہ لوگ عذاب کو سن کر مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے، لہٰذا آپ ﷺ نے یہ دعا نہ فرمائی۔ ظاہر ہے کہ مردے اسی ارضی قبر میں ہی دفن ہوتے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے اس تمنا کا اظہار فرمایا۔

چھٹی حدیث: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی، پھر اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذابِ قبر کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((**نعم عذاب القبر حق**)) جی ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہمیشہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو نماز بھی پڑھی اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری: ۱۳۷۲)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مدینہ کے

یہودیوں کی دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ''إن أهل القبور يعذبون في قبورهم'' بے شک قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں۔
پس میں نے ان عورتوں کو جھوٹا قرار دیا اور مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں ان کی بات مانوں۔ پھر وہ عورتیں چلی گئیں اور نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئی تھیں اور میں نے پورا واقعہ بیان کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((صدقتا أنهم يعذبون عذاباً تسمعه البهائم كلها)) ان دونوں نے سچ کہا ہے، بے شک قبر والوں کو (ان کی قبروں میں) عذاب ہوتا ہے جسے تمام چوپائے سنتے ہیں۔
پس اس (واقعہ) کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری: ۶۳۶۶)

(۱) اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ مُردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔
(۲) اس عذاب کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔

ساتویں حدیث: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دو قبروں کے قریب سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں (تمھارے نزدیک) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک تر و تازہ ٹہنی لی اور اسے درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا، پھر آپ ﷺ نے انھیں ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا۔'' (بخاری: ۲۱۶ و مسلم: ۱۱۱/۲۹۲، دارالسلام: ۶۷۷)

صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر میں کمی نبی ﷺ کی دعا اور شفاعت کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ (صحیح مسلم: ۳۰۱۲، دارالسلام: ۷۵۱۸)

ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) میت کو عذاب اسی ارضی قبر میں ہوتا ہے اوران احادیث میں یہی عام قانون بیان ہوا ہے۔منکرین عذاب القبر چند استثنائی صورتیں ذکر کر کے جو عذاب القبر کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ اس طرح منکرین عذاب القبر اپنی عقل پر تو ایمان رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کا انکار کرتے ہیں اور عملاً وہ اپنے نفس کی پوجا کر رہے ہیں۔

(۲) عذاب القبر میت کو ہوتا ہے زندہ کو نہیں اور میت کا مطلب ہے مردہ، لاش کہ جس میں روح موجود نہیں ہوتی اور احادیث میں قبر کے عذاب کا ذکر میت ہی کے متعلق ہوا ہے، لیکن منکرین عذاب القبر کا خیال ہے کہ بغیر روح کے عذاب کیا معنی رکھتا ہے؟ گویا منکرینِ عذابِ قبر احادیث پر نہیں بلکہ اپنی عقل نارسا پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت عذاب کی وجہ سے چیختی چلاتی ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جن اور انسان کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے اور جن و انسان چونکہ مکلّف مخلوق ہے اس لئے ان کو عذاب کا سنانا مصلحت کے خلاف ہے، البتہ کبھی کبھی عذاب قبر کی کوئی جھلک اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا بھی دیتا ہے، جس کی گواہی اخبارات اکثر دیتے رہتے ہیں۔

آٹھویں حدیث: سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب میت کو چارپائی پر رکھ دیا جاتا ہے اور مرد اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر میت نیک ہو تو کہتی ہے کہ مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ نیک نہ ہو تو اپنے گھر والوں سے کہتی ہے: ہائے بربادی مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ اس میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے، سوائے انسان کے اور اگر وہ سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۸۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''جب نیک آدمی کو اس کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے آگے لے چلو، مجھے آگے لے چلو اور جب برے آدمی کو اس کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے بربادی وافسوس! مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو؟ ''

(سنن النسائی: ۱۹۰۹، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۷۶۴)

اور بیہقی کی روایت میں مومن اور کافر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۱)

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ عذاب میت کو ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ میت گفتگو کرتی ہے اور عذاب کے آثار کو دیکھ کر چیختی چلاتی ہے جسے انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے، چونکہ انسان و جنات کو عذاب سنانا مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے ان سے اس عذاب کو پردہ غیب میں رکھا گیا ہے، لہٰذا یہ مکلّف مخلوق اس عذاب کو نہیں سن سکتی۔

قبر کا تعلق آخرت سے ہے

جب عذاب القبر کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں تو منکرین عذاب القبر ان احادیث پر ایمان لانے کے بجائے الٹا ان پر عقلی قسم کے اعتراضات شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر عذاب القبر کی احادیث کو مان لیا جائے تو اس طرح پھر ہمیں تیسری زندگی کا قائل ہونا پڑے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ قبر کا مردہ اب زندہ ہو چکا ہے۔ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور یہ بات قرآن کریم کے خلاف ہے، حالانکہ اگر یہ عقل کے پجاری قرآن وحدیث پر ایمان لے آتے تو انھیں قرآن وحدیث میں یہ بات ملتی کہ قبر کا تعلق دنیا یا دنیاوی زندگی سے نہیں بلکہ آخرت کے ساتھ ہے اور دنیا سے اب ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ مردے کو کوئی شخص بھی قبر میں زندہ نہیں مانتا یعنی دنیاوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اگر کسی نے ان کی زندگی کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد ''برزخی زندگی'' ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۛ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم (مضبوط) رکھتا ہے قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے۔ (ابراہیم:۲۷)

نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری:۱۳۶۹، صحیح مسلم:۲۸۷۱، دارالسلام:۷۲۱۹ واللفظ لہ)

اس آیت میں دو مقامات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی دنیا اور آخرت جہاں اہلِ ایمان کو

اللہ تعالیٰ ثابت قدم اور مضبوط رکھتا ہے اور نبی ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ قبر کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ آیت عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی ۔ایک اور حدیث میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال:((استغفروا لأخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل .)) نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوتے (یعنی قبر کے پاس) پھر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ (ابوداود:۳۲۲۱، وسندہ حسن وصححہ الحاکم فی المستدرک ۱/۳۷۰ووافقہ الذہبی)

یہ روایت بھی درج بالا آیت کی پوری طرح وضاحت اور تشریح بیان کرتی ہے۔

(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **((مامن نبي يمرض إلا خيّر بين الدنيا والآخرة))**

ہر نبی کو مرض موت میں دنیا وآخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔

(بخاری:۴۵۸۶ واللفظ لہ، مسلم:۲۴۴۴)

یعنی اگر وہ چاہے تو ایک مدت تک دنیا میں مزید قیام کرلے اور چاہے تو آخرت کے قیام کو اختیار کرلے۔اس حدیث میں بھی موت کے بعد کی زندگی کو آخرت قرار دیا گیا ہے۔

(۳) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إنّ القبر أول منزل من منازل الآخرة))** قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

(الترمذی:۲۳۰۸ وقال: حسن غریب، وسندہ حسن، ابن ماجہ:۴۲۶۷ وصححہ الذہبی فی تلخیص المستدرک ۱/۳۷۱)

(۴) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

"فجمع الله بين ريقي وريقه في آخر يوم من الدنيا و أول يوم من الآخرة ."

پس اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو آپ ﷺ کے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن جمع فرمایا۔ (صحیح بخاری:۴۴۵۱)

ان احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موت کے بعد کے لئے آخرت کا نام ایک جانی پہچانی حقیقت تھی۔

قرآن وحدیث میں مرنے کے بعد کے لئے اور قیامت کے دن کے لئے آخرت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم نے مرنے کے بعد سے قیامت تک کے احوال کیلئے برزخی زندگی اور عالمِ برزخ کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ تاکہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کے وقفہ اور قیامت کے دن دونوں میں فرق واضح ہو جائے ورنہ مرنے کے بعد کے لئے آخرت کی اصطلاح ہی استعمال کرنا زیادہ درست ہے۔

[**چند فوائد:** عذابِ قبر کا عقیدہ اتنا اہم ہے کہ علمائے کرام نے اس پر کتابیں لکھی ہیں اور کئی علماء نے اس مسئلے پر ابواب مقرر کئے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: صحیح بخاری (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر: ۸۷/قبل ح ۱۳۶۹)

۲: سنن ابی داود (کتاب السنۃ باب المسألۃ فی القبر وعذاب القبر/قبل ح ۴۷۵۰)

۳: سنن الترمذی (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر: ۷۰/قبل ح ۱۰۷۱)

۴: سنن النسائی (کتاب الاستعاذۃ باب الاستعاذۃ من عذاب القبر: ۵۱/قبل ح ۵۵۱۶)

۵: عذاب القبر للبیہقی (یہ مستقل کتاب عربی میں مطبوع ہے۔)

۶: عذابِ قبر (تصنیف: محمد ارشد کمال)

اردو زبان میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ کی کتابوں کے بعد یہ کتاب بہت مفید ہے۔ یاد رہے کہ عذابِ قبر والی احادیث متواتر ہیں۔

(دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق الالبانی ص ۴۵۰، ۴۵۱، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص ۱۳۲)

تمام اہلِ سنت اہلِ حدیث اسی عقیدے کے قائل ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق احمد شاکر ص ۳۵۳)

پاکستان میں منکرینِ عذابِ قبر کا بڑا لیڈر ڈاکٹر مسعود حسن عثمانی تھا جو علانیہ امام احمد بن حنبل وغیرہ علمائے حق کی تکفیر کرتا تھا اور اسی عقیدے پر کراچی میں مرکر ارضی قبر میں پہنچ گیا۔ ز ع]

[الحدیث: ۴۱]

مولانا عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

اتباعِ سنت کے تین تقاضے فعل، ترک اور توقف

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے سے اس کی رضا حاصل کرنے کا نام اسلام ہے اور کسی بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے چار ذرائع ہیں:

① دل ② زبان ③ ظاہری اعضاءِ بدن (آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ) اور ④ مال خرچ کرنا۔

یہی وہ چار چیزیں ہیں جو ادائیگیٔ عبادت کا ذریعہ ہیں، اس لئے عبادت کی عموماً چار اقسام بتائی جاتی ہیں: (۱) قلبی عبادات (۲) قولی عبادات (۳) بدنی عبادات اور (۴) مالی عبادات۔

(قلبی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق دل سے ہے، مثلاً غلط و باطل عقائد کے بجائے صحیح اسلامی عقائد کو اپنانا، دنیاوی مفادات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نیکی کے ذریعے سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنا۔ غفلت، لاپرواہی وشک وشبہ سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے خالص توجہ اور یقین سے کام لینا وغیرہ۔

(قولی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق زبان سے ہے، مثلاً کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا، تلاوت کرنا، مسنون اذکار اور دعائیں پڑھنا، تعلیم و تدریس اور وعظ وتبلیغ کا اہتمام کرنا اور فضولیات ولغویات سے پرہیز کرنا وغیرہ۔

(بدنی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن سے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق بدن کے مختلف ظاہری اعضاء سے ہے، مثلاً مخلوق کے بجائے صرف خالق کو سجدہ کرنا، غیر محرم عورتوں سے نظر بازی کے بجائے صرف اپنی بیوی تک محدود رہنا، فحاشی اور بے حیائی پر مبنی مجالس کو ترک کر کے دینی اور پاکیزہ محافل کا انتخاب کرنا، نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور بُرے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا (خواہ مدد کے لئے پکارنے والا کوئی ''عزیز'' ہی کیوں نہ ہو۔)

(مالی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کا تعلق مال کو خرچ کرنے یا نہ کرنے سے ہے، مثلاً باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ دینا، لاچار لوگوں کی مدد کرنا، حقداروں کو ان کا حق ادا کرنا، گناہ وگمراہی اور فضول کاموں میں ایک پائی بھی خرچ نہ کرنا وغیرہ۔ ہر عبادت میں دل شریک ہوتا ہے، کیونکہ ایک سچا مسلمان اپنی عبادت کے ذریعے سے صرف اللہ کی رضا حاصل کرے گا (جبکہ مشرک آدمی اپنے معبودِ باطل کی رضا حاصل کرتا ہے) چونکہ رضا چاہنا دل کا فعل ہے اس لئے ہر عبادت قلبی ضرور ہوتی ہے، البتہ بعض عبادتوں میں دل کے ساتھ ساتھ دوسرے مختلف ذرائع بھی شامل ہو جاتے ہیں، مثلاً نماز ایک (قلبی عبادت تو ہے ہی) بدنی اور قولی عبادت بھی ہے، اسی طرح حج میں ادائیگیٔ عبادت سے چاروں ذرائع استعمال ہوتے ہیں، دل، زبان، اعضائے بدن اور مال بھی (خوب خرچ ہوتا ہے۔)

الغرض، جس طرح کسی کام کو ہر صورت کرنا ایک کام ہے اسی طرح کر سکنے کے باوجود کچھ نہ کرنا بھی ایک کام ہے جس طرح ایک آدمی نماز پڑھتا ہے اور اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے، اسی طرح جو شخص پڑھ سکنے کے باوجود نماز نہیں پڑھتا وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی ۲۶۲۱، وسندہ صحیح، مسند احمد ۵/۳۴۶ ح ۲۳۳۲۵)

اسی طرح اپنی کزن کے ساتھ منہ کالا کرنے والا شخص مجرم وگنہگار گنا جاتا ہے مگر جو شخص موقع ملنے کے باوجود محض اللہ کے ڈر کی وجہ سے اس کام سے باز آ جائے وہ یقیناً نیک و صالح شمار ہوگا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۴۶۵)

چونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کا خالق و مالک اور رب ورازق ہے، اسی نے انسان کو وجود بخشا ہے وہی اس کی ہر لمحہ نگہداشت ونگرانی کرتا ہے اور اس کی جملہ ضروریات اسے مہیا کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ بندہ بھی اس کی پسند و ناپسند کا پابند ہو کر زندگی گزارے یعنی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عقائد کو اپنائے اور ناپسندیدہ عقائد کو چھوڑ دے، اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کلمات کہے اور ناپسندیدہ کلمات کہنے سے باز رہے۔ اس کے

کان، آنکھیں، ہاتھ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی بجا آوری میں مصروف ہوں اور ناپسندیدہ کاموں کے لئے استعمال نہ ہوں حتیٰ کہ انسان کا مال بھی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور میں صَرف ہو، ناپسندیدہ کاموں (مثلاً شرک و بدعت ، گناہ و گمراہی، ظلم وعیاشی اورفضول وبےمقصدامور) میں خرچ نہ ہو۔

یہی وہ آزمائش ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان بنائے، ان کی طرف انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے۔ اپنا دین نازل کیا، انھیں اپنی پسندو ناپسند سے آگاہ کیا، چنانچہ تقریباً سارا دین اسی پسندو ناپسند سے عبارت ہے، مثلاً اگر آپ اسلام اور کفر، ایمان اور نفاق، سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، اطاعت اور معصیت، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز، نیکی اور بدی، سنت اور بدعت، ہدایت اور ضلالت اور اسی طرح کے دیگر الفاظ پر غور کریں تو آپ پر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام چھوڑنے کے ہیں۔ پھر جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم یا ترغیب دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہے، اسے کرنا ہی مطلوب ہے، اسے بجالانے کو فعل کہیں گے، اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا یا اس سے نفرت دلائی ہے وہ اس کے ہاں ناپسندیدہ کام ہے اس سے بچنا ہی مطلوب ہے، اس سے پرہیز کرنا ترک کہلائے گا۔ یہی فعل وترک رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کا طرۂ امتیاز ہے، البتہ انسانی اعمال کا ایک پہلو اور بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ ہے اختیار کا پہلو۔ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو ایک سے زائد کاموں میں اختیار دیا جائے کہ وہ ان میں سے کوئی ایک کام کرلے باقی کاموں کو وہ چھوڑ سکتا ہے، جبکہ اباحت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی کام کے متعلق بندے کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو اسے کرلے اور چاہے تو نہ کرے، چونکہ بندہ اختیاری کام کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا ہے، لہٰذا اختیار واباحت کی یہ صورت بھی فعل یا ترک میں شامل ہوجاتی ہے، کیونکہ بندہ جب کسی ایک پہلو کو ترجیح دیتا ہے تو دوسرے پہلو کو چھوڑ کر ہی ترجیح دیتا ہے، اگر کرنے کو ترجیح دیتا ہے تو نہ کرنا چھوٹ گیا اور اگر نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو کرنا چھوٹ گیا۔

سنت اور بدعت بھی دراصل دو مختلف اور متضاد طریقوں کا نام ہے۔ان میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں پر نہایت نیک نیتی کے ساتھ دین، نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر عمل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ سنت دین کا اصل طریقہ ہے اور بدعت (دین کے نام پر جاری کئے ہوئے) جعلی طریقے کا نام ہے۔سنت رسول ﷺ کے ذریعے سے امت کو ملی، جبکہ بدعت بعض مفاد پرست حکمرانوں اور مولویوں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہے۔

سنت پر عمل کیا جائے تو یہ بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اگر بدعت پر عمل کیا جائے تو یہ بندے کو اللہ سے دُور کر دیتی ہے۔سنت کو ہر موقع اور ہر حال میں بجالانا، جبکہ بدعت کو ہر موقع اور ہر حال میں ترک کر دینا اطاعت و اتباع کی بہترین تصویر قرار پائے گی۔یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہر موقع پر بدعت کا اہتمام والتزام کرتے کراتے ہیں ان سے مقابلے کی سنت مستقل طور پر چھوٹ جاتی ہے۔چونکہ سنت پر عمل پیرا ہونا اور بدعت کو چھوڑنا ہی شرعی دلائل کا مطالبہ ہے، اس لحاظ سے یہ مسئلہ بھی انسان کے فعل وترک کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔

انسانی آزمائش کا ایک پہلو مشتبہ امور ہیں، ان میں سے بعض کاموں کو کر لینا احتیاط کا تقاضا ہوتا ہے، جبکہ بعض کاموں کو نہ کرنا تقویٰ وطہارت کا آئینہ دار ہوتا ہے، مثلاً نمازی نماز کے دوران میں تعدادِ رکعات کی بابت شک کا شکار ہو جائے اور اس سے درست بات کا فیصلہ نہ ہو رہا ہو تو اس کے لئے یقین (کم تعداد) پر عمل کرتے ہوئے ایک اور رکعت پڑھ لینا ہی محتاط و مسنون عمل ہے۔ (صحیح مسلم:۵۷۱، دارالسلام:۱۲۷۲)

رسول اللہ ﷺ گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اگر اس کے صدقہ ہونے کا شبہ نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔ (صحیح بخاری:۲۰۵۵)

ان مثالوں میں سے پہلی مثال فعل کی اور دوسری ترک کی ہے۔

البتہ کتاب وسنت سے فعل وترک کے علاوہ ایک تیسرا آپشن بھی ملتا ہے اور وہ ہے توقف، بظاہر یہ فعل وترک کی درمیانی کیفیت کا نام ہے یعنی نفی نہ اثبات، فعل نہ ترک، اقرار

نہ انکار بلکہ توقف اختیار کرنا یعنی جس کام کی بابت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قصداً خاموشی اختیار فرمائی ہو اس کی بابت خاموش رہنا ہی بہتر ہے، الا یہ کہ کوئی اجتہادی مسئلہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ اور جس بات کا تجھے علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت پڑو۔ (الاسراء:۳۶)

خود نبی اکرم ﷺ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ بعض اوقات وحی کے انتظار میں توقف فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ مدینہ کے یہودی علماء کے کہنے پر قریشِ مکہ نے آپ ﷺ سے درج ذیل تین سوالات کئے تھے:

روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے توقف فرمایا حتیٰ کہ سورۃ الکہف نازل ہوئی۔ (المصباح المنیر ص ۷۹۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھو (تمام مسائل میں ان کے پیچھے پیچھے رہو۔) (الحجرات:۱)

یعنی اے جماعتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم)! جب نبی اکرم ﷺ موجود ہوں تو ازخود کسی کو کسی بات کا حکم نہ دو حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اس کا حکم دے دیں اسی طرح ازخود کسی کو کسی بات سے منع نہ کرو حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اس سے منع فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد اس آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت سے راہنمائی لئے بغیر ازخود کسی فعل یا ترک کا فیصلہ نہ کرو بلکہ توقف اختیار کرو۔ واللہ اعلم

شاید اسی لئے اہل سنت والجماعت کے علماء حق کا کہنا ہے کہ کتاب وسنت نے اللہ تعالیٰ کی بابت جن صفات کی خبر دی ہے ان کا اثبات کیا جائے اور جن باتوں سے اسے پاک و منزہ قرار دیا ہے ان کی نفی کی جائے اور جن چیزوں کی بابت خاموشی اختیار کی ہے، ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے (ان کا اقرار یا انکار کرنے کے بجائے توقف اختیار کیا جائے۔) مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (طٰہٰ: ۵/۲۰) کو ہی لے لیں

سلف سے اس کا معنی ''بلند ہوا'' منقول ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید باب (۲۲) وکان عرشہ علی الماء [ھود: ۷] قبل حدیث ۷۴۱۸)

شاہ رفیع الدین دہلوی نے اس کا معنی ''قرار پکڑا'' (طٰہٰ: ۵/۲۰) کیا ہے، لیکن اس بلند ہونے اور قرار پکڑنے کی کیفیت کتاب وسنت نے بیان نہیں کی، لہٰذا ہم اس کی بابت توقف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کریں گے، کیونکہ جب کتاب وسنت خاموش ہیں تو خاموش رہنا ہی سنت ہے مگر اہلِ بدعت نے حسبِ عادت اس خاموشی کو توڑتے ہوئے نیا راستہ ڈھونڈ لیا یعنی سب سے پہلے کیفیت کی بابت سوال وجواب کرنے کی جرأت وجسارت کرنے لگے، پھر اس کی خود ساختہ کیفیتیں بیان کرنا شروع کر دیں، پھر جب تشبیہ کا دھڑ کا لگا تو اصل صفت ہی کا انکار کر بیٹھے۔

لیکن دیکھا گیا ہے کہ بعض جاہل خطیب بھی جوشِ خطابت میں کہہ جاتے ہیں: ''اللہ عرش پر بیٹھا ہنس رہا تھا'' حالانکہ بیٹھنا ایک کیفیت ہے جو کتاب وسنت نے نہیں بتائی پھر یہ حضرات کیوں بتاتے ہیں؟ اس سلسلے میں خاموش رہنا ہی محتاط عمل ہے۔

بدعت کی ایک علامت تو یہ ہوتی ہے کہ کتاب وسنت میں ان کا نام لے کر کچھ نہیں کہا جاتا نہ حکم دیا جاتا ہے نہ ترغیب، نہ حرام کیا جاتا ہے نہ مکروہ بلکہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ بدعت کے مختلف گروہ اپنی اپنی بدعات کو تحفظ دینے کے لئے شور بپا کرتے ہیں کہ

''چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا تھا، لہٰذا وہابیوں کو بھی چاہئے کہ ہمیں منع نہ کریں۔''

ہم انھیں عرض کرتے ہیں کہ بدعت کو پورے عہد رسالت میں بار بار کر سکنے (کی طاقت) کے باوجود کوئی مسلمان نہیں کرتا تھا، نہ نبی اکرم ﷺ کرتے تھے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین لہٰذا تم اسے خود کرو نہ دوسروں سے کراؤ پھر ہم بھی تمھیں نہیں روکیں گے۔

اصل بات وہی ہے کہ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ،

اپنی پوری زندگی میں ضرورت، سہولت اور استطاعت کے باوجود، جبکہ کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، ایک کام کبھی نہیں کرتے تو اسے نہ کرنا ہی آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اب اگر کوئی مفاد پرست ٹولہ اس کام کو موقع بہ موقع بار بار کرے گا تو اس کا یہ طرزِ عمل بدعت ہوگا۔

خیر بات ہو رہی تھی توقف اختیار کرنے کی تو کتاب وسنت میں ماضی اور مستقبل کی جتنی غیبی خبریں بتائی گئی ہیں، ان سب میں یہی اصول مسلم ہے کہ جتنی بات بتائی گئی ہے اتنی مان لو جس بات کی نفی کی گئی ہو اس کی نفی کرو اور جس بات کی بابت خاموشی اختیار کی گئی ہو اس کی بابت خاموشی اختیار کرو۔

امورِ غیبیہ کے ساتھ ساتھ جملہ اسلامی عقائد کا اصول بھی یہی ہے جہاں تک اعمال المکلفین یعنی عاقل وبالغ مسلمانوں کی عملی زندگی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں محدثین کا ایک اصول یاد آتا ہے کہ جب دو مقبول حدیثوں میں ظاہری تضاد و تعارض نظر آئے تو سب سے پہلے تطبیق و توفیق کی کوشش کی جائے گی یعنی دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کر کے انھیں کسی مشترکہ مفہوم پر جمع کر دیا جائے گا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو نسخ کا پتا چلایا جائے گا۔ پتا چل جائے تو ناسخ حدیث پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر نسخ کا پتا بھی نہ چلے تو مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر اضافی، فنی خوبیوں کی بنیاد پر راجح حدیث پر عمل کیا جائے گا اور مرجوح حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر دونوں حدیثیں یکساں درجے کی مقبول ہوں اور ان مراحل میں سے کوئی مرحلہ طے نہ ہو تو پھر دونوں حدیثوں پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیا جائے گا یعنی کسی ایک حدیث پر عمل کر کے دوسری کو چھوڑنے کے بجائے دونوں پر عمل کرنا موقوف کر دیا جائے گا، حتیٰ کہ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی معقول علمی اور فنی وجہ سامنے آجائے۔ تاہم توقف تک نوبت شاذ و نادر ہی پہنچتی ہے۔ عموماً پہلے تین مراحل میں ہی تعارض دُور ہو جاتا ہے۔ **والحمدللّٰہ علٰی ذلك**

[الحدیث:۵۳]

تحریر: جلال الدین السیوطی ترجمہ: ابوالاسجد محمد صدیق رضا

قبر پرستی کا رد، سیوطی کے قلم سے

[علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی (۹۱۱ھ) نویں صدی ہجری کے مشہور کثیر التصانیف عالم گزرے ہیں، آپ نے علوم القرآن، علوم الحدیث، تفسیر، حدیث، فقہ، فتاویٰ جات وغیرہا کئی ایک موضوعات پر مہمیزِ قلم کو جنبش دی اور کئی ایک کتابیں تصنیف فرما دیں، انھی کتب میں ایک کتاب ''الأمر بالإتباع والنهي عن الإبتداع'' بھی ہے۔

آپ کی یہ کتاب ''مصطفیٰ عاشور'' کی تحقیق کے ساتھ **مکتبة القرآن بولاق قاهرة** سے طبع ہوئی۔ گو کہ علامہ سیوطی اہلِ علم کے ہاں علمِ حدیث میں ''حاطب اللیل'' مشہور ہیں، جو بلا تمیز رطب و یابس اپنی کتب میں جمع فرما لیتے تھے۔ بہرحال آپ کی یہ تصنیف مجموعی لحاظ سے بہت ہی عمدہ تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ایک فصل کا عنوان ہے: ''**تعظیم الأماکن التي لا تستحق التعظیم**'' (یعنی اُن مقامات کی تعظیم جو کہ تعظیم کے مستحق نہیں) یہ بحث کتابِ مذکور کے صفحہ ۵۳ تا ۶۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہم اسی فصل کا اردو ترجمہ قارئین ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ پیشین گوئی کے مطابق آج امتِ مسلمہ کا بڑا حصہ تقلید اور آباء و بزرگ پرستی میں اُمم سابقہ کے نقشِ قدم پر چلا جا رہا ہے، مظاہر پرستی و قبر پرستی کے نمونے جگہ جگہ عام دعوتِ نظارہ و عبرت دے رہے ہیں، دین اسلام کی حقیقی تعلیم اجنبی سی ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے دور میں کوئی حق بات بیان کرے تو اسے ایک نئی بات، نئی سوچ قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی کی کتاب سے اس فصل کا ترجمہ پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قبر پرستی کا جرم اور اس کا رد کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے بھی لوگ اصلاح کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس فعلِ شنیع کا رد صحیح احادیث کی بنیاد پر ہے، جسے ''وہابیت یا نجدیت'' کا عنوان دیکر با آسانی ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ محمد صدیق رضا]

وہ مقامات جو تعظیم کے مستحق نہیں

اور منجملہ بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ شیطان اسے عوام کے لئے مزین کر دیتا ہے جس بنا پر لوگوں کا اس میں مبتلا ہونا عام ہے۔ زعفران اور عرقِ گلاب ملا کر (بزعم خود مقدس) دیواریں اور ستون بنانا اور ہر شہر میں کچھ مخصوص مقامات پر چراغ جلانے جیسے کام عوام سرانجام دیتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس طرح کے کاموں سے تقرب حاصل کرنے والے ہیں، پھر اپنے دلوں میں ان مقامات کی تعظیم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، ان کی خوب تعظیم کرتے ہیں، ان کے لئے مختلف نذریں مان کر بیماریوں سے شفا اور اپنی ضرورتوں کے پورا ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس قسم کے مقامات: چشمے، درخت، دیوار یا کسی روشندان وغیرہ پر مشتمل ہیں، جو حدیث میں وارد ''ذاتِ اَنواط'' سے مشابہت رکھتے ہیں، جسے ترمذی (۲۱۸۰) نے بیان کیا اور صحیح قرار دیا۔

سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف نکلے، قریش کا ایک بڑا اور سرسبز درخت تھا، جس کے پاس وہ ہر سال آیا کرتے تھے، اس درخت پر اپنا اسلحہ لٹکاتے اور اس کے پاس (اپنے جانوروں کو) چارہ کھلاتے اور (بطورِ تقرب) اس درخت کے لئے جانور ذبح کرتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، ابھی ہمیں کفر کو چھوڑے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، مشرکین کا ایک بیری کا درخت تھا، جس کے پاس وہ اعتکاف کرتے (چلّے کاٹتے) اس پر (حصولِ برکت کے لئے) اپنا اسلحہ لٹکاتے، اس درخت کو ''ذاتِ انواط'' کہا جاتا تھا، ہم اُس بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی ''ذاتِ انواط'' مقرر کیجئے جس طرح کہ ان کا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا: سبحان اللہ، اللہ اکبر (یہ تو اس طرح کی بات ہے) جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا: ﴿اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا

لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ ہمارے لئے بھی ایک ایسا الٰہ (معبود) مقرر کر دیں جس طرح کہ ان کے آلہہ (معبود) ہیں۔ (الاعراف:۱۳۸)

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((والّذي نفسي بیده لترکبن سنة من کان قبلکم)) اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے۔ (ترمذی:۲۱۸۰، وقال: ''حسن صحیح'' وھو حدیث صحیح، مسند احمد ۲۱۸/۵ ح ۲۱۸۹)

نبی ﷺ نے صرف کفار سے مشابہت کی بنا پر اس بات سے روک دیا۔ امام ابو بکر الطرطوشی نے فرمایا: دیکھو اللہ تم پر رحم فرمائے! تم جہاں کہیں بیری یا کوئی سا درخت دیکھو یا ستون، دیوار، طاقچہ یا ایسا پتھر جس کی طرف لوگ جاتے اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہوں اور ان چیزوں سے شفا کا یقین رکھتے اور (منت مانتے ہوئے) اس پر چیتھڑے (کپڑے کے ٹکڑے) باندھتے ہوں، وہاں شمع اور چراغ روشن کرتے ہوں یا اُن مقامات کے لئے تیل وغیرہ کی نذر مانتے ہوں تو (جان لو کہ) یہ بھی ''ذات انواط'' ہی ہیں، انھیں کاٹ ڈالو، جڑ سے اُکھاڑ پھینکو۔ (دیکھئے کتاب الحوادث والبدع للطرطوشی ص ۱۸۔۱۹)

طرطوشی کا ''ینوطون'' کہنا اس سے مراد لٹکانا ہے، یہ بہت ہی بُرا اور قبیح عمل ہے، کیونکہ یہ بتوں کی پرستش سے مشابہت رکھتا ہے اور بتوں کی عبادت کا ایک ذریعہ وراستہ ہے اور اسی کی ایک قسم ہے، چونکہ بتوں کی پرستش کرنے والے ایسے مخصوص مقامات پر (حصولِ برکت کے لئے) جاتے تھے۔

شریعت نے اس عمل کو اچھا قرار نہیں دیا، تو یہ عمل منکرات یعنی غیر شرعی اعمال میں سے ہے، خواہ وہاں کا قصد نماز، دعا، قراءت، ذکر الٰہی، جانور ذبح کرنے کے لئے کرے، یا وہاں کے لئے کسی اور عبادت کو خاص کر دے۔

نذریں ماننے کی بدعات: اور مندرجہ بالا امور سے بھی زیادہ بُرا عمل یہ ہے کہ ان مقامات کو روشن رکھنے کے لئے تیل یا شمع کی نذر مانے اور یہ کہے کہ یہ مقامات یا آستانے ان نذرانوں یا منتوں کو قبول کرتے ہیں، جیسا کہ بعض گمراہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ یا کسی قبر

کے لئے اس قسم کی کوئی منت مان لے۔ یہ علماء کے ہاں بالاتفاق نذرِ معصیت (یعنی نافرمانی والی منت) ہے۔ ایسی منتوں کا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ بہت سے علماء کے نزدیک ایسی نذر ماننے والے شخص پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے۔ ان علماء میں امام احمد اور دیگر شامل ہیں۔ اسی طرح ان مقامات کی مچھلیوں، چشموں اور کنوؤں کے لئے روٹی دینے کی نذر ماننا بھی نافرمانی و گناہ ہے۔ قبروں کے مجاوروں کے لئے مال دینے کی نذر ماننا، خواہ درہموں کی شکل میں ہو یا سونا، چاندی، اونٹ، گائے، دنبہ وغیرہ کی شکل میں، یہ بھی گناہ اور نافرمانی ہے۔ اسی طرح ایسے مقامات کے خادموں (مجاوروں) کے لئے جنھیں (عربی میں): ''سَدَنَة'' کہا جاتا ہے، منت ماننا بھی نذرِ معصیت ہے اور اس میں بتوں کے خادموں کے لئے نذر ماننے کی مشابہت ہے۔

من گھڑت یا خیالی قبریں: انھیں مقامات میں سے وہ جگہیں بھی ہیں جن (میں سے ہر نام) کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ کسی نبی علیہ السلام یا کسی نیک انسان کی قبر ہے یا ان کی جائے قیام ہے، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔[۱]

اس طرح کے بہت سے مقامات دمشق میں ہیں، مثلاً: لوگ گمان کرتے ہیں کہ شہر کے مشرقی دروازے کے باہر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، جبکہ اہلِ علم میں یہ بات معروف نہیں کہ آپ دمشق میں فوت ہوئے (بلکہ) آپ تو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس کی قبر ہے؟ اسی طرح جامع مسجد دمشق کی قبلہ رخ دیوار کے پاس والی جگہ، جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا ہود علیہ السلام کی قبر ہے، حالانکہ اہلِ علم میں سے کسی نے بھی ہود علیہ السلام کا دمشق میں فوت ہونا بیان نہیں کیا۔

بلکہ کہا گیا ہے کہ آپ یمن میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہ آپ مکہ میں فوت ہوئے۔

....

(۱) جیسا کہ ہمارے ہاں پاکستان و ہندوستان میں بھی کئی ایک چھوٹے بڑے شہروں میں مختلف بزرگوں کی طرف منسوب ٹھکانے یا آستانے مشہور ہیں، جبکہ تاریخی طور پر اُن بزرگوں کا ہندو پاک میں آنا ثابت ہی نہیں ہے۔ مترجم

اسی طرح ''باب حبرون'' کے برابر والی قبر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اہلِ بیت میں سے کسی کی قبر ہے، جبکہ یہ بات درست نہیں بلکہ یہ تو بہت قدیم دروازہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کروایا اور یہ بھی کہ ذوالقرنین نے تعمیر کروایا اوراس کے علاوہ کچھ اور بھی اقوال ہیں۔

بات یہ ہے کہ ۶۳۶ھ میں، ان لوگوں میں سے کسی غیر معتبر شخص نے انھیں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے، جس کا تقاضا یا تعبیر یہ ہے کہ یہاں اہلِ بیت اطہار میں سے کوئی دفن ہیں۔ شیخ شہاب الدین المعروف ابوشامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے ایک معتبر آدمی نے اُس شخص کے بارے میں بتلایا کہ اُس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے یہ خواب کا قصہ گھڑا ہے۔ پھر لوگوں نے راہ گیروں کا راستہ بند کر دیا اور اس پورے باب کو ایک غصب شدہ مسجد بنالیا، راستہ راہ گیروں کے لئے تنگ ہو کر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ اُس شخص کے عذاب وسزا کو دوگنا کرے جو (راستے میں) اس مسجد بنانے کا سبب بنا اوراس شخص کو پورا پورا ثواب عطا فرمائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں اسے مسجدِ ضرار کی طرح گرانے میں تعاون کرے جو اللہ کے دشمن کفار کا مورچہ بنی ہوئی تھی۔ اس صورتِ حال میں شریعت اس کے مسجد ہونے کو نہیں دیکھتی اور اس کے ڈھانے کو بُرا نہیں سمجھتی، جبکہ اس سے شر اور تکلیف پہنچانا مقصود ہو۔

اسی طرح باب الجابیہ کے باہر والی مسجد ہے جسے مسجدِ اویس قرنی کہا جاتا ہے۔ یہ بات کسی نے بیان نہیں کی کہ اویس قرنی رحمہ اللہ دمشق میں فوت ہوئے تھے۔ اسی طرح بابِ صغیر والی قبر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اُم المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، حالانکہ وہ بلا اختلاف مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں، اِنھی مقامات میں سے ایک قاہرہ مصر کے مقام پر مشہد ہے، کہا جاتا ہے کہ یہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ہے۔ یہ بات درست نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں بہت سے اقوال ہیں جن کا یہ موقع محل نہیں۔ اسی طرح بہت سے معروف لوگوں کے مقبرے مشہور ہیں، جب کہ یہ

معروف بات ہے کہ یہ اُن کے مقبرے نہیں، ان میں اصلاً کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں۔

اوہام واباطیل : ان میں وہ مقامات بھی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں نبی ﷺ یا کسی اور کے قدم کا نشان ہے، جیسا کہ جاہل لوگ بیت المقدس کے پتھر سے متعلق کہتے ہیں کہ اس پر نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک کا نشان ہے، اسی طرح دمشق کی مسجد جسے ''**القدم**'' کا نام دیا جاتا ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ یہ بات باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام دمشق اور اس کے گردونواح میں تشریف نہیں لائے۔ اسی طرح وہ مساجد جو انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں کہ وہ خواب میں ان مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔ پس نبی کریم ﷺ یا کسی نیک آدمی کو خواب میں کسی مقام پر دیکھے جانے سے اس مقام کی فضیلت لازم نہیں آتی، لہٰذا اس بنیاد پر اس مقام کا قصد کرنا اور وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس قسم کے کام تو اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کرتے ہیں اور ایسے مقامات بہت سے شہروں میں بہت زیادہ ہیں، ان مقامات کی خصوصیت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، خواہ ان میں سے کیسا ہی مقام ہو۔

اس لئے کہ کسی ایسے مقام کی تعظیم کہ جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی عظمت نہ بخشی ہو (محض من گھڑت بنیاد پر اُسے عظیم قرار دینے کی وجہ سے) وہ بہت ہی بُری جگہ ہوگی۔ اس طرح کی باطل زیارتیں درحقیقت اللہ کے گھر (مساجد) کے مقابلے میں کھڑی کی گئی ہیں اور ایسی چیزوں کو تعظیم دینے کے لئے قائم کی گئی ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے کوئی عظمت نہیں بخشی اور لوگوں کو ایسی چیزوں میں مشغول ومصروف کرنے کے لئے قائم کی گئی ہیں جو نفع ونقصان نہیں دے سکتیں، نیز مخلوق کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ راہ اُس ''**وحده لا شريك له**'' کی عبادت ہے، وہ عبادت کہ جسے اُس نے اپنے رسول ﷺ کی زبانِ اقدس سے مشروع قرار دیا۔ اسی طرح ان مقامات کو مقامِ عید بنانے کے لئے ایجاد کیا گیا۔ عید بنانے سے مراد ان مقامات پر (میلے لگانا اور) لوگوں کی بھیڑ اکٹھی کرنا اور انھیں ان کی طرف قصد کرنے کا عادی بنانا ہے......

پھر بسا اوقات ایسے مقامات میں (کرامات کے نام پر) ایسی ایسی (من گھڑت) حکایات بیان کی جاتی ہیں کہ جن میں ان کی تاثیر (کا ذکر ہوتا) ہے۔ مثلاً: ''ایک آدمی نے اس مقام پر دعا مانگی اُس کی دعا قبول ہوئی، یا ان کے لئے کسی چیز کی نذر مانی تو اس کی حاجت و ضرورت پوری ہوئی'' یا اس قسم کے دیگر من گھڑت قصے بیان کرتے ہیں۔ دراصل انھی امور کی بنا پر بتوں کی پرستش ہوئی اور ان جیسے شبہات ہی کے ذریعے سے زمین پر شرک رونما ہوا۔

نذر ماننے کی کراہت: نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع کیا، آپ نے فرمایا: ((إنه لا يأتي بخير و إنما يستخرج به من البخيل)) منت کوئی بھلائی نہیں لاتی، یہ تو بخیل آدمی سے کچھ نکلواتی ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۶۰۸، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، دارالسلام: ۴۲۳۹ واللفظ لہ)

جب فرمانبرداری یا نیکی کے امور کسی شرط کے ساتھ بندھے ہوئے یا معلق ہوں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ یہ کوئی بھلائی لاتے ہیں، تو اس نذر کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو نہ نفع دیتی ہے نہ نقصان۔ (۱)

شبہ کا ازالہ: باقی رہا ان مقامات میں دعا کا قبول ہو جانا تو (اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں) بسا اوقات اس کا سبب دعا مانگنے والے کی سخت پریشانی، مجبوری اور بے بسی ہوتی ہے (جس پر اللہ رحم کر کے اس کی دعا قبول فرما لیتا ہے) اور بسا اوقات اس کا سبب خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور بسا اوقات اس کا سبب وہ معاملہ ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے (پہلے سے) فیصلہ فرمایا ہوتا ہے (یعنی قضاء الٰہی) نہ کہ دعا کی وجہ سے اُسے وہ چیز عطاء ہوتی ہے۔ بسا اوقات کچھ دوسرے اسباب ہوتے ہیں، اگرچہ یہ دعا مانگنے والے کے حق میں

---

(۱) واضح رہے کہ وہ منتیں جن کا تعلق شرک یا بدعت والے امور سے ہو، وہ ضرور نقصان دیتی ہیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے، نیز یہ صحیح عقیدے کا صفایا کر دیتی ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور کر کے مخلوق پرست بنا دیتی ہے۔ مترجم

عذاب ہوتا ہے۔ (پھر اس شبہ کا آسان ازالہ اور حل یوں بھی ممکن ہے کہ) کفار اپنے بتوں کے سامنے اور بتوں کے وسیلے سے دعائیں مانگتے ہیں، تو ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور پھر ان پر بارش برسائی جاتی ہے، ان کی مدد کی جاتی ہے اور انھیں (بیماریوں، تکلیفوں سے) عافیت دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ كُلًّا نُمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ ہر ایک کو ہم مدد پہنچائے جاتے ہیں اِن کو اور اُن کو تیرے رب کی عطا میں سے اور تیرے رب کی عطا (بخشش) کسی نے نہیں روکی۔ (بنی اسرائیل:۲۰) ☆

تقدیر میں لکھے ہوئے کے اسباب میں بہت سے امور ہیں جن کی تعداد بہت طویل ہے۔ مخلوق پر تو صرف اس شریعت کی اتباع و پیروی لازم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور یہ جاننا کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی و عافیت ہے۔

قبروں میں نماز پڑھنے اور انھیں میلہ گاہ بنانے کی ممانعت: اور ان مقامات میں سے کچھ مقامات ہیں کہ جن کی کچھ خصوصیت ہے، لیکن وہ خصوصیت اس بات کی متقاضی نہیں کہ انھیں مقام عید بنالیا جائے اور وہاں نمازیں پڑھی جائیں۔ یا دیگر عبادات کی جائیں جیسے دعا وغیرہ، پس ان مقامات میں وہ مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ((**لا تجعلوا بيوتكم قبورًا ولا تجعلوا قبري عيدًا و صلّوا عليّ، فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم**))

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید بنانا اور مجھ پر درود بھیجو بے شک تمھارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کہیں (سے بھی بھیج رہے) ہو۔ (سنن ابی داود: ۲۰۴۲ وسندہ حسن)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو

☆ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ نیک ہوں یا بد، دنیاوی اسباب سے ہر دو کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، محض کفر و شرک یا نافرمانی کی بنا پر دنیاوی مال و متاع کی بخشش روک نہیں دیتا۔ مترجم

دیکھا، وہ نبی ﷺ کی قبر کی اس خالی جگہ کی طرف آیا، وہاں داخل ہو کر دعا مانگنے لگا تو علی بن الحسین نے اس سے کہا: کیا میں تجھے حدیث نہ بتلاؤں؟ میرے والد نے میرے دادا سے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا:

((لا تتخذوا قبري عيدًا ولا بيوتكم قبورًا و صلّوا عليّ فإن صلاتكم عليّ تبلغني حيث كنتم)) میری قبر کو عید نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ تمھارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کہیں (بھی) ہو۔

اسے حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی (الضیاء المقدسی) نے روایت کیا اس کتاب (المختارہ ج ۲ ص ۴۹ ح ۴۲۸) میں جس میں انھوں نے اُن احادیث جیدہ کو اختیار کیا جو صحیحین پر زائد ہیں۔ (۱)

اس کتاب میں ان کی شرط حاکم کی شرط سے بہتر ہے اور اس روایت کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ابو سعید مولیٰ المہری کی سند سے.....

(الصارم المنکی ص ۱۶۱، وسندہ ضعیف، اس میں حبان بن علی العنزی ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۰۷۶)

اور سہل بن ابی سہل کی سند سے بھی روایت کیا۔ انھوں نے کہا: مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قبر کے پاس دیکھا، پس انھوں نے مجھے بلایا اس وقت وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (؟) کے ہاں رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے، کہا: آیئے رات کا کھانا کھا لیجئے، میں نے کہا: میں نے (قبر مبارک پر جا کر) نبی علیہ السلام پر سلام بھیجا، تو انھوں نے کہا: جب آپ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو سلام کہہ دیں، پھر کہا: بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

....

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۵/۲ ح ۷۵۴۱) مسند ابی یعلیٰ الموصلی (۳۶۱/۱۔۳۶۲ ح ۴۶۹)

اس روایت کی سند ضعیف ہے: جعفر بن ابراہیم الجعفری کی توثیق سوائے ضیاء مقدسی کے کسی نے نہیں کی۔

حافظ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کر کے کہا: ''يعتبر بحديثه من غير رواية عن هولاء''

اس کی حدیث کا اعتبار کیا جاتا ہے، ان لوگوں (یعنی علی بن عمر عن ابیہ الخ) سے روایت کے بغیر۔ (۱۶۰/۸)

یعنی یہ روایت حافظ ابن حبان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

((لا تتخذوا قبري عيدًا ، ولا تتخذوا بيوتكم مقابر ، لعن اللّٰه اليهود اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد ، و صلّوا عليّ ، فإن صلاتكم تبلغني حيث ما كنتم)) میری قبر کو عید نہ بنانا، اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا اور مجھ پر درود بھیجو یقیناً تمھارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

(الصارم المنکی ص ۱۶۱۔۱۶۲، وسندہ ضعیف، سہیل یا سہل راوی نامعلوم ہے۔)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کرۂ ارض پر سب سے افضل قبر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عید بنانے سے منع فرمایا۔ عید کا لفظ ''مُعَاوَدَۃٌ'' سے ہے، مطلب یہ ہے کہ بار بار اُس پر آنا یا لوٹ کر آنا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر بالا ولیٰ اس ممانعت کی مصداق ہے، خواہ کسی کی بھی قبر ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی اس چیز کو بھی بیان فرمایا کہ ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ'' مطلب یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنا، دعائیں مانگنا اور قراءت وغیرہ کرنا ترک نہ کردو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں۔ مشرکینِ نصاریٰ کی مشابہت سے بچتے ہوئے ان کے برعکس عمل کریں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کو عید بنانے سے منع کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ ''مجھ پر درود بھیجو، تم جہاں بھی ہو تمھارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے'' آپ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ درود و سلام میں سے جو کچھ مجھ تک پہنچتا ہے وہ (مجھ سے یا) میری قبر سے تمھارے قُرب وبُعد کے باوجود بھی پہنچ جاتا ہے، بس تمھیں اُس (یعنی میری قبر) کو ''عید'' (بار بار لوٹنے کی جگہ) بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر اہل بیت میں سے افضل ترین تابعی علی بن الحسین نے اُس آدمی کو اس عمل سے روک دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعا مانگنے کو اختیار کرے اور یہ واضح فرمایا: دعا وغیرہ کے لئے آپ کی قبر کا قصد کرنا اُسے ''عید'' بنانا ہے۔ اسی طرح ان کے گھر کے بزرگ ان کے چچازاد بھائی حسن بن حسن نے اس چیز کو پسند نہیں فرمایا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے

کے لئے آپ کی قبر کا قصد کریں۔ دیکھئے (درود وسلام کے لئے) اس طرز عمل کی طرف کس طرح آپ ﷺ کے اہلِ بیت اطہار نے اسے ظاہر کیا، وہ گھر والے کہ جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسب اور گھر کا قرب حاصل تھا، اس لئے کہ وہ دوسروں کی نسبت اس کی زیادہ احتیاج وضرورت رکھتے تھے، اور وہی اس کے زیادہ محفوظ کرنے والے تھے۔

آدابِ زیارتِ قبور: قبروں کی زیارت کرنے والے شخص کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اس سے آخرت کو یاد کرے اور یہ کہ وہ اہلِ قبور پر سلام بھیجے، اور ان کے لئے وہ مسنون دعا مانگے جو نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا کرتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو ان کے سامنے یہ کہیں: ''**السلام علیکم أهل الدیار من المؤمنین والمسلمین، و إنا إن شاء اللہ بکم لا حقون، فنسأل اللہ لنا ولکم العافیة**'' تم پر سلامتی ہو اے مومن اور مسلم گھر والو! اور یقیناً ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمھارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔

(ابن ماجہ: ۱۵۴۷، بلفظ: ''نسأل اللہ'' بدل: ''فنسأل اللہ'' صحیح مسلم: ۹۷۵)

'' **أنتم لنا سلف** '' تم ہم سے پہلے گزرے۔ (مسند الرویانی ۱/۶۷ ح ۱۵، وسندہ حسن)

''**و نحن بالأثر**'' ہم تمھارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (ترمذی: ۱۰۵۳، وسندہ ضعیف)

اس کے علاوہ جو بدعات کی جاتیں ہیں، مثلاً وہاں نماز پڑھنا، انھیں عبادت گاہ بنانا، ان پر مساجد تعمیر کرنا، اس سے ممانعت پر اور ایسا کرنے والے پر سختی کرنے کے بارے میں نبی ﷺ سے نصوص (روایات) متواتر ہیں۔

قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت: رہا قبروں پر مساجد بنانا اور وہاں فانوس، شمع یا چراغ جلانا، تو ان امور کے فاعل پر لعنت کی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے آپ نے فرمایا: ((**لعن (رسولُ) اللّٰهِ زائراتِ القبور والمتخذین علیها المساجدَ والسّرجَ**)) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان پر مساجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر اللہ (کے رسول) نے لعنت فرمائی ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۲۰ وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ ضعیف/ یہ ضعیف روایت ہے۔)

مختلف گروہوں کے عام علماء نے اس سلسلے میں وارد ہونے والی ممانعت کی احادیث کی متابعت کرتے ہوئے ان امور سے ممانعت کی صراحت کی ہے۔اس کے قطعی طور پر حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔صحیح مسلم کی اس حدیث کی وجہ سے جو سیدنا جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ دن پہلے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((إني أبرأ إلی اللّٰه أن یکون لي منکم خلیل، فإن اللّٰه قد اتخذني خلیلاً کما اتخذ إبراهیم خلیلاً، ولو کنت متخذًا من أمتي خلیلاً لا تخذت أبا بکر خلیلاً ، ألا و إن من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور أنبیائهم و صالحیهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد ، إني أنهاکم عن ذلك)) میں اللہ کے سامنے اس سے برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، خبردار رہو، تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے تھے، آگاہ رہو کہ تم نے قبروں کو عبادت گاہ نہیں بنانا، یقیناً میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۵۳۲، دارالسلام: ۱۱۸۸)

اور صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ اپنے چہرۂ اقدس پر بار بار اپنی مبارک چادر ڈال لیتے جب شدت بڑھتی، آپ گھٹن محسوس فرماتے تو اُسے ہٹا دیتے، اسی حالت میں آپ فرماتے: یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا، آپ ان کے اس طرزِ عمل سے ڈرا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۵، صحیح مسلم: ۵۳۱، دارالسلام: ۱۱۸۷)

اور صحیحین میں ہی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:((قاتل اللّٰہ الیھود ، اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد)) اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، انھوں نے اپنے انبیاء (علیہم السلام) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۳۷، صحیح مسلم: ۵۳۰، دارالسلام: ۱۱۸۵)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری کے ایام میں کہ جس میں آپ کی وفات ہوئی فرمایا:

((لعن اللّٰہ الیھود و النصاری، اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد))

اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ظاہر کر دیا جاتا مگر یہی خوف تھا کہ کہیں اسے بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۳۰، صحیح مسلم: ۵۲۹)

امام احمد نے (اپنی مسند میں) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إن من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم أحیاء)) یقیناً بدترین لوگ وہ ہوں گے جنھیں قیامت آپہنچے گی اور وہ زندہ ہوں گے۔ (مسند احمد ۱/۴۰۵ ح ۳۸۴۴ بلفظ: ''إن من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم أحیاء و من یتخذ القبور مساجد .'' وسندہ حسن)

((والذین یتخذون القبور مساجد)) اور وہ لوگ جو قبروں کو عبادت گاہ بناتے ہیں۔

(مسند احمد ۱/۴۵۳ بلفظ: ...''والذین یتخذون قبور ھم مساجد'' وسندہ ضعیف/ اس کی سند ضعیف ہے۔)

قبروں پر بنی ہوئی مساجد کا حکم: اس باب میں بہت سی احادیث اور آثار ہیں، قبروں پر بنی ہوئی ان مساجد کا ختم کر دینا لازمی ہے، یہ اُن امور میں سے ہے کہ معروف علماء کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں، نیز بلا اختلاف ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس سلسلے میں ممانعت اور لعنت وارد ہونے کی وجہ سے امام احمد کے ظاہر مذہب میں صحیح نہیں ہے۔

قبروں سے متعلق بعض دیگر بدعات: اسی طرح ان مقامات اور قبروں پر چراغ، شمع یا قنادیل، فانوس وغیرہ جلانا بھی بدعات میں سے ہے، اس مسئلے پر ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی اختلاف نہیں، ایسا کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے

مطابق ملعون (لعنتی) ہے، جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ”بکثرت قبروں کی زیارت کرنے والی خواتین پر اللہ لعنت فرمائے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۷۸/۴ وسندہ حسن، سنن الترمذی: ۱۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۶)

اوران پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر بھی۔

(سنن الترمذی: ۳۲۰ وقال: ”حدیث حسن“ وسندہ ضعیف/ یہ ضعیف روایت ہے۔)

اوران مقامات پر تیل یا شمع وغیرہ دینے کی نذر، منت کا پورا کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ یہ نذر معصیت کی موجب ہے۔ اسی طرح ان مقامات پر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے، خواہ ان پر مسجد نہ بھی بنائی گئی ہو، اس لئے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے وہ (لغوی طور پر) مسجد ہی ہے، اگرچہ وہاں تعمیر یا عمارت نہ بھی ہو۔ اور نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ((لا تجلسوا علی القبور ولا تصلّوا علیها))

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان پر نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم: ۹۷۲، دارالسلام: ۲۲۵ ولفظہ: ولا تصلوا الیها)

(عام بیٹھنا ہو یا بطورِ مجاور بیٹھنا یہ ممانعت ہر دو کو شامل ہے۔ واللہ اعلم)

اور فرمایا: ((اجعلوا من صلاتکم فی بیوتکم ولا تتخذوها قبورًا .))

اپنی کچھ نمازیں (سنت ونوافل وغیرہ) اپنے گھروں میں بھی ادا کرو، اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ (صحیح البخاری: ۴۳۲، صحیح مسلم: ۷۷۷ واللفظ لہ)

یعنی جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اپنے گھروں کو اس طرح نہ بناؤ کہ ان میں نماز ہی نہ پڑھو، امام احمد کے نزدیک قبروں کے درمیان نماز پڑھنا درست نہیں اور دوسروں کے نزدیک مکروہ ہے۔[1]

بت پرستی کی بنیاد: جان لیجئے کہ کچھ فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ قبرستان یا مقبرہ میں نماز

---

(۱) قبرستان میں قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا بالکل صحیح ہے، جیسا کہ صحیح البخاری اور دیگر کتب کی صحیح حدیث سے ثابت ہے، البتہ عام نمازیں پڑھنا منع ہے۔ مترجم

کی کراہیت کا سبب تو بس وہاں نجاست کی موجودگی کا گمان ہے اور زمین کی نجاست اُس پر نماز پڑھنے کے لئے مانع ہے، خواہ وہ مقبرہ ہو یا نہ ہو۔

(واضح رہے کہ) صرف یہی سبب ممانعت کا مقصود نہیں، ممانعت کا سب سے بڑا مقصد تو یہ ہے کہ گمان ہے کہ انھیں ''اَوثان'' نہ بنا لیا جائے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے وارد ہے، آپ نے فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں یا مکروہ جانتا ہوں کہ مخلوق کی اس قدر تعظیم کی جائے یہاں تک کہ اس کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے، کہ اس کے بعد کے لوگوں پر یہ چیز فتنہ بن جائے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس کے اصل سبب کی صراحت فرمائی ہے، جب فرمایا: ((**اللهم لا تجعل قبري و ثنًا يعبد**)) اے اللہ! میری قبر کو وَثن نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے۔ (مسند احمد ج۲ ص۲۴۶، مسند الحمیدی: ۱۰۲۵، وسندہ حسن)

اور آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''تم سے پہلے لوگ قبروں کو مساجد بنایا کرتے تھے، تم قبروں کو مساجد نہ بنانا....'' (تقدم)

اور آپ ﷺ نے خبر دی کہ کافر لوگ ایسے تھے کہ ''جب اُن میں کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے تھے، اور ان میں یہ تصویریں بنا لیتے تھے، قیامت کے دن یہ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے۔'' (صحیح البخاری: ۴۲۷، صحیح مسلم: ۵۲۸)

ان احادیث میں آپ ﷺ نے بتوں اور قبروں کو جمع فرمایا، یا ایک ساتھ ان کا ذکر کیا (جس سے ان کا اصل سبب معلوم ہو جاتا ہے۔)

اسی طرح ''لات'' کی عبادت کا سبب بھی ایک نیک آدمی کی قبر کی تعظیم ہی تھا، ان کے ہاں ایک شخص تھا وہ ستو میں گھی وغیرہ ملا کر حاجیوں کو کھلایا کرتا تھا، تو جب یہ فوت ہوا تو لوگوں نے اس کی قبر پر اعتکاف کیا، اور (مفسرین نے) یہ بھی بیان کیا کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نیک لوگ تھے۔ یہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ کے لوگ تھے، کچھ لوگ ان کی پیروی کرنے والے تھے، جب یہ فوت ہوئے تو ان کی پیروی کرنے والوں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنا لیں تو؟ (اور تصویریں بنا لیں) پھر جب یہ پیروی کرنے والے

فوت ہوئے، ان کے بعد ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا: وہ لوگ ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انھی کے ذریعے سے بارش طلب کرتے تھے۔ پس وہ ان کی عبادت کرنے لگے، اسے محمد بن جریر الطبری نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔
یہی وہ علت ہے کہ جس کی وجہ سے نبی ﷺ نے قبروں کو مساجد بنانے سے منع فرمایا اور یہی وہ چیز ہے کہ جس نے بہت سی امتوں کو یا تو شرک اکبر میں مبتلا کر دیا یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں۔ اسی لئے آپ بہت سی گمراہ قوموں کو پائیں گے کہ وہ نیک لوگوں کی قبروں کے سامنے گڑگڑاتے خشوع وعاجزی وانکساری اختیار کرتے نظر آئیں گے اور یہ لوگ گویا اپنے دل کی گہرائیوں سے اُن کی ایسی عبادت کرتے نظر آئیں گے جو عبادت یہ اللہ کے گھروں مساجد میں کرتے نظر نہیں آتے۔ بلکہ اللہ کے سامنے سحری کے پُرسعادت اوقات میں بھی نہیں، اور ان زیارت گاہوں اور قبروں کے سامنے نماز اور دعا (کی قبولیت) کی ایسی امید اور توقع رکھتے ہیں جو ان مساجد کے بارے میں بھی نہیں رکھتے کہ جن کی طرف رختِ سفر باندھا جاتا ہے یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

یہی وہ فساد ہے، جس کے تمام اسباب وذرائع کو نبی ﷺ نے ختم کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے مقبروں میں نماز پڑھنے سے بھی مطلقاً منع فرما دیا، محض اس فساد کا راستہ روکنے کے لئے جو کہ اوثان کی عبادت کا سبب بنا، اگرچہ اس نمازی نے خاص اُس جگہ اور اس کی برکت کا قصد وارادہ نہ بھی کیا ہو۔

اور اگر انسان وہاں نماز کا قصد وارادہ کرے یا اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں ان مقامات کو بابرکت، قبولیتِ دعا کی امید رکھتے ہوئے وہاں اپنے لئے دعا مانگے تو یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عین نافرمانی ودشمنی ہے۔ اس کے دین وشریعت کی مخالفت ہے اور ایک ایسے دین کا ایجاد کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی اور نہ آپ ﷺ کی سنتوں اور آپ کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ائمہ مسلمین نے اس کی اجازت دی ہے۔

یقیناً قبروں کی طرف قبولیت کی توقع رکھتے ہوئے دعائیں مانگنے کے لئے جانا ممنوع عمل ہے اور یہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئی ایک بار پریشانیوں اور تنگیوں میں مبتلا ہوئے، اُن پر قحط کا سا سماں ہوا۔ انھیں حوادث ومصائب نے بھی گھیرا۔ تو وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کیوں نہ آئے، آپ سے بارش کی درخواست کیوں نہ کی؟ آپ کی قبر پر درخواست اور فریادیں کیوں نہ کیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزت و شرف والے ہیں۔ بلکہ قحط سالی کے موقع پر سیدنا عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے اور ان سے بارش کے لئے دعا کروائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۰۱۰) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بارش کی دعا نہ کی۔

اے مسلمان! اگر تو اپنے سلف صالحین کی طرح اللہ کی بندگی کرنے والا ہے تو ان کے طریقہ کی اقتدا کر، توحیدِ خالص کی تحقیق کر، اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کر، اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں حکم دیا:

﴿ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ پس تم میری ہی عبادت کرو۔ (العنکبوت: ۵۶)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ تم میں سے جو کوئی اپنے رب کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے۔

(الکہف: ۱۱۰)

تُو صرف اللہ ہی کی عبادت کر، صرف اسی سے دعا مانگ، صرف اسی سے مدد مانگ، اس لئے کہ کوئی (نعمت ورحمت) روکنے والا نہیں، کوئی دینے والا نہیں، کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں، کوئی نفع دینے والا نہیں مگر صرف وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع ص ۵۳۔۶۴، مطبوعہ مکتبۃ القرآن/ القاہرہ، مصر)

[الحدیث: ۷۰]

اعظم المبارکی

تخلیقِ عورت اور سلف کا موقف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ ﴾

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد وعورت دُنیا میں پھیلا دیے۔ (النساء:۱)

حافظ ابوالفداء ابن کثیر الدمشقی نے ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ کی تفسیر میں کہا:

'' و هي حواء عليها السلام، و خلقت من ضلعه الأيسر '' الخ

اور یہ حوا علیہا السلام ہیں جو اُن (یعنی آدم علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ الخ

(تفسیر القرآن العظیم ۲/ ۳۳۳، نسخہ محققۃ)

ثقہ عند الجمہور اور امام فی التفسیر اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ نے کہا: '' أسكن آدم الجنة فكان يمشي فيها وحشًا ليس له زوج يسكن إليها فنام نومة واستيقظ فإذا عند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه... '' آدم علیہ السلام جنت میں ٹھہرے تو وہ اکیلے چلتے پھرتے تھے، ان کی کوئی بیوی نہیں تھی کہ وہ اس سے راحت حاصل کرتے، پس ایک دفعہ وہ سونے کے بعد اُٹھے تو ان کے سر کے پاس ایک عورت کھڑی تھی، اس کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی پسلی سے پیدا کیا... (تفسیر ابن جریر الطبری ۴/ ۱۵۰، وسندہ حسن)

ابوحیان الاندلسی نے کہا: '' و خلق منها زوجها حواء من ضلع من أضلاعها ''

اُن کی بیوی حوا علیہا السلام کو ان کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا۔ (تفسیر البحر المحیط ۳/ ۱۶۳)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سیدنا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، اس مفہوم کی تائید درج ذیل صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((استوصوا بالنساء

فإن المرأة خلقت من ضلع ....)) تم عورتوں کونصیحت کرتے رہو! بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے..... (صحیح البخاری: ۳۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۶۸/۱۵۷، قبل: ۱۴۶۸، دارالسلام: ۳۶۴۳)

درج ذیل شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی تشریح بایں الفاظ کی ہے:

۱) حافظ ابن حجر نے کہا: ''**قیل فیه إشارة إلی أن حواء خلقت من ضلع آدم الأیسر و قیل من ضلعه القصیر**'' کہا جاتا ہے: اس میں اشارہ ہے کہ حوا (علیہا السلام) آدم (علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور کہا جاتا ہے: چھوٹی پسلی سے۔

(فتح الباری ۳۶۸/۶)

۲) کرمانی نے کہا: ''**أنها خلقت أعوج أجزاء الضلع**''

بے شک وہ (یعنی حوا علیہا السلام) پسلی کے ٹیڑھے حصے سے پیدا کی گئی ہیں۔

(صحیح البخاری بشرح الکرمانی ۱۳۱/۱۹)

۳) عینی حنفی نے کہا: ''**أنها خلقت من الضلع الأعوج هو الذي في أعلی الضلع**'' بے شک وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، جو پسلیوں میں اوپر ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ۲۱۲/۸)

۴) قسطلانی نے کہا: ''**و قیل أراد به أول النساء أخرجت من ضلع آدم الأیسر و قیل من القصیری کما تخرج النخلة من النواة....**'' الخ

اور کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک پہلی عورت (حوا علیہا السلام)، آدم (علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے نکالی گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے چھوٹی (پسلی سے)، جس طرح کھجور گٹھلی سے نکالی (علیحدہ کی) جاتی ہے.... الخ (ارشاد الساری ۳۲۳/۵)

۵) احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی نے کہا: ''**هذا مؤید ما ینقله المفسرون: أن حواء خلقت من آخر أضلاع آدم علیهما السلام**'' اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو کہ مفسرین سے منقول ہے: بے شک حوا علیہا السلام (سیدنا) آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے آخری پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ۲۲۲/۴)

حافظ القرطبی نے خُلِقَتْ کا مفہوم بایں الفاظ بیان کیا ہے:

"أي: أخرجت كما تخرج النخلة من النواة ."

یعنی نکالی گئی ہیں، جس طرح کھجور گٹھلی سے نکالی جاتی ہے۔ (أیضاً)

٦) علامہ نووی شافعی نے کہا: " و فيه دليل لما يقوله الفقهاء أو بعضهم أن حواء خلقت من ضلع آدم، قال الله: ﴿ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾ و بين النبي ﷺ أنها خلقت من ضلع ." اس میں دلیل ہے جو (تمام) فقہاء یا بعض فقہاء کا قول ہے: بے شک حوا (علیہا السلام) آدم (علیہ السلام) کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا" اور نبی ﷺ نے واضح کیا: بے شک وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ۱۰/ ۵۷)

☆ ملا علی قاری حنفی نے کہا: " و هي حواء خلقت من أعوج ضلع من أضلاع آدم عليه السلام" اور یہ حوا (علیہا السلام) ہیں جو آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ۶/ ۳۸۷)

بعض الناس کا یہ دعویٰ ہے کہ "حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا نہیں کی گئیں بلکہ عورتوں میں پسلی کی سی کج روی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((استوصوا بالنساء خيرًا فإنهن خلقن من ضلع .)) تم عورتوں کو بھلائی کی نصیحت کرتے رہو! کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۱۸۶)

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے، تو لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلقن من ضلع سے مراد عورتوں میں کج روی کا پایا جانا ہے نہ کہ اُن کا تخلیق من ضلع آدم مراد ہے۔"

اس حدیث اور پہلی حدیث میں تطبیق یہ ہے کہ پہلی عورت یعنی حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہی پیدا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن، حدیث اور فہمِ سلف سے ثابت ہے اور مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں میں پسلی کی سی کج روی ہے۔ واللہ اعلم [الحدیث: ۷۰]

خادم حسین پردیسی

شک وشبہ والے امور سے اجتناب بہتر ہے

بے عیب نعمتوں سے اعراض کر کے شک وشبہ والی باتوں میں گرفتار کیوں ہوا جائے؟

شریعت ہر مسلمان کو اس کا حکم دیتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے اور اپنے دامن کو گناہوں کی آلودگی سے محفوظ رکھے۔ لیکن کچھ امور ایسے ہیں جو اگرچہ حلال اور حرام کی قید سے آزاد ہیں لیکن شک وشبہ کی زد میں آتے ہیں، ان سے اجتناب کرنا ہی مسلمان کیلئے پسندیدہ ہے، کیونکہ ان کے کرنے سے انسان بھلائی کے راستے سے بھٹک کر گناہوں کی وادی میں کھو سکتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بعض لوگ اس قسم کے تردد کا شکار ہوتے ہیں کہ آیا وہ فلاں کام کریں یا نہ کریں؟ لیکن اگر وہ ان جیسے کاموں سے مکمل اجتناب کر کے اپنے آپ کو اس اشکال سے نجات دلا دیں تو یہ ان کے دین وایمان کی سلامتی کے لئے بہتر ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص رات کو بلاوجہ جاگنے کا عادی ہے اگرچہ وہ رات گناہوں میں بسر نہیں کرتا لیکن ممکن ہے کہ کچھ عرصہ بعد اس کا رات کو مسلسل جاگنا اسے گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ اس لئے اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ دن کو محنت اور جدوجہد کرے اور رات کے وقت اپنے بستر پر دراز ہو جائے کیوں کہ رات آرام ہی کیلئے تخلیق کی گئی ہے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رات کو بہت دیر سے سونے والے صبح کی نماز جماعت سے نہیں پڑھتے بلکہ بعض بدنصیب تو نماز پڑھے بغیر طلوعِ آفتاب کے بعد تک سوئے رہتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک لڑکا بہت دیر سے اپنے گھر آیا اور سو گیا۔ صبح جب اس کے والد نماز کے لئے مسجد جا رہے تھے تو اسے اُٹھایا، وہ اُوں اُوں کر کے دوسری طرف کروٹ بدل کر سو گیا۔ جب اس کے والد مسجد سے نماز واذکار وغیرہ کے بعد واپس آئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور وہ لڑکا آرام سے خراٹے بھر رہا تھا۔ والد نے غصے سے کہا: اٹھو سورج نکل آیا ہے۔

لڑکا بولا: ابا جی! اگر آدھی رات کو سورج نکل آئے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟
اس بدنصیب لڑکے کے نزدیک ابھی آدھی رات ہوئی تھی۔ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو نمازِ عشاء کے بعد جلدی سُلانے کی کوشش کریں۔

اسی طرح کچھ لوگوں کو مکمل صحت اور تندرستی کے باوجود فارغ رہنے کی عادت ہوتی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنی اس فراغت کو دین و دنیا کے کسی مفید کام میں صَرف کریں، کہیں ان کی یہ فراغت انھیں گناہوں کا راستہ نہ دکھا دے۔ احادیث مبارکہ میں شک وشبہ والے امور سے اجتناب کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں ایک کھجور دکھائی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لولا أني أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها.)) اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ یہ کھجور صدقہ کی ہے تو میں اسے کھا لیتا۔

(بخاری: ۲۴۳۱، مسلم: ۱۰۷۱)

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اولاد کیلئے لوگوں کے صدقہ کا استعمال حرام ہے۔

جس کام میں انسان شک وشبہ محسوس کرے اور پھر اسے یہ خوف بھی لاحق ہو کہ کہیں میرے اس فعل سے لوگ مطلع نہ ہو جائیں تو ایسے کام سے دور رہنا ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کیونکہ جو بات دل میں تردد پیدا کرے اور پھر اس کے متعلق لوگوں کے باخبر ہو جانے کا خوف بھی ہو تو یہی بات گناہ کہلاتی ہے۔ امام مسلم نیشاپوری رحمہ اللہ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((البر حسن الخلق والإثم ما حاك في صدرك وكرهت أن يطلع عليه الناس)) نیکی (یہ ہے) کہ اچھے اخلاق سے پیش آیا جائے اور گناہ (یہ ہے) کہ تم تردد میں مبتلا ہو جاؤ اور اس بات سے خوف کھاؤ کہ کہیں لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو جائے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۵۳)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بے شمار ایسی نعمتوں سے نوازا ہے، جو شک وشبہ سے بالاتر ہیں تو پھر انسان ان بے عیب نعمتوں سے اعراض کر کے شک وشبہ والی باتوں میں کیوں گرفتار ہوتے ہیں؟!۔

امام ترمذی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا:

حفظت من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :((دع ما يريبك إلى ما لا يريبك))

میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے یہ حدیث حفظ کی ہے، شک وشبہ والی بات کو بغیر شک وشبہ والی بات کیلئے ترک کردو۔ (سنن الترمذی: ۲۵۱۸ وقال: ''ھٰذا حدیث صحیح'' وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۲۳۴۸ وابن حبان: ۵۱۲ والحاکم ۲/ ۱۳، ووافقہ الذہبی)

اگر کوئی شخص غلطی سے حرام چیز کھالے جس کے متعلق اسے پہلے نہ بتایا گیا ہو تو اس کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے بدن کی اس حرام چیز سے نشو ونما نہ ہونے دے بلکہ اسے نکال باہر کرے۔ امام بخاری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام انہیں روزانہ (اپنی غلامی کا) معاوضہ دیا کرتا تھا اور وہ اس کے معاوضے سے (کچھ) کھایا کرتے تھے۔ ایک دن وہ کوئی چیز لے کر آیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق نے وہ چیز لے کر کھالی۔ غلام کہنے لگا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کیا کھایا ہے؟ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا (میں نے) کیا (کھایا ہے)؟ غلام نے کہا: میں نے جاہلیت میں ایک آدمی کو نجومی بن کر کوئی بات کہی تھی جبکہ میں اس میدان کا آدمی نہ تھا لیکن میں نے اسے دھوکا دیا اور اسے اپنی طرف سے وہ بات بتادی۔ وہ شخص مجھے (آج) ملا ہے تو اس نے مجھے اس بات کے بدلہ میں یہ چیز دی ہے۔ تو انھوں نے اپنا ہاتھ (اپنے منہ میں) ڈالا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں تھا اسے قے کر کے باہر نکال دیا۔ (صحیح بخاری: ۳۸۴۲)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حرام باتوں سے بچائے اور شک وشبہ والے امور سے بھی اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

[الحدیث: ۳۶]

عبدالوحید رینالوی

کبیرہ گناہ اور اُن سے اجتناب

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اگر تم اُن کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمھارے (چھوٹے) گناہ مٹا دیں گے۔ (النساء:۳۱)

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے کہ جو بھی ان کبیرہ گناہوں سے رُک گیا، جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے تو اللہ اُس کے صغیرہ گناہ مٹا دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ کبیرہ گناہ کی علماء نے مختلف تعریفیں کی ہیں مثلاً:

① ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی وعید سنائی، غضب کا اظہار کیا، لعنت فرمائی، عذاب کا اعلان کیا یا جس پر حد جاری کی گئی ہو۔

② حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الکبائر میں لکھا ہے: ''کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر کوئی حد ہو جیسے قتل، زنا، چوری وغیرہ یا جس کے کرنے پر آخرت میں عذاب اور غصے کی وعید آئی ہو یا جس گناہ پر اللہ نے لعنت کی ہو۔''

③ حافظ ابن کثیر نے قاضی ابوسعید الہروی سے نقل کیا ہے کہ ''کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کے بارے میں کتاب وسنت میں حرمت کی نص آئی ہو اور ہر وہ معصیت جو اپنی جنس میں حد کو جاری کرے جیسے قتل وغیرہ اور ہر اس فریضے کو چھوڑنا جس کو بروقت کرنے کا حکم ہو، روایت یا قسم یا گواہی میں جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۲۵۴، النساء:۳۱)

کبیرہ گناہوں کی نشاندہی صحیح حدیثوں میں بھی کی گئی ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱: ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: میں تمھیں کبیرہ گناہوں کی خبر نہ دوں؟ آپ نے یہ الفاظ تین دفعہ دہرائے، صحابہ نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپ بیٹھ گئے، پہلے آپ نے ٹیک لگائی

ہوئی تھی ،فرمایا: خبردار! جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہ ہے۔ آپ یہ الفاظ بار بار کہتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش آپ خاموش ہو جائیں۔ (صحیح بخاری:۲۶۵۴،صحیح مسلم:۸۷،دارالسلام:۲۵۹)

اس حدیث میں شهادة الزور (جھوٹی گواہی) کے الفاظ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بار بار دہراتے رہے کیونکہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جو دوسرے کئی گناہوں کا مجموعہ ہے مثلاً:

اول: یہ جھوٹ اور افتراء ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والے اور جھوٹ بولنے والے کی رہنمائی نہیں کرتا۔(المؤمن:۲۸)

دوم: دوسرا گناہ یہ ہے کہ جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے اس پر ظلم ہے حتیٰ کہ اس کی گواہی سے اس کا مال، اس کی عزت واحترام محفوظ نہ رہے۔ تیسرا گناہ یہ کہ اس نے جس کے حق میں گواہی دی ہے اسے حرام مال کھلایا جس کی وجہ سے یہ ملعون ٹھہرا۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (ہود:۱۸)

چوتھا گناہ جو اللہ نے مسلم کی عصمت، خون اور عزت کو حرام قرار دیا ہے، اس نے اپنی گواہی سے اسے حلال ٹھہرایا۔ حالانکہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہر مسلمان کا مال، اس کا خون اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ (صحیح مسلم:۲۵۶۴،دارالسلام:۶۵۴۱)

معلوم ہوا کہ یہ کئی گناہوں کا مجموعہ ہے جس کی وجہ سے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اُسے بار بار دہرا کر اس سے خاص طور پر بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

۲: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ سے پوچھا: اللہ کے ہاں کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تُو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنا کر اسے پکارے حالانکہ اُس (اللہ) نے تجھے پیدا کیا، اس نے پوچھا: پھر اس کے بعد کونسا گناہ کبیرہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تُو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائیں گے، اس نے پوچھا: پھر اس کے بعد کونسا گناہ کبیرہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تُو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق نازل فرمائی:

﴿جو لوگ اللہ کے سوا کسی دوسرے الٰہ کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو ناحق قتل کرتے ہیں

جسے اللہ نے حرام قرار دیا اور نہ زنا کرتے ہیں﴾[الفرقان: ٦٨]) آپ نے یہ آیت آخر تک تلاوت فرمائی۔ (صحیح بخاری:٧٥٣٢،صحیح مسلم:٨٦،دارالسلام:٢٥٨)

اس حدیث میں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

شرک ایک ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرے گا۔(دیکھئے سورۃ النساء:١١٦)

دوسرا کبیرہ گناہ: آدمی اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ اس کے ساتھ مل کر اللہ کا دیا ہوا رزق کھائیں گے۔ ایسے آدمی کا اللہ پر ایمان نہیں ہے، تقدیر پر ایمان نہیں، اگر ایمان ہوتا تو ایسا کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے:﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ زمین میں ہر جاندار کا رزق اللہ پر ہی ہے۔ (ہود:٦)

تیسرا کبیرہ گناہ: پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا ہے یہ اس لئے کہ اس پر پڑوسی کے حقوق ہیں جن میں سے یہ بھی ہے کہ یہ پڑوسی کے مال، جان اور عزت کا محافظ ہو، نہ کہ خود ہی اس کی عصمت دری شروع کر دے۔ اس میں بھی دو گناہ شامل ہیں: ایک تو اس نے اپنے پڑوسی کی عزت کی حفاظت نہیں کی، اُسے اُس کا حق نہیں دیا اور دوسرا گناہ یہ کہ اس نے زنا کیا۔

٣: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ نے حیران ہو کر سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ کسی دوسرے آدمی کے والد کو گالی دے، وہ اس کے والد کو گالی دے گا اور وہ دوسرے کی ماں کو گالی دے تو دوسرا آدمی اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (صحیح مسلم:٩٠،دارالسلام:٢٦٣)

صحیح بخاری میں ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے۔

(صحیح بخاری:٥٩٧٣)

اس حدیث سے واضح ہے کہ کسی کے والدین کو گالی دینا گویا اپنے والدین کو گالی دینا ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔

٤: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سات ہلاک کردینے والے گناہوں سے بچو! صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کونسے ہیں؟ تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ① اللہ کے ساتھ شرک کرنا ② جادو کرنا [یاد رہے کہ اس سے مراد جادو کرنے والا، کروانے والا، سیکھنے والا، سکھانے والا، سب شامل ہیں] ③ جس نفس [جان] کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل کرنا ④ سود کھانا ⑤ یتیم کا مال کھانا ⑥ جہاد کے دوران میں پیٹھ پھیر کر بھاگنا ⑦ پاک دامن بھولی بھالی مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔

(صحیح بخاری: ۶۸۵۷، صحیح مسلم: ۸۹، دارالسلام: ۲۶۲)

اس کے علاوہ صحیح احادیث میں اور بھی کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔

ابتدا میں لکھی گئی آیت کا دوسرا حصہ: ﴿نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ [اگر تم ان گناہوں سے بچو گے تو تمھارے صغیرہ گناہ مٹا دیئے جائیں گے۔] کی تشریح میں سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہما سے لمبی روایت ہے، جس کا کچھ حصہ یوں ہے کہ جو بندہ پانچ نمازیں پڑھتا ہے، رمضان کے روزے رکھتا ہے، زکوٰۃ دیتا ہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے تو اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اسے کہا جاتا ہے کہ تو ان دروازوں میں سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا۔ (سنن النسائی: ۲۴۴۰ واسنادہ حسن)

سات کبیرہ گناہوں سے مراد وہی سات کبیرہ گناہ ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا ہے کیونکہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، صحیح بخاری والی روایت میں بھی سات ہلاک کرنے والے گناہوں کا ذکر ہے اور نسائی والی حدیث میں بھی سات گناہوں سے بچنے کا ذکر ہے۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

پانچ نمازیں اور جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک، رمضان سے دوسرے رمضان تک جو اُن کے درمیان گناہ ہوئے ہیں ان کے لئے کفارہ ہے یعنی صغیرہ گناہوں کو مٹا دینے والے ہیں، جب تک بندہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۳۳، دارالسلام: ۵۵۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اگر کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ نماز، روزہ اور نیک اعمال کرتا رہے تو اُس کے صغیرہ گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔ ان شاء اللہ [الحدیث: ۵۹]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

کیا محدثین کرام رحمہم اللہ مقلد تھے؟

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلاۃ والسّلام علٰی رسوله الأمین و علٰی آله و صحبه أجمعین ، أما بعد :

مقلدین حضرات اپنی بے دلیل تقلید کو ثابت کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔عوام کو مطمئن کرنے کے لئے بہت سی باتیں بناتے ہیں،جن میں ایک بات یہ بھی ہے کہ کتبِ احادیث کے مؤلفین و جامعین بھی ''مقلد'' تھے۔کہنے والے تو اس سے بڑھ کر اور بہت کچھ کہہ بیٹھتے ہیں،لیکن فی الوقت ہماری بحث محدثین کے متعلق محدود ہے۔

۱) دیوبندی مکتبۂ فکر کے ''وکیلِ احناف،ترجمان الاسلام،مناظرِ اسلام'' اور کثیر الالقاب امین اوکاڑوی صاحب نے لکھا: ''حالانکہ حدیث کی جتنی کتابیں آج ملتی ہیں وہ یا مجتہدین کی لکھی ہوئی ہیں یا مقلدین کی ،جن کا ذکر طبقات حنفیہ،طبقات مالکیہ ،طبقات شافعیہ اور طبقات حنابلہ میں ہے...حدیث کی ایک بھی مستند کتاب نہیں جس میں اجماع اور اجتہاد کے ماننے کو حرام یا شرک قرار دیا ہو۔فقہ کے ماننے سے منع کیا ہو۔اس کے مولف کے بارہ میں صرف ایک ہی مستند حوالہ پیش کیا جا سکے کہ **کان لا یجتهد و لا یقلد** کہ نہ اس میں اجتہاد کی اہلیت تھی نہ تقلید کرتا اس لئے غیر مقلد تھا۔''

(تجلیات صفدر ج ۱ ص ۱۱۳،مطبوعہ ملتان،مجموعہ رسائل ۳/ ۱۳)

۲) مفتی احمد ممتاز صاحب ''رئیس دارالافتاء جامعہ خلفاء راشدین.کراچی'' نے لکھا:

''اسی لئے ان آخری دو باتوں میں خود حضرات محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ بھی حضرات مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تقلید کرتے ہیں۔چنانچہ اسی تقلید کا نتیجہ ہے کہ حضرات محدثین علیہم الرحمۃ کا ذکر چار ہی قسموں کی کتابوں میں ملتا ہے (۱) طبقات حنفیہ (۲) طبقات مالکیہ (۳) طبقات شافعیہ (۴) طبقات حنابلہ۔طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب،محدثین کے حالات میں

آج تک کسی مسلم مورخ ومحدث نے نہیں لکھی'' (اصلی چہرہ ص ۷)

ان دو اقتباسات سے یہ بات با آسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ ان میں کتب احادیث کے تمام مؤلفین کو مقلد باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اوکاڑوی صاحب نے تو یہ لکھ دیا تھا کہ محدثین یا تو مجتہدین ہیں یا مقلّدین، لیکن ان کی نقل کرتے ہوئے مفتی احمد ممتاز صاحب ذرا آگے نکلے اور تمام محدثین کو مقلد ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

بہر حال یہ بات تو درست ہے کہ ''محدثین'' کا ذکر ان چار طبقات میں ملتا ہے، لیکن یہ بات قطعاً درست نہیں کہ یہ ''اسی تقلید کا نتیجہ ہے۔'' یعنی محدثین کے مقلد ہونے کا نتیجہ ہے۔ البتہ یہ ان مقلدین کے مبتلائے تقلید ہونے کا نتیجہ ہے کہ چار طبقات میں ذکر دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ محدثین مقلدین تھے۔ پھر یہ کس چیز کا نتیجہ ہے؟ ہم اگر کچھ عرض کریں تو ممکن ہے تعصب ہماری معروضات ماننے کے آڑے آجائے، لہٰذا ہم اس کی ایک ''بڑی'' وجہ ''اکابر علماء دیوبند'' کی کتب سے پیش کر دیتے ہیں، شاید اس طرح اعترافِ حقیقت کی کوئی راہ نکل آئے۔ ملاحظہ کیجئے:

۱: ان کے ''شیخ الحدیث المحدث الکبیر'' زکریا کاندھلوی صاحب فرماتے ہیں:

''یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اہل حدیث اور ائمہ محدثین مقلد تھے یا غیر مقلد۔ پھر مقلد ہونے کی صورت میں کس کی تقلید کرتے تھے۔ اس کے اندر علماء کا اختلاف ہے۔ اور بات یہ ہے کہ جو آدمی بڑا ہوتا ہے اس کو ہر شخص چاہتا ہے کہ ہماری پارٹی میں شامل ہو جائے کیونکہ اس میں تجاذب اور کشش بہت ہوتی ہے اور ہر ایک اپنی طرف کھینچتا ہے....''

(تقریر بخاری ۱/۵۲، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۱)

چار طبقات میں ذکر ملنا کس چیز کا نتیجہ ہے؟ اس کی اور بھی وجوہات ہیں، لیکن زکریا صاحب کی تقریر سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

☆ یہ نتیجہ ہے ان محدثین کے عظیم شخصیات ہونے کا۔
☆ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ عظیم شخصیات ہماری پارٹی میں شامل ہوں۔

☆ عظیم لوگوں کو اپنا ثابت کرنے میں ''تجاذب اور کشش'' بہت ہوتی ہے۔

اس تجاذب و کشش کی بنا پر ہر ایک اپنی طرف کھینچتے نظر آتے ہیں، مثلاً حنفی کہتے ہیں کہ جی حنفی تھے۔ شافعی کہتے ہیں کہ شافعی تھے، مالکی اور حنبلی بھی اپنا اپنا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''چار طبقات'' وجود میں آنے کی ایک بڑی وجہ یہ تجاذب اور کشش بھی ہے گو بہت سے محدثین کو تلمذ (شاگردی) کی وجہ سے بھی ان طبقات میں تقسیم کیا گیا اور ایسے محدثین کی بھی کوئی کمی نہیں جنھیں دو دو، تین تین بلکہ بعض کو چاروں طبقات والوں نے اپنے اپنے طبقات میں ذکر کر دیا، اگر وجہ شاگردی و استفادہ ہو تو اس میں کوئی حرج والی بات نظر نہیں آتی کہ یہ نسبتیں شاگردی کی بنا پر دی گئی ہیں، لیکن اس سے بڑھ کر محدثین کو مقلد ثابت کرنے کی کوششیں تو قطعاً قابلِ برداشت نہیں۔

چونکہ مقلدین کے ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب نے لکھا ہے:

'' یعنی اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں اور تقلید جاہل ہی کے لئے ہے جو احکام دلائل سے ناواقف ہے...'' الخ (الکلام المفید ص ۲۳۴)

غور کیجئے کیا لکھا ہے: ''اور تقلید جاہل ہی کے لئے ہے''؟ کیا (نعوذ باللہ) محدثین عظام جاہل تھے؟ اور کیا احکامِ دلائل سے ناواقف تھے؟ رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر اپنی ساری زندگیاں قربان کر دینے والے، عظیم حافظے رکھنے والے، ابواب و تراجم کی صورت میں ہر حدیث سے مسائل استنباط کرنے والے محدثین جاہل تھے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر محدثین کو مقلد کہنا بھی درست نہیں، ان سے متعلق یہ کہنا کہ وہ بھی تقلید کرتے تھے، یقیناً غلط ہے اور یہ تو منکرینِ حدیث کو تقویت پہنچانے والی بات ہے، گو انجانے میں ہی سہی، چونکہ وہ تو اس بنیاد پر جھٹ سے کہہ دیں گے کہ جی ''تقلید تو جاہل ہی کے لئے ہے'' اور محدثین بھی تقلید کرتے تھے، لہٰذا جاہل تھے! اب ان جاہلوں کی جمع کردہ احادیث کا کیا اعتبار؟

اگر مقلدین حضرات اپنی ایسی باتوں کے عواقب و انجام پر غور کریں تو محدثین کو کبھی مقلد کہنے کی جسارت نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

۲: ان کے ایک دوسرے ''المحد ث الکبیر، علامہ''عبدالرشید نعمانی صاحب'' مذاہب مؤلفی الاصول الستہ'' یعنی اصولِ ستہ (المعروف کتبِ ستہ وعند العوام: صحاحِ ستہ) کے مؤلفین کے مذاہب کے عنوان سے مختلف اہل علم کی آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''فانظر إلٰی هذا التجاذب الذي و قع بين هؤلاء الاعلام فتارة يعدون احدهم شافعيا و تارة حنبليا و اخرى مجتهدا و هذا كله عندي تخرص و تكلم من غير برهان فلو كان احد من هؤلاء شافعيا او حنبليا لاطبق العلماء على نقله و لما اختلفوا هذا الاختلاف كما اطبقوا على كون الطحاوى حنفيا و البيهقى شافعيا و عياض مالكيا و ابن الجوزى حنبليا ، سوى الامام ابى داوٗد فانه قد تفقه على الامام احمد و مسائله عن احمد بن حنبل معروف مطبوع .''

دیکھئے اس کھینچا تانی کی طرف جو ان بڑے بڑے علماء کے درمیان واقع ہوئی یہ لوگ ان میں سے کسی ایک کو شافعی شمار کرتے ہیں اور کبھی حنبلی اور کبھی پھر دوسری بار مجتہد، میرے نزدیک یہ سب اٹکل پچو اور بے دلیل باتیں ہیں اور اگر ان میں سے کوئی شافعی یا حنبلی ہوتا تو علماء اس بات کے نقل کرنے پر متفق ہوتے اور اس اختلاف میں کبھی نہ پڑتے۔ جیسے وہ طحاوی کے حنفی، بیہقی کے شافعی، قاضی عیاض کے مالکی اور ابن الجوزی کے حنبلی ہونے پر متفق ہوئے۔ سوائے امام ابوداود کے کہ آپ نے امام احمد سے تفقہ حاصل کی اور ان سے امام احمد کے مسائل معروف ومطبوع ہیں۔

(ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ ص ۲۶ قدیمی کتب خانہ مطبوع مع سنن ابن ماجہ)

یہ نعمانی صاحب کا بیان ہے جس سے درج ذیل باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

☆ کتبِ ستہ کے مؤلفین کو حنبلی شافعی کہنا ''تجاذب'' کھینچا تانی، اٹکل پچو اور ادھر ادھر کی باتیں ہیں، دلیل کوئی نہیں۔

☆ یہ ''تخرّص'' بنائی ہوئی (خودساختہ) باتیں اور اٹکل و اندازے سے کہی ہوئی بے دلیل

باتیں ہیں۔

☆ کوئی کسی محدث کوشافعی کہہ دیتا ہےتو کوئی حنبلی اور کوئی مجتہد قرار دے دیتا ہے۔

☆ ان میں سے کوئی شافعی، حنبلی وغیرہ نہیں، اگر ہوتا تو علماء اس بات کے نقل پر متفق ہوتے۔

☆ ان محدثین کے حنبلی شافعی ہونے پر علماء کا اختلاف ہے اتفاق نہیں ہے۔

۳: ان کے ''مفتی اعظم پاکستان'' رفیع عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''ان چھ ائمہ حدیث کے مذاہب فقہیہ کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، کیونکہ ان میں سے کسی نے اپنے مذہب کی خود صراحت نہیں کی چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سب کے سب علی الاطلاق ائمہ ومجتہدین ہیں، کسی کے مقلد نہیں اور بعض کا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی مجتہد نہیں اور ان کا مذہب عامۃ المحدثین کا ہے، نہ مقلد ہیں نہ مجتہد اور بعض نے تفصیل کی ہے، پھر اس تفصیل میں بھی اختلاف ہے۔''

(درسِ مسلم ص ۷۱۔۷۲، دوسرانسخہ ج ۱ص ۶۰)

محدثین نے خود تو صراحت نہیں کی ، اور کرتے بھی کیسے کہ اس وقت تک یہ تقلیدی مذاہب وجود میں آئے ہی نہیں تھے۔ پس لوگوں نے اسے تختۂ مشق بنالیا، جس نے جو سمجھا وہ بیان کر دیا۔ کسی نے چند احادیث کسی تقلیدی مذہب کی موافقت میں اور دوسرے تقلیدی مذہب کے خلاف دیکھ کر موافق مذہب کا شمار کر دیا، کسی نے چند دیگر ابواب واحادیث دیکھ کر کسی دوسرے مذہب کا بتلا دیا۔ اور مقلدین نے ان باتوں کو یوں ہاتھوں ہاتھ لیا کہ گویا یہی مقصود ومطلوب تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں لوگوں نے بقول زکریا کاندھلوی صاحب کس طرح ''کھینچا تانی'' اور بقولِ نعمانی صاحب کس طرح ''تخرص'' اندازے لگائے۔ بطور مثال ان میں سے چند ایک محدثین سے متعلق ان کی باتیں نقل کریں گے:

۱) سید المحدثین امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

سب سے پہلے ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' صحیح بخاری شریف کے عظیم مؤلف امام محمد

بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کے متعلق مختلف لوگوں کی آراء ملاحظہ کیجئے:

۱: انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں:

" واعلم أن البخاری مجتهد لاریب فیه و ما اشتهر أنه شافعی فلموا فقته ایاه فی المسائل المشهورة... " إلخ جان لیجئے کہ امام بخاری مجتہد تھے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں اور یہ جو مشہور ہوا کہ وہ شافعی ہیں تو یہ مشہور مسائل میں امام شافعی کے ساتھ ان کی موافقت کی وجہ سے ہے۔ (فیض الباری ۱/۵۸)

۲: ابراہیم بن عبداللطیف بن محمد ہاشم ٹھٹھوی صاحب لکھتے ہیں:

" و اما الامام البخاری، فقد ذکر التاج السبکی فی طبقاته انه ای البخاری شافعی المذهب و تعقبه العلامة نفیس الدین سلیمان بن ابراهیم ... فقال البخاری مجتهد براسه کأبی حنیفة و الشافعی و مالك و احمد "

رہے امام بخاری تو تاج السبکی نے انھیں اپنے طبقات (شافعیہ) میں ذکر کیا کہ وہ شافعی تھے، علامہ نفیس الدین سلیمان بن ابراہیم ... نے سبکی کا تعقب کیا اور کہا: بخاری بذاتِ خود ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد کی طرح کے مجتہد تھے۔ (سحق الاغبیاء بحوالہ ماتمس الیہ الحاجہ ص ۲۶)

۳: زکریا کاندھلوی صاحب اپنی خاص اصطلاح میں کہتے ہیں:

" چکی کا پاٹ یہ ہے کہ امام بخاری پختہ طور پر مجتہد تھے" (تقریر بخاری ص ۵۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۱)

۴: عبدالرشید نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

" و عندی ان البخاری و ابا داوٗد ایضا کبقیة الائمة المذکورین لیسا مقلدین لواحد بعینه و لا من الائمة المجتهدین علی الاطلاق "

میرے نزدیک امام بخاری اور امام ابوداود بھی بقیہ ائمہ مذکورین کی طرح ہیں نہ تو کسی ایک امام کے عین مقلد تھے نہ ہی علی الاطلاق ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔ (ماتمس الیہ الحاجہ ص ۲۷)

۵: مفتی رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

" حضرت مولانا الامام الحافظ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی رائے بعض دلائل کی بناء پر یہ ہے کہ امام

بخاریؒ تو بلا شک وشبہ مجتہد مطلق ہیں اور ان کی کتاب اس پر شاھد عدل ہے"

(درس مسلم ص ۷۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۶۰)

۶: ان کے "امام" اور "محدث اعظم پاکستان" سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: "اور اسی طرح امام محمدؒ بن اسماعیل البخاریؒ طبقات شافعیہ میں شمار ہوتے ہیں... حضرت امام بخاریؒ وہ بزرگ ہیں جن کے دو رسالوں جزء رفع الیدین اور جزء القرأۃ پر فریق ثانی کی دو اختلافی مسائل میں گاڑی چلتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ حضرت امام بخاریؒ بھی مقلّد ثابت ہو گئے۔" (الکلام المفید ص ۱۲۸)

سرفراز خان صفدر صاحب نے سبکی کے طرزِ عمل کو دیکھ کر امام بخاری رحمہ اللہ کو امام شافعی کا مقلد قرار دے دیا، حالانکہ انور شاہ کشمیری صاحب فرماتے ہیں:

"و ما اشتهر أنه شافعي فلموافقته إياه في المسائل المشهورة وإلا فموافقته للامام الأعظم ليس أقل مما وافق فيه الشافعي ... فعده شافعيا باعتبار الطبقة ليس باولى من عده حنفيا"

امام بخاری کے متعلق جو مشہور ہوا کہ وہ شافعی ہیں تو یہ مشہور مسائل میں ان کی امام شافعی سے موافقت کی وجہ سے ہے ورنہ امام اعظم (ابوحنیفہ) سے ان کی موافقت شافعی کی موافقت سے کچھ کم نہیں... طبقہ کے اعتبار سے انھیں شافعی شمار کرنا حنفی شمار کر دینے سے اولیٰ نہیں ہے۔

(فیض الباری ۱/۵۸)

ان کے ایک دوسرے "محدث کبیر" زکریا صاحب فرماتے ہیں:

"لیکن چونکہ امام بخاری احناف سے زیادہ ناراض ہیں اس لئے نمایاں طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ شافعی ہیں حالانکہ حضرت امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف ہیں۔" (تقریر بخاری شریف ۱/۵۲، دوسرا نسخہ ۱/۴۱)

سرفراز صاحب بس طبقات میں امام بخاری کا ذکر دیکھ کر خوش ہو گئے، اہلِ حدیث کو ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی، پھر امام بخاری جیسے عظیم محدث کو شافعی مقلد قرار دے کر اسے

''اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ'' بنا دیا۔ حالانکہ یہ محض سرفراز صاحب کی ''تقلید'' سے محبت کا کرشمہ ہے۔ کاش انھوں نے کچھ تو سوچا ہوتا کہ اپنی اس کتاب میں وہ یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ ''یعنی اگر جاہل ہیں تو علماء کی تقلید کریں اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے'' (الکلام المفید ص ۲۳۴) پھر خود ہی امام بخاری کو ''مقلد'' لکھ رہے ہیں عین اسی کتاب میں! کیا یہ ایک عظیم محدث کو جاہل قرار دینے کے مترادف نہیں؟ کیا یہ محدثین کی تنقیص وتوہین نہیں؟

پھر کشمیری صاحب کے بقول شافعی سے زیادہ انھوں نے ابوحنیفہ کی موافقت کی ہے اور بقول زکریا صاحب ''امام بخاری جتنے احناف سے ناراض ہیں اس سے کچھ زیادہ شافعیہ کے خلاف'' جب معاملہ یہ ہے تو انھیں شافعی مقلد قرار دینا محض تقلید ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے، عدل وانصاف نہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ کا عظیم مقصد صحیح احادیثِ رسول ﷺ پیش کرنا ہے اور وہ انھوں نے کر دیں، لیکن مقلدین میں سے کوئی اٹھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ احناف سے زیادہ ناراض ہیں، کوئی کہہ دیتے ہیں کہ احناف کی زیادہ موافقت کی اور شوافع سے زیادہ ناراض ہیں! سچ کہا نعمانی صاحب نے کہ یہ ''تخرص'' محض اندازے اور اٹکل ہیں اور ''تکلم من غیر برھان'' بے دلیل باتیں ہیں۔ اب دیکھئے کشمیری صاحب کی صراحت ہے: امام بخاری مجتہد ہیں اور نعمانی صاحب کی کہ امام بخاری مقلد نہیں، لیکن اپنے اکابر کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی ''تخرص وتجاذب'' میں مبتلا بول اٹھتا ہے:

''امام بخاری تقلیدی حیاتی سماعی'' (دیکھئے ماہنامہ ''قافلہ'' ج ۳ شمارہ ۳ ص ۱۴، ۱۵)

إنا للہ و إنا إلیہ راجعون

۲) امام ابوداود سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ

ان سے متعلق بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، اُن سب کا ذکر کافی طوالت کا باعث ہوگا، اختصار کے پیشِ نظر ''مقلدین'' میں سے دو شخصیات کے فرمودات بیان کرتے ہیں، اسی میں سمجھنے والوں کے لئے کافی مواد ہوگا۔ تو سنئے! زکریا کاندھلوی صاحب فرماتے

ہیں:

''ابوداؤد کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ وہ پکے حنبلی ہیں۔ چنانچہ حنابلہ نے ان کو طبقات حنابلہ میں شمار بھی کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں البول قائمًا کا باب منعقد فرما کر اس کا جواز ثابت فرمایا ہے جو کہ حنابلہ کا مذہب ہے حالانکہ دوسرے ائمہ کے یہاں یہ مکروہ ہے... ایسے ہی وضو ممامستہ النار سب کے نزدیک منسوخ ہے سوائے حنابلہ کے، اسی وجہ سے امام ابوداؤد نے ترک وضو کے باب کو مقدم کر کے پھر اس باب کو ذکر کیا ہے اور آگے چل کر التشدید فی ذلك کے عنوان سے مزید تاکید فرمائی ہے۔ اور وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے آخیر میں ممامستہ النار سے وضو کو ترک کر دیا تھا۔ اس کی تاویل امام ابوداؤد نے یہ فرمائی ہے کہ وہ ایک خاص واقعے کے متعلق ہے۔''

(تقریر بخاری شریف ۵۲/۱، مقدمہ لامع الدراری، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۴۱)

''مفتی'' سعید احمد پالنپوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''راقم کے ناقص خیال میں یہ آخری قول صحیح ہے کیونکہ سنن کے بعض تراجم جہاں امام احمد کی موافقت میں ہیں وہیں بعض انکے خلاف بھی ہیں۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

① باکرہ بالغہ کے نکاح کے سلسلہ میں ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے یا نہیں؟ احناف انکار کرتے ہیں، ان کے نزدیک نکاح صحیح ہونے کے لیے خود اس کی اجازت شرط ہے لیکن ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جب تک وہ باکرہ ہے... اگرچہ بالغہ ہو... پھر بھی ولی کو ولایتِ اجبار حاصل ہے۔ یعنی نکاح صحیح ہونے کے لئے اس کی اجازت شرط نہیں ... امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس مسئلہ کے متعلق باب رکھا ہے: باب فی البکر یزوجها ابوها، ولا یستامرها اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں کہ ایک باکرہ لڑکی خدمت نبوی میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے والد نے باوجود میری ناراضگی کے میرا نکاح کر دیا، جس پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم لڑکی کو نکاح رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار مرحمت

فرماتے ہیں۔ (بذل المجہود ص۲۶ ج۳)

علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے بارے میں فرماتے ہیں:

غرضه موافقة العراقيين ، و كذا يفهم من صنيع البخارى

''امام صاحب کا مقصد اس باب سے احناف کی موافقت کرنا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے بھی یہی آشکارا ہوتا ہے''

② ''ستر'' کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، حنابلہ اور شوافع کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے (بدایۃ المجتہد ص ۳۹ ج۱، المنہل ص ۱۹۶ ج۲)

امام صاحب اس سلسلہ میں پہلا باب رکھتے ہیں:

باب الوضوء من مسّ الذکر اور ثانیاً فرماتے ہیں: باب الرخصة فی ذلك امام صاحب کی ترتیب ابواب غمازی کرتی ہے کہ وہ احناف کے مؤقف کی حمایت کررہے ہیں۔

③ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوء جاتا رہتا ہے یا باقی رہتا ہے؟ ائمہ اربعہ کی رائے یہ ہے کہ وضو باقی رہتا ہے۔(المنہل ص۲۱۳ ج۲) امام صاحب نے اس مسئلہ سے متعلق پہلا باب رکھا ہے: باب فی ترك الوضوء ممامست النار اور اس کے بعد فرماتے ہیں: باب التشدید فی ذلك جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک وضوء کا وجوب راجح ہے... حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مثال امام صاحب کے حنبلی ہونے کی تائید میں پیش فرمائی ہے لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ باب تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہے۔ پھر یہ باب امام صاحب کے حنبلی ہونے کی دلیل کیسے بن سکتا ہے؟!... بلکہ یہ باب تو جمہور کے خلاف ہے!...

''مشتے نمونہ از خروارے'' یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں ورنہ سنن میں بہت سے تراجم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف مل جائیں گے۔ اس لئے امام صاحب کو حنبلی یا متشدد حنبلی قرار دینے کے بجائے مجتہد منتسب ماننا زیادہ صحیح ہے۔''

(حیاتِ ابوداود بحوالہ مترجم سنن ابی داود ج اص ۳۰۔۳۲ مطبوعہ مکتبۃ العلم لاہور)

دیکھئے زکریا کاندھلوی صاحب نے ایک آدھ باب دیکھ کر امام صاحب کو پکا یا متشدد حنبلی قرار دے دیا۔ پھر بطورِ مثال سنن ابی داود سے جو ''باب'' پیش کیا وہی باب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مؤقف کے خلاف و برعکس ہے، بقول پالنپوری صاحب: یہ اُن کے حنبلی بلکہ متشدد حنبلی ہونے کی دلیل کیسے ہوسکتا ہے؟ بہر حال اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے چند ایک ابواب دیکھ کر لوگوں نے اندازے اور تخمینے لگائے، جس کی سمجھ میں جو آیا وہ بنا بیٹھا، حالانکہ سنن ابی داود میں چند ابواب ایسے بھی مل جائیں گے جن سے حنفی مذہب کو تقویت و تائید حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہی معیار حنبلی ہونے کا ہے تو پھر لوگ اپنی طرف سے انھیں ''حنفی'' کیوں نہیں قرار دیتے؟ اسی طرح مالکی مذہب کو بھی چند ابواب سے تائید مل سکتی ہے، پھر انھیں ''مالکی'' کیوں قرار نہیں دے دیا جاتا؟ تاج السبکی تو طبقاتِ شافعیہ میں ان کا ذکر لا ہی چکے ہیں۔ ع

شد پریشان خواب از کثرتِ تعبیر ہا

۳) امام مسلم بن الحجاج القشیری رحمہ اللہ

امام مسلم رحمہ اللہ صحیح مسلم کے مؤلف ہیں۔ صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم شریف کا درجہ ہے اس کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ امام صاحب سے متعلق کچھ آراء ملاحظہ کیجئے:

۱: دیوبندی مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' شبیر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

''و أمّا مسلم والترمذی والنسائی و ابن ماجة و ابن خزیمة و أبو یعلی والبزار و نحوهم، فهم علی مذهب أهل الحدیث . مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلیٰ اور بزار اور ان جیسے دیگر ائمہ محدثین تو مذہبِ اہل الحدیث پر تھے، علماء میں سے کسی ایک کے متعین مقلد نہ تھے اور نہ علی الاطلاق ائمہ مجتہدین میں سے تھے۔''

(فتح الملہم ۲۸۱/۱، مطبوعہ دار العلوم کراچی)

۲: ''مفتی'' رفیع عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''اور امام مسلمؒ اور ابن ماجہ کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد یہ ہے کہ ان کا مذہب

معلوم نہیں ہو سکا۔ اور ان کا شافعی ہونا مشہور ہے، اس کی بنیاد صحیح مسلم کے تراجم ہیں، جو بیشتر شافعی مذہب کے موافق ہیں، لیکن یہ بنیاد صحیح نہیں، کیونکہ تراجم امام مسلم نے خود قائم نہیں کئے، بعد کے لوگوں نے قائم کئے ہیں'' (درسِ مسلم ص ۲۷، ۲۳، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۶)

''مفتی'' صاحب کی باتوں پر غور کیجئے! اندازے لگانے والوں نے کیسے کیسے اندازے لگا لئے؟ ان کے ''مذہب'' کا اندازہ ان کی کتاب کے ابواب و تراجم سے لگا بیٹھے، حالانکہ وہ ابواب و تراجم خود امام مسلم نے قائم ہی نہیں کئے بلکہ بعد کے لوگوں کی محنت ہے، لہٰذا یہ بنیاد کس قدر کمزور اور بودی ہے۔ محدثین کو مقلد ثابت کرنے کی کوششیں تقریباً انھی کمزور بنیادوں پر قائم ہیں۔ بھلا اس قدر کمزور بنیادوں پر لگائے ہوئے اندازوں کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے؟

۳: زکریا کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

''اب رہ گئے حضرت امام مسلم ان کو بعض نے شافعی اور اکثرین نے مالکی قرار دیا ہے۔''

(تقریر بخاری شریف ۱/۵۲، دوسرا نسخہ ۱/۴۱)

۴: ''مفتی'' ارشاد قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

''امام مسلم... مقدمہ فتح میں ہے کہ وہ مذہب اہلحدیث پر تھے۔ کسی کے مقلد نہیں تھے۔''

(ارشاد اصول الحدیث ص ۱۶۶)

۵: عبدالرشید نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

''و لعلّ الصّواب فی هذا الباب ما نقله الشیخ طاهر الجزائری فی '' توجیه النظر إلی اصول الاثر '' عن بعض الفضلاء و نصه : (و قد سئل بعض البارعین فی علم الاثر عن مذاهب المحدثین مراراً بذلك المعنی المشهور عند الجمهور فاجاب عماسئل عنه بجواب یوضح حقیقة الحال ... اما البخاری و ابوداوٗد فاما مان فی الفقه و کانا من اهل الاجتهاد ، و اما مسلم والترمذی و النسائی و ابن ماجة و ابن خزیمة و ابو یعلیٰ و البزار و نحوهم

فھم علی مذھب اھل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد من العلماء ولا ھم من الائمة المجتھدین بل یمیلون إلی قول ائمة الحدیث کالشافعی و احمد و اسحاق و ابی عبید… " إلخ

امید ہے کہ اس باب میں درست بات وہ ہے جو شیخ طاہر الجزائری نے "توجیہ النظر الی اصول الاثر" میں بعض فضلاء سے نقل کی ہے جس کی عبارت یہ ہے: علم الحدیث میں ماہر بعض لوگوں سے محدثین کے (فقہی) مذاہب کے متعلق کئی بار سوال کیا گیا، اس معنی میں کہ جو جمہور کے ہاں مشہور ہے تو انھوں نے اُن سے پوچھے گئے اس سوال کا ایسا جواب دیا کہ جو "حقیقتِ حال" کو واضح کرتا ہے…رہے بخاری و ابو داود تو یہ دونوں فقہ میں امام ہیں اور دونوں اہل اجتہاد میں سے ہیں، اور رہے مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابو یعلیٰ اور بزار اور ان جیسے دیگر محدثین کرام تو یہ اہل حدیث کے مذہب پر ہیں علماء میں سے کسی ایک کے متعین مقلد نہیں ہیں اور نہ یہ ائمہ مجتہدین میں سے ہیں، بلکہ یہ لوگ ائمہ حدیث جیسے شافعی، احمد، اسحاق، ابو عبید اور ان جیسے دیگر محدثین کے اقوال کی طرف مائل ہیں۔

(ماتمس الیہ الحاجہ ص ۲۶، نیز دیکھئے الکلام المفید ص ۱۲۷)

محدثین کا مذہب عدمِ تقلید

اس عبارت سے واضح ہے کہ صرف امام مسلم ہی نہیں بلکہ دیگر معروف محدثین جیسے امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خزیمہ، امام ابو یعلیٰ اور امام البزار رحمہم اللہ بھی مذہب اہل حدیث پر تھے۔ ائمہ میں سے کسی ایک بھی امام کے مقلد نہ تھے، تقلید نہیں کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ احادیث کی معروف ترین کتب جیسے صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ، مسند ابی یعلی اور مسند البزار مقلدین کی تالیف و جمع کردہ کتب نہیں بلکہ اہل حدیث کی جمع کردہ کتب ہیں۔ جن کا مقصد و مطمحِ نظر قرآن و سنت کی پیروی ہے کسی خاص امام کی طرف منسوب مذہب کی حمایت، نصرت اور

وضاحت نہیں۔اس لئے ان کتب کے مطالعہ کے دوران میں یہ بات قطعاً محسوس نہیں ہوتی کہ یہ کسی خاص تقلیدی مذہب کے مطابق لکھی ہوئی ہے اوران میں قرآن وحدیث اورآثار میں سے صرف وہ چیزیں جمع کی گئی ہیں جو کسی مخصوص امام کے اجتہادات کا ماخذ ہیں، جبکہ کتبِ فقہ کے مطالعہ کے دوران میں قدم قدم پر یہ چیز محسوس ہوتی ہے،خواہ وہ شوافع وحنابلہ کی کتبِ فقہ ہوں یامالکیوں اوراحناف کی۔

یہی وجہ ہے کہ تمام فقہی مذاہب کتبِ احادیث سے بلا امتیاز استفادہ کرتے ہیں اور سب کے ہاں معتبر اور مسلمہ حیثیت کی حامل ہیں۔اگر یہ محدثین بھی تقلیدی ذہنیت کا شکار ہوتے اور تقلیدی سوچ اور فکر کو سامنے رکھتے تو یہ کتب بھی کتبِ فقہ کی طرح علیحدہ علیحدہ مخصوص مذاہب کی کتب بن کر رہ جاتیں اوران میں بھی یہ بات بتکرار نظر آتی کہ یہ حدیث ہماری دلیل ہے اور یہ حدیث ہمارے خصم (دشمن) کی دلیل ہے۔جیسا کہ فقہ کی بعض کتاب میں اس طرح کے بٹواروں کی بھرمار ہے۔المختصر کہ اوکاڑوی صاحب کا مطالبہ تھا کہ ''حدیث کی ایک بھی مستند کتاب کے مؤلف کے بارے میں صرف وہی مستند حوالہ پیش کیا جائے کہ ''**کان لا یجتھد و لا یقلد**'' کہ نہ اس میں اجتہاد کی اہلیت تھی نہ تقلید کرتا تھا'' کما تقدم،تو سطور بالا میں درج کسی ایک کتابِ حدیث سے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تو مستند کتاب ہے ہی نہیں۔اوران کے مؤلفین سے متعلق ہم شیخ طاہر الجزائری، پھر مقلدین کے ''شیخ الاسلام'' شبیر احمد عثمانی صاحب اوران کے ''امام اورمحدث اعظم پاکستان'' سرفراز خان صفدر صاحب،ان کے ''المحدث الکبیر'' عبدالرشید نعمانی صاحب، ''مفتی'' ارشاد قاسمی کی کتب کے حوالے پیش کر چکے ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ ''**لیسوا مقلدین لواحد من العلماء ولا ھم من ائمة المجتھدین** ''نہ کسی ایک امام کے مقلد تھے اور نہ مجتہدین میں سے تھے۔گویا امین اوکاڑوی اوران کے چاہنے والوں کی منہ مانگی مراد پوری ہوگئی۔مجھے نہیں لگتا کہ کوئی دیوبندی مکتبۂ فکر سے وابستہ مقلد اِن حوالوں کو ''غیر مستند'' وغیر معتبر کہہ دے۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرًا**

طبقات المقلدین؟

اوکاڑوی صاحب اوران کی نقل میں مفتی ممتاز صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ آج تک کسی نے ''طبقات غیرالمقلدین'' نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ہم عرض کرتے ہیں کیا کسی مسلم محدث یا مؤرخ نے ''طبقات المقلدین'' نام کی بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟

اوکاڑوی صاحب تو نہیں رہے ''مفتی'' احمد ممتاز اور دیگر محبینِ اوکاڑوی بتلائیں کہ کبھی آپ نے ''طبقات'' کے نام سے موجود کتب کا بغور مطالعہ بھی کیا ہے؟ ان کا تحقیقی جائزہ بھی لیا ہے؟ اگر آپ ان پر سرسری نظر بھی ڈالیں تو واضح ہوگا کہ ایسے کتنے ہی محدث ہیں کہ جن کا ذکرِ خیر مختلف طبقات میں پایا جاتا ہے، ایک ہی محدث کو طبقاتِ شافعیہ میں بھی ذکر کیا گیا ہے تو طبقاتِ حنابلہ یا مالکیہ میں بھی، محض ان طبقات میں کسی کا ذکر آجانے سے اُس کا مقلد ہونا اور آپ مقلدین کی طے کردہ اصول و شرائط کے مطابق مقلد ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔

چونکہ ان طبقات میں تو شاگردی کی نسبت سے بھی محدثین کا ذکر آگیا ہے کہ کوئی امام مالک کے شاگرد ہیں یا شاگردی کا سلسلہ اُن تک پہنچتا ہے، اسی طرح امام احمد بن حنبل یا شافعی کے شاگرد ہیں یا شاگردی کا سلسلہ اُن تک جا پہنچتا ہے۔ محض تلمذ و شاگردی سے مقلد ہو جانا کیسے لازم آیا؟ دور نہ جایئے آپ امام طحاوی کو لے لیجئے ''حنفی'' معروف ہیں اور ہیں بھی، لیکن تقلیدی و مقلد حنفی؟! ہرگز نہیں۔ چونکہ یہ امام طحاوی ہی ہیں کہ (کہا جاتا ہے:) جنھوں نے یہ فرمایا تھا: **''لا يقلد إلا عصبي أو غبي''** کہ تقلید یا تو متعصب آدمی کرتا ہے یا غبی! ۔اور ان کی یہ بات مصر میں ضرب المثل بن چکی تھی۔ (لسان المیزان ۱/۲۸۰، دوسرا نسخہ ۱/۴۲۰)

کیا امام طحاوی جیسے محدث مقلد ہیں؟ کیا اپنے ہی قول کے مطابق متعصب یا غبی ہیں؟ ہم تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے کہ آپ غبی یعنی احمق ہوں! لیکن انھیں مقلد کہنے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ ان کے قول کے مطابق تو ایسا ہی ہے، حالانکہ عبدالقادر الرافعی الحنفی صاحب نے لکھا: **''و قد نقل أبو بكر القفال و أبو علي والقاضي حسين من الشافعية**

أنهم قالوا لسنا مقلدين للشافعي بل وافق رأينا رأيه ، وهو الظاهر من حال الامام أبي جعفر الطحاوي في أخذه بمذهب أبي حنيفة و احتجاجه له و انتصاره لأقواله " اوراس نے نقل کیا کہ شوافع میں سے ابوبکر القفال، ابوعلی اور قاضی حسین نے کہا: ہم امام شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے ان کی رائے کے موافق ہو گئی ہے۔ اور یہی ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوجعفر الطحاوی کے حال سے کہ ان کا ابوحنیفہ کے مذہب کو اپنانا ان کے لئے حجت لانا اور ان کی نصرت کرنا تقلیداً نہیں تھا (بلکہ ان کی رائے ابوحنیفہ کی رائے کے موافق تھی) (تقریرات الرافعی علی حاشیۃ ابن عابدین ۱/۱۱، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

دیکھئے ابوبکر القفال، ابوعلی اور قاضی حسین شافعی تو ہیں مگر بنقل رافعی وہ فرماتے ہیں ہم شافعی کے مقلد نہیں، یعنی اُن کی رائے تحقیق پر مبنی تھی۔ دلائل سے ماخوذ تھی تقلیداً نہیں تھی، نہ وہ مقلد کہلایا جانا پسند کرتے تھے اور بقول رافعی یہی امام طحاوی کے حنفی ہونے کا حال تھا۔

"مفتی" سعید احمد پالنپوری صاحب لکھتے ہیں:

"اور علامہ قاسم نے ایک دوسرے رسالہ میں لکھا ہے کہ میں بفضلہٖ تعالیٰ وہی بات کہتا ہوں جو امام طحاوی رحمہ اللہ (۱۷) نے ابن حربویہ سے کہی تھی کہ لَا يُقَلِّدُ اِلَّا عَصَبِيٌّ اَوْ غَبِيٌّ (تقلید یا تو متعصب آدمی کرتا ہے یا غبی!)" (آپ فتویٰ کیسے دیں؟ ص ۸۲)

جی ہاں! ابن قطلوبغا حنفی تھے، لیکن مقلد نہیں تھے۔ معلوم ہوا کہ محض حنفی طبقہ سے ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مقلد ہی ہوں؟ اسی طرح کسی بھی طبقہ میں ذکر ہونے سے کسی کا بھی مقلد ہونا لازم نہیں آتا۔

علامہ زیلعی معروف حنفی تھے، لیکن خود فرماتے ہیں: "فالمقلد ذهل و المقلدُ جهل" مقلد غافل ہوتا ہے مقلد جاہل ہوتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ پشاور ۱/۱۸۱ مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ عینی بھی حنفی تھے، انھوں نے کہا: پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے۔

(دیکھئے البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۱ ص ۳۱۷)

اس کے باوجود بھی محض حنفی ہونے کی وجہ سے انھیں مقلد قرار دینا خود ان کے قول سے باطل ہے۔ یہ تو انھیں دورخا ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عبدالبر جو اپنی معروف کتاب ''جامع بیان العلم'' میں فسادِ تقلید کا باب قائم فرما کر اس کا رد کرتے ہیں۔ لوگ انھیں بھی مالکی مقلد ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ جیسے تقلید کے معروف مخالف جنھوں نے اعلام الموقعین میں کئی وجوہات سے تقلید کو باطل ثابت کیا، تقلید کے نام نہاد دلائل کے بخئے ادھیڑ دیئے، لیکن کتنے ہی لوگ انھیں حنبلی مقلد ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

اب جن اہلِ علم سے واضح طور پر تقلید کا رد و مذمت ثابت ہے لوگ انھیں بھی مقلد کہے بغیر چین نہیں لے پاتے تو دیگر اہلِ علم سے متعلق تو مقلدین کو گویا کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے، جو من میں آئے کرتے پھریں، لیکن ان کا ''طبقات'' کو دیکھ کر خوش ہونے اور ان میں مذکور محدثین وعلماء کو مقلدین خیال کرنا محض خام خیالی ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر کچھ کمال دکھلانا چاہتے ہیں تو انھیں چاہئے کہ ''طبقات المقلدین'' نامی کتابیں دریافت کرلائیں! وگرنہ ان کی ''کھینچا تانی''، ''تخرص'' اور ''بے دلیل کلام'' کو کون سنتا ہے!

(۲۷/ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ، ۱۴/ دسمبر ۲۰۰۹ء) [الحدیث: ۷۷]

طہارت ونماز سے متعلق مسائل

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

عورت کے ایام مخصوصہ کی تعیین

حیض کی کم ازکم یا زیادہ سے زیادہ مدت مقرر نہیں ہے، اس کا انحصار عورت کی فطرت وعادت پر ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حیض کی کم ازکم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔ ''حدیث اور اہلحدیث'' کتاب میں مذکور دلائل کا مختصر اور مدلل جائزہ پیش خدمت ہے:

تقلیدی دلیل نمبرا : ''عن ابی امامة عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: اقل الحیض ثلاث واکثره عشر۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط مجمع الزوائد ج ا ص ۲۸۰)

حضرت ابوامامہؓ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حیض کی کم ازکم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث از انوار خورشید دیوبندی: ۲۲۶)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے۔ حافظ ہیثمی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: وفیه عبدالملك الکوفي عن العلاء بن کثیر لاندري من هو؟ ہم نہیں جانتے کہ عبدالملک الکوفی کون ہے؟ (مجمع الزوائد ا/۲۸۰) لیکن دیوبندی صاحب اس جرح کو ہڑپ کر گئے۔ امام دارقطنی اس روایت کے بعد لکھتے ہیں: '' عبد الملك هذا رجل مجهول والعلاء هو ابن کثیر وهو ضعیف ومکحول لم یسمع من أبي أمامة شیئاً ''

عبدالملک مجہول راوی ہے، العلا بن کثیر ضعیف ہے اور مکحول نے ابوامامہ سے کچھ نہیں سنا۔

(سنن الدارقطنی ا/۲۱۸ ح ۸۳۵)

العلاء بن کثیر کے بارے میں امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: ''ضعیف الحدیث جداً''

امام بخاری اور امام ساجی کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے، امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام ابوزرعہ الرازی کہتے ہیں: یہ واهي الحدیث (سخت ضعیف) ہے۔ حاکم کہتے ہیں: ضعیف الحدیث منکر الحدیث ہے۔ حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: ''العلاء بن کثیر نے مکحول

سے انھوں نے صحابہ سے انھوں نے نبی کریم ﷺ سے جتنے نسخے روایت کیے ہیں، وہ سارے کے سارے غیر محفوظ ہیں، یہ منکر الحدیث راوی ہے۔'' (الکامل لابن عدی ۱۸۶۱/۵)

حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: ''یروی الموضوعات عن الأثبات'' یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا۔ (المجروحین لابن حبان ۱۸۱/۲، ۱۸۲)

اس کے بارے میں توثیق کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے لیکن بدقسمتی سے تقلیدی حضرات اس کی حدیث سے استدلال کرنے میں کوشاں ہیں۔

تقلیدی دلیل نمبر۲ :'' عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اقل الحیض ثلثة ایام واکثره عشرة ایام '' (دارقطنی ج۱ص۲۱۹)

حضرت واثلۃ بن اسقعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔حیض کی کم ازکم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶)

تبصرہ : یہ روایت سخت ضعیف ہے، امام دارقطنی اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں : ابن منہال مجہول اور محمد بن احمد بن انس ضعیف ہے۔ (سنن دارقطنی ج۱ص۲۱۹ ح۸۳۶)

دیوبندی صاحب نے مذہبی تعصب کی آڑ میں اس جرح کو چھپا کر خیانت علمی کا ارتکاب کیا ہے لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔اس روایت کی ایک وجۂ ضعف یہ بھی ہے کہ امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: مکحول نے واثلۃ بن الاسقع سے نہیں سنا۔(مراسیل لابن ابی حاتم:۲۱۳) یعنی یہ روایت اگر مکحول تک ثابت بھی ہو تو منقطع ہے۔

تقلیدی دلیل نمبر۳:''عن انس قال ادنی الحیض ثلثة ایام

(رواہ الدارمی ج۱ص۲۱۷، قلت رجالہ رجال مسلم اعلاء السنن ج۱ص۲۴۷)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم ازکم مدت ۳ دن ہے۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶)

تبصرہ : اس کی سند ضعیف ہے، اس میں امام سفیان ثوری مدلس ہیں اور فرماتے ہیں : ''بلغني عن أنس ''یعنی مجھے یہ روایت (سیدنا) انس (رضی اللہ عنہ) سے پہنچی ہے۔یہ مبلغ (پہنچانے والا) نامعلوم ہے لہٰذا یہ سند تدلیس اور انقطاع کی وجہ سے معلول وضعیف ہے۔

بعض الناس کا یہ کہنا کہ ''رجاله رجال مسلم'' اس روایت کے راوی مسلم کے راوی ہیں۔ انتہا درجہ کا دھوکا ہے جو صرف ایسے لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو منقطع، ضعیف و مردود روایات سے ہی حجت پکڑتے ہیں۔

تقلیدی دلیل نمبر۴: ''عن انس قال ادنى الحيض ثلثة و اقصاه عشرة '

(دارقطنی ج۱ص ۲۰۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۷)

تبصرہ: یہ روایت سخت ضعیف ہے۔اس میں الجلد بن ایوب راوی متروک ہے بلکہ خود امام دارقطنی نے بھی متروک کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروکون للدارقطنی :۱۴۱)

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: اس کی حدیث کسی چیز کے برابر نہیں ہے، وہ ضعیف الحدیث ہے۔امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ضعیف ہے۔امام ابوحاتم فرماتے ہیں: **ضعيف الحديث يكتب حديثه ولا يحتج به** اور امام ابوزرعہ نے لیس بالقوی کہا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۲/ ۵۴۹)

امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔اس کی توثیق کا ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے لہٰذا غالباً اسی وجہ سے ایسے متروک راوی کی روایت آلِ تقلید کے حصے میں آئی ہے۔

تقلیدی دلیل نمبر۵: '' **عن الحسن أن عثمان بن ابى العاص الثقفى قال الحائض اذا جاوزت عشرة ايام فهى بمنز لة المستحاضة تغسل وتصلى** ''

(دارقطنی ج۱ص ۲۱۰)

حضرت حسنؒ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حائضہ عورت جب دس سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ عورت کے ہے غسل کر کے نماز پڑھے گی۔'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۷)

تبصرہ: اس کی سند کئی وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: اس میں ہشام بن حسان راوی ''مدلس'' ہیں جو بصیغہ ''عن'' حسن بصری سے روایت کر رہے ہیں۔ امام ابن المدینی اور امام ابو حاتم نے ان کو ''مدلس'' کہا ہے۔ (طبقات المدلسین: ۴۷)

۲: حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: اس کی روایت حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح سے ہو تو اس میں کلام ہوتا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۲۰۵)

امام اسماعیل بن علیہ کہتے ہیں: ''**کنا لانعد هشام بن حسان فی الحسن شیئاً**''

ہشام بن حسان جب حسن بصری سے روایت کرتے تو ہم انہیں کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے۔

(الجرح والتعدیل ۹/۵۶)

یہ جرح مفسر ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

۳: اس میں ایک علت حسن بصری کی تدلیس بھی ہے۔

۴: ایک وجہ ضعف انقطاع ہے۔ حاکم فرماتے ہیں: ''**فإن الحسن لم یسمع من عثمان بن أبی العاص**'' حسن بصری نے عثمان بن ابی العاص سے نہیں سنا۔

(مستدرک حاکم ۱/۱۷۶)

تقلیدی دلیل نمبر ۶: ''**عن سفیا ن قال اقل الحیض ثلاث واکثره عشر**'' (دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰)

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔''

(حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۶)

تبصرہ: یہ امام سفیان ثوری کا قول ہے۔ نہ قرآن ہے نہ حدیث ہے، نہ قول صحابی ہے، نہ اجماع ہے اور نہ قول ابوحنیفہ ہے۔ تقلید پرست حضرات اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ سے یہ مسئلہ باسند صحیح ثابت کرنے سے تو قاصر رہے، ان سے ہمارا سوال ہے کہ آپ امام ابوحنیفہ کے اندھے مقلد ہیں یا امام سفیان ثوری کے؟ یہ ان لوگوں کی حیض کے متعلق کم از کم اور زیادہ سے زیادہ دنوں کی تعیین کے بارے میں کل کائنات تھی جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا کہ وہ نبی کریم ﷺ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے تو عورت کے ماہانہ ایام کی گنتی کی تعیین ثابت نہ کر سکے، صرف موضوع (من گھڑت) اور ضعیف روایات پیش کر کے سادہ لوح عوام کو یہ باور کرانے

کی ناکام و مذموم کوشش کی ہے کہ ہم بھی اس مسئلے میں حدیثی دلائل رکھتے ہیں جبکہ دلائل وبراہین سے یہ لوگ سرے سے خالی ہیں۔ ایک بھی روایت اصولِ محدثین کے مطابق ثابت کرنے سے قاصر ہیں لیکن اس کے باوجود یہ بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں کہ
''احادیث وآثار سے توحیض کی اقل واکثر مدت ثابت ہو رہی ہے'' (حدیث اور اہلحدیث ص ۲۲۸)
قارئینِ کرام! انصاف شرط ہے، بتائیں اہلِ حق کے ایسے دلائل ہوتے ہیں؟
امام عطاء بن ابی رباح نے فرمایا: حیض کا کم از کم وقت ایک دن ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۳۲۰ وسندہ حسن، الدارمی ۱/۲۱۱ ح ۸۵۰، الدارقطنی ۱/۲۰۷ ح ۷۹۰ وصححہ ابن حجر فی الفتح ۱/۴۲۵)
اس سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کا یہ کہنا ''حیض کی کم از کم مدت ۳ دن'' ہے، غلط ہے۔
عورت کے ماہانہ ایام کی تعیین کے بارے میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت میں کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس مسئلے میں کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔
یہی بات حافظ ابن حزم نے مخالفین کے دلائل کا رد کر کے راجح قرار دی ہے۔ (المحلیٰ ۲/۲۰۰۔۲۰۳)
حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ دیکھئے مجموع الفتاویٰ (۱۹/۲۳۷)
ابن الترکمانی حنفی نے تسلیم کیا ہے کہ حیض (کی مقدارِ ایام) کے بارے میں نہ کوئی نص (دلیل) ہے اور نہ اجماع، رہی عادت تو وہ مختلف ہے جیسا کہ عطاء وغیرہ سے گزر چکا ہے۔
(الجوہر النقی ۱/۳۲۰)
سرفراز خان دیوبندی تقلیدی کہتے ہیں: ''علامہ زیلعیؒ نصب الرأیہ ج اص ۱۵۱ سے ج اص ۱۵۶ تک میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مبنی بر انصاف بات یہ ہے کہ حیض کے اقل اور اکثر کی تعیین کے بارے میں کسی فریق کے پاس کوئی صحیح، مرفوع اور صریح روایت نہیں۔ مبارک پوریؒ تحفۃ الاحوذی ج اص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ کتاب وسنّت سے اقل اور اکثر کی تعیین نہیں۔ صرف عرف اور عادت کے ذریعے اس کی تعیین کی گئی ہے۔'' (خزائن السنن ۱/۲۲۸)
خلاصۃ التحقیق: عورت کے ماہانہ ایام کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔
[الحدیث: ۳۷]

ابو ثاقب محمد صفدر حضروی

نماز وتر پڑھنے کا طریقہ

''آپ کہہ دیجئے کہ یہی (دین اسلام) میرا راستہ ہے میں اور میرے ماننے والے، لوگوں کو اللہ کی طرف دلیل و برہان کی روشنی میں بلاتے ہیں۔'' (یوسف:۱۰۸)

''تا کہ جو ہلاک ہو، دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے دلیل سے زندہ رہے۔''

(الانفال:۴۲)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

۱: ''اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔'' (بخاری:۶۴۱۰، مسلم:۲۶۷۷)

۲: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں سے۔''

(مسلم:۷۵۲)

۳: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رات کی نماز دو، دو رکعتیں ہیں۔ جب صبح (صادق) ہونے کا خطرہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لو۔ یہ ایک (رکعت پہلی ساری) نماز کو طاق بنا دیگی۔''

(بخاری:۹۹۰، ۹۹۳ مسلم:۷۴۹)

۴: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے (آخری) دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان (سلام پھیر کر) بات چیت بھی کرتے۔'' (ابن ماجہ:۱۱۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۲۹۱ وھو صحیح)

۵: ''ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے۔''

(مسلم:۷۳۶)

۶: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وتر ہر مسلمان پر حق ہے، پس جسکی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو تین وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو ایک وتر پڑھے۔''

(ابوداود:۱۴۲۲، وسندہ صحیح، نسائی:۱۷۱۰، ابن ماجہ:۱۱۹۰، صحیح ابن حبان:۶۷۰، مستدرک ۱/۳۰۲ وغیرہ)

تین رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر ایک رکعت وتر پڑھیں، جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آیا ہے۔

(دیکھئے مسلم:۷۵۲، ۷۳۶، ۷۶۵، ۷۶۹، بخاری: ۶۲۶، ۹۹۰، ۹۹۳، ۹۹۴، ۲۰۱۳، ابن ماجہ: ۱۱۷۷، نسائی: ۱۶۹۸ صحیح ابن حبان:۶۷۸ صحیح ابن حبان الاحسان ۴/۷۰، ۲۴۲۶ وغیرہ)

۷: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے وتر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ وہ وتر ایک رکعت ہے آخر شب میں اور پوچھا گیا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا۔ (مسلم:۷۵۳)

۸: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(بخاری:۹۹۱، طحاوی:۱۵۴۹، ۱۵۵۱، آثار السنن ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲)

۹: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(بخاری:۳۷۶۴، ۳۷۶۵، آثار السنن ۶۰۳)

۱۰: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(بخاری:۶۳۵۶، طحاوی:۱۶۳۴، آثار السنن:۶۰۵، ۶۰۶، وغیرہ)

۱۱: امیر المؤمنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(دارقطنی:۱۶۵۷، طحاوی ۱۶۳۱، آثار السنن ۶۰۴)

۱۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص آخر رات میں نہ اٹھ سکے تو وہ اول شب وتر پڑھ لے اور جو آخر رات اٹھ سکے وہ آخر رات وتر پڑھے، کیونکہ آخر رات کی نماز افضل ہے۔

(مسلم:۷۵۵)

۱۳: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رات، رات کے وسط اور پچھلی رات (یعنی) رات کے ہر حصہ میں نماز پڑھی۔ (بخاری:۹۹۶، ۷۵۵)

۱۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز نہیں۔

(ابوداود:۱۴۳۹، وسندہ صحیح، ابن خزیمہ ۱۱۰۱، ابن حبان ۶۷۱، وغیرہ)

۱۵: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ (مسلم:۷۵۱)

اس حدیث سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو وتر کے بعد رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے ہیں۔

۱۶: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین وتر (اکٹھے) نہ پڑھو، پانچ یا سات وتر پڑھو۔ اور مغرب کی مشابہت نہ کرو۔ (دار قطنی: ۱۶۳۴، ابن حبان ۶۸۰، آثار السنن ۵۹۱، ۵۹۲ وغیرہ)

اس کے برعکس بعض حضرات نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (دیکھئے علم الفقہ ص ۱۸۲ از عبدالشکور لکھنوی دیوبندی)

دیوبندیوں کے مفتیِ اعظم عزیز الرحمٰن (دیوبندی) نے فتویٰ دیا ہے: ''ایک رکعت وتر پڑھنے والے امام کے پیچھے نماز حتی الوسع نہ پڑھیں۔ کیونکہ وہ غیر مقلد معلوم ہوتا ہے اور اس شخص کا امام بنانا اچھا نہیں ہے؟''

(دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ ص ۱۵۴ سوال نمبر ۱۰۷۷، مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان)

حرمین شریفین میں بھی امام ایک رکعت وتر پڑھاتے ہیں۔ اب ان حجاج کرام کی نمازوں کا کیا ہوگا؟ اور اس فتویٰ کی زد میں کون سی شخصیات آتی ہیں؟ جبکہ جناب خلیل احمد سہارنپوری (دیوبندی) صاحب انوار ساطعہ کے بدعتی مولوی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہما اس مقر۔ اور امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کا وہ مذہب۔ پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے۔ کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا۔ (براہین قاطعہ ص ۷)

ہم فریقِ مخالف کی کتب کے حوالے اس لیے دیتے ہیں تا کہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور ویسے بھی ہر فریق کے لیے اس کی کتاب یا اپنے اکابر کی کتاب اس پر حجت ہے۔

(دیکھئے بخاری، ۳۶۳۵، مسلم: ۱۶۹۹)

جب تک وہ اس سے برأت کا اظہار نہ کرے۔

جو حضرات تین وتر اکٹھے پڑھتے ہیں وہ اصلاح کر لیں اور اپنے علماء سے اس کی دلیل

طلب کریں کہ کونسی صحیح حدیث میں تین وتر اکٹھے پڑھنا آیا ہے۔جن روایات میں ایک سلام سے تین رکعتوں کا ذکر آیا ہے وہ سب بلحاظِ سند ضعیف ہیں۔

بعض میں قتادہ رحمہ اللہ مدلس ہیں اور مدلس کی ''عن'' والی روایت صحیح نہیں ہوتی ۔ جب تک وہ سماع کی صراحت نہ کریں یا پھر کوئی دوسرا ثقہ راوی اس کی متابعت نہ کرے۔

یادر ہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔

(دیکھئے خزائن السنن ص ۱ حصہ اول ، ازالۃ الریب ص ۲۳۷ از جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی، حقائق السنن ص ۱۵۶، ۱۶۱، وغیرہ)

تاہم اگر کوئی ان ضعیف روایات (اور آثار) پر عمل کرنا چاہے تو دوسری رکعت میں تشہد کے لیے نہیں بیٹھے گا۔ بلکہ صرف آخری رکعت میں ہی تشہد کے لیے بیٹھے گا۔جیسا کہ السنن الکبریٰ للبیہقی وغیرہ میں قتادہ کی روایت میں ہے۔

زادالمعاد ص ۳۳۰ ج ۱ اور مسند احمد ص ۱۵۵ ج ۵ والی روایت '' **لا فصل فیھن** '' یزید بن یعمر کے ضعف اور حسن بصری رحمہ اللہ کے عنعنہ (دوعلتوں) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوتشہد اور تین وتر والی مرفوع روایت بلحاظِ سند موضوع وباطل ہے ۔ دیکھئے الاستیعاب ص ۴۷۱ ج ۴ ترجمہ ام عبد بنت اسود، میزان الاعتدال وغیرہما۔اس کے بنیاوی راوی حفص بن سلیمان القاری اور ابان بن ابی عیاش ہیں۔دونوں متروک ومتہم ہیں۔نیچے کی سند غائب ہے۔اور ایک مدلس کا عنعنہ بھی ہے۔اتنے شدید ضعف کے باوجود ''حدیث واہلحدیث'' کے مصنف نے اس موضوع (جھوٹی) روایت سے استدلال کیا ہے۔

دیکھئے کتاب مذکور ص ۵۶۳، نمبر ۲۲

طبع مئی ۱۹۹۳ء تفصیل کے لئے دیکھیں ھدیۃ المسلمین (ص ۵۶)

تنبیہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اکٹھے تین وتر پڑھنا ثابت ہے۔

دیکھئے شرح معانی الآثار للطحاوی (۲۹۳/۱ وسندہ حسن)

محترم بھائیو! اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں سخت وعید فرمائی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ ''ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ کہیں ان پر فتنہ (شرک وکفر) اور دردناک عذاب نہ آجائے۔'' (سورۃ النور:٦٣)

مومن کی تو یہ شان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آجائے تو سرِ تسلیم خم کر دے۔ اس کا عمل اگر پہلے خلاف سنت تھا تو اب دلیل مل جانے پر اپنے عمل کو حدیثِ رسول کے مطابق کرے، یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ حدیثِ رسول کو اپنے پہلے سے طے شدہ اصول اور عمل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا رہے!۔

(ماخوذ از ھدیۃ المسلمین ص ٥٤، از حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ)

خود تو بدلتے نہیں حدیث کو بدل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی سوچ وفکر سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

١٧: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی سوائے اس کے جس نے انکار کر دیا۔ کسی نے پوچھا: انکار کرنے والا کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا، اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا۔'' (صحیح بخاری ٧٢٨٠)

نیز فرمایا:

١٨: ''جس نے بھی میری سنت سے منہ موڑا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

(بخاری ٥٠٦٣، مسلم:١٤٠١)

١٩: ''جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے بجالاؤ۔'' (بخاری:٧٢٨٨، مسلم:١٣٣٧)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا:

٢٠: نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (بخاری:٦٣١)

٢١: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہماری طرح نماز پڑھی۔ ہمارے قبلہ

کارخ کیا۔اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے۔ (بخاری:۳۹۱)

ایک دوسری روایت میں ہے۔

۲۲: ''مجھے اللہ نے حکم دیا کہ میں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں جب تک لوگ اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہ کرلیں،اور ہماری طرح نماز پڑھیں۔ (بخاری۳۹۲)

۲۳: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میری سنت کو اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑلو۔''

(ابوداود:۴۶۰۷،الترمذی:۲۶۷۶وقال:حسن صحیح وصححہ ابن حبان:۱۰۲والحاکم۱/۹۵،۹۶ووافقہ الذہبی)

۲۴: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے وہ تمہیں ایسی ایسی احادیث سنائیں گے جنہیں تم نے اور تمہارے آباواجداد نے نہیں سنا ہوگا۔لہٰذا ان سے اپنے آپ کو بچانا۔کہیں ایسانہ ہوکہ وہ تمہیں گمراہ کردیں اورفتنہ میں ڈال دیں۔

(مسلم:۷)

محترم بھائیو، بزرگو!اپنی نمازوں کی اصلاح کیجئے اور امام الانبیاء رسول کریم ﷺ کی بنائی ہوئی ''نمازمحمدی'' کو سینے سے لگائیں۔اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

۲۵: ''جوشخص اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گا۔'' (الاحزاب:۷۱)

ورنہ یادرکھیں!''قیامت کے دن انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے'' (بخاری:۳۶۸۸مسلم:۲۶۳۹)

وما علینا إلا البلاغ [الحدیث:۱۱]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

ترکِ رفع یدین اور "تفسیر" ابنِ عباس

[ایک دیوبندی شخص نے محترم ابوالاسجد محمد صدیق رضا حفظہ اللہ کو رفع یدین کے سلسلے میں ایک خط لکھا تھا جس کا انھوں نے مسکت جواب دیا۔ ویسے تو جس شخص نے یہ خط لکھا تھا، اس کی علمی حیثیت کچھ نہیں، البتہ یہ دلائل آلِ تقلید کے اکابر بھی "رفع الیدین عندالرکوع والرفع منہ" کے خلاف پیش کرتے رہتے ہیں۔ تقریباً ہر مقام پر ہر دلیل کے جواب سے پہلے جناب محمد صدیق رضا صاحب نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ افادۂ عام کے لئے ہم اس جواب کو معمولی تبدیلی کے ساتھ فاضل مجیب کی رضا مندی سے "الحدیث" میں شائع کر رہے ہیں۔/ حافظ ندیم ظہیر]

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین وعلی آلہ و أصحابہ أجمعین، أما بعد:

(جناب...) صاحب! آپ کی طرف سے "رفع یدین" کے مسئلے پر ایک عدد چھوٹی پرچی اور ایک چار ورقی تحریر، بھائی انور قاسم صاحب و عبدالخالق نے عنایت فرمائی اور اس کے جواب کا مطالبہ کیا کہ اس کا جواب لکھو۔

اس موضوع پر اب تک اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اس پر مزید لکھنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی، لیکن ابھی اس بات کو بمشکل چند دن ہی گزرے کہ خود جناب کی طرف سے انتہائی شدت کے ساتھ جواب کا مطالبہ شروع ہو گیا، اور آپ کے انداز سے تو یوں لگتا تھا کہ گویا آپ نے اپنی اس چار ورقی تحریر + چھوٹی پرچی میں بہت بڑا امیدان مار لیا ہے جو جناب سے پہلے کسی کے لئے ممکن نہ ہوا تھا، پھر آپ کا یہ جارحانہ انداز کہ "جواب سے سکوت کر کے گونگا شیطان بننے کی اجازت نہیں" (آپ کی تحریر ص ۴)

پس بادل نخواستہ کچھ معروضات عرض کرنے پر آمادہ ہوا، اس سلسلے میں پہلے آپ کی

چار ورقی تحریر سے متعلق کچھ معروضات عرض کرنا چاہوں گا، پھر ان شاء اللہ آپ کی چھوٹی سی پرچی کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کیا جائے گا، تو آیئے آپ کی قدرے تفصیلی تحریر پر غور وفکر کرتے ہیں۔ آپ کی پہلی دلیل ایک تفسیری روایت ہے، جو آپ نے کچھ اس طرح نقل فرمائی ہے:

''قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: ﴿ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾''(المؤمنون:۲)

(چند سطور بعد)......اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیت کا معنیٰ امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کیا ہے:۔ **مخبتون متوا ضعون لا یلتفتون یمیناً و لا شمالاً و لا یرفعون أیدیهم فی صلاتهم** (تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص ۲۵۹) خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے۔'' (آپ کی تحریر ص۱)

.....صاحب! کم از کم عبارت کا ترجمہ تو لکھ دیتے، غالباً جناب نے یہ دلیل (دیوبندیوں کی کتاب) آٹھ مسائل (ص ۱۹) سے نقل کی ہے وہاں صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے جتنا جناب نے نقل کیا، ترجمہ تو وہاں بھی نہیں۔

امین اوکاڑوی دیوبندی نے بھی مجموعہ رسائل (جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ لاہور) میں یہ قول اس طرح نقل کیا:'' **قال ابن عباس : الذین لا یرفعون اید یهم فی صلاتهم**''

لیکن آپ کے نقل کردہ الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں، البتہ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی صاحب اپنی کتاب ''نور الصباح'' (ص ۷۲ طبع دوم) میں بالکل انھی الفاظ میں یہ روایت لائے ہیں۔ اُنھی کا ترجمہ نقل کئے دیتا ہوں، لکھا ہے: ''عاجزی وانکساری کرنے والے جو دائیں اور بائیں نہیں دیکھتے اور نہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں'' (نور الصباح ص ۷۲)

مسئلہ زیر بحث میں یہ عبارت اہم ہے سو اسی لئے آپ کی (اپنی تسلیم کردہ) معتبر شخصیت کا ترجمہ ضروری تھا۔

آمدم برسر مطلب !.....صاحب زحمت فرما کر یہ تفسیر اصل ماخذ سے ملاحظہ کیجئے تو اس کے شروع میں اس تفسیر کی سند نظر آئے گی جو کچھ اس طرح ہے کہ اس کی سند میں تین راوی پائے

جاتے ہیں....محمد بن مروان السدی عن محمد بن السائب الکلبی عن أبي صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔طویل سند میں یہ تینوں نام ایک ہی سلسلہ میں نظر آئیں گے۔

(تنویر المقباس تفسیر ابن عباس ص ۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ وہ سلسلہ ہے جسے اہل علم ''**سلسلة الكذب**'' (یعنی جھوٹ کا سلسلہ) کے نام سے جانتے ہیں، اس کا پہلا راوی۔

۱: محمد بن مروان السدی الکوفی ہے، السدی الصغیر یا السدی الاصغر کے لقب سے معروف ہے۔حافظ ذہبی اس کے احوال میں لکھتے ہیں: ''**تركوه واتهمه بعضهم بالكذب، وهو صاحب الكلبي**'' اسے (محدثین نے) ترک کر دیا تھا اور بعض نے اسے جھوٹ کے ساتھ متّہم کیا، یہ الکلبی کا شاگرد تھا۔ (میزان الاعتدال ۴/ ۳۲)

ا۔ دیوبندی حلقہ کے نزدیک موجودہ دور کے ''امام'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''اور محمد بن مروان السدی الصغیر کا حال بھی سن لیجئے:

امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی روایت ہر گز نہیں لکھی جا سکتی۔(ضعفاء صغیر امام بخاری ص ۲۹)

اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (ضعفاء امام نسائی ص ۵۲)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام نے اس کو ترک کر دیا ہے اور بعض نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے۔امام ابن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ابن عدی کا بیان ہے کہ جھوٹ اس کی روایت پر بالکل بین ہے۔(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۳۲) امام بیہقی فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۹۴) حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ وہ بالکل متروک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵) علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (شفاء السقام ص ۳۷)

علامہ محمد طاہر لکھتے ہیں کہ وہ کذاب ہے (تذکرہ الموضوعات ص ۹۰)

جریر بن عبدالحمید فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے۔یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔صالح بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا'' **وكان**

یضع ''(خود جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا) ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اس کی حدیث ہرگز نہیں لکھی جاسکتی۔'' (ازالۃ الریب ص ۳۱۶)

۲۔ یہی موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''صوفی صاحب نے اپنے بڑوں کی پیروی کرتے ہوئے روایت تو خوب پیش کی ہے مگر ان کو سودمند نہیں کیونکہ ''سدی'' فنِ روایت میں ''ہیچ'' ہے۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں ''ھو کذاب شتام '' وہ بہت بڑا جھوٹا اور تبرائی تھا..... امام طبری فرماتے ہیں کہ اس کی روایت سے احتجاج درست نہیں ..... اس روایت کی مزید بحث ازالۃ الریب میں دیکھئے۔ ان بے جان اور ضعیف روایتوں سے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا'' (تفریح الخواطر فی ردتنویر الخواطر ص ۷۷ تا ۷۸)

۳۔ سرفراز صاحب اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

''سدی کا نام محمد بن مروان ہے...... امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بالکل ترک کر دیا ہے (حیرت ہے کہ امام احمد بن حنبل جیسی نقاد حدیث شخصیت تو اس کی روایت کو ترک کرتی ہے مگر مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کی جماعت اس کی روایت سے......)''

(تنقید متین ص ۱۶۸)

۴۔ موصوف اپنی ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

''سدی کذاب اور وضاع ہے'' (اتمام البرہان ص ۴۵۵) ''صغیر کا نام محمد بن مروان'' ہے امام جریر بن عبدالحمید فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے اور صالح بن محمد فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا بقیہ محدثین بھی اس پر سخت جرح کرتے ہیں۔ انصاف سے فرمائیں کہ ایسے کذاب راوی کی روایت سے دینی کونسا مسئلہ ثابت ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے؟''

(اتمام البرہان ص ۴۵۸)

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ''آپ لوگ سُدی کی ''دُم'' تھامے رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۷)

سرفراز خان صاحب مزید فرماتے ہیں: ''آپ نے خازن کے حوالے سے ''سدی کذاب'' کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی ''علمی رسوائی'' کے لئے بالکل کافی ہے اور یہ ''داغ'' ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۸)

تنبیہ: موجودہ دور میں رفع یدین کے خلاف ''تفسیر ابن عباس'' نامی کتاب سے استدلال کرنے والوں نے بقولِ سرفراز خان صفدر صاحب سُدی کی دُم تھام رکھی ہے اور ان لوگوں کی پیشانی پر رُسوائی کا یہ داغ ہمیشہ چمک رہا ہے۔

[محمد بن مروان السدی کے بارے میں محدثین کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ بخاری نے کہا: سکتوا عنه یہ متروک ہے (التاریخ الکبیر ۱/۲۳۲)
لا یکتب حدیثه البتة، اس کی حدیث بالکل لکھی نہیں جاتی۔ (الضعفاء الصغیر: ۳۵۰)

۲۔ یحییٰ بن معین نے کہا: لیس بثقة وہ ثقہ نہیں ہے۔ (الجرح والتعدیل ج ۸ ص ۸۶ وسندہ صحیح)

۳۔ ابوحاتم رازی نے کہا: هو ذاهب الحدیث، متروك الحدیث، لا یکتب حدیثه البتة، وہ حدیث میں گیا گزرا ہے، متروک ہے، اس کی حدیث بالکل لکھی نہیں جاتی۔ (الجرح والتعدیل ۸/۸۶)

۴۔ نسائی نے کہا: یروي عن الکلبي ، متروك الحدیث وہ کلبی سے روایت کرتا ہے، حدیث میں متروک ہے۔ (الضعفاء والمتروکون: ۵۳۸)

۵۔ یعقوب بن سفیان الفارسی نے کہا: وهو ضعیف غیر ثقة. (المعرفة والتاریخ ۳/۱۸۶)

۶۔ ابن حبان نے کہا: کان ممن یروي الموضوعات عن الأثبات، لا یحل کتابة حدیثه إلا علی جهة الإعتبار ولا الإحتجاج به بحال من الأحوال، یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایتیں بیان کرتا تھا، پرکھ کے بغیر اس کی روایت لکھنا حلال نہیں ہے۔ کسی حال میں بھی اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے (المجروحین ۲/۲۸۶)

۷۔ ابن نمیر نے کہا: کذاب ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۱۳۶ وسندہ حسن، یاد رہے کہ الضعفاء الکبیر میں غلطی سے ابن نمیر کے بجائے ابن نصیر چھپ گیا ہے)

۸۔ حافظ ہیثمی نے کہا: وهو متروك (مجمع الزوائد ۹۹/۸)

أجمعوا علی ضعفه. اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ (مجمع الزوائد ۲۱۴/۱)

۹۔ حافظ ذہبی نے کہا: کوفي متروك متهم. (دیوان الضعفاء: ۳۹۶۹)

۱۰۔ حافظ ابن حجر نے کہا: "متهم بالکذب" (تقریب التہذیب: ۶۲۸۴)]

دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔

اس کے متعلق سرفراز خان صاحب نے لکھا ہے:

"کلبی کا حال بھی سن لیجئے...... کلبی کا نام محمد بن السائب بن بشر ابو النضر الکلبی ہے۔ امام معتمر بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے کذاب تھے، ایک ان میں سے کلبی تھا اور لیث بن ابی سلیم کا بیان ہے کہ کوفہ میں دو بڑے بڑے جھوٹے تھے۔ ایک کلبی اور دوسرا اسدی۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ لیس بشيء، امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ اور ابن مہدی نے اس کی روایت بالکل ترک کر دی تھی۔ امام ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ابو جزء نے فرمایا: میں اس بات پر گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔ میں نے جب یہ بات یزید بن زریع سے بیان کی تو وہ بھی فرمانے لگے کہ میں نے بھی ان سے یہی سنا کہ "أشهد أنه کافر" میں نے اس کے کفر کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا:

"یقول کان جبرائیل یوحي إلی النبي ﷺ فقام النبي لحاجته وجلس علي فأوحي إلی علي" کلبی کہتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی طرف وحی لایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کسی حاجت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے تو جبرئیل علیہ السلام نے ان پر وحی نازل کر دی۔

(یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ موردِ وحی اور منبط وحی کو نہ پہچان سکے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول سمجھ کر ان کو وحی سنا گئے...... اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس بھولے بھالے جبرائیل علیہ السلام نے آگے پیچھے کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہوں گی اور کن کن پر وحی نازل کی ہو گی اور نہ معلوم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی وہ اس خفیہ وحی میں کیا کچھ کہہ گئے

ہوں گے، ممکن ہے یہ خلافت بلافصل ہی کی وحی ہو جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان میں پھونک گئے ہوں گے۔ بات ضرور کچھ ہوگی۔ آخر کلبی کا بیان بلا وجہ تو نہیں ہوسکتا، اور کلبی کے اس نظریہ کے تحت ممکن ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلی ہی وحی میں بھول کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا گئے ہوں اور مقصود کوئی اور ہو اور عین ممکن ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہوں، آخر کلبی ہی کے کسی بھائی کا یہ نظریہ بھی تو ہے:

جبرائیل کہ آمد چوں از خالق بے چوں   بہ پیش محمد شد و مقصود علی بود

معاذ اللہ تعالیٰ، استغفر اللہ تعالیٰ، کلبی نے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی کو ایک ڈراما اور کھیل بنا کر رکھ دیا ہے العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ۔ صفدر)

بلکہ کلبی نے خود یہ کہا ہے کہ جب میں بطریق ابو صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کوئی روایت اور حدیث تم سے بیان کروں تو ''فهو كذب'' (وہ جھوٹ ہے) امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرام سب اس پر متفق ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اس کی کسی روایت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ علی بن الجنید، حاکم ابو احمد اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور ساقط ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ اس کی روایت جھوٹ پر جھوٹ بالکل ظاہر ہے اور اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ساجی کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے، حافظ ابو عبداللہ الحاکم کہتے ہیں کہ ابو صالح سے اس نے جھوٹی روایتیں بیان کی ہیں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:'' **وقد اتفق ثقات أهل النقل على ذمه وترك الرواية عنه في الأحكام والفروع**'' تمام اہل ثقات اس کی مذمت پر متفق ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ احکام اور فروع میں اس کی کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ کلبی کی تفسیر اول سے لے کر آخر تک سب جھوٹ ہے اس کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۲) اور علامہ محمد طاہر الحنفی لکھتے ہیں

کہ کمزورترین روایت فن تفسیر میں کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس ہے اور **فإذا انضم إليه محمد بن مروان السدي الصغير فهي سلسلة الكذب** . (تذکرۃ الموضوعات ص۸۳ و اتقان ج۲ ص۱۸۹) اور اس روایت میں خیر سے یہ دونوں شیر جمع ہیں۔''

(ازالۃ الریب ص۳۱۶،۳۱۶)

نیز دیکھئے تنقید متین ص ۱۶۷، ۱۶۹۔

[محمد بن السائب، ابوالنضر الکلبی کے بارے میں محدثین کرام کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ سلیمان التیمی نے کہا: ''**كان بالكوفة كذابان أحدهما الكلبي**'' کوفہ میں دو کذاب تھے، ان میں سے ایک کلبی ہے (الجرح والتعدیل ۲۷۰/۷ وسندہ صحیح)

۲۔ قرہ بن خالد نے کہا: ''**كانوا يرون ان الكلبي يرزف يعني يكذب**'' لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کلبی جھوٹ بولتا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۷۰/۷ وسندہ صحیح)

۳۔ سفیان ثوری نے کہا: ہمیں کلبی نے بتایا کہ تجھے جو بھی میری سند سے عن ابی صالح عن ابن عباس بیان کیا جائے تو وہ جھوٹ ہے، اسے روایت نہ کرنا۔

(الجرح والتعدیل ۲۷۱/۷ وسندہ صحیح)

۴۔ یزید بن زریع نے کہا: کلبی سبائی تھا۔ (الکامل لابن عدی ۲۱۲۸/۵ وسندہ صحیح)

۵۔ محمد بن مہران نے کہا: کلبی کی تفسیر باطل ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۷۱/۷ وسندہ صحیح)

۶۔ جوزجانی نے کہا: **كذاب ساقط**. (احوال الرجال:۳۷)

۷۔ یحییٰ بن معین نے کہا: **ليس بشيءٍ**، کلبی کچھ چیز نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری:۱۳۴۴)

۸۔ ابوحاتم الرازی نے کہا: ''**الناس مجتمعون على ترك حديثه ، لا يشتغل به، هو ذاهب الحديث**'' اس کی حدیث کے متروک ہونے پر لوگوں کا اجماع ہے۔ اس کے ساتھ وقت ضائع نہ کیا جائے وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۲۷۱/۷)

۹۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**المفسر متهم بالكذب ورمي بالرفض**''

(تقریب التہذیب:۵۹۰۱)

۱۰۔ حافظ ذہبی نے کہا: ''ترکوہ''یعنی (محدثین نے) اسے ترک کردیا ہے۔

(المغنی فی الضعفاء:۵۵۴۵) [

تیسرا راوی باذام ابوصالح ہے۔

۱۔ ابوحاتم الرازی نے کہا: **یکتب حدیثه و لا یحتج به.** (الجرح والتعدیل ۲/۴۳۲)

۲۔ نسائی نے کہا: **ضعیف کوفي.** (الضعفاء والمتروکین:۷۲)

۳۔ بخاری نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (رقم: تحفۃ الاقویاء ص۲۱)

۴۔ حافظ ذہبی نے کہا: ''**ضعیف الحدیث**'' (دیوان الضعفاء:۵۴۴)

۵۔ حافظ ابن حجر نے کہا: ''**ضعیف یرسل**'' (تقریب التہذیب:۶۳۴)

بعض علماء نے باذام مذکور کی توثیق بھی کر رکھی ہے مگر جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں یہ توثیق مردود ہے۔]

(......صاحب)! آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ، متروک، ساقط، متہم بالکذب، کذاب، یکذب اور یضع یہ ساری شدید جرحیں ہیں، جن راویوں پر ان الفاظ میں جرح کی گئی ہو اُن کی روایت قابل قبول ہوتی ہے نہ حجت، بالخصوص جب اُن کی کسی نے توثیق بھی نہ کی ہو۔ آپ کی پیش کردہ تفسیری روایت کے یہ تینوں راوی ایسی ہی جرح کے حامل مجروح راوی ہیں، ان جھوٹوں کی روایات کو، سچے لوگ ماننا تو درکنار پیش کرنا بھی روا نہیں جانتے، لیکن آپ نے اسے پیش کردیا، اب آپ پر لازم ہے کہ پہلے ان کی ثقاہت ثابت کریں اگر ایسا نہ کرسکیں اور ان شاء اللہ ہرگز نہ کرسکیں گے تو اس روایت کے پیش کرنے سے علانیہ رجوع کریں، آپ کی پیش کردہ اس روایت کی سند سے متعلق حافظ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:

''**وأوهی طرقه طریق الکلبي عن أبي صالح عن ابن عباس فإن انضم إلی ذلك روایة محمد بن مروان السدي الصغیر فهي سلسلة الکذب**'' تمام طرق میں سب سے کمزور ترین طریق ''**الکلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضي**

اللّٰه عنه'' ہے اور اگر اس روایت کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر بھی مل جائے تو پھر یہ سند ''سلسلة الکذب'' کہلاتی ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ج۲ص۴۱۶)

واضح رہے کہ یہ سند سلسلة الکذب ابو صالح تک ہے'' **الصحابة کلھم عدول رضي اللّٰه عنھم**'' صحابہ رضی اللہ عنہم تمام کے تمام عادل ہیں یہ قاعدہ کلیہ ہے، البتہ ان سے روایت کرنے والے بعد کے راویوں کا عادل وثقہ..... ہونا ضروری ہے یہ بھی ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

دوسری بات: اگر یہ روایت سنداً صحیح ہوتی تو بھی آپ کے لئے مفید نہ ہوتی، اس کا ترجمہ ہم نے آپ کے معتبر ''مناظرِ اسلام'' حبیب اللہ ڈیروی صاحب سے شروع میں نقل کیا ہے، اور آپ نے آٹھ مسائل (ص۱۹) سے نقل کرتے ہوئے لکھا ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' (ص۱) اس میں کسی خاص موقع کے رفع الیدین کی صراحت نہیں، بلکہ یہ عام الفاظ ہیں جس کی زد میں بعض مقام پر خود احناف بھی آتے ہیں، کیا آپ نماز کے شروع میں رفع الیدین نہیں کرتے؟ کیا آپ وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت سے پہلے رفع الیدین نہیں کرتے؟ کیا آپ ہر سال عیدین کی نمازوں میں تکبیرات زائدہ کے ساتھ رفع الیدین نہیں کرتے؟؟؟

اگر آپ کرتے ہیں اور یقیناً کرتے ہیں، تو خود آپ اس روایت کے مخالف ہیں۔ آپ ان تین مقامات کے رفع الیدین کو کس طرح بچائیں گے؟ اور اس قول کے عین برخلاف اپنی پڑھی جانے والی نمازوں کو کس طرح خشوع وخضوع والی نماز ثابت کریں گے؟ جبکہ خشوع کے لئے آپ کے نزدیک نماز کا رفع الیدین سے پاک ہونا ضروری ہے یا آپ کے نزدیک ان تینوں مقامات کے وقت رفع الیدین نماز کا حصہ نہیں؟ آپ کے نزدیک جو بھی اصل صورت حال ہے اُس کی وضاحت کریں، کیونکہ اس میں رکوع سے پہلے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین سے منع کی صراحت نہیں، کما تری۔ جب اس کی صراحت نہیں تو یہ عام ہوئے، اور جب رکوع سے قبل و بعد کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے عام

ہوئے، تو یہ الفاظ آپ کے بھی خلاف ہوئے، اس روایت کے مطابق آپ کی نمازیں بھی خشوع وخضوع کے خلاف ہوئیں فانظر ماذا تریٰ ؟

تیسری بات: آپ نے ہمیں تو صریح الفاظ میں بیان کا حکم دیا، جیسا کہ آپ نے لکھا:

''ان سوالوں کا جواب قرآن کریم کی ''صریح'' آیت یا صحیح ''صریح'' غیر متعارض حدیث سے دینا لازم ہے (ص ۴) ''صریح'' کے معنی تو جناب کو معلوم ہوں گے نا؟! واضح، کھلا ہوا، تو جناب نے شرط رکھی کہ آیت ہو تو ''صریح'' حدیث ہو تو صریح۔!

پھر بزعم خود رکوع سے قبل و بعد .... کے رفع الیدین کے خلاف جو پہلی دلیل نقل فرمائی وہ ''غیر صریح'' ہے، جس میں سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں بلکہ ''**لا یرفعون أیدیهم فی الصلاة**'' کے عام الفاظ ہیں کہ ''نمازوں میں ہاتھ نہیں اٹھاتے'' کیا اس میں صراحت ہے؟ اگر اصول محض بنانے اور مخالفین کا منہ بند کرانے کے لئے نہیں ہوتے تو ان عام الفاظ پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟ کیا آپ جس وقت نماز کی ابتدا میں کانوں کی لو تک رفع الیدین کرتے ہیں اس وقت آپ کے خیال سے آپ نماز میں نہیں ہوتے؟ اگر نماز میں ہی ہوتے ہیں تو کیوں رفع الیدین کرتے ہیں؟ آپ کی پیش کردہ جھوٹی روایت میں تو یہ ہے ''**لا یرفعون أیدیهم فی الصلاة**'' نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے۔ پھر آپ شروعِ نماز میں نیز وتر اور عیدین کی نمازوں میں رفع الیدین کیوں کرتے ہیں؟ الغرض یہ الفاظ عام ہیں آپ کسی طرح بھی اس میں رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ کی صراحت ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتے، جب آپ اپنے ہر ہر عمل کو صریح آیت اور صریح حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے تو اپنے مخالفین سے کس منہ سے ''صریح'' کا مطالبہ کرتے ہیں؟ جب تک آپ ان الفاظ میں رکوع سے قبل و بعد کی صراحت ثابت نہیں کرتے اپنے اصول کے مطابق آپ یہ دلیل پیش نہیں کر سکتے کہ اس میں صراحت مفقود ہے۔

چوتھی بات: آپ نے سورۃ المؤمنون کی جو آیت کریمہ نقل فرمائی۔ یہ مکی سورت ہے جناب محمود حسن صاحب (دیوبندی) نے ترجمۂ قرآن میں لکھا ہے ''سورہ مؤمنون مکہ میں

اتری اس سے واضح ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع کا حکم مکہ ہی میں نازل ہو چکا تھا، اب ذرا اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ''رفع الیدین'' پر رسول اللہ ﷺ کا عمل خود آپ کی معتبر شخصیت کی تحریر کی روشنی میں کب تک رہا، اس سے پہلے صحیح بخاری کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے: ''**عن أبي قلابة أنه رأىٰ مالك بن الحويرث إذا صلىٰ كبر ورفع يديه و إذا أراد أن يركع رفع يديه وإذارفع رأسه من الركوع رفع يديه وحدث أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صنع هكذا**''

ابو قلابہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو جب وہ نماز پڑھتے تو تکبیر کہتے اور رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے (یعنی رفع الیدین کرتے) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور انہوں نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح کیا۔ (صحیح البخاری، ج ا ص ۱۰۲ باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع، قدیمی کتب خانہ) [یہ حدیث صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۸ ح ۳۹۱ میں بھی ''**كان يفعل هكذا**'' آپ اسی طرح کرتے تھے، کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔]

اب ذرا اپنی معتبر شخصیت جناب سرفراز خان صفدر صاحب کی سنیں، وہ کیا فرماتے ہیں: ''حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۰ میں لکھتے ہیں: **مالك بن الحويرث قدم المدينة حين التجهيز للتبوك فأقا مه عنده عشرين ليلة،** انتہیٰ اور غزوۂ تبوک ۹ ھ میں ہوا تھا، اُس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر مبارک تقریباً باسٹھ (۶۲) سال تھی۔''

(خزائن السنن حصہ دوم ج ا ص ۱۱۴، مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

اس حوالے سے واضح ہوتا ہے کہ (سرفراز خان صفدر کے نزدیک بھی) سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے تقریباً آخری زمانے میں آپ ﷺ کو دیکھا اور بیس (۲۰) راتیں آپ ﷺ کے ہاں مدینہ میں قیام فرمایا، اس دوران میں انھوں نے آپ ﷺ کو اختتامِ نماز میں اور رکوع سے قبل وبعد رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا، مطلب بالکل واضح

ہے کہ ان کی اس حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ تقریباً (٦٢) سال کی عمر مبارک تک رفع الیدین پر عمل پیرا رہے، آپ ﷺ (٤٠) سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد بائیس (٢٢) سال تک آپ ﷺ نماز میں رفع الیدین کرتے رہے، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی۔ خود آپ کے مسلمہ اصول کے مطابق۔ اب آیئے اپنی پیش کردہ تفسیری روایت کی طرف، یہ تفسیر جس آیت کے تحت بیان کی گئی ہے وہ مکی سورت کی آیت ہے جس میں خشوع وخضوع کا حکم ہے، اور اس تفسیر کے مطابق نماز میں رفع الیدین کرنا خشوع وخضوع کے منافی ہے، اور رفع الیدین نہ کرنا خشوع وخضوع کے مطابق ہے، آپ کی پیش کردہ اس تفسیر کی روشنی میں تو (خاکم بدہن) رسول اللہ ﷺ اپنی باسٹھ (٦٢) سال کی عمر مبارک تک بغیر خشوع وخضوع والی نماز پڑھتے رہے۔ (نعوذ باللّٰہ من ھٰذالکفر)

اور اگر ہم اس سورت کے زمانۂ نزول کو مکی زندگی کے آخری حصہ کو بھی مان لیں تب بھی یہ ثابت ہوگا کہ خشوع کے حکم والی ان آیات کے نازل ہو جانے کے نو (٩) سال بعد تک (معاذ اللہ) رسول اکرم ﷺ اس آیت کریمہ کا مفہوم نہ سمجھ پائے اور اس کے برخلاف نماز میں رفع الیدین کرتے رہے (معاذ اللہ) جو اس تفسیر کی روشنی میں خشوع کے خلاف ہے۔

(معاذ اللہ) جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ "خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع الیدین بھی نماز میں نہ کرے۔" (ص ا) محترم ......! اللہ تعالیٰ آپ کا "اقبال" بلند فرمائے، اگر آپ تعصب، جانبداری، ضد اور ہٹ دھرمی سے دور رہ کر قلب سلیم کے ساتھ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو اپنے علماء کی پیش کردہ نام نہاد تفسیر جو کہ ابو صالح جیسے سخت ضعیف اور السدی الصغیر جیسے کذاب ومتروک راوی اور "الکلبی" جیسے رافضی وسبائی، کذاب اور دین اسلام کے خطرناک دشمن نے بیان کی ہے۔ آپ ان کی اس چال اور اس روایت کی قباحت وشناعت سے ہرگز انکار نہ کر پائیں گے، ان کذاب لوگوں کی بیان کردہ اس نام نہاد

تفسیر کی اس سے بڑھ کر قباحت و شناعت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس سے اتقی الناس و اخشع الناس، امام المتقین و امام الخاشعین محمد رسول اللہ ﷺ کی نماز (نعوذ باللہ) خشوع و خضوع سے خالی ثابت ہوئی ہے۔ (نعوذ باللہ) کیا کوئی ادنیٰ ایمان والا شخص بھی کبھی اس کا تصور کر سکتا ہے؟

واللہ! آپ ﷺ کی نماز سے زیادہ کسی انسان کی نماز خشوع و خضوع والی نہیں ہوسکتی، اسی لئے تو حکمِ الٰہی سے آپ نے اپنی اُمت کو اس بات کا حکم دیا کہ " صلوا کما رأیتموني أصلي" نماز اسی طریقے سے پڑھو جس طریقے سے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔"
(بخاری: ۶۳۱) [اور یہ تو ہمارے اور آپ کے ہاں مسلم ہے کہ نبی کریم ﷺ بغیر وحی کے کسی بات کا حکم نہیں دیتے تھے۔] فافهم

واضح رہے کہ یہ تمام تر قباحتیں اس صورت میں لازم آتی ہیں جب آپ یہ کہیں جیسا کہ آپ نے (کتاب) آٹھ مسائل (ص ۱۹) سے لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہوئے لکھا بھی ہے:
"خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کریں۔" (آپ کی تحریر ص ۱)

ہاں! اگر آپ اپنی اس نقل فرمودہ بات سے "رجوع" کرلیں تو یہ قباحت لازم نہیں آتی، امید ہے کہ آپ غور فرمائیں گے۔ بصورت دیگر ان تمام باتوں کی اصل حقیقت پیش فرمائیں۔ چلتے چلتے یہ بھی سن لیں کہ رفع الیدین عاجزی و انکساری، خشوع و خضوع اور سکون کے منافی ہرگز ہرگز نہیں بلکہ عین عاجزی و انکساری کا اظہار ہے، اگر آپ تسلیم نہیں کرتے تو اپنے اکابر علماء میں سے علامہ عبدالحئی حنفی لکھنوی کی منقول عبارت ملاحظہ کیجئے، لکھتے ہیں: "رفع الیدین عند الإفتتاح و غیره ، خضوع ، و استکانة ، و ابتهال و تعظیم للّٰہ تعالی ، و اتباع سنة نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم" رفع الیدین کرنا افتتاح (صلوٰۃ) کے وقت اور اس کے علاوہ خضوع ہے، عاجزی و انکساری ہے، گڑگڑانا ہے (اللہ کے سامنے) اور اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع ہے۔
(التعلیق الممجد علی موطا محمد، ج ۱ ص ۳۷۵، حاشیہ ۳، قدیمی کتب خانہ)

محترم......! غور کیجئے گا، یہ رفع الیدین رب کے حضور عاجزی و انکساری، خشوع و خضوع کا اظہار صرف عندالافتتاح ہی نہیں بلکہ ''وغیرہ'' اس کے علاوہ دیگر مقام پر بھی ہے جیسے متواتر احادیث کی روشنی میں رکوع سے قبل اور رکوع سے اٹھنے کے بعد، اب یہ تو عجیب بات ہوئی کہ آپ کے ''علامہ'' وکثیر التصانیف معتبر شخصیت ''رفع الیدین'' کا شروع نماز کے علاوہ دیگر مقام پر بھی عاجزی وانکساری ہونا نقل فرما کر تسلیم کریں اور آپ اسے خشوع و خضوع کے منافی قرار دیں، اور پھر خود وتر میں روزانہ اور عیدین میں بار بار شروع نماز کے علاوہ بھی اس عمل کو دہرائیں، لیکن تناقض وتضاد کی عمدہ مثال بن کر اسی عمل کو خشوع وخضوع کے خلاف کہنے کی رٹ بھی لگائے رکھیں، خود بگوایں کارِ نادان نیست؟ پھر آپ تو ماشاء اللہ ایک ''مذہبی مدرسہ'' کے طالب علم ہیں۔!

سوال (۱): کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ''رفع الیدین'' شروعِ نماز میں اور درمیان وتر میں اور عیدین کی نمازوں کے درمیان خشوع وخضوع کے خلاف کیوں نہیں اور رکوع سے قبل رکوع سے اٹھنے کے بعد اور تیسری رکعت کے شروع میں خشوع وخضوع کے خلاف کیوں ہے؟

سوال (۲): کیا اپنے اس ''خاص دعوی'' کی دلیل خاص قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کر سکتے ہیں؟ یا جواب ندارد والا معاملہ ہے؟

سوال (۳): بقول آپ کے نماز میں شروع کے علاوہ ''حدیث'' میں .....نماز کے اندر رفع یدین سے روکنا ہے۔(دیکھئے اپنی تحریر ص۲ سطر نمبر ۱۲،۱۳) بس یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں بقدر ضرورت ہم نے نقل کر دیئے۔ کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ وتر میں جو آپ ''رفع الیدین'' کرتے ہیں وہ نماز کے اندر نہیں ہے؟

سوال (۴): کیا آپ رسول اللہ ﷺ سے نماز وتر میں اس رفع الیدین کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

امید ہے کہ میرے یہ سوالات آپ کے جوابات کے ''مستحق'' ٹھہریں گے، اللہ کرے ایسا ہی ہو! آمین۔ چونکہ اگر ایسا نہ ہو تو آپ اپنے ہی قول کے مطابق ''گونگے

شیطان'' ثابت ہوں گے۔

پانچویں بات: آپ نے لکھا ہے ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع الیدین بھی نماز میں نہ کرے۔'' (ص ۱) تو یقیناً خشوع بھی ضروری ہے خاص طور پر جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ اوراس کے پیارے رسول ﷺ نے اس کی اہمیت بیان فرمائی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴾ یقیناً فلاح پائی مومنوں نے، جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ (سورۃ المؤمنون:۱تا۲)

معلوم ہوا کہ فلاح وکامیابی وکامرانی کے لئے خشوع لازمی ٹھہرا بلکہ فلاح کے حصول کی پہلی کڑی ہے۔

﴿وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ﴾

اور مدد طلب کرو صبر اور نماز (کے ذریعے سے) بے شک وہ بہت بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر (نہیں)۔ (البقرۃ:۴۵)

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ خشوع اختیار کرنے والوں کے علاوہ لوگوں پر نماز بھاری ہے، نماز کو ہمیشگی کے ساتھ برضا ورغبت ادا کرنے کے لئے خشوع کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس سے آپ خشوع کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر اقامتِ صلوٰۃ جو بعد از ایمان اولین فریضہ ہے اس کی ادائیگی بھاری ہے۔

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خمس صلوات افترضهن اللّٰه عز وجل، من أحسن وضوئهن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على اللّٰه عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس له على اللّٰه عهد إن شاء غفر له وإن شاء عذبه.)) اللہ عزوجل نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جس نے ان کے (ادائیگی کے) لئے اچھا وضو کیا، اور ان کے اوقات پر ان نمازوں کو پڑھا، ان کے رکوع (وسجود) وخشوع کو پورا کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے بخش دے گا، اور جس نے ایسا نہیں کیا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا کوئی

عہد نہیں اگر چاہے تو اسے معاف کر دے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

(موطا امام مالک باب الامر بالوتر ۱/۱۲۳ ح ۲۶۷، سنن النسائی باب المحافظۃ علی الصلوات الخمس ح ۴۶۲، سنن ابی داؤد باب فی المحافظۃ علی وقت الصلاۃ ح ۱۴۲۰، واللفظ لہ وھو حدیث صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بخشش و مغفرت کا وعدہ جن سعادت مند لوگوں کے ساتھ خود رب کریم نے فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے دیگر لوازمات کے ساتھ ساتھ اس کے خشوع کا بھی خیال رکھیں اور اسے مکمل کریں، اگرچہ خشوع کے موضوع پر بکثرت آیات و احادیث مبارکہ وارد ہیں، لیکن فی الوقت اختصار مطلوب ہے، پس خشوع کی اہمیت کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے، یہاں انہیں بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ''خشوع'' ایک مطلوب و محمود چیز ہے، سو بقول آپ کے ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' (آپ کی تحریر ص ۱) قصہ مختصر کہ نماز کے لئے خشوع ضروری ہے اور خشوع کے لئے بقول آپ کے ''رفع الیدین'' نہ کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو یاد رکھئے گا، اب اپنے اکابر و انتہائی معتبر علماء کی سنیں وہ کیا فرماتے ہیں۔

۱: جناب مفتی تقی عثمانی (دیوبندی) صاحب جنہیں آپ کے حلقہ میں ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں: ''البتہ رفع یدین عندالرکوع وعندالرفع منہ میں اختلاف ہے، شافعیہ اور حنابلہ ان دونوں مواقع پر بھی رفع کے قائل ہیں، محدثین کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے مسلک کی حامی ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک ترکِ رفع کا ہے، .... یہاں یہ واضح رہے کہ ائمۂ اربعہ کے درمیان یہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے نہ کہ جواز و عدم جواز کا، چنانچہ دونوں طریقے فریقین کے نزدیک بلا کراہت جائز ہیں........''

مزید لکھتے ہیں: ''بعض شافعیہ نے بھی ترکِ رفع پر فساد کا حکم دے دیا، اور حنفیہ میں سے صاحب منیۃ المصلّی نے رفعِ یدین کو مکروہ لکھ دیا، لیکن حقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی، کہ نہ شافعیہ کے مذہب میں ترکِ رفع مفسدِ صلوٰۃ ہے نہ حنفیہ کے ہاں رفع مکروہ ہے''

(درس ترمذی، باب رفع الیدین عندالرکوع، ج۲ص۲۶)

مسئلہ زیرِ بحث میں آپ کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی عثمانی صاحب نے جو کچھ بیان فرمایا اس میں سے بقدر ضرورت ہم نے یہاں نقل کیا ہے، آپ اسے بغور پڑھیں، اس میں بغیر کسی ایچ پیچ کے اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ احناف کے ہاں رکوع سے قبل اور بعد رفع الیدین پر عمل بلا کراہت جائز ہے۔ اور یہ عمل مکروہ بھی نہیں، بلکہ تقی عثمانی صاحب تو یہ بھی فرماتے ہیں: ''رفع یدین کے مسئلہ پر ہماری آئندہ گفتگو کا منشاء یہ ثابت کرنا نہیں کہ رفع یدین ناجائز ہے یا احادیث سے ثابت نہیں''

(درس ترمذی، باب رفع الیدین عندالرکوع ج۲ص۲۷ مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

محترم بھائی......! آپ کے نزدیک تو رفع الیدین خشوع وسکون کے منافی ہے، جیسا کہ آپ نے آٹھ مسائل (ص۱۹) سے نقل فرمایا کہ ''خشوع کے لئے ضروری ہے کہ رفع یدین بھی نماز میں نہ کرے'' آپ خشوع کے لئے جس عمل سے بچنا اس کا نہ کرنا ''ضروری'' سمجھتے ہیں۔ جی ہاں ضروری! آپ کے ''عظیم مفتی'' اور ''شیخ الاسلام'' اس چیز پر عمل کرنا ''ناجائز'' و''مکروہ'' تو کُجا بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں، اور اسے حقیقت میں ''حنفیہ کا مذہب'' بتلاتے ہیں۔ جیسا کہ خط کشیدہ وجلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

قرآن وسنت سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ''خشوع وخضوع'' بالخصوص نماز میں انتہائی مطلوب اور اہم عمل ہے، تو کیا ایسا عمل جو خشوع جیسے عظیم عمل کے خلاف ہو اس میں خلل ڈالتا ہو وہ بلا کراہت جائز ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، بالکل نہیں اور ہرگز ہرگز نہیں! ایسے عمل کو تو ناجائز ومکروہ ہونا چاہیے اس میں تو کراہت ہونی چاہیے اور خاص طور پر ایسا عمل خشوع حاصل کرنے کے لئے جس کا نہ کرنا ضروری ہو، لیکن آپ کے ''شیخ الاسلام'' صاحب تو رفع یدین کو ناجائز ومکروہ نہیں کہتے اور احناف کے نزدیک اس پر عمل بلا کراہت جائز بتلاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ نماز میں رفع الیدین خشوع کے خلاف نہیں ہے بلکہ رسول اللہ

ﷺ کی اتباع ہے اور یہ عین خشوع اور رب کے حضور عاجزی وانکساری کا اظہار ہے، جیسا کہ آپ کے معتبر عالم علامہ عبدالحئی لکھنوی سے ہم نقل کر آئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ خشوع کے خلاف قرار دینے والے اور اسی لئے رفع یدین نہ کرنا ضروری قرار دینے والے خود اپنے ''حنفی مذہب'' کے علم سے نابلد وکورے ہیں کہ ان کے ''شیخ الاسلام وعظیم مفتی'' بلا کراہت جائز قرار دیتے ہیں اور یہ نہ کرنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

......صاحب! کیا آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ آپ کے ''شیخ الاسلام'' و''عظیم مفتی محترم'' تقی عثمانی صاحب اصل حنفی مذہب بیان فرما رہے ہیں یا آپ لوگ حنفی مذہب کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں؟

یاد رہے کہ ''جواب دینا لازم ہے'' اور جواب سے سکوت کر کے ''گونگا شیطان بننا'' خود جناب کا فرمودہ و بیان کردہ اصول ہے۔ (دیکھئے اپنی تحریر ص ۴ کا آخری پیراگراف) سو اس اصول کی روشنی میں ناچیز کا خیال ہے کہ آپ اپنا ناپسندیدہ ''گونگے شیطان'' کا کردار بننا گوارا نہیں فرمائیں گے، واللہ الموفق وھو أعلم بالصواب۔

[صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی لکھتے ہیں کہ: ''رکوع جاتے وقت اور اس سے اُٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا زیادہ بہتر اور اگر کر لے تو جائز ہے'' / نماز مسنون ص ۳۴۹ مطبوعہ ۱۹۸۶ء]

سوال (۱): آپ نے تو رفع الیدین رکوع سے پہلے اور اس کے بعد کو منسوخ قرار دیا ہے، کیا کسی منسوخ حکم پر عمل کرنا بلا کراہت جائز ہو سکتا ہے؟ جبکہ وہ عمل خشوع کے بھی سخت خلاف ہو؟

سوال (۲): بلا کراہت تو ایک طرف کیا منسوخ پر بکراہت بھی عمل جائز ہو سکتا ہے؟

سوال (۳): رفع الیدین عندالرکوع و بعد الرفع منہ بقول آپ کے منسوخ ہے، اور بقول آپ کے ''شیخ الاسلام وعظیم مفتی'' اس پر بلا کراہت عمل جائز ہے تو کیا ہر ہر منسوخ شے پر بلا کراہت عمل جائز ہے یا صرف رفع الیدین ہی پر باوجود منسوخ ہونے کے عمل جائز ہے؟

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب فرماتے ہیں: ''شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ

البالغہ (ج۲ص۱۰) میں لکھتے ہیں: " والذي يرفع أحب إلى ممن لا يرفع فإن أحاديث الرفع أكثر وأثبت "یعنی جو رفع الیدین کرتا ہے مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اس کے جو رفع الیدین نہیں کرتا پس بے شک رفع الیدین کی احادیث بہت کثرت سے اور زیادہ ثابت شدہ ہیں۔" (نقل بقدر ضرورت۔ من خزائن السنن ج ا حصہ دوم ص ۹۲) کہیں یہ مت سمجھ لیجئے گا کہ یہ تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین سے متعلق فرمایا گیا ہے، اس لئے کہ یہ بات شاہ ولی اللہ صاحب نے رکوع کے رفع الیدین سے متعلق بحث میں لکھی ہے۔

(دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ج۲ص۲۴ تا ۲۵۔ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

آپ کے قول واصول کے مطابق کیا شاہ صاحب کو خلاف خشوع عمل کرنے والے زیادہ محبوب تھے؟

[شاہ ولی اللہ وغیرہ کے یہ اقوال بطورِ الزام پیش کئے گئے ہیں۔ ان علماء کا ترک رفع یدین کو جائز سمجھنا احادیث صحیحہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے]

[ابوحمزہ (عمران بن ابی عطاء الاسدی، تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رأيت ابن عباس يرفع يديه إذاافتتح الصلوٰة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع "میں نے (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا کہ وہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن)

یہ روایت مسائل الامام احمد (روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۲۴۴ ح ۳۳۱) مصنف عبدالرزاق (۲/۶۹ ح ۲۵۲۳) اور جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۲۱) میں بھی موجود ہے۔ طاؤس (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ (بن عباس) کو نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۲۸ وسندہ صحیح) سیدنا ابن عباس کا نماز میں رفع یدین کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نماز میں رفع یدین خشوع وخضوع کے خلاف نہیں ہے۔]

[الحدیث: ۱۸، ۱۹، ۲۶]

اعظم المبارکی

نمازِ عید، عیدگاہ (یا کھلے میدان) میں پڑھنا سنت ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلاۃ والسّلام علیٰ رسول اللّٰہ ﷺ أما بعد:

دربارِ الٰہی میں کسی بھی عمل کے مقبول ہونے کے لئے تین شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے:

① عمل کرنے والا صحیح العقیدہ ہو۔ ② عمل کرنے والے کی نیت خالص ہو۔

③ عمل کرنے والے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

ان شرائط میں سے ایک بھی مفقود ہو جائے تو اُس عمل کی قدر و قیمت اللہ کے ہاں کچھ نہیں رہتی، اور وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔

سب سے بہتر نمونہ اور واجب الاطاعت رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ رسول اللہ (ﷺ کی زندگی) میں تمھارے لئے بہترین نمونہ (آئیڈیل) ہے۔ (الاعراف:۲۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ اگر تمھارے درمیان کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور اچھی تأویل (بات) ہے۔ (النساء:۵۹)

رسول اللہ ﷺ کی (صحیح، غیر منسوخ) حدیث پر ہر حال اور ہر زمانے میں عمل کیا جائے گا، کیونکہ یہی راستہ جنت کی طرف جاتا ہے۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ عید پڑھنے کے لئے عیدگاہ جاتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے آثار کے لئے مصنف ابن ابی شیبہ اور احکام العیدین للفریابی وغیرہما کا مطالعہ کیجئے۔

سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى

إِلَى الْمُصَلَّى ،فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ،ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاس))إلخ

رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن (شہر سے باہر) عیدگاہ تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے آپ ﷺ نماز پڑھاتے ،نماز سے فارغ ہو کر آپ لوگوں کے سامنے (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوتے ۔إلخ

(صحیح بخاری:۹۵۶،صحیح مسلم:۸۸۹وترقیم دارالسلام:۲۰۵۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ أَضْحٰى أَوْ فِطْرٍ ،فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا))

رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن (عیدگاہ) گئے ،پھر انھوں نے (نماز عید کی) دو رکعتیں پڑھیں ،نہ اس سے پہلے اور نہ بعد میں نماز پڑھی ۔إلخ

(صحیح مسلم:۸۸۴وترقیم دارالسلام:۲۰۵۷)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد سے تکبیر کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف جاتے اور تکبیر کہتے رہتے حتیٰ کہ امام آجاتا ۔(سنن الدارقطنی ۲/ ۴۳ ح:۱۶۹۶،وسندہ حسن ،محمد بن عجلان صرح بالسماع عند البیہقی فی السنن الکبریٰ ۳/ ۲۷۹وصححہ الالبانی فی ارواء الغلیل ۳/ ۱۲۲)

یزید بن خمیر الرحبی (تابعی) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن (عیدگاہ کی طرف) گئے تو انھوں نے امام کا (نماز میں) تاخیر کر دینے کو ناپسند کیا ۔(سنن ابی داود:۱۱۳۵،سنن ابن ماجہ:۱۳۱۷وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علی شرط البخاری ۱/ ۲۹۵ووافقہ الذہبی)

صفوان بن عمرو السکسکی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (عید کے) خطبے اور نماز کے لیے (عیدگاہ) جانے میں جلدی کرتے تھے۔

(احکام العیدین للفریابی ص ۱۰۹ح ۳۷وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگ عید کے دن تکبیر کہتے ہوئے اپنے گھروں سے عیدگاہ جاتے اور جب امام آجاتا تو خاموش ہو جاتے ،جب امام (نماز کے لئے) تکبیر کہتا تو وہ بھی تکبیر کہتے ۔(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۶۴ح:۵۶۲۸،احکام العیدین للفریابی ص ۱۱۷ح ۵۹وسندہ صحیح)

عورتوں کا عیدگاہ جانا

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم عیدالفطر اورعیدالاضحیٰ میں عورتوں کو (عیدگاہ) لے کر جائیں۔ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم نے کہا: اگر ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو (تو وہ کیا کرے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اس کی بہن اپنی چادر اوڑھا دے۔ (صحیح مسلم: ۸۹۰ وترقیم دارالسلام: ۲۰۵۶)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر (بیوی وغیرہا) میں سے جو طاقت رکھتے انھیں (عید گاہ) لے جاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۸۲ ح: ۵۷۸۶ وفی نسخہ ۳/۴۳ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ عیدگاہ میں منبر لے کر نہیں جانا چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۹۴۶)

آج کے زمانے میں بعض لوگ حالات کی وجہ سے عورتوں کو مساجد اور عیدگاہ جانے سے روکتے ہیں، اور اپنی دلیل ''ناساز گار'' حالات کو بناتے ہیں، حالانکہ صحیح حدیث کے بعد اس عذر کی کوئی وقعت نہیں رہ جاتی۔

مجاہد تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی شخص کو اپنے گھر والوں (یعنی بیوی وغیرہا) کو مسجد میں جانے سے منع نہیں کرنا چاہئے۔'' آپ کے بیٹے نے کہا: ہم تو انھیں منع کریں گے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (غصے سے) فرمایا: میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تُو یہ کہہ رہا ہے؟ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے مرتے دم تک کلام نہیں کیا۔ (مسند احمد ۲/۳۶ ح: ۴۹۳۳ وسندہ صحیح بحوالہ ماہنامہ ''الحدیث حضرو'' رقم ۵ ص ۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ عید کی نماز مسجد سے باہر عیدگاہ یا کھلے میدان میں پڑھنا سنت ہے۔ یاد رہے کہ شرعی عذر کے بغیر مسجد میں عید کی نماز پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، لیکن اگر بارش ہو تو مسجد میں عید کی نماز پڑھنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۱۳۰، وسندہ قوی، نیل المقصود: ۱۱۶۰) [الحدیث: ۶۷]

ابو ثاقب محمد صفدر حضروی

نماز جنازہ کے بعض مسائل

۱ :نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔
دیکھئے صحیح البخاری (ج ا ص ۱۷۸ ح ۱۳۳۵)

۲: سورہ فاتحہ کے بعد کوئی ایک سورت پڑھنا سنت ہے۔
دیکھئے سنن النسائی (ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۸۹ وسندہ صحیح علیٰ شرط البخاری)

۳: قراءت صرف پہلی تکبیر کے بعد ہونی چاہیے۔ دیکھئے مصنف عبد الرزاق (ج ۳ ص ۴۸۸، ۴۸۹ ح ۶۴۲۸) ومنتقی ابن الجارود (ص ۱۸۹ ح ۵۴۰) وسندہ صحیح

۴: پھر نبی ﷺ پر درود پڑھنا چاہیے۔ دیکھئے مصنف عبد الرزاق (۴۸۸/۳، ۴۸۹) و منتقی ابن الجارود (۵۴۰) وسندہ صحیح

۵: پھر میت کے لئے خالص دعا کرنی چاہیے۔ دیکھئے مصنف عبد الرزاق (۴۸۸/۳، ۴۸۹ ح ۶۴۲۸) ومنتقی ابن الجارود (ص ۱۸۹ ح ۵۴۰) وسندہ صحیح

۶: جنازہ جہراً پڑھنا سنت ہے۔ دیکھئے سنن النسائی (ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۸۹) وسندہ صحیح، و مستدرک الحاکم (ج ا ص ۳۵۸ ح ۱۳۲۳) وقال: صحیح علیٰ شرط مسلم، ووافقہ الذہبی

۷: جنازہ سراً پڑھنا بھی سنت ہے۔
دیکھئے سنن النسائی (ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۹۱) وھو حدیث صحیح

۸: جہراً تعلیم کے لئے پڑھا جاتا ہے۔
دیکھئے صحیح البخاری (۱۳۳۵) ومستدرک الحاکم (۳۵۸/۱) وصححہ علیٰ شرط مسلم ووافقہ الذہبی

۹: آخر میں صرف دائیں طرف سلام پھیرنا چاہیے۔ دیکھئے سنن النسائی (ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۹۱) ومصنف عبد الرزاق (۴۸۸/۳، ۴۸۹ ح ۶۴۲۸) وسندہ صحیح

۱۰: اتنی آواز میں دعا پڑھنا جائز ہے کہ مقتدی سن کر یاد کرلیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (ج ا

ص ۳۱۱ ح ۹۶۳/۸۵ و ترقیم دار السلام: ۲۲۳۲۔۲۲۳۴) وسنن ابی داود (ج ۲ ص ۱۰۱ ح ۳۲۰۲) وھو حدیث صحیح (ابوداود والی روایت میں میت کا نام لینا بھی مذکور ہے)

۱۱: تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ میت پر کوئی موقت دعا نہیں ہے، جو دعا چاہیں مانگ سکتے ہیں۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۳ ص ۲۹۴، ۲۹۵ ح ۱۱۳۶۷۔۱۱۳۷۴)

نبی ﷺ نے تشہد کے بارے میں فرمایا: ((**ثم لیتخیر من الدعاء أعجبه إلیه فیدعو**)) پھر جو دعا پسند ہو، اختیار کر کے وہ دعا کرے۔

دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۱۵ ح ۸۳۵)

۱۲: نبی ﷺ قنوت نازلہ والی دعا فرماتے تو صحابۂ کرام آپ کے پیچھے آمین کہتے تھے۔ دیکھئے سنن ابی داود (ج ۱ ص ۲۱۱ ح ۱۴۴۳) وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ (۶۱۸) والحاکم علیٰ شرط البخاری (۲۲۵/۱) ووافقہ الذہبی

تنبیہ (۱): صحابی جس کام کو سنت کہے اس سے مراد نبی ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۱۲۳ نوع: ۸) ونصب الرایہ (ج ۱ ص ۳۱۴) ومستدرک الحاکم (ج ۱ ص ۳۵۸، ۳۶۰)

تنبیہ (۲): نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھنا، **جل ثناء ك** والی دعائے استفتاح اور **رحمت وترحمت** والا درود، نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ [الحدیث: ۲۶]

❁❁❁

الدعاء

نصیر احمد کاشف

قرآنی دعائیں

[نصیر احمد کاشف صاحب حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے خاص شاگرد ہیں۔اُن کی تخریج وتحقیق سے کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔نصیر احمد صاحب نے کافی محنت کر کے قرآن ،صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے مختلف دعائیں جمع کی ہیں جنھیں ''الحدیث'' میں قسط وار شائع کیا جارہا ہے۔یہ ساری کی ساری دعائیں بالکل صحیح اور قطعی الصحت ہیں۔/ حافظ شیر محمد]

۱: آدم وحوا علیہما السلام کی دعا

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتۃ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔اگر تو نے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نقصان پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔ (الاعراف:۲۳)

۲: نوح علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَالَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ اے میرے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوجاؤں گا۔ (ھود:۴۷)

② ﴿ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ صلے فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا،پس تو مجھ میں اور ان میں کوئی قطعی فیصلہ کردے اور مجھے اور میرے باایمان ساتھیوں کو نجات دے۔

(الشعرآء:۱۱۷،۱۱۸)

③ ﴿ رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴾

اے میرے رب! مجھے بابرکت منزل پر اتار اور تو ہی بہتر اتارنے والا ہے۔(المؤمنون:۲۹)

④ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾
سب تعریف اللہ کے لئے ہی ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی۔ (المؤمنون:۲۸)

⑤ ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ○ اِنَّکَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ○ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴾ اے میرے رب! تُو روئے زمین پر کسی کافر کو رہنے سہنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور یہ فاجروں اور ڈھیٹ کافروں ہی کو جنم دیں گے۔ اے میرے رب! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایماندار ہو کر میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا۔ (نوح:۲۶۔۲۸)

⑥ ﴿ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (اے میرے رب!) میں بے بس ہو گیا ہوں تو میری مدد کر۔ (القمر:۱۰)

۳: ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ﴾
اے میرے رب! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا دے اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں پھلوں کی روزیاں دے۔ (البقرہ:۱۲۶)

② ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ ؕ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴾ اے ہمارے رب! تو ہم سے قبول فرما تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اپنا فرمان بردار بنا

لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو اپنا اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما، تُو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ان میں انھی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے، انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے، یقیناً تو غالب حکمت والا ہے۔ (البقرۃ:۱۲۷۔۱۲۹)

③ ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۗ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے نجات دے۔ اے میرے رب انھوں نے بہت سے لوگوں کو (سیدھے) راستے سے بھٹکا دیا ہے۔ پس میری تابعداری کرنے والا میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بہت ہی معاف فرمانے اور کرم کرنے والا ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد اس بے کھیتی کی وادی میں تیرے حرمت والے گھر کے پاس بسائی ہے۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے کہ وہ نماز قائم رکھیں۔ پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں۔ اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے جو ہم چھپائیں اور ظاہر کریں، زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے، کچھ شک نہیں کہ میرا رب دعاؤں کا سننے والا ہے۔ اے میرے رب!

مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب! ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو بھی بخش اور دیگر مومنوں کو بھی بخش جس دن حساب ہونے لگے۔ (ابراہیم:۳۵۔۴۱)

④ ﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۙ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۙ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۙ وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے اور میرا ذکرِ خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی رکھ۔ مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں بنا دے اور میرے باپ کو بخش دے یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔ اور جس دن کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں مجھے رسوا نہ کر، جس دن کہ مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی، لیکن فائدے والا وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بے عیب دل لے کر جائے۔

(الشعرآء:۸۳۔۸۹)

⑤ ﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ اے ہمارے رب! تجھی پر ہم نے بھروسا کیا ہے اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کی آزمائش میں نہ ڈال اور اے ہمارے رب! ہماری خطاؤں کو بخش دے، بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔ (الممتحنۃ:۴۔۵)

⑥ ﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔

(الصّٰفّٰت:۱۰۰)

۴: لوط علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾ میرے رب! مجھے اور میرے گھرانے کو اس (وبال) سے بچا جو یہ کرتے ہیں۔ (الشعرآء:۱۶۹)

② ﴿ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴾

اے میرے رب! اس مفسد قوم پر میری مدد فرما۔ (العنکبوت:۳۰)

۵: یعقوب علیہ السلام کی دعا

﴿ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ﴾

میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں۔ (یوسف:۸۶)

۶: یوسف علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴾ اے میرے رب! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ مجھے بہت پسند ہے۔ اگر تو نے ان کا فریب مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور بالکل نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ (یوسف:۳۳)

② ﴿ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴾ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا و آخرت میں میرا ولی (دوست) اور کارساز ہے۔ تو مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر اور نیک لوگوں سے ملا دے۔

(یوسف:۱۰۱)

۷: شعیب علیہ السلام کی دعا

﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴾

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق فیصلہ کر دے اور تو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ (الاعراف:۸۹)

۸: موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴾

اے میرے رب! مجھے تو بجز اپنے اور اپنے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں، پس تو ہم میں

اوران نافرمانوں میں جدائی کردے۔ (المآئدۃ:۲۵)

② ﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۫ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾ اے میرے رب! میری خطا معاف فرما اور میرے بھائی کی بھی اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الاعراف:۱۵۱)

③ ﴿ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ○ وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ ﴾ (اے ہمارے رب!) تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحمت فرما اور تو سب معافی دینے والوں سے زیادہ اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں کے نام دنیا میں بھی اچھائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۵۔۱۵۶)

④ ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴾ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال و دولت دنیاوی زندگی میں دیئے ہیں اے ہمارے رب! (اسی لیے دیئے ہیں کہ) وہ تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو تہس نہس کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے یہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ (یونس:۸۸)

⑤ ﴿ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ۙ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ○ۙ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ۙ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۠ ﴾ اے میرے رب! میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ (طٰہٰ:۲۵۔۲۸)

⑥ ﴿ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ﴾ اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف فرما دے۔ (القصص:۱۶)

⑦ ﴿ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اے میرے رب! مجھے ظالموں کے گروہ سے بچا۔ (القصص:۲۱)

⑧ ﴿ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴾ اے میرے رب! تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے: میں اس کا محتاج ہوں۔(القصص:۲۴)

۹: ایوب علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ ﴾ (اے میرے رب!) مجھے یہ بیماری لگ گئی ہے اور تو رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الانبیآء:۸۳)

② ﴿ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ عَذَابٍ ﴾(اے میرے رب!) مجھے شیطان نے رنج اور دکھ پہنچایا ہے (تو مجھے اس رنج اور دکھ سے نجات دے۔) (صٓ:۴۱)

۱۰: یونس علیہ السلام کی دعا

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے، بے شک میں حد سے گزرنے والوں میں ہو گیا تھا۔ (الانبیآء:۸۷)

۱۱: سلیمان علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴾

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر (رحم کر) اور میں ایسے نیک اعمال کرتا رہوں جن سے تو خوش رہے اور مجھے اپنی رحمت سے نیک بندوں میں شامل کر لے۔ (النمل:۱۹)

② ﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسا ملک عطا فرما جو میرے سوا کسی (شخص) کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بڑا دینے والا ہے۔(صٓ:۳۵)

۱۲: زکریا علیہ السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴾

اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا سننے والا ہے۔

(آل عمران: ۳۸)

② ﴿ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ ﴾

اے میرے رب! مجھے تنہا نہ چھوڑ تو سب سے بہتر وارث ہے۔ (الانبیآء: ۸۹)

۱۳: عیسیٰ علیہ السلام کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَاٰیَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ﴾ اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرما تاکہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور جو بعد کے ہیں سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو جائے اور تو ہم کو رزق عطا فرما اور تو سب عطا کرنے والوں سے اچھا ہے۔ (المآئدۃ: ۱۱۴)

۱۴: محمد رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا﴾

اے میرے رب! مجھے جہاں لے جا اچھی طرح لے جا اور جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور میرے لیے اپنے پاس سے غلبہ اور امداد مقرر فرما دے۔ (بنی اسرآئیل: ۸۰)

② ﴿ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾

اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

③ ﴿ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۚ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴾

اے میرے رب! انصاف کے ساتھ تو فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو۔ (الانبیآء: ۱۱۲)

۱۵: آسیہ زوجۂ فرعون کی دعا

﴿ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچا اور مجھے ظالم لوگوں سے خلاصی دے۔ (التحریم:۱۱)

۱۶: ملکۂ سبا (بلقیس) کی دعا

﴿ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾

میرے رب! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمان بردار بنتی ہوں۔ (النمل:۴۴)

۱۷: اُم مریم علیہا السلام کی دعائیں

① ﴿ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾ اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں نے تیرے نام آزاد کرنے کی نذر مانی تو میری طرف سے قبول فرما یقیناً تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(آل عمران:۳۵)

② ﴿ اِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾

میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ (آل عمران:۳۶)

۱۸: مومن لوگوں کی دعائیں

۱۔ صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴾ (اے اللہ) ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کی نہیں جن پر تیرا غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔ (فاتحہ:۶۔۷)

۲۔ مصیبت کے وقت:

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے

والے ہیں۔ (البقرۃ:۱۵۶)

۳۔ دنیا و آخرت کی بھلائی:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے۔ (البقرۃ:۲۰۱)

۴۔ جہاد (قتال) سے پہلے:

﴿ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہمیں نصرت عطا فرما۔

(البقرۃ:۲۵۰)

۵۔ خطا ونسیان سے معافی:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴾

اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا، اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما۔ (البقرۃ:۲۸۶)

۶۔ دلوں کا ٹیڑھا پن:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔ (آل عمران:۸)

۷۔ جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ:

﴿ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾

اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے ہیں اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران:۱۶)

۸۔ عزت کی دعا:

﴿ اَللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِیَدِکَ الْخَیْرُ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾

اے اللہ! تمام جہان کے مالک تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائیاں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران:۲۶)

۹۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی دعا:

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہم تیری اتاری ہوئی وحی پر ایمان لائے اور ہم نے تیرے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ (آل عمران:۵۳)

۱۰۔ جہاد (قتال) کے وقت ثابت قدمی:

﴿ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم سے ہمارے کاموں میں جو بے جا زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور ہمیں کافروں کی قوم پر مدد دے۔ (آل عمران:۱۴۷)

۱۱۔ گناہوں کی معافی:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴾ اے ہمارے رب! تو نے یہ (سب کچھ) بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں، اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے، اے ہمارے رب! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ (جنت) دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (آل عمران:۱۹۱۔۱۹۴)

۱۲۔ مظلوم لوگ:

﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴾ اے ہمارے رب! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔ (النسآء:۷۵)

۱۳۔ کلام اللہ سنتے وقت:

﴿رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾

اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہمیں بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں۔ (المآئدۃ:۸۳)

۱۴۔ اصحاب الاعراف:

﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر۔ (الاعراف:۴۷)

۱۵۔ اسلام پر موت:

﴿ رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہمارے اوپر صبر کا فیضان نازل فرما اور ہماری جان حالت اسلام پر نکال۔ (الاعراف:۱۲۶)

۱۶۔ بنی اسرائیل کی دعا:

﴿ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۙ وَنَجِّنَا بِرَحۡمَتِكَ مِنَ الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں ان ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت سے ان کافر لوگوں سے نجات دے۔ (یونس:۸۵۔۸۶)

۱۷۔ والدین کیلئے دعا:

﴿ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ﴾ اے ہمارے رب! ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا کہ انھوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ (بنی اسرآئیل:۲۴)

۱۸۔ اصحابِ کہف کی دعا:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ﴾ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے ہدایت کو آسان کر دے۔

(الکہف:۱۰)

۱۹۔ شیطانی وسوسوں سے بچاؤ کیلئے:

﴿ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ۙ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ ﴾ اے میرے رب! میں شیطان کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ جائیں۔ (المؤمنون:۹۷۔۹۸)

۲۰۔ اللہ کی رحمت کا سوال:

﴿ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ ۚ ﴾ اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے ہیں تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(المؤمنون:۱۰۹)

۲۱۔ گناہوں کی بخشش:

﴿ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴾ اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم کر اور تو سب مہربانوں سے بہتر مہربانی کرنے والا ہے۔ (المؤمنون:۱۱۸)

۲۲۔ عباد الرحمٰن (اللہ کے بندوں) کی دعا:

﴿رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴾ اے ہمارے رب! ہم سے دوزخ کا عذاب پرے ہی پرے رکھ، کیونکہ اس کا عذاب چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ ٹھہرنے اور رہنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔ (الفرقان:۶۵۔۶۶)

۲۳۔ نیک بیوی اور نیک اولاد کی دعا:

﴿ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴾

اے ہمارے رب! تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔ (الفرقان:۷۴)

۲۴۔ اختلافات میں فیصلہ:

﴿ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں میں ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ الجھ رہے تھے۔ (الزمر:۴۶)

۲۵۔ فرشتوں کی دعا:

﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

اے ہمارے رب! تونے ہر چیز کو اپنی رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے پس تو انھیں بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انھیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔اے ہمارے رب! تو انھیں ہمیشگی والی جنتوں میں لے جا جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں سے (بھی) ان (سب) کو (جنت میں لے جا) جو نیک عمل کرنے والے ہیں یقیناً تو غالب و باحکمت ہے۔انھیں برائیوں سے بھی محفوظ رکھ، حق تو یہ ہے کہ اس دن تو جسے برائیوں سے بچالے اس پر تو نے رحمت کر دی اور بہت بڑی کامیابی تو یہی ہے۔ (المؤمن:۷۔۹)

۲۶۔ سواری کی دعا:

﴿ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ﴾

پاک ہے اس کی ذات جس نے اسے (اس سواری کو) ہمارے بس میں کر دیا حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہ تھی۔اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (الزخرف:۱۳۔۱۴)

۲۷۔ چالیس سال کی عمر پر دعا:

﴿رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴾

اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور تو میری اولاد کو بھی صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (الاحقاف:۱۵)

۲۸۔ پہلے والے ایمان دار لوگوں کیلئے:

﴿رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِاِخۡوَانِنَا الَّذِیۡنَ سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴾

اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال دے اور ہمارے رب! بے شک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔ (الحشر:۱۰)

۲۹۔ بروز حشر:

﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْلَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے نور کو پورا (تمام) کر دے اور ہمیں بخش دے اور یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ (التحریم:۸)

۳۰۔ جہاد وغیرہ میں:

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ (ال عمران:۱۷۳)

۳۱۔ جب کوئی اچھی چیز (نعمت وغیرہ) دیکھے:

﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾

ہونا وہی ہے جو اللہ چاہے، نہیں کوئی طاقت مگر اللہ کی مدد سے۔ (الکہف:۳۹)

۳۲۔ مستقبل میں کسی کام کا ارادہ کرتے وقت:

﴿اِنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ اگر اللہ نے چاہا تو۔ (الکہف:۲۴، القلم:۱۸ مفہوماً)

[الحدیث:۲۵]

نصیر احمد کاشف

صحیحین کی دعائیں

بیدار ہونے سے نماز تک

۱) نیند سے بیداری پر

۱: اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ . سب تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

(بخاری، الدعوات: باب، وضع الید تحت الخد الیمنیٰ ح ۶۳۱۴ مسلم، الذکر والدعاء: باب الدعاء عند النوم ح ۲۷۱۱)

۲: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ـ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ . اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اسی کے لیے بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں اور اللہ پاک ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کی توفیق کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے اور نہ نیکی کرنے کی توفیق (پھر کہے) اے اللہ مجھے بخش دے۔ یا (اس کے بعد) وہ کوئی بھی دعا کرے تو اسے قبول کیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ وضو کرے اور نماز پڑھے تو اسے بھی قبول کیا جاتا ہے۔

(بخاری: التہجد: باب فضل من تعار من اللیل فصلیٰ ح ۱۱۵۴)

۲) تہجد کے وقت

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ط وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ

اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں وزمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب! تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا بآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لائے اے اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ کر۔ اے ہمارے رب! ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ پس

ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ تم میں کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہر گز ضائع نہیں کرتا تم آپس میں ایک دوسرے کی ہم جنس ہو اس لئے وہ لوگ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنھیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنھوں نے جہاد کیا اور شہید کئے گئے میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کر دوں گا اور بالیقین انھیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ یہ ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ۔ (اے نبی ﷺ) آپ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ مہمانی ہے اللہ کی طرف سے اور نیک لوگوں کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ۔ یقیناً اہلِ کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور تمھاری طرف جو اتارا گیا ہے اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی ، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر بیچتے نہیں ، ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۔ اے ایمان والو! تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لئے تیار رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو ۔ (آل عمران: ۱۹۰۔۲۰۰)[بخاری، الوضوء باب قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ ح ۱۸۳، مسلم، صلوٰۃ المسافرین باب صلوٰۃ النبی ﷺ ودعاءَ باللیل ح ۷۶۳]

☆ ایک روایت میں آسمان کی طرف دیکھ کر پڑھنے کا ذکر ہے ۔

(بخاری، الادب: باب رفع البصر الی السماء ح ۶۲۱۵)

۳) بیت الخلا جاتے ہوئے

اَللّٰھُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ .

اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنّیوں سے ۔

(بخاری، الوضوء: باب مایقول عند الخلاء ح ۱۴۲، مسلم، الحیض: باب مایقول اذا اراد دخول الخلاء ح ۳۷۵)

٤) وضو کے بعد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ.

(مسلم، الطہارۃ: باب الذکر المستحب عقب الوضوء ح ۲۳۴)

٥) فجر کی نماز کو جاتے ہوئے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًاوَّ عَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَسَارِيْ نُوْرًا وَّفَوْقِيْ نُوْرًا وَّ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا [وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا] وَّ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّ لَحْمِيْ نُوْرًا وَّ دَمِيْ نُوْرًا وَّ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّ بَشَرِيْ نُوْرًا [وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا] اے اللہ! میرے دل میں نور کردے اور میری آنکھوں میں نور اور میرے کانوں میں نور اور میرے دائیں نور اور میرے بائیں نور اور میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور اور میرے آگے نور اور میرے پیچھے نور اور کردے میرے لئے نور اور میری زبان میں نور اور کردے میرے پٹھے نورانی اور میرا گوشت نورانی اور میرا خون نورانی اور میرے بال نورانی اور میرا بدن نورانی اور میرے نفس میں نور اور مجھے بہت ہی نور بخش، الٰہی! مجھے نور عطا فرما۔

(بخاری، الدعوات: باب الدعاء من اللیل ح ۶۳۱۶، مسلم، صلوٰۃ المسافرین: باب صلوٰۃ النبی ﷺ و دعاءَ باللیل ح ۷۶۳۔ مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کو سجدہ میں پڑھنے کا ذکر ہے۔ بریکٹ والے الفاظ صرف مسلم میں ہیں۔ یہ مختلف روایات کا مجموعہ ہے)

٦) مسجد میں داخل ہوتے وقت

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ .

اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

٧) مسجد سے نکلتے وقت

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ . اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں۔

(دونوں روایتوں کیلئے دیکھئے۔ مسلم، صلوٰۃ المسافرین: باب ما یقول اذا دخل المسجد ح ۷۱۳)

۸) گھر میں داخل ہوتے وقت

بِسْمِ اللّٰہِ . اللہ کے نام سے۔ (مسلم، الاشربۃ باب آداب الطعام والشراب ح ۲۰۱۷)

۹) جو مسجد میں گمشدہ چیز (جانور وغیرہ) کا اعلان کرے

ا: لَا رَدَّھَا اللّٰہُ عَلَیْكَ . اللہ کرے تیری چیز تجھے نہ ملے۔

۲: لَا وَجَدْتَّ. (اللہ کرے) تجھے نہ ملے۔

(دونوں روایتوں کے لئے دیکھئے، مسلم، المساجد باب النھی عن نشد الضالۃ فی المسجد، ح ۵۶۸، ۵۶۹)

۱۰) اذان

اذان دوہری اور اقامت اکہری کہنی چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۰۳) و صحیح مسلم (۳۷۸)

ترجیع والی اذان بھی ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۷۹)

عام طور پر جو اذان دی جاتی ہے، وہ بھی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن)

۱۱) بارش کے وقت

اگر بارش ہو تو مؤذن اذان میں حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃِ وغیرہ کے بجائے ''اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ'' یا ''صَلُّوْا فِيْ بُيُوْتِكُمْ'' کہے یعنی اپنے خیموں اور گھروں میں نماز پڑھ لو۔

(بخاری، الجمعۃ: باب الرخصۃ ان لم یحضر الجمعۃ فی المطر، ح ۹۰۱، مسلم، صلوٰۃ المسافرین: باب الصلوٰۃ فی الرحال فی المطر، ح ۶۹۷، ۶۹۹)

۱۲) اذان کا جواب

اذان کے جواب میں وہی کلمات دہرائے، لیکن حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' کہے۔ جس نے دل (یقین) سے جواب دیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسلم، الصلوٰۃ: باب استحباب القول مثل قول المؤذن، ح ۳۸۵)

۱۳) اذان کے دوران میں

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ

بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّ بِالْاِ سْلَامِ دِيْنًا. میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کے رب ہونے پر، محمد (ﷺ) کے رسول ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوں۔ (مسلم، حوالہ سابق، ح ۳۸۶)

☆ اس کے کہنے والے کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

۱۴) اذان کے بعد درود

ا: اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے۔

(مسلم، الصلوٰۃ: باب استحباب القول مثل قول المؤذن ح ۳۸۴)

درود کے الفاظ نماز کے اذکار میں آئیں گے۔

۲: اس کے بعد یہ دعا پڑھے تو اس کیلئے نبی ﷺ کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِي وَعَدْتَّهٗ.

اے اللہ! اس مکمل دعوت اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب محمد ﷺ کو وسیلہ (جنت کا ایک محل) اور فضیلت عطا فرما اور انھیں مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔

(بخاری، الاذان: باب الدعاء عند النداء ح ۶۱۴)

نماز سے متعلق دعائیں

۱۵) دعائے استفتاح

ا: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَ بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَ بْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ . اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری ڈال دے جیسے تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری رکھی ہے۔ اے اللہ! مجھے

گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھوڈال۔

(بخاری، الاذان: باب مایقول بعد التکبیر ح ۷۴۴، مسلم، المساجد: باب مایقول بین تکبیرۃ الاحرام۔۔ح ۵۹۸)

۲: اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا.

اللہ سب سے بڑا ہے بہت بڑا، ساری تعریف اسی کی ہے، وہ پاک ہے۔ صبح وشام ہم اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (مسلم: حوالہ سابق ح ۶۰۱)

۱۶) نمازِ تہجد میں

ا: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ ، اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَ مُحَمَّدٌ ﷺ حَقٌّ وَ السَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .

اے اللہ! تیرے لیے ساری تعریف ہے زمین وآسمان اور جو کچھ اس میں ہے (سب کو) تو ہی قائم رکھنے والا ہے۔ تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے۔ زمین وآسمان اور جو کچھ ان میں ہے (اس سب) کی بادشاہی تیرے لیے ہے۔ تیرے لیے ہی ساری تعریف ہے۔ تو ہی روشن کرنے والا ہے زمین وآسمان کو، تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے تو ہی بادشاہ ہے زمین وآسمان کا تیرے لیے ساری تعریف ہے تو حق ہے اور تیرا وعدہ حق ہے (آخرت میں) تیری ملاقات حق ہے۔ تیرا کلام حق ہے۔ جنت حق ہے۔ جہنم حق ہے۔ تمام انبیاء حق ہیں۔ اور محمد (رسول اللہ) ﷺ حق ہیں اور قیامت حق ہے۔ الٰہی! میں تیرے سامنے جھک گیا میں تجھ پر ایمان لایا۔ میں نے صرف تجھی پر بھروسا کیا، میں نے صرف تیری طرف

رجوع کیا، صرف تیری ہی مدد سے (دشمنوں) سے جھگڑتا ہوں، میں نے صرف تجھے ہی اپنا حاکم مانا تو میرے اگلے و پچھلے اور ظاہر و پوشیدہ گناہ اور جنھیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے (سارے کے سارے) گناہ معاف کردے۔ تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے۔

(بخاری، التہجد: باب التہجد باللیل ح ۱۱۲۰، مسلم، صلوٰۃ المسافرین: باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل وقیامہ ح ۷۶۹)

۲: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَائِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَ إِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ .

اے اللہ! جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والے، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے، اپنے بندوں کے درمیان ان چیزوں میں تو ہی فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ حق کے جن مسائل میں اختلاف کیا گیا ہے اپنے فضل سے حق کی طرف میری راہنمائی فرما دے، بے شک تو ہی جسے چاہے سیدھی راہ کی راہنمائی فرماتا ہے۔ (مسلم، حوالہ سابق ح ۷۷۰)

۳: وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ٥ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَ اعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ وَ الْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ . میں نے اپنے چہرے کا رخ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں

سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اس اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ ہے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو میرا رب ہے میں تیرا بندہ ہوں میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اور میں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے، لہٰذا میرے سارے گناہ بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ اور بہترین اخلاق کیلئے تیرے سوا کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا۔ اور بدترین اخلاق مجھ سے دور کردے، اس لیے کہ بدترین اخلاق تیرے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا۔ میں حاضر ہوں اور تیرا فرمان بردار ہوں، ساری خوبی تیرے ہاتھوں میں ہے اور برائی (کی نسبت) تیری طرف (ہرگز) نہیں، میری توفیق تیری طرف سے ہے اور میری التجا تیری طرف ہے۔ تو بڑی برکت والا اور بلند ذات والا ہے۔ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔ (مسلم، حوالہ سابق ح ۷۷۱)

۱۷) فاتحۃ الکتاب

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ o صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ o ﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بہت بخشش کرنے والا بڑا مہربان، بدلے کے دن کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ان کی نہیں جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی۔ (الفاتحہ: ۱۔۷)

۱۸) نماز میں فاتحہ ضروری ہے

یاد رہے نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ہر شخص (امام ہو یا مقتدی یا منفرد) کیلئے ضروری ہے

کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ))
اس آدمی کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ (بخاری، الاذان: باب وجوب القراءۃ للامام والماموم ح ۷۵۶، مسلم، الصلوٰۃ: باب وجوب قراءۃ الفاتحہ ح ۳۹۴)

۱۹) آمین

اگر امام بلند آواز سے قراءت کرے تو مقتدیوں کو بھی امام کے ساتھ بلند آواز سے آمین کہنی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نیز فرمایا: جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی اس کے پہلے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

(دونوں روایتوں کے لئے دیکھئے، بخاری، الاذان: باب جہر الماموم بالتامین ح ۷۸۲ اور باب جہر الامام بالتامین ح ۷۸۰ مسلم، الصلوٰۃ: باب التسمیع والتحمید والتامین ح ۴۱۰)

۲۰) نماز میں قراءت

سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی بھی سورت تلاوت کی جاسکتی ہے۔ تاہم نمازوں کی مسنون قراءت درج ذیل ہے:

۲۱) فجر میں

۱: سورۃ الطّور (بخاری، الاذان: باب الجہر بقراءۃ صلوٰۃ الصبح قبل ح ۷۷۳ تعلیقاً)

۲: سورۃ المؤمنون (بخاری، الاذن: باب الجمع بین السورتین فی رکعۃ قبل ح ۷۷۴ تعلیقاً، مسلم، الصلوٰۃ: باب القراءۃ فی الصبح ح ۴۵۵)

۳: سورۃ التکویر (مسلم، حوالہ سابق ح ۴۵۶)

۴: سورہ قٓ (حوالہ سابق ح ۴۵۸)

۲۲) جمعہ کے دن فجر میں

پہلی رکعت میں سورۃ السجدۃ اور دوسری رکعت میں سورۃ الدہر۔

(بخاری، الجمعۃ: باب مایقرأ فی صلوٰۃ الفجر یوم الجمعۃ ح ۸۹۱، مسلم، الجمعۃ: باب مایقرأ فی یوم الجمعۃ ح ۸۷۹)

۲۳) ظہر وعصر میں

ظہر میں سورۃ اللیل اور سورۃ الاعلیٰ/ عصر میں ان کی مانند۔

(مسلم، الصلوٰۃ: باب القراءۃ فی الصبح ح ۴۵۹۔۴۶۰)

۲۴) مغرب میں

۱: سورۃ الطّور

(بخاری الاذان: باب الجہر فی المغرب ح ۷۶۵، مسلم، الصلوٰۃ: باب القراءۃ فی الصبح ح ۴۶۳)

۲: سورۃ المرسلٰت (بخاری، الاذان: باب القراءۃ فی المغرب ح ۷۶۳، مسلم، حوالہ سابق ح ۴۶۲)

۲۵) عشاء میں

۱: سورۃ التین

(بخاری، الاذان: باب القراءۃ فی العشاء ح ۷۶۷، مسلم، الصلوٰۃ: باب القراءۃ فی العشاء ح ۴۶۴)

۲: سورۃ الانشقاق (بخاری، حوالہ سابق ح ۷۶۶)

۳: سورۃ الشّمس (بخاری، الاذان: باب من شکا امامہ اذا طول ح ۷۰۵، مسلم، حوالہ سابق ح ۴۶۵)

۴: سورۃ اللیل (ایضاً)

۵: سورۃ الاعلیٰ (ایضاً)

۶: سورۃ العلق (مسلم، حوالہ سابق)

۲۶) جمعہ میں

۱: پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیۃ

(مسلم، الجمعۃ، باب مایقرأ فی صلوٰۃ الجمعۃ ح ۸۷۷)

۲: پہلی رکعت میں سورۃ الجمعۃ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون

(مسلم، الجمعۃ، باب مایقرأ فی صلوٰۃ الجمعۃ ح ۸۷۸)

۲۷) عیدین میں

۱: پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ

۲: پہلی رکعت میں سورۃ قٓ اور دوسری رکعت میں سورۃ القمر

(مسلم، صلوٰۃ العیدین، باب مایقرأ بہ فی صلوٰۃ العیدین ح ۸۹۱)

۲۸) فجر کی سنتوں میں

۱: پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۃ الاخلاص

۲: پہلی رکعت میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۳۶ اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۶۴ (مسلم، صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب رکعتی الفجر ح ۷۲۶، ۷۲۷)

۲۹) رکوع کی دعائیں

۱: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ . پاک ہے میرا رب عظمت والا۔

(مسلم، صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب تطویل القراءۃ فی صلوٰۃ اللیل ح ۷۷۲)

۲: سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ . اے اللہ! تیرے لیے ہی پاکی اور تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مسلم، الصلوٰۃ: باب مایقول فی الرکوع والسجود ح ۴۸۵)

۳: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ .

فرشتوں اور روح (جبریل) کا رب، نہایت پاک ہے۔ (مسلم، حوالہ سابق ح ۴۸۷)

۴: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ .

اے ہمارے رب! تو پاک ہے، ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں، الٰہی! ہمیں بخش دے۔

(بخاری، الاذان: باب الدعاء فی الرکوع ح ۷۹۴ مسلم، حوالہ سابق: ح ۴۸۴)

۵: اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَ بِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ ، خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَ مُخِّيْ وَ عَظْمِيْ وَ عَصَبِيْ . اے اللہ! تیرے لیے میں نے رکوع کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیرا فرمان بردار ہوا، میرا کان، میری آنکھ، میرا مغز، میری ہڈی اور میرے پٹھے

تیرے آگے عاجز بن گئے۔ (مسلم،صلوٰۃ المسافرین: باب الدعاء فی صلوٰۃ اللیل وقیامہ ح ۷۷۱)

۳۰) رکوع کے بعد

۱: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ . اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔

(بخاری،الاذان: التکبیر اذا قام من السجود ح ۷۸۹، مسلم الصلوٰۃ: باب ما یقول اذا رفع رأسہ من الرکوع ح ۴۷۶)

۲: رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ. (بخاری،حوالہ سابق)

۳: رَبَّنَا وَ لَکَ الْحَمْدُ. (بخاری،حوالہ سابق، مسلم،الصلوٰۃ: باب ائتمام الماموم بالامام ح ۴۱۱)

۴: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ .

(بخاری،الاذان: باب فضل اللھم ربنا لک الحمد ح ۷۹۶، مسلم،حوالہ سابق ح ۴۱۴)

۵: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ . (بخاری،الاذان: باب ما یقول الامام ومن خلفہ ح ۷۹۵)

۶: رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ .

اے ہمارے رب! تیرے ہی واسطے تعریف ہے، بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت تعریف۔

(بخاری،الاذان: باب ۱۲۶، ح ۷۹۹)

۷: اَللّٰھُمَّ ربَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْ ءَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْ ءَ الْاَرْضِ وَ مِلْ ءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْد. اے ہمارے اللہ! تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے، آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کے برابر جو تو چاہے۔

۸: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ مِلْ ءَ السَّمَاءِ وَمِلْ ءَ الْاَرْض وَ مِلْ ءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْنِي بِالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْمَاءِ الْبَارِدِ اَللّٰھُمَّ طَھِّرْنِي مِنَ الذُّنُوْبِ وَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْوَسَخِ . اے اللہ! تیرے ہی لیے ساری تعریف ہے، آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کے برابر جو تو چاہے۔ اے اللہ! مجھے برف، اولے اور ٹھنڈے پانی سے پاک کر دے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں اور خطاؤں سے ایسا پاک کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔

۹: ربَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْ ءَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْ ءَ الْاَرْضِ وَ مِلْ ءَ مَا شِئْتَ مِنْ

شَيْءٍ بَعْدُ، اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ۔اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَ كُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ .

اے ہمارے رب! ہر قسم کی تعریف تیرے لئے ہے، آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کے برابر جو تو چاہے۔ اور بندے نے جو تیری تعریف اور بزرگی بیان کی وہ تیرے لائق ہے۔ اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں اس چیز کو جو تو نے دی اور کوئی دینے والا نہیں اس چیز کو جو تو نے روک دی اور دولت مند کو دولت مندی تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ (تینوں روایتوں کے لئے دیکھئے، مسلم، الصلوٰۃ: باب مایقول اذا رفع رأسہ من الرکوع ح ۴۷۶۔ ۴۷۷)

۳۱) سجدے کی دعائیں

۱: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى . پاک ہے میرا سب سے بلند و برتر رب۔ (دیکھئے نمبر ۱/۲۹)

۲: سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَا ئِكَةِ وَالرُّوْحِ . (حوالہ اور اردو ترجمہ کے لیے دیکھئے نمبر ۳/۲۹)

۳: سُبْحَانَكَ وَ بِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ . (دیکھئے نمبر ۳/۲۹)

۴: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ . (دیکھئے نمبر ۴/۲۹)

۵: اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُّ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَ صَوَّرَهٗ وَ شَقَّ سَمْعَهٗ وَ بَصَرَهٗ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ .

اے اللہ! تیرے لیے میں نے سجدہ کیا میں تجھ پر ایمان لایا، میں تیرا فرمان بردار ہوا، میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا۔ اس کی اچھی صورت بنائی، اس کے کان اور آنکھ کو کھولا، بہترین تخلیق کرنے والا اللہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ (دیکھئے نمبر ۳۹)

۶: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَ جِلَّهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَ آخِرَهٗ وَعَلَانِيَّتَهٗ وَ سِرَّهٗ .

اے اللہ! میرے چھوٹے بڑے، پہلے اور پچھلے، ظاہر اور پوشیدہ تمام گناہ بخش دے۔

(مسلم، الصلوٰۃ: باب مایقال فی الرکوع والسجود ح ۴۸۳)

۷: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ .

اے اللہ! میں تیری رضا مندی کے ذریعے تیرے غصے سے، تیری عافیت کے ذریعے سے تیری سزا سے اور تیری رحمت کے ذریعے سے تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تعریف کو شمار نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جس طرح تو نے اپنی تعریف فرمائی ہے۔

(مسلم، حوالہ سابق ح ۴۸۶)

۳۲) تشہد

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، سلامتی اور برکتیں ہوں اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

(بخاری، الاذان: باب التشہد فی الآخرۃ ح ۸۳۱، مسلم، الصلوٰۃ: باب التشہد فی الصلوٰۃ ح ۴۰۲)

۳۳) نبی کریم ﷺ پر درود

۱: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى [إِبْرَاهِيْمَ وَ] عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى [إِبْرَاهِيْمَ وَ] عَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اے اللہ! رحمت فرما محمد ﷺ اور آل محمد پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر، بے شک تو تعریف والا ہے اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت فرما محمد ﷺ اور آل محمد پر جس طرح تو نے برکت فرمائی ابراہیم علیہ السلام اور آل ابراہیم پر، بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ (بخاری، احادیث الانبیاء: باب ۱۰ ح ۳۳۷۰۔ مسلم، الصلوٰۃ: باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ح ۴۰۵ بریکٹ والے الفاظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں)

۲: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ

اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اے اللہ! محمد ﷺ ان کی بیویوں اوران کی اولاد پر رحمت فرما جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم پر رحمت فرمائی اور محمد ﷺ ان کی بیویوں اوران کی اولاد پر برکت فرما جیسا کہ تو نے آلِ ابراہیم پر برکت فرمائی بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ (بخاری، حوالہ سابق ۳۳۶۹، مسلم، حوالہ سابق ح ۴۰۷)

۳۴) درود کے بعد کی دعائیں

۱: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ[فِتْنَةِ] الْمَمَاتِ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ. اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں عذاب قبر سے اور تیری پناہ میں آتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے اور پناہ میں آتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (بخاری، الاذان: باب الدعاء قبل السلام ح ۸۳۳، مسلم، المساجد: باب مایستعاذ منہ فی الصلوٰۃ ح ۵۸۹۔ بریکٹ والا لفظ صحیح مسلم میں نہیں ہے)

۲: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ . اے اللہ! میں جہنم اور قبر کے عذاب سے، موت وحیات کے فتنہ سے اور فتنہ مسیح دجال کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(مسلم، حوالہ سابق ح ۵۸۸)

۳: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَ ارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. اے اللہ! بلاشبہ میں نے اپنے آپ پر بہت زیادہ ظلم کیا ہے اور تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا، پس اپنی جناب سے مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بخاری، الاذان: باب الدعاء قبل السلام ح ۸۳۴، مسلم، الذکر والدعاء: باب استحباب خفض الصوت بالذکر ح ۲۷۰۵)

۴: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّي اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآاِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ .

اے اللہ! میرے اگلے پچھلے، پوشیدہ اور ظاہر (تمام) گناہ معاف فرما اور جو میں نے زیادتی کی اور وہ گناہ جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے (وہ بھی معاف فرما) تو ہی آگے کرنے والا اور پیچھے کرنے والا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ (دیکھئے ص ۳۸)

۵: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِي وَعَافِنِي وَارْزُقْنِي .

☆ ایک صحابی کو یہ دعا سکھانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "یہ کلمات تیرے لئے دنیا اور آخرت دونوں کو جمع کر دیں گے۔"

(مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل التہلیل والتسبیح، ح ۲۶۹۷)

نماز کے بعد کے اذکار

۳۵) تکبیر باآواز بلند

۱: اَللّٰهُ اَكْبَرُ .

(بخاری، الاذان باب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۸۴۱، ۸۴۲، مسلم، المساجد باب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۵۸۳)

۲: اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. تین بار کہے! میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کے بعد یہ پڑھے۔

۳: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ ، تَبَارَكْتَ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.

اے اللہ! تو ہی السلام ہے تیری ہی طرف سے سلامتی ہے۔ اے ذوالجلال والاکرام! تو بڑا ہی بابرکت ہے۔ (مسلم، المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۵۹۱)

۴: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَاالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ. اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک

نہیں، اسی کے لیے بادشاہی ہے، اور اسی کے لیے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا اللہ! تیری عطا کو روکنے والا کوئی نہیں اور تیری روکی ہوئی چیز کوئی عطا کرنے والا نہیں اور دولت مند کو (اس کی) دولت تیرے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

(بخاری، الاذان: باب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۸۴۴، مسلم، حوالہ سابق ح ۵۹۳)

۵: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ . اللہ کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے اور اسی کے لیے ساری تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ گناہوں سے رکنا اور عبادت پر قدرت پانا صرف اللہ کی توفیق سے ہے۔ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، اور ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، ہر نعمت کا مالک وہی ہے اور سارا فضل اس کی ملکیت ہے، اسی کے لیے اچھی تعریف ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں۔ ہم صرف اسی کی خالص عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ کافر بُرا منائیں۔ (مسلم، حوالہ سابق ح ۵۹۴)

۶: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ .

اے اللہ! میں بزدلی اور کنجوسی سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس بات سے بھی کہ میں رذیل عمر (زیادہ بڑھاپے) کی طرف پھیر دیا جاؤں اور میں دنیاوی فتنوں اور عذاب قبر سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بخاری، الدعوات: باب الاستعاذۃ من ارذل العمر ح ۶۳۷۴)

۷: سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳ بار، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۳۳ بار، اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۳۳ بار اور ایک بار یہ پڑھیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . (ترجمہ کئی بار گزر چکا) یہ اذکار پڑھنے والے کے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (مسلم، المساجد: باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۵۹۷)

۸: سُبْحَانَ اللّٰهِ ۳۳بار، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ۳۳باراور اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۳۴بار

(بخاری، الاذان: باب الذکر بعد الصلوٰۃ ح ۸۴۳، مسلم، حوالہ سابق ح ۵۹۵ اس میں اللہ اکبر بھی ۳۳ مرتبہ ہے)

۹: سُبْحَانَ اللّٰهِ ۱۰مرتبہ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ۱۰مرتبہ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ بھی ۱۰مرتبہ

(بخاری، الدعوات: باب الدعاء بعد الصلوٰۃ ح ۶۳۲۹)

۱۰: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ (اَوْ تَجْمَعُ) عِبَادَكَ .

اے میرے رب! مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے (جمع کرے گا۔ (مسلم، صلوٰۃ المسافرین: باب استحباب یمین الامام ح ۷۰۹)

[الحدیث:۲۶]

خادم حسین پردیسی، جدہ سعودی عرب

اسلام کا شعار اور دعا.... السلام علیکم

دینِ اسلام نے مسلمانوں کو آپس میں سلام کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور سلام کرنا مسلمان بھائی کا حق ہے۔ سلام سے آپس میں محبت بڑھتی ہے، تعلق و ادب پیدا ہوتا ہے، سلام میں سبقت کرنے سے اللہ تعالیٰ دکھ اور نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔

تکبر و غرور کا مادہ زائل ہوتا ہے، مساوات و رواداری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ سلام کہنے والے سے خوش ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کئی مقامات پر سلام کہنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا دَخَلْتُم بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ﴾

اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ (النور:٦١)

نیز فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں (گھر والوں) سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ تم یاد رکھو۔ (النور:٢٧)

اسی طرح کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو اس سے اپنے تعلق اور مسرت کا اظہار کرنے کے لئے السلام علیکم کہنا چاہئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾

اور جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو انھیں

سلام علیکم کہا کیجئے۔ (الانعام:۵۴)

آیتِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کو یہ اصولی تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمان جب بھی اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے ملے تو السلام علیکم کہے اور اس طرح سلام کرنا باہمی الفت ومحبت کو بڑھانے اور استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

فرشتے بھی ''سلام علیکم'' کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾

(متقی لوگوں کی جزا یہ ہے کہ)جب فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگتے ہیں اور وہ (کفروشرک سے) پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (النحل:۳۲)

جنتیوں کا استقبال بھی انھی کلمات کے ساتھ ہوگا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴾

متقی لوگوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ سلام علیکم ، بہت اچھے رہے اب اس (جنت) میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ (سورۃ الزمر:۷۳)

جنت میں اہل جنت بھی ایک دوسرے کا استقبال انھی کلمات کے ساتھ کریں گے اور ''سلام،سلام'' کی صدا ان کی زبان پر عام ہوگی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾

(جنتی لوگ)وہاں بیہودہ اور گناہ کی بات نہ سنیں گے،ہاں ان کا کلام،سلام سلام (ہوگا)۔

(سورۃ الواقعۃ:۲۵،۲۶)

مذکورہ آیات سے معلوم ہوا کہ ''السلام علیکم'' مسلمانوں کے لئے بہترین دعا اور بہترین تحفہ ہے۔قرآنِ مجید کے علاوہ سنتِ نبوی میں بھی مسلمانوں کوسلام کہنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ذیل میں چنداحادیث درج کی جاتی ہیں:

۱۔ عن عبداللّٰہ بن عمرو أن رجلاً سَأل رسول اللّٰہ ﷺ:أيّ الإسلام خیر؟ قال :((تطعم الطعام وتقرئ السلام علٰی من عرفت ومن لم تعرف))

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کون سی خصلت اسلام میں بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کھانا کھلانا اور ہر واقف وناواقف کوالسلام علیکم کہنا۔ (صحیح بخاری:۶۲۳۶وصحیح مسلم:۶۳/۳۹،المشکوٰۃ:۴۶۲۹)

۲۔ عن أبي ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :((للمؤمن علی المؤمن ست خصالٍ:یعودہٗ إذا مرض ویشھدہٗ إذا مات و یجیبہٗ إذا دعاہ ویسلم علیه إذا لقیه ویشمتهٗ إذا عطس وینصح له إذا غاب أو شھد))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مومن کے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں۔(۱) جب بیمار ہوتو اس کی عیادت کرے (۲) جب فوت ہوجائے تو اس کی نمازِ جنازہ میں حاضر ہو (۳) جب دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے (۴) جب اس سے ملے تو سلام کہے (۵) جب وہ چھینکے تو چھینک کا جواب دے اور (۶) اس کی خیرخواہی کرے چاہے وہ حاضر ہو یا غائب۔

(المشکوٰۃ:۴۶۳۰،سنن النسائی ۴/۵۳ ح ۱۹۴۰،سنن الترمذی:۲۷۳۷وقال:'' ھٰذا حدیث صحیح '' وسندہ حسن)

۳۔ عن أبي ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ :((خلق اللّٰہ اٰدم علٰی صورته طوله ستون ذراعًا فلما خلقه قال:اذھب فسلم علٰی أولٰئك النفر وھم نفر من الملٰئكة جلوس ، فاستمع مایجیبونك فإنھا تحیتك وتحیة ذریتك فذھب فقال:السلام علیکم فقالوا:السلام علیك ورحمة اللّٰہ))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو

پیدا کیا تو انھیں فرشتوں کی ایک جماعت کے پاس بھیج کر فرمایا: ان کو سلام کیجئے اور وہ جو جواب دیں وہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا تحفہ ہے، چنانچہ آدم علیہ السلام نے انھیں السلام علیکم کہا تو انھوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ (البخاری: ۶۲۲۷ ومسلم: ۲۸۴۱/۲۸ والمشکوۃ: ۴۶۲۸)

۴۔ **عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((لا تدخلون الجنة حتّٰى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّٰى تحابّوا، أو لا أدلكم علٰى شيءٍ إذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بينكم))**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک تم ایمان نہ لے آؤ، اور تم مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایک ایسا کام نہ بتلاؤں جب تم اسے کرو گے تو تم میں باہمی محبت پیدا ہوگی؟ یہ کام ایک دوسرے کو سلام کہنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۴/۹۳۰، المشکوۃ: ۴۶۳۱)

۵۔ **عن أبي أمامة قال قال رسول الله ﷺ: ((إن أولى الناس بالله من بدأ بالسلام))**

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آدمی اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے جو سلام میں پہل کرے۔

(المشکوۃ: ۴۶۴۶، مسند احمد ۲۵۴/۵، سنن الترمذی: ۲۶۹۴ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن''، سنن ابی داود: ۵۱۹۷ وسندہ صحیح)

۶۔ **عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((يسلم الراكب على الماشي والماشي على القاعد والقليل على الكثير))**

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوار پیدل چلنے والے کو (پہلے) سلام کہے، پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے شخص کو اور تعداد میں تھوڑے زیادہ تعداد والوں کو سلام کہیں۔ (صحیح بخاری: ۶۲۳۲ وصحیح مسلم ۲۱۶۰/۱ والمشکوۃ: ۴۶۳۲)

۷۔ **''عن أنس قال: أن رسول الله ﷺ مر علٰى غلمان فسلم عليهم''**

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر بچوں پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

انھیں سلام کہا۔(صحیح بخاری:۶۲۴۷وصحیح مسلم:۲۱۶۸/۱۴والمشکوٰۃ:۴۶۳۴)

۸۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ:((إذا سلم علیکم الیھود فإنما یقول أحدھم:السام علیکم فقل:وعلیك))

سیدنا عبداللہ بن عمر(رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب یہود تمھیں سلام کہیں تو وہ ''**السام علیکم**''(تم پر موت آئے) کہتے ہیں، لہٰذا جواباً ان سے کہو: ''**وعلیك**'' یعنی تم پر بھی۔ (صحیح بخاری:۶۲۵۷وصحیح مسلم:۲۱۶۴/۸والمشکوٰۃ:۴۶۳۶)

سلام کے سلسلے میں بکثرت احادیث کتبِ حدیث میں مروی ہیں۔ہمیں چاہیے کہ دینِ اسلام کے اس بہترین تحفہ اور دعا کی قدر کرتے ہوئے اسے باہم خوب پھیلائیں اور اس کی برکتوں سے مستفید ہوں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب وسنت کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

[الحدیث:۳۴]

صاحب مضمون: عبدالعزیز جاسم   ترجمہ: سید عبدالحلیم

سنت نبویہ میں بسملہ (بسم اللہ) کا مقام ومرتبہ

(تلخیص، ترمیم وتہذیب)

الحمد للّٰه رب العالمين والصلاة والسلام علٰى نبينا محمد و علٰى اٰله و صحبه أجمعين ، أما بعد :

مسلمان اپنی انفرادی شخصیت کی وجہ سے اپنی نوع میں ایسا ممتاز ہے کہ اس میں اس کا کوئی بھی قطعی طور پر شریک نہیں، کیونکہ یہ (مسلمان) اپنے فکر، قول، اور عمل میں جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اور یہ چیز اس پر اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اسی انفرادی شخصیت کی وجہ سے دیگر مخلوق پر فوقیت رکھتا ہے، جس میں اس کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے۔

اس کے ان امتیازات میں سے ایک تسمیہ ہے کہ اپنے بعض افعال کو بجالاتے ہوئے ان کو بسم اللہ سے شروع کرتا ہے، جیسا کہ سنت نے ہمارے سامنے انھیں بیان کیا ہے (یہی وجہ ہے کہ) مسلمان کی زندگی میں بِسْمِ اللّٰه کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو بھی بات یا کوئی فعل سرانجام دیتا ہے تو اس کی ابتدا اللہ کے نام سے کرتا ہے۔ بسم اللہ کے ساتھ شروع کرنا اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل ہے کہ انسان اپنے خالق کے ساتھ کس قدر مؤدبانہ رویہ رکھتا ہے۔

اسی تسمیہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اور جو بھی معانی اس پر مشتمل ہوتے ہیں ہم یہ چیز پاتے ہیں کہ سب سے پہلے قرآن پاک میں جو ہمارے نبی محمد بن عبداللہ ﷺ پر نازل ہوا وہ یہ تھا کہ آپ اللہ کے نام سے پڑھیں: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ﴾ (سورۃ العلق:۱)

اسی وجہ سے میں نے پسند کیا کہ صحیح اور حسن احادیث جو تسمیہ کے متعلق وارد ہوئی ہیں، انھیں جمع کروں اور ان کے (اصل) مصادر سے انھیں نقل کروں اور ان کے جو مفردات غریبہ ہیں ان کی بھی شرح کردوں۔ اگر حدیث کسی فقہی حکم پر مشتمل ہو تو مذاہب فقہاء کی طرف

(صرف) اشارہ کروں، کیونکہ میں مذاہب کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا اور نہ ان کے دلائل بیان کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ اس سے موضوع طویل ہو جائے گا اور مقصد بھی بعید تر ہوتا جائے گا۔

☆عبادات جن کے بجالاتے وقت **بِسۡمِ اللّٰہ** پڑھنا مشروع ہے ان میں سے ایک وضو ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لا وضوءَ لمن لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ**)) جو شخص وضو کے (شروع) میں بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو ہی نہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۹۷، حسن)

☆ وضو کے شروع میں بسم اللہ چھوڑنے میں علماء کا اختلاف

اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ اگر (متوضی) نے بسم اللہ کو عمداً چھوڑ دیا تو وہ دوبارہ وضو کرے گا، اگر بھول سے رہ گئی یا کوئی اور اس کی تأویل کر لی تو اس کو کافی ہو جائے گی۔

(سنن الترمذی بعد حدیث: ۲۵)

[راجح یہی ہے کہ بسم اللہ کے بغیر وضو نہیں ہوتا، لہٰذا امام اسحاق کا درج بالا قول مرجوح ہے۔]

☆ نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھی مشروع ہے، جیسا کہ نعیم مجمر فرماتے ہیں: میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے ﴿ **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** ﴾ پڑھی، پھر آپ نے سورۂ فاتحہ قراءت کی حتی کہ جب آپ ﴿ **غیر المغضوب علیهم و لا الضالین** ﴾ پر پہنچے تو آپ نے آمین کہی......اور جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک (میری نماز) تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہ ہے۔ (سنن النسائی: ۹۰۶ وسندہ صحیح) لیکن اہلِ علم کا جہری اور سری نمازوں میں اختلاف ہے۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) اپنی نماز کو

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۴۳)

(۲) اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ شروع کرتے تھے۔ (سنن الترمذی: ۲۴۵ وسندہ حسن)

اس مسئلے میں اعتدال کی راہ یہی ہے کہ دونوں طرح عمل جائز ہے یعنی جہری نماز میں بسم اللہ جہراً اور سراً دونوں طرح جائز ہے اور ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے، لیکن بہتر اور افضل یہ ہے کہ سراً پڑھی جائے، کیونکہ اس کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔ بہر صورت اس مسئلے میں تشدد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ ''جہراً'' کے جواز کے لئے دیکھئے سنن النسائی (۹۰۶ وسندہ صحیح) اور ''سراً'' کے جواز کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۴۹۵ وسندہ حسن) اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۷۹۶، وسندہ صحیح)

☆ دم کرتے وقت مریض کو جب شرعی دم کیا جائے تو دم کرنے والا بسم اللہ سے دم شروع کرے، جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیماری کی شکایت کرتے تو جبریل علیہ السلام آپ کو دم کرتے ہوئے کہتے: ''بِسْمِ اللّٰهِ يُبْرِيْكَ وَمِنْ كُلِّ دَاءٍ يَشْفِيْكَ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ وَشَرِّ كُلِّ ذِيْ عَيْنٍ﴾ اللہ کے نام سے جو آپ کو ٹھیک کر دے گا اور ہر بیماری سے آپ کو شفا دے گا اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے اور ہر نظر بد کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۱۸۵، دارالسلام: ۵۶۹۹)

علامہ نووی نے فرمایا: یہ صراحت ہے اللہ کے ناموں کے ذریعے سے دم کرنے کی۔

(شرح صحیح مسلم ۱۴/۱۷۰)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لئے اس طرح دم کرتے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، يُشْفِي سَقِيْمُنَا ، بِإِذْنِ رَبِّنَا))

اور امام مسلم نے اس روایت کے شروع میں یہ اضافہ کیا کہ جب انسان اپنے اندر کوئی بیماری پائے یا اس کو کوئی پھوڑا پھنسی نکل آئے یا کوئی زخم ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک سے

اس طرح کرتے۔ سفیان نے اپنی سبابہ انگلی کو زمین پر رکھا، پھر اس کو اٹھالیا اور مذکورہ کلمات نقل کئے۔ (صحیح بخاری: ۵۷۴۵، ۵۷۴۶، صحیح مسلم: ۲۱۹۴، دارالسلام: ۵۷۱۹)

☆ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی دم کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم سے درد کی شکایت کی کہ جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں اپنے جسم میں درد محسوس کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنا ہاتھ اپنے جسم کی درد والی جگہ پر رکھیں اور تین مرتبہ ((بِسْمِ اللّٰهِ)) اور سات مرتبہ ((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَ قُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَ أُحَاذِرُ)) پڑھیں۔

(صحیح مسلم ۲۲۰۲، دارالسلام: ۵۷۳۷) یعنی میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ پکڑتا ہوں اس شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور ڈرتا ہوں۔

بسم اللہ کے ذریعے سے سرانجام دینے والے امور (کا ذکر)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات چھا جائے یا تم شام کرو تو اپنے بچوں کو (گھروں) میں روک کر رکھو، کیونکہ اس وقت شیاطین گھومتے پھرتے ہیں، جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو پھر انھیں چھوڑ دو، دروازوں کو بند کرو اور اللہ کا نام لو بیشک شیطان بند دروازے کو نہیں کھولتا اور اپنی مشکوں کو بھی اچھی طرح باندھ دو اور اس پر اللہ کا نام لو اور اپنے برتنوں کو بھی ڈھانپ دو اور اللہ کا نام لو، اگرچہ ان پر کسی چیز کو لمبا ڈال دو اور اپنے چراغوں کو بھی بجھا دو۔ (صحیح مسلم: ۲۱۰۲، دارالسلام: ۵۲۵۰)

اور أَوْكُوْا کا معنی ہے کہ مشک کو سخت کر کے تسمہ سے باندھ دو، تاکہ کوئی موذی چیز اس میں داخل نہ ہو سکے یا شیطان اس کے قریب نہ آ سکے۔

اور خمروا کا معنی ہے کہ برتنوں کو ڈھانپ دو، اگر ان کا ڈھکنا نہیں تو ان پر کسی لکڑی کو لمبا ڈال دو یا کوئی چیز ان پر رکھ دو اور تسمیہ سبب ہے شیطان کو ان کے قریب آنے سے روکنے کے لئے، وگرنہ شیطان کو بعض افعال پر ایسی طاقت دی گئی ہے جو اس سے بھی بڑی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا کہ (اور میں خیال کرتا ہوں کہ) لکڑی کو لٹا دینے پر اکتفا کرنا ہی اس کا ڈھانپنا ہے، یا بسم اللہ کے ساتھ لٹانا تو یہ لٹانا علامت ہے بسم اللہ کی جو شیطان اس (برتن) کے قریب آنے سے باز رہتے ہیں۔ (فتح الباری ۷۲/۱۱)

☆ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے تاکہ وہ جہاں بیٹھے سکون حاصل کرے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے، پھر داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان (اپنے ساتھیوں سے) کہتا ہے: نہ تم (یہاں) رات گزار سکتے ہو اور نہ رات کا کھانا ہی ہے۔ جب گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے: تمھیں گزارنے کو جگہ میسر ہو گئی اور جب کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے: رہنے کو ٹھکانہ بھی مل گیا اور کھانا بھی مل گیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۰۱۸، دارالسلام: ۵۲۶۲)

اس حدیث میں ذکر اللہ سے مراد بسم اللہ ہے۔

اونٹ پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنا

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی سند سے محمد بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر اونٹ کی پشت پر شیطان ہوتا ہے جب تم اس پر سوار ہو تو بسم اللہ پڑھا کرو، پھر تم اپنی ضروریات سے گھاٹے میں نہیں رہ سکتے۔ (مسند احمد ۴۹۴/۳ وسندہ حسن)

☆ بسم اللہ پڑھنا صرف اونٹ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر جانور پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔

علی بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا جب انھوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا: ''**بسم اللّٰہ**'' جب سواری کی پشت پر برابر ہو گئے تو کہا ''**الحمد للّٰہ**'' تین بار اور ''**اللّٰہ أکبر**'' بھی تین بار پھر یہ آیت پڑھی: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ

سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ (الزخرف:۱۳،۱۴)

پھر کہا" لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ" پھر ایک پہلو کی طرف جھکے اور ہنسے تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو کس نے ہنسایا ہے، تو جواب دیا کہ میں رسول اللہ کے پیچھے سوار تھا تو آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔ میں نے بھی آپ سے ایسے ہی سوال کیا تھا جیسے تو نے مجھ سے کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر تعجب کرتا ہے جب (بندہ) یہ کہتا ہے: "لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ إِنِّيْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ" اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو بخشتا اور سزا دیتا ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۶۰۲، ترمذی: ۳۴۴۶، المستدرک للحاکم ۲/ ۹۸ واللفظ لہ وسندہ حسن)

تنبیہ: موجودہ دور میں گاڑیوں اور موٹر سائیکل وغیرہ پر سوار ہوتے ہوئے بھی اسی طرح عمل کرنا چاہئے، کیونکہ یہ سواری (اونٹ، گھوڑے) کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم

☆ تسمیہ پڑھنے کے کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ جب مسلمان شکار کرتے ہوئے اپنا شکاری کتا یا تیر کو شکار کی طرف چھوڑے تو اس وقت بھی بسم اللہ پڑھے۔

سیدنا ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم اہلِ کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا سکتے ہیں؟ اور وہ زمین بھی شکار والی ہے تو کیا میں اپنی کمان اور اپنے ایسے کتے سے جو سدھایا ہوا نہیں اور اس کتے کے ساتھ جو سدھایا ہوا ہے شکار کر سکتا ہوں، میرے لئے کون سی چیز درست ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تم نے اہلِ کتاب کا ذکر کیا اگر ان کے برتنوں کے علاوہ برتن مل جائیں تو ان کے برتن استعمال نہ کرو، اگر نہ ملیں تو انھیں دھو کر ان میں کھا لو اور جو شکار تم اپنی کمان سے کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو کھاؤ اور جو شکار تم اپنے سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ کرو اور اس پر اللہ کا نام لو تو اس کو بھی کھا لو اور جو شکار بغیر سدھائے ہوئے کتے سے کرو تو اگر تم نے اسے

خود ذبح کیا ہے تو اس کو بھی کھا لو۔“ (صحیح بخاری: ۵۴۷۸، صحیح مسلم: ۱۹۳۰، دارالسلام: ۴۹۸۳)
اور کتے کے ساتھ باز، صقر (شکرا) اور دوسرے پرندے جو شکار کے لئے سدھائے ہوئے ہوں وہ سب شامل ہیں۔ دیکھیں فتح الباری (۶۰۰/۹ ح ۵۴۷۵)
دیگر ذبح کئے جانے والے جانوروں پر بھی ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں چھری وغیرہ نہیں ہے تو آپ نے فرمایا: ”جس چیز کی وجہ سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پس اس کو کھا لو ناخن اور دانت سے ذبح نہ کیا جائے، کیونکہ ناخن حبشہ والوں کی چھریاں ہیں اور دانت ایک ہڈی ہے۔“
(رافع) کہتے ہیں: ایک اونٹ بھاگ گیا پس اس کو (تیر مار کر) قابو کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ان اونٹوں کے لئے بھی ایسے ہی بھاگنا ہے جیسے جنگلی جانور (بھڑک کر) بھاگتے ہیں، لہٰذا جو تمھارے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی کرو۔

(صحیح بخاری: ۵۵۰۳، صحیح مسلم: ۱۹۶۸، دارالسلام: ۵۰۹۲)

حدیث نے ذبیحہ کے حلال کو دو چیزوں پر معلق کر دیا ہے وہ دونوں یہ ہیں:

(۱) بسم اللہ کا پڑھنا (۲) خون کا بہانا

ان میں سے ایک بھی اگر ختم ہو گیا تو دوسرا خود بخود ختم ہو جائے گا تو خون کا بہانا اور بسم اللہ دونوں ذبیحہ پر ضروری ہیں، تاکہ جانور حلال ہو جائے۔ دیکھیں فتح الباری (۶۲۸/۹)
[فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق رائفل وغیرہ سے شکار کیا جائے جس سے شکار شدہ جانور کا خون بہہ جاتا ہے تو یہ شکار حلال ہے، اگرچہ ذبح سے پہلے ہی مر جائے۔/ زع]

”واذکر اسم اللّٰہ“ سے مراد یہ ہے کہ ذبح کرنے والا بسم اللہ کہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے۔ ”فلیذبح باسم اللّٰہ“ (صحیح مسلم: ۱۹۶۰، دارالسلام: ۵۰۶۷)
لیکن قربانی کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھی پڑھے اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر) بھی کہے

جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶٦، دارالسلام: ۵۰۹۰)

اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اگر مسلمان آدمی لے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ کھانا کھاتے وقت یا پانی پیتے وقت بھی بسم اللہ پڑھے، تاکہ ان میں سے شیطان کسی چیز میں شریک نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۱۷، دارالسلام: ۵۲۵۹)

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک بچہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت میں تھا اور میرا ہاتھ کھانے کی پلیٹ میں گھومتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے بچے! اللہ کا نام لے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا اور اس کے بعد میں ہمیشہ ایسے ہی کھاتا تھا۔ (صحیح بخاری: ۵۳۷٦، صحیح مسلم: ۲۰۲۲، دارالسلام: ۵۲٦۹)

☆ مسلمان اگر کھانا کھاتے یا پانی پیتے ہوئے بسم اللہ بھول جائے تو جب بھی کھانے کے دوران میں یاد آئے تو اس کو پڑھ لے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے کھانے میں اللہ کے ذکر کو بھول جائے جب اسے یاد آئے تو کہے: ((**بسم اللّٰہ فی أولہ و آخرہ**)) تو وہ نئے سرے سے کھانا شروع کرتا ہے اور ناپاکی جو اس کو پہنچی ہے اس کو ختم کرتا ہے۔ (صحیح ابن حبان، الموارد: ۱۳۴۰، عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ۴۵۹ وسندہ حسن)

☆ بسم اللہ پڑھنے والے کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی بسم اللہ پڑھے جیسا کہ سنت نبویہ سے ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل (بیوی) کے پاس جائے تو کہے: ((**بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِی الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا**)) اگر اللہ نے ان کے حق میں اولاد کا فیصلہ کر دیا تو شیطان اس (اولاد) کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۱٦۵)

☆ میت کو قبر میں اتارتے وقت بسم اللہ پڑھنا ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے

مردوں کو قبر میں رکھوتو (رکھتے وقت) ((بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ)) کہو۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۵۵۰، صحیح واللفظ لہ، نیز دیکھئے سنن ابی داود: ۳۲۱۳، صحیح ابن حبان، الموارد: ۷۷۳)

تو اس طرح اس مسلمان کے ساتھ آخری عہد بسم اللہ کے ساتھ ہوگا جو دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور ایک دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو رہا ہے جو کہ دنیاوی جہان سے کلی طور پر مختلف ہے اور اپنے رب کی ملاقات تک وہاں رہے گا۔

خلاصہ: بسم اللہ کی احادیث کو پیش کرتے وقت جو کچھ میرے سامنے آیا وہ درج ذیل ہے:

۱۔ مسلمان کی زندگی میں بسم اللہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

۲۔ اللہ مسلمان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی طرف پناہ پکڑتا ہے اور اس سے مدد طلب کرتا ہے۔

۳۔ شیطان کا انسان پر غلبہ اور عجیب قدرت کا پانا اور اگر مسلمان اپنے رب سے مدد طلب کرتا ہے اور اس کے شر سے اس کے ساتھ پناہ پکڑتا ہے تو اسی وقت وہ کمزور ہو جاتا ہے۔

۴۔ نبی اکرم ﷺ کا حرص کرنا اپنی امت کو ایسی تعلیم دینے میں جو اس کو فائدہ پہنچائے اور جو اس کے لئے خیر کے اکٹھا کرنے اور دارین کی سعادت کو حاصل کرنے کا سبب ہے۔

[الحدیث: ۴۳]

اصولِ حدیث و تحقیق الروایات

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ترجمہ: حافظ عبدالحمید ازھر

ترغیب وترہیب اور فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث کا حکم

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول [1] ہے کہ حرام وحلال کا معاملہ ہوتو ہم سندوں میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ترغیب وترہیب کی بات ہوتو ہم اسانید میں تساہل برتتے ہیں۔اسی طرح علماء کا جو طریق کار ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کر لیتے ہیں۔تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے ایسی حدیث جو حجت اور دلیل نہیں بن سکتی اس سے استحباب ثابت ہوسکتا ہے اس لئے کہ استحباب شرعی حکم ہے،لہٰذا شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا۔اور جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شرعی دلیل کے بغیر یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال میں سے کسی خاص عمل کو پسند کرتا ہے تو وہ اللہ کے حکم کے بغیر دین میں شریعت سازی کررہا ہے،اور یہ ایسے ہی ہے کہ کسی چیز کے وجوب یا حرمت کا فیصلہ دیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ علماء جس طرح باقی احکام میں باہم اختلاف کرتے ہیں استحباب کے متعلق بھی ان کی آراء مختلف ہوتی ہیں، بلکہ حقیقی اور منزل من اللہ دین کی بنیاد ہی یہ اصول ہے۔

....

[1] الکفایۃ للخطیب ص۱۳۴،اس قول کی سند ابوالعباس أحمد بن محمد السجزی اور أبوعبداللہ النوفلی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے، دیکھئے لسان المیزان (۲۵۳/۱، ۲۵۴ و ۱۶۷/۷) الکفایۃ میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے۔خلاصہ یہ کہ امام احمد بن حنبل سے یہ قول ان الفاظ کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے کہ وہ فضائل اعمال میں تساہل کے قائل تھے، امام بیہقی نے امام احمد سے نقل کیا: محمد بن اسحاق سے یہ احادیث لکھنی چاہئیں ، گویا انہوں نے مغازی وغیرہ کی طرف اشارہ کیا، اگر حلال وحرام کا مسئلہ ہوتو ہم یہ چاہتے ہیں، عباس الدوری نے مٹھی بندکر کے بتایا (کہ ہم مضبوط احادیث چاہتے ہیں) (دلائل النبوہ: ۳۷/۱، ۳۸ وسندہ صحیح)

تنبیہ: محمد بن اسحاق کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ احکام میں بھی حسن الحدیث ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن مھدی فضائل میں **تساھل فی الاسانید** کے قائل تھے۔(المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۲۹ ودلائل النبوۃ: ۳۴/۱ وسندہ صحیح)

ان حضرات کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب کسی عمل کے متعلق نص شرعی یا اجماع سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔ مثلاً تلاوت قرآن، ذکر و تسبیح، دعاء و صدقہ، غلاموں کی آزادی اور لوگوں سے حسن سلوک وغیرہ یا ثابت ہو جائے کہ وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے، مثلاً جھوٹ خیانت وغیرہ، تو اس صورت میں ان ثابت شدہ اعمال کی فضیلت اور ان کے ثواب یا برے اعمال کی کراہت اور ان کے گناہ کے بارے میں کوئی حدیث مروی ہو، تو اجر و ثواب اور سزا و عذاب کی مقدار اور انواع کے متعلق ایسی حدیث مروی ہو جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ وہ موضوع ہے تو اس صورت میں اس کو روایت کرنا جائز ہوگا، بایں معنیٰ کہ انسان اس ثواب کی امید یا اس سزا کا خوف رکھے۔

مثال کے طور پر ایک شخص جانتا ہے کہ تجارت میں فائدہ ہے، لیکن اسے بات پہنچی کہ اس میں بہت زیادہ فائدہ ہے اگر اسے پہنچنے والی بات درست ہوئی تو اسے فائدہ پہنچے گا، اور اگر جھوٹ بھی ہوئی تو اسے نقصان نہیں ہوگا، یعنی اس قدر فائدہ نہیں ہوگا جتنا کہ اسے بتایا گیا تھا۔ اسے یونہی سمجھیں کہ جس طرح ترغیب و ترہیب میں اسرائیلی مرویات خوابین، سلف کے مقولے علماء کے اقوال و واقعات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔ معلوم ہے کہ صرف ان امور سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا نہ استحباب اور نہ کچھ اور، لیکن ترغیب و ترہیب، امید دلانے اور خوف دلانے کے لئے انہیں بیان کیا جا سکتا ہے۔

جن اعمال کا اچھا یا برا ہونا شرعی دلائل سے ثابت اور معلوم ہو تو یہ اضافی چیزیں فائدہ دیتی ہیں ضرر نہیں اور وہ حق ہوں یا باطل اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تو جس کے متعلق معلوم ہو جائے کہ یہ باطل اور موضوع ہے تو اس کی طرف التفات جائز نہیں۔ اس لئے کہ جھوٹ سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اگر ثابت ہو جائے کہ وہ صحیح ہے تو اس سے احکام ثابت ہوں گے، اگر دونوں باتوں کا احتمال رکھے تو اسے روایت کرنا روا ہوگا کہ اس کے سچ ہونے کا امکان ہے اور جھوٹ ہو تو اس کا کوئی نقصان نہیں، امام احمد رحمہ اللہ نے یہی کہا ہے کہ ترغیب و

ترہیب کا معاملہ ہوتو ہم اسانید میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم اسے اسانید کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں، اگر چہ ان کے راوی اس قدر قابل اعتماد نہ ہوں جن سے حجت اور دلیل پکڑی جاتی ہے،اسی طرح جس نے کہا کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل ہو سکتا ہے تو عمل تو اسی پر ہوگا جو ثابت شدہ نیک اعمال ہیں، مثلاً تلاوت اور ذکر یا برے اعمال سے اجتناب۔

نبی ﷺ کے فرامین میں سے وہ حدیث اس کی نظیر ہے جسے امام بخاری نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ((بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمدًا فليتبوأ معقده من النار .)) (۱)

میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی ہو، بنی اسرائیل سے نقل کر سکتے ہو کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سنبھال لے۔

اسے صحیح حدیث میں مذکور نبی ﷺ کے اس فرمان کے ساتھ رکھو:

((إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تكذبوهم ②))

اہل کتاب تم سے کوئی بات بیان کریں تو ان کی تصدیق نہ کرو اور نہ انہیں جھوٹا کہو۔

اس طرح آپ ﷺ نے اہل کتاب سے بات نقل کرنے کی رخصت بھی دی اور ساتھ ہی ساتھ اس کی تصدیق کرنے یا انہیں جھٹلانے سے بھی ممانعت کر دی۔اگر ان سے بات نقل کرنے میں مطلقاً فائدہ نہ ہوتا تو آپ ﷺ اس کی رخصت دیتے ہوئے اس کا حکم نہ دیتے،اور اگر صرف ان کے بیان کر دینے سے ہی ان کی تصدیق جائز ہوتی تو آپ ﷺ

....

① البخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ماذکر عن بنی إسرائیل ح ۳۴۶۱

② احمد (۱۳۶/۴ ح ۱۷۳۵۷) وابوداود (۳۶۴۴) وابن حبان (الموارد: ۱۱۰) اس کی سند نملۃ بن ابی نملہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم (۴۴۸۵، ۷۳۶۲، ۷۵۴۲)

ان کی تصدیق سے منع نہ فرماتے ،غرضیکہ جن باتوں پر سچائی کا گمان ہوان سے انسانی طبائع بعض حالات ومقامات میں مستفید ہوتی ہیں۔

چنانچہ جب ضعیف احادیث کسی مقدار اور تحدید پر مشتمل ہوں، مثلاً کسی خاص وقت میں خاص قراءت اور خاص طریقہ سے نماز کے متعلق بتایا جائے تو ضعیف ① حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے اس پر عمل روا نہ ہوگا۔اس لئے خاص طریقہ کا مستحب ہونا دلیل شرعی سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ترغیب وترہیب میں اس قسم کی روایات بیان کی جاسکتی ہیں،اور حصول مقصد کے لئے استعمال کی جاسکتی ہیں،تاہم ثواب اور عذاب کی مقدار کے تعین کا اعتقاد دلیل شرعی پر ہی موقوف ہوگا۔ (فتاوی شیخ الاسلام:۱۸/۶۵۔۶۸)

....

① ضعیف حدیث کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ نہ فضائل میں معتبر ہے اور نہ عقائد واحکام میں، جمال الدین قاسمی نے ضعیف حدیث کے بارے میں پہلا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ " لایعمل بہ مطلقًا لا في الأحکام ولافی الفضائل ، حکاہ ابن سید الناس في عیون الأثر عن یحیی بن معین و نسبه في فتح المغیث لأبي بکر بن العربي والظاهر أن مذهب البخاری و مسلم ذلك أیضًا ، یدل علیه شرط البخاري في صحیحه و تشنیع الإمام مسلم علی رواة الضعیف کما أسلفناه وعدم اخراجهما في صحیحهما شیئاً منه" احکام ہوں یا فضائل،اس پر عمل نہیں کیا جائے گا،اسے ابن سید الناس نے عیون الاثر میں ابن معین سے نقل کیا ہے،اور فتح المغیث میں (سخاوی) نے ابوبکر بن العربی کی طرف منسوب کیا ہے،اور ظاہر ہے کہ امام بخاری ومسلم کا یہی مسلک ہے۔صحیح بخاری کی شرط اس پر دلالت کرتی ہے۔امام مسلم نے ضعیف حدیث کے راویوں پر سخت تنقید کی ہے،جیسا کہ ہم نے پہلے لکھ دیا ہے۔دونوں اماموں نے اپنی کتابوں میں ضعیف روایات میں سے ایک روایت بھی فضائل ومناقب میں نقل نہیں کی۔ (قواعد التحدیث ص ۱۱۳)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرسل روایات کو سننے کے ہی قائل نہ تھے۔

(دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم ح:۲۱ والنکت علی کتاب ابن الصلاح ۲/۵۵۳)

معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ضعیف حدیث کو فضائل میں بھی حجت تسلیم نہیں کرتے تھے۔[الحدیث:۴]

محمد خُبیب احمد

ایک روایت اور اس کی تحقیق

ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خبر دی: ''(۱) کسی نبی کے بعد کوئی نبی نہیں ہوتا مگر وہ نبی گزشتہ نبی کی عمر سے نصف عمر زندگی گزارتا ہے (۲) اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ (سیدنا) عیسیٰ علیہ السلام ایک سوبیس برس زندہ رہے (۳) اور میں اپنے بارے میں خیال نہیں کرتا مگر یہ کہ میں بھی ساٹھ برس کی عمر میں جانے (فوت ہونے) والا ہوں۔''

[یہ روایت پیش کر کے قادیانی ومرزائی مذہب والے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت بلحاظِ سند اور بلحاظِ متن دونوں طرح سے ثابت نہیں بلکہ ضعیف و باطل ہے۔ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ ایسی روایت مردود و ناقابلِ استدلال ہوتی ہے۔ ادارہ علومِ اثریہ فیصل آباد کے رفیق محترم محمد خبیب احمد صاحب نے تحقیق کر کے اس روایت کا ضعیف، باطل اور مردود ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اس روایت کے متن کا ناقابلِ استدلال بلکہ صریحاً عقل کے خلاف ہونا اس مضمون کے آخر میں مذکور ہے۔ (دیکھئے ص ۳۸)

معلوم ہوا کہ قادیانی ومرزائی مذہب والوں کا اس روایت سے استدلال کرنا عقلاً اور نقلاً دونوں طرح سے غلط ہے۔ اب اس روایت پر محترم خبیب صاحب کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:]

اس روایت کو امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۱۹۹/۵ ح ۱۹۳۷، ۱۳۹/۱۔۱۴۰ ح ۱۴۶، دوسرا نسخہ ۳۸۴/۲، ۴۹/۱) طبرانی نے المعجم الکبیر (۴۱۶/۲۲ ح ۱۰۳۱ مختصراً) ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثانی (۳۶۹/۵۔۳۷۰ ح ۲۹۷۰ ورقم ۲۹۶۵ مختصراً) بیہقی نے دلائل النبوۃ (۱۶۵/۷۔ ۱۶۶) ابن عبدالبر نے التمہید (۲۰۰/۱۴) اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق

(۴۸۱/۴۷ـ۴۸۲)میں'' **محمد بن عبداللّٰہ بن عمرو بن عثمان أن أمه فاطمة ابنة الحسين عن عائشة عن فاطمة**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اس حدیث کو المستدرک للحاکم اور المعرفۃ والتاریخ للامام یعقوب الفارسی کی طرف منسوب کیا ہے۔(البدایہ والنہایہ ۹۵/۲) یہ روایت ان کتب میں تو دستیاب نہ ہو سکی، البتہ زیادات المعرفۃ والتاریخ (۲۶۵/۳ـ۲۶۶، ضمن المعرفۃ والتاریخ) میں موجود ہے۔

اس روایت کا مرکزی راوی محمد بن عبداللہ المعروف بالدیباج متکلم فیہ ہے۔اس کے بارے میں ائمۂ نقاد (جرح وتعدیل کے اماموں) کی تنقید ملاحظہ فرمائیں:

① بخاری: **لا يكاد يتابع في حديثه** (التاریخ الاوسط ۴۶۶/۳ رقم:۶۹۳، دوسرا نسخہ المطبوع خطأً باسم التاریخ الصغیر ۷۶/۲، التاریخ الکبیر ۱۳۸/۱: ''**عنده عجائب**'' الضعفاء الصغیر ص ۳۲۵ دوسرا نسخہ رقم:۴۳۸)

② مسلم: **عن أبي الزناد منكر الحديث** (الکنی ۴۸۷/۱، رقم:۱۸۸۴، تاریخ دمشق ۲۸۶/۵۶)

③ ابن حبان: **في حديثه عن أبي الزناد بعض المناكير** (الثقات ۴۱۷/۷)

④ ابن الجارود: **لا يكاد يتابع على حديثه** (تہذیب التہذیب ۲۶۹/۹)

⑤ ابن خزیمہ: **وأنا أبرأ من عهدته** . (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۸۴/۵۶ وسندہ صحیح)

⑥ ابواحمد الحاکم الکبیر: **ليس بالقوي عندهم** (تاریخ دمشق ۲۸۴/۵۳ـ۲۸۵ وسندہ صحیح)

☆ النسائی: **ليس بالقوي** (تاریخ دمشق ۲۸۶/۵۶)

اس قول کی سند میں عبدالکریم بن الامام النسائی مجہول الحال ہے۔

ائمۂ معدلین اور ان کی تعدیل

① عجلی: **ثقة** (تاریخ الثقات ص ۴۰۶ رقم:۱۴۷۲، معرفۃ الثقات بترتیب الہیثمی والسبکی ۲۴۲/۲ رقم:۱۶۱۴)

☆ نسائی: **ثقة** . (میزان الاعتدال ۵۹۳/۳ وتہذیب الکمال ۳۷۹/۶)

یہ قول بلاسند ہونے کی وجہ سے امام نسائی سے ثابت نہیں ہے۔

☆ ابن عدی: **حديثه قليل ومقدار ماله يكتب**

اس کی حدیثیں تھوڑی ہیں اور اس کی روایتیں لکھی جاتی ہیں۔ (الکامل ۲۲۲۴/۶)

یہ نہ توثیق ہے اور نہ جرح ہے لیکن جرح کی طرف اشارہ ہے۔

☆ ابن حجر: صدوق (التقریب: ۶۰۷۶) ثقة (تعجیل المنفعة ص ۳۰۶ ترجمہ عمرو بن جعفر)

مگر حافظ صاحب نے فتح الباری کتاب الطب باب الجذام (۱۰/۱۵۹ رقم: ۵۷۰۷) کے تحت سنن ابن ماجہ کی اس کے واسطے سے ایک روایت: ((لا تدیموا النظر إلی المجذوم)) کو ضعیف کہا ہے۔ اس روایت کی تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: الصحیحۃ للالبانی (۳/۵۱۔۵۳ ح ۱۰۶۴) اور انیس الساری فی تخریج احادیث فتح الباری (۹/۶۰۸۱۔۶۰۸۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ صاحب نسیان یا تردد کا شکار ہو گئے ہیں یا پھر یہی ان کا آخری فیصلہ ہے۔ ایسے متکلم فیہ راوی (اور ضعیف عند الجمہور) کا تفرد بالخصوص جب کہ اس کی روایت میں ضعف اور نکارت ہو، نا قابلِ قبول ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس (حدیث) کو امام طبرانی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔ امام بزار نے بھی اس (روایت) کا کچھ حصہ روایت کیا ہے اور اس کے رجال میں ضعف (کمزوری) ہے۔'' (مجمع الزوائد ۹/۲۳)

حافظ ابن عساکر نے یہ فرما کر اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ''صحیح بات یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عمر کو نہیں پہنچے۔'' (تاریخ دمشق ۴۷/۴۸۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''حدیث غریب'' (البدایہ والنہایہ ۲/۹۵ دوسرا نسخہ ۲/۲۹۲)

حافظ ابن حجر نے بھی اس روایت کے اثبات میں شک کا اظہار یوں کیا ہے: ''جب عیسیٰ علیہ السلام کو (آسمانوں پر) اٹھایا گیا تو اس وقت ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے، ایک قول کے مطابق تینتیس برس اور دوسرے قول کے مطابق ایک سو بیس برس کہا گیا ہے۔'' (فتح الباری ۶/۴۹۳)

محدث البانی رقمطراز ہیں: ''اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے۔'' (الضعیفة ۹/۴۲۵)

خلاصہ یہ کہ محمد بن عبداللہ الدیباج جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔ اس کی توثیق صرف ایک محدث سے ثابت ہے اور جرح چھ محدثین سے ثابت ہے لہٰذا یہ روایت ضعیف و مردود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محمد بن عبداللہ الدیباج کی عامر بن واثلہ اللیثی نے

متابعت کر رکھی ہے۔ اسے امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۲۲/ ۴۱۷۔ ۴۱۸ ح ۱۰۳۰) میں
"عبدالكريم بن يعقوب (!) عن جابر عن أبی الطفيل عن عائشة عن
فاطمة" کی سند سے بیان کیا ہے مگر یہ سند بھی درج ذیل علل کی وجہ سے ضعیف ہے:

① جابر جعفی ضعیف اور مشہور رافضی ہے۔ (التقریب: ۸۸۶)

② عبدالکریم بن یعقوب: عبدالکریم بن یعفور جعفی ابو یعفور سے محرف ہے، جیسا کہ امام طبرانی نے دوسری جگہ ایک حدیث کی سند میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔
دیکھئے المعجم الکبیر (۳/ ۹۵ ح ۲۷۶۷)
المعجم الاوسط للطبرانی کے مخطوطہ (۱/ ۲۳۳/ ب، ح ۴۰۹۱) بحوالہ الضعیفۃ للالبانی (۱۸۱/۱۲) میں بھی عبدالکریم ابو یعفور ہے، جبکہ مطبوعہ نسخے (۴/ ۵۵۵ ح ۳۹۴۶) میں یہ محرف ہو کر ابو یعقوب ہو گیا، پس اصلاح کر لیں۔

۲۔ درج ذیل مراجع میں بھی اس کا نام عبدالکریم بن یعفور ابو یعفور وارد ہوا ہے:
التاریخ الکبیر للبخاری (۶/ ۹۱، رقم ۱۸۰۶) الجرح والتعدیل (۶/ ۶۱، رقم ۳۲۰) الکنیٰ لمسلم (۲/ ۹۳۰، رقم ۳۷۹۵) الکنیٰ للدولابی (۲/ ۱۶۹) الثقات لابن حبان (۸/ ۴۲۳) میزان الاعتدال (۲/ ۶۴۷) المغنی (۲/ ۴۰۳) تاریخ الاسلام (حوادث ۱۸۱۔ ۱۹۰ھ، ص ۲۸۱۔ ۲۸۲) المشتبہ للذہبی (۲/ ۶۷۰) توضیح المشتبہ لابن ناصر الدین (۵/ ۴۷۱) لسان المیزان (۴/ ۵۳، اس کے بعض نسخوں میں ابن یعقوب واقع ہوا ہے۔ دوسرا نسخہ ۴/ ۲۴۵) الاکمال لابن ماکولا (۷/ ۴۳۶)

۳۔ لفظ یعقوب کا لفظ یعفور کے ہم شکل و ہم وزن ہونے کی وجہ سے بھی خطا کا احتمال قوی ہے۔

تنبیہ: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲/ ۶۴۷) میں کسی دلیل کے بغیر عبدالکریم بن یعفور خزاز کو ولید بن صالح کا استاد قرار دیا ہے۔ حالانکہ امام ابن ابی حاتم نے ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر کر کے ان پر مختلف جرح نقل کی ہے۔
ابن یعفور کو ابو حاتم نے شیخ لا یعرف کہا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۶/ ۶۱ رقم: ۳۲۰) اور

اس کا لقب خزاز (خراز) ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری نے بھی التاریخ الکبیر (۶/۹۱) میں اس کے بارے میں سکوت کیا ہے۔

ولید بن صالح کے استاد عبدالکریم پر امام ابوحاتم نے **کان یکذب** کی جرح کر رکھی ہے۔

(الجرح والتعدیل ۶/۶۲ رقم: ۳۲۶)

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۴/۵۳) میں حافظ ذہبی کا رد کیا ہے مگر ان کے کلام سے اس کی تفصیل واضح نہیں ہوتی۔

تیسرا راوی عبدالکریم بن خراز ہے جو کہ جابر جعفی کا شاگرد ہے، اس کے بارے میں ازدی نے کہا: **واھی الحدیث جدًا** ۔حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''یہ عبدالکریم بن عبدالرحمٰن خراز ہے'' (لسان المیزان ۴/۵۳) یعنی یہ راوی اسی طبقے کا ہے مگر عبدالرحمٰن کا بیٹا ہے ابن یعفور نہیں۔امام ابن ماجہ نے سنن میں اس سے روایت لی ہے۔دیکھئے تہذیب الکمال (۱۲/۷)

حافظ ابن حبان نے اسے **مستقیم الحدیث** کہا ہے (الثقات ۷/۴۲۳، اس میں عبدالکریم بن عبدالکریم بجلی ہے جو کہ خطا ہے۔درست وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔)

حافظ ذہبی نے وثق کہا ہے۔(الکاشف ۲/۲۰۵ رقم: ۳۴۷۳)

حافظ ذہبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر ان راویوں پر کرتے ہیں جن کو صرف ابن حبان نے ثقہ کہا ہوتا ہے، مگر خود حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں عام طور پر ان راویوں کو مجہول کہتے ہیں اور حافظ ابن حجر ایسے راویوں کو مقبول کہتے ہیں جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ شائقین ملاحظہ فرمائیں الصحیحۃ للالبانی (۵/۱۷۹)

ایسے ہی ابن یعفور کو حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے۔ (التقریب: ۴۱۸۱)

اگر حافظ صاحب ازدی کی جرح کو بھی مدنظر رکھتے تو اس کو اپنے اصول اور قاعدے کے مطابق ضعیف راوی قرار دیتے۔واللہ اعلم

خلاصہ: عبدالکریم بن یعفور مجہول الحال راوی ہے اگرچہ حافظ ابن حبان نے اسے ثقات (۸/۴۲۳) میں ذکر کیا ہے۔محدثین کے ہاں ابن حبان کا مجہول راویوں کو ثقات میں ذکر

کرنا یا ثقہ قرار دینا معروف ہے جس کی بنا پر وہ ایسی صورت میں غیر معتبر ہیں۔

حافظ ذہبی نے المشتبہ (۶۷۰/۲) ابن حجر نے تبصیر المنتبہ (۱۴۹۵/۴) میں **لا یعرف** کہا ہے۔

ابن ناصر الدین الدمشقی کا رجحان بھی اسی جانب ہے۔ (توضیح المشتبہ ۴۷۱/۵)

شیخ البانی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (الضعیفۃ ۱۸۳/۱۲)

اس لئے الدیباج کے لئے یہ متابعت بھی قابلِ تقویت نہیں ہے، لہٰذا یہ روایت اپنی ان دو سندوں کے باوجود ضعیف ہے۔ اب تفصیلاً اس حدیث کے شواہد ملاحظہ فرمائیں:

پہلا شاہد: حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا

امام بزار اور ابن عبدالبر رحمہما اللہ نے "**ابن لهيعة عن جعفر بن ربيعة عن عبدالله بن عبدالله بن الأسود عن عروة عن عائشة**" کی سند سے مرفوعاً یہ الفاظ بیان کئے ہیں:

((ما بعث نبي إلا كان له من العمر نصف عمر الذي قبله وقد بلغت نصف عمر الذي قبلي ، فبكيت .)) (کشف الاستار للہیثمی ۳۹۸/۱ ح ۸۴۶، التمہید ۱۹۹/۱۴۔۲۰۰، موسوعۃ شروح الموطأ ۲۶۱/۲۲، الذریۃ الطاہرۃ للدولابی رقم: ۱۷۸)

ابن لہیعہ اگرچہ صدوق راوی ہیں مگر یہ اپنی وہ کتب جن سے دیکھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ ان کے جل جانے کے بعد یہ اپنے حافظے سے ہی احادیث بیان کرتے تھے، جس کی بنا پر وہ احادیث کی اسانید اور متون میں غلطی اور بھول کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس لئے ان کی وہی روایات معتبر ہیں جو انھوں نے اختلاط سے پہلے بیان کی ہیں۔ بعد از اختلاط روایت کرنے والے شاگردوں کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مذکورہ روایت انھوں نے اختلاط (سٹھیا جانے) کے بعد روایت کی ہے۔

ابن لہیعہ سے درج ذیل شاگردوں نے اختلاط سے پہلے سنا ہے:

عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن یزید المقرئ، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، یحییٰ بن اسحاق، ولید بن مزید، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسحاق بن عیسیٰ، سفیان الثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث المصری، لیث بن سعد اور بشر بن بکر۔

(دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین ص ۷۷، ۷۸)

اگر ابن لہیعہ سے مذکورہ شاگردوں میں سے کوئی روایت کرے اور ابن لہیعہ سماع کی تصریح کریں تو روایت حسن ہوتی ہے ورنہ ضعیف ہوتی ہے۔

عروہ رحمہ اللہ کے شاگرد عبداللہ بن عبداللہ بن الاسود کا ترجمہ نہیں مل سکا۔ التمہید میں عبداللہ بن عبیداللہ (تصغیر) اور الذریۃ الطاہرۃ میں عبدالملک بن عبیداللہ ہے۔

اگر یہ راوی مختلف نہیں اور ناسخ یا طابع کی غلطی بھی نہیں تو ممکن ہے کہ یہ بھی ابن لہیعہ کا وہم ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

حافظ بزار نے اس کے تفرد اور نکارت کی جانب یوں اشارہ کیا ہے:

''لا نعلم روی عبداللّٰہ عن عروۃ إلا ھذا .'' (کشف الاستار ۱/۳۹۸)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: '' وروی البزار بعضه أیضًا و في رجاله ضعف .''

(مجمع الزوائد ۹/۲۳)

دوسرا شاہد: حدیثِ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں: ((ما بعث اللّٰہ عزوجل نبیًا إلا عاش نصف ما عاش الذي کان قبله .))

اس روایت کو طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۵/۲۰۰ ح ۱۹۳۸) دوسرا نسخہ (۲/۳۸۴۔ ۳۸۵) بخاری نے التاریخ الکبیر (۷/۲۴۴۔۲۴۵ رقم ح ۱۰۴۲) یعقوب الفارسی نے المشیخۃ میں (بحوالہ المقاصد الحسنۃ ص ۳۶۳ والشذرۃ لابن طولون ۲/۱۰۲) امام ابن عدی نے الکامل (۶/۲۱۰۲) دیلمی نے مسند الفردوس (۴/۳۷۳ ح ۶۲۱۵) ابونعیم نے معرفۃ الصحابۃ (۳/۱۱۷۵ ح ۲۹۸۱) وحلیۃ الاولیاء (۵/۶۸) اور سخاوی نے المقاصد الحسنۃ (۹۴۴) میں ''عبید بن إسحاق العطار عن کامل بن العلاء أبی العلاء التمیمي عن حبیب ابن أبي ثابت عن یحیی بن جعدۃ عن زید بن أرقم '' کی سند سے بیان کیا ہے۔

اس کی سند میں عبید العطار سخت ضعیف راوی ہے۔ جس کے بارے میں محدثین کی بعض

گواہیاں درج ذیل ہیں:

① بخاری: **عنده مناكير .** (التاریخ الکبیر ۵/۴۴۱، الضعفاء الصغیر رقم: ۲۲۳)

② مسلم: **متروك الحديث.** (الکنی ۱/۵۲۸ رقم: ۲۱۰۷)

③ نسائی: **متروك الحديث.** (الضعفاء والمتروکین ص ۱۰۷ رقم: ۴۲۳، دوسرا نسخہ رقم: ۴۰۲)

④ ابن حبان: **ممن يروى عن الأثبات ما لا يشبه حديث الثقات، لا يعجبني الاحتجاج بما انفرد من الأخبار** (المجروحین ۲/۱۷۶)

⑤ ابن عدی: **وعامة ما يرويه إما أن يكون منكر الإسناد أو منكر المتن .**

(الکامل ۵/۱۹۸۷)

دیکھئے میزان الاعتدال (۳/۱۸) ولسان المیزان (۲/۳۴۹۔۳۵۰ تحقیق ابی غدۃ الکوثری)

دوسری علت: حبیب بن ابی ثابت مدلس راوی ہیں۔ دیکھئے معجم المدلسین لمحمد بن طلعت (ص ۱۲۸۔۱۲۹) طبقات المدلسین لابن حجر (۳/۶۹) اور التدلیس فی الحدیث/ د۔ مسفر دمینی (ص ۲۸۹۔۲۹۰) اور روایت معنعن ہے۔

محدث البانی نے اسے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔

(الضعیفۃ ۹/۴۲۶ ح ۴۴۳۴، ضعیف الجامع الصغیر ۵/۸۹ ح ۵۰۴۰)

مناوی (صوفی) نے بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (فیض القدیر ۵/۴۳۲، ح ۷۸۵۵)

تیسرا شاہد: حدیث یزید بن زیاد

امام ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ (۲/۱۹۵) اور انھی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۷/۴۸۲) میں "**هاشم بن القاسم عن أبي معشر نجيح بن عبدالرحمٰن عن يزيد بن زياد**" کی سند سے مرفوعاً یہ الفاظ نقل کئے ہیں: ((**أنه لم يكن نبي إلا عاش نصف عمر أخيه الذي كان قبله، عاش عيسى بن مريم مائة و خمسًا و عشرين سنة وهذه اثنتان وستون سنة ومات في نصف السنة .**))

اس کی سند بھی معلول ہے:

① ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی ضعیف اور مختلط ہے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۱۰۰، اور تہذیب الکمال ۱۹/ ۴۷۔۵۲)

② انقطاع: اس کی سند میں مذکور یزید مدنی ہیں یا دمشقی، ان کی نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔ مدنی ثقہ ہیں جبکہ دمشقی متروک ہے اور اگر مذکورہ شخص صحابی ہیں تو ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن السندی حافظ ابن حجر کے ہاں چھٹے طبقے کا راوی ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اس طبقے کے راویوں کی ملاقات کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔

(دیکھئے مقدمۃ التقریب ص ۲۸)

اور اگر وہ صحابی نہیں تو یہ روایت منقطع ہے جو نا قابلِ احتجاج ہے۔

چوتھا شاہد: حدیث ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ

سخاوی نے المقاصد الحسنۃ (ص ۳۶۳) ابن طولون نے الشذرۃ (۲/ ۱۰۳) اور ابن الدیبع نے تمییز الطیب (ص ۱۴۳) میں امام ابو نعیم کے حوالے سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ کی روایت ان الفاظ سے ذکر کی ہے:

((يا فاطمة ! إنه لم يعمر نبي إلا نصف عمر الذي قبله .))

اس کے بارے میں عجلونی رقمطراز ہیں: ''اس حدیث کے بارے میں ''حواشي المواهب للشبراملسي'' میں کلام (تنقید) موجود ہے۔'' (کشف الخفاء ۲/ ۲۳۸)

اس روایت کی سند نامعلوم ہے لہٰذا یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

پانچواں شاہد: حدیثِ ام حبیبہ رضی اللّٰہ عنہا

امام ابن ابی حاتم نے کسی سند کے بغیر سیدہ ام حبیبہ رضی اللّٰہ عنہا کی روایت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے: ((إن الله لم يبعث نبيًا إلا عمر في أمته شطر ما عمر النبي الماضي قبله وأن عيسى بن مريم كان أربعين سنة في بني إسرائيل ، وهذه لي عشرون سنة و أنا ميت في السنة .)) (تفسیر ابن ابی حاتم ۱۰/ ۳۴۷۲ ح ۱۹۵۲۱)

امام ابن مردویہ نے بھی سیدہ ام حبیبہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

دیکھئے الدرالمنثور للسیوطی (۴۰۶/۶۔۴۰۷)

اس روایت اور اس کے مابعد آثار وغیرہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بنی اسرائیل میں مدت اقامت پچھلی روایات کے برعکس چالیس برس بیان کی گئی ہے۔

یہ روایت بھی بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

چھٹا شاہد: مرسل یحییٰ بن جعدۃ رحمہ اللہ

امام ابن شاہین نے فضائل فاطمہ (ح ۷ ص ۲۱) اور انھی کی سند سے ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۴۸۳/۴۷) میں یحییٰ بن جعدہ تابعی سے ایک مرفوع روایت ان الفاظ سے بیان کی ہے: ((إن اللّٰه لم يبعث نبياً إلا وقد عمر الذي بعده نصف عمره وأن عيسى لبث في بني إسرائيل أربعين سنة وهذه توفى لي عشرين . ولا أراني إلا ميت في مرضي هذا ...)) دیکھئے مسند اسحاق بن راہویہ (مخطوط ۲۴۶/ب، طبقات ابن سعد ۳۰۸/۲، والمطالب العالیہ لابن حجر ح ۳۴۶۱، دوسرا نسخہ ح ۳۴۷۲)

یہ روایت المطالب دارالوطن الریاض کے مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے۔

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ساتواں شاہد: مرسل ابراہیم النخعی رحمہ اللہ

طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ " سفيان الثورى عن الأعمش عن إبراهيم قال قال رسول الله ﷺ: يعيش كل نبي نصف عمر الذي قبله و إن عيسى بن مريم مكث في قومه أربعين عاماً ." (۳۰۸/۲۔۳۰۹)

یہ روایت سفیان ثوری اور اعمش دونوں کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یاد رہے کہ مرسل روایت بذاتِ خود ضعیف ہوتی ہے۔

آٹھواں شاہد: اثر ابراہیم النخعی رحمہ اللہ

امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں جناب ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ان کا قول یوں بیان کیا ہے: ((لم يكن نبي إلا عاش مثل نصف عمر صاحبه الذي كان قبله و عاش

عيسى في قومه أربعين سنة .)) (۴۸۳/۴۷)اس اثر میں سلیمان بن مہران الاعمش مدلس راوی ہیں۔ دیکھئے معجم المدلسین (ص۲۳۳۔۲۴۲)والتدلیس فی الحدیث (ص۳۰۱۔ ۳۰۵)اور یہ روایت معنعن ہے لہٰذا ضعیف و غیر ثابت ہے۔

[طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: آپ اس رات ستائیس رمضان کو فوت ہوئے ہیں جس رات عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی روح بلند کی گئی تھی۔ (۳۹،۳۸/۳) اس روایت کی سند ابو اسحاق السبیعی (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس باب میں تمام روایات اور آثار ضعیف و مردود ہیں ۔ان احادیث میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی عمر میں اختلاف بھی ان احادیث کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔مزید برآں صحیحین (صحیح بخاری: ۶۲۸۵ و صحیح مسلم: ۲۴۵۰) میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ اصل روایت موجود ہے مگر کسی بھی سند سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔ اس لئے یہ حدیث ان الفاظ سے ضعیف بلکہ منکر ہے۔**هذا ما عندي و الله أعلم بالصواب**

تنبیہِ بلیغ: یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف و مردود ہے اور اس کا متن بھی باطل ہے۔ علاوہ ازیں جو لوگ ختمِ نبوت کے منکر ہیں اور اس روایت کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں، ان کے نزدیک سلسلۂ انبیاء جاری ہے، لہٰذا اس حدیث کی رو سے ان کے نزدیک خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والے کی عمر ۳۰ سال، اس کے بعد والے کی عمر ۱۵ سال، اس کے بعد آنے والے کی عمر ساڑھے سات سال ...... بنتی ہے جس کا کوئی مرزائی قادیانی/ختم نبوت کا منکر بھی قائل نہیں ہے، لہٰذا اس ضعیف و مردود روایت سے منکرینِ ختمِ نبوت کا استدلال کرنا باطل ہے۔

قرآن، احادیثِ صحیحہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ [محمد خُبیب احمد، رفیق ادارۂ علومِ اثریہ، فیصل آباد، ۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۷ء یوم الاربعاء] [الحدیث:۴۴]

حافظ ریاض احمد عاقب، ملتان

ایک روایت کی تحقیق

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' اطلبوا العلم ولو بالصين '' تم علم حاصل کرو، اگرچہ وہ چین میں ہو۔

یہ روایت عوام میں ''حدیثِ چین'' کے نام سے مشہور ہے اور اسے بڑی شدومد سے بیان کیا جاتا ہے۔ کالم نگار حضرات علم کی فضیلت واہمیت کے ساتھ چین کی حیثیت واضح کرنے کے لئے، اس روایت کو بکثرت لکھتے ہیں بلکہ بعض واعظین حضرات علم کی اہمیت اجاگر کرنے کے لئے یہ روایت (مزے لے لے کر) بیان کرتے ہیں۔ ہمارے اکثر سکول کے کمروں میں چارٹوں وغیرہ پر یہ روایت لکھ کر آویزاں کی جاتی ہے، لہٰذا بطورِ خیر خواہی عرض ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن عدی (الکامل فی الضعفاء ۴/۱۱۸) ابونعیم اصبہانی (اخبار اصبہان ۲/۱۰۶) خطیب بغدادی (تاریخ بغداد ۹/۳۶۴، کتاب الرحلہ ۱/۲) بیہقی (المدخل ۲۴۱، ۳۲۴) ابن عبدالبر (جامع بیان العلم ۱/۷۔۸) ضیاء مقدسی (المنتقی ۱/۲۸) اور عقیلی (کتاب الضعفاء ۲/۲۳۰) نے ابوعاتکہ طریف بن سلیمان عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔ عقیلی نے کہا: اور یہ روایت ''اور اگرچہ چین میں ہو'' صرف ابوعاتکہ سے مروی ہے اور وہ متروک الحدیث تھا۔ الخ، ابوعاتکہ طریف کو امام بخاری نے منکر الحدیث، امام نسائی نے لیس بثقہ اور امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میزان الاعتدال (۲/۳۳۵) اور لسان المیزان (۶/۳۰۴) حافظ ابن الجوزی نے اس روایت کو من گھڑت روایتوں میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الموضوعات ۱/۳۴۷)

شیخ البانی نے اس روایت کو باطل کہا۔ (دیکھئے الاحادیث الضعیفۃ ۱/۶۰۰ ح ۴۱۶، دوسرا نسخہ ص ۴۱۳)

علامہ سیوطی نے اس روایت کی تائید میں دو روایتیں ذکر کی ہیں:

(۱) پہلی سند میں یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم العسقلانی کذاب (جھوٹا) تھا۔

(۲) دوسری سند میں احمد بن عبداللہ الجویباری مشہور کذاب و دجال تھا، لہٰذا یہ دونوں روایتیں مردود ہیں۔

خلاصۃ التحقیق: ''تم علم حاصل کرو، اگرچہ چین میں ہو'' والی روایت باطل اور مردود ہے، لہٰذا اسے حدیث کے طور پر بیان کرنا جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے۔ [الحدیث:۶۳]

تذکرۂ علمائے حدیث

ابوالبدر ارشاد الحق اثری

امام مکحول دمشقی پر امام ابوحاتم رحمہ اللہ کی جرح ثابت نہیں

امام مکحول دمشقی دمشق کے کبار فقہاء و محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔① امام ابو حاتم فرماتے ہیں " **ما أعلم بالشام أفقه من مكحول** " مجھے معلوم نہیں کہ شام میں مکحول سے زیادہ بھی کوئی فقیہ ہے۔ امام زہری فرماتے ہیں: علماء چار ہیں ان میں ایک مکحول ہیں، بلکہ سعید بن عبدالعزیز نے تو فرمایا ہے کہ وہ امام زہری رحمہ اللہ سے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ ابن یونس (مصری) فرماتے ہیں: " **اتفقوا على توثيقه** " کہ اس کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔ امام العجلی، ابن خراش نے انہیں ثقہ وصدوق کہا ہے۔ حافظ ذہبی نے انہیں "**عالم أهل الشام الفقيه الحافظ**" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اس حوالے سے مزید تفصیل، تہذیب التہذیب (ج ۱۰ ص ۲۹۲، ۲۹۳) السیر (ج ۵ ص ۱۵۹) تذکرۃ الحفاظ (ج ۱ ص ۱۰۸) البدایہ (ج ۹ ص ۳۰۵)، تہذیب الاسماء (ج ۲ ص ۱۱۴) وغیرہ کتب جرح وتعدیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ان کی اس توثیق کے برعکس علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہ اللہ نے قانون الموضوعات ص ۲۹۸ میں امام ابوحاتم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے امام مکحول کے بارے میں کہا ہے کہ وہ "لیس بالمتین" ہیں، حالانکہ یہ قول نہ امام ابو حاتم کے فرزند ارجمند کی کتاب الجرح والتعدیل میں اور نہ جرح وتعدیل کی متداول کتابوں میں ہی اس کا کہیں ذکر ہے۔

---

① امام مکحول دمشقی رحمہ اللہ کی توثیق کے بارے میں تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب "توضیح الکلام فی وجوب القراءۃ خلف الامام" (ج ۱ ص ۳۳۰۔۳۳۴) یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مکحول کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے میری کتاب "الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین" (۳/۱۰۸) وتوضیح الکلام (ج ۱ ص ۳۳۴۔۳۳۸) مکحول کو حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی کے علاوہ کسی نے مدلس قرار نہیں دیا۔ بعد والے بعض لوگوں نے انہی کی اتباع کی ہے۔ حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی ارسال کو بھی تدلیس قرار دیتے ہیں۔
دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۶/۹۸) والموقظۃ للذھبی (ص ۴۷) / زبیر علی زئی

نقل جرح میں علامہ پٹنی کا وہم

علامہ طاہر پٹنی نے یہ قول دراصل علامہ سیوطی کی اللآلی المصنوعہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ علامہ سیوطی کے حوالے سے یہ نقل سراسر وہم پر مبنی ہے۔ علامہ سیوطی نے تو مکحول کی توثیق کی ہے اور یہ جرح امام مکحول کے بارے میں نہیں بلکہ برد بن سنان کے بارے میں نقل ہے۔ چنانچہ موصوف " **من ولدله مولود فسماه محمدًا تبر كًا به** " الحدیث بواسطة **حماد بن سلمة عن برد بن سنان عن مكحول عن أبي أمامة** نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

" **مكحول من علماء التابعين وفقهائهم وثقه غير واحد واحتج به مسلم في صحيحه وبرد روى له البخاري في الأدب المفرد والأربعة ووثقه ابن معين والنسائي وضعفه ابن المديني وقال أبو حاتم: ليس با لمتين ، وقال مرة: كان صدوقاً قدرياً وقال أبو زرعة: لا بأس به** " (اللآلی ج۱ص۱۰۶)

یعنی مکحول کا شمار علمائے تابعین اور ان کے فقہاء میں ہوتا ہے۔ بہت سے حضرات نے انھیں ثقہ کہا ہے [1] اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے احتجاج کیا ہے۔ اور برد (بن سنان) سے امام بخاری نے الادب المفرد میں اور اصحاب السنن الاربعہ نے روایت لی ہے۔ امام ابن معین، امام نسائی نے انھیں ثقہ کہا ہے اور امام علی بن مدینی نے انھیں ضعیف قرار دیا

....

[1] جمہور علماء نے مکحول کو ثقہ قرار دیا ہے، دیکھئے میری کتاب "الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الجہریہ" (ص ۳۸۔۴۰)

محدثین کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی انھیں ثقہ ہی قرار دیا ہے۔ شمس الدین السرخسی (حنفی) نے کہا: " **فمكحول فقيه ثقة** " پس مکحول فقیہ ثقہ ہیں۔ (المبسوط ج۱۴ص۵۶) یہی عبارت ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے بغیر کسی رد کے نقل کی ہے بلکہ اس سے استدلال کیا ہے۔ (اعلاء السنن ۱۴/۳۴۵ ح ۴۷۴۴) مکحول کی سند والی ایک روایت کو نیموی حنفی نے " **وإسناده صحيح** " کہا ہے۔ (آثار السنن ح ۲۳۸) / ز ع

ہے۔اورامام ابوحاتم نے کہا ہے کہ وہ " **لیس بالمتین** " ہےاورایک بارانھیں **صدوق قدري** کہا ہےاورامام ابوزرعہ نے لابأس بہ کہا ہے۔

یہ ہے علامہ سیوطی کا کلام جس کے اختصار میں یا تصرف نظر کے نتیجہ میں علامہ فتنی (پٹنی) سے وہم ہوا کہ " **لیس بالمتین** "کی نسبت امام مکحول کے بارے میں کردی، حالانکہ یہ جرح برد بن سنان کے بارے میں ہے، اورامام ابوحاتم کی برد بن سنان کے بارے میں یہ جرح التھذیب (ج ا ص ۴۲۹)اور المیزان (ج ا ص ۳۰۳) میں دیکھی جاسکتی ہے۔اسی سے امام بخاری نے الادب المفرد میں اوراصحاب سنن اربعہ نے روایت لی ہے۔

علامہ سیوطی نے یہی روایت النکت البدیعات (ص ۳۱۱،۳۱۲) میں نقل کی اور مکحول، برد بن سنان کا ذکر کرتے ہوئے اس کے راویوں کو ثقہ اور اللآلی میں اس کی سند کو حسن کہا۔ اورعلامہ شوکانی نے بھی ان کی اتباع میں اسنادہ حسن کہہ دیا۔ (الفوائد ص ۴۷۱)
بلکہ علامہ فتنی نے بھی علامہ سیوطی کے حوالے سے ہی " **رجاله کلهم ثقات** " لکھا۔
(تذکرۃ الموضوعات ص ۸۹)

حالانکہ اس روایت کا مدار حامد بن حماد العسکری پر ہے۔ علامہ ذہبی نے اس (روایت) کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔جس کی تفصیل تنزیہ الشریعہ (ج ا ص ۱۹۱)اورالسلسلۃ الضعیفۃ (رقم ۱۷۱) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

علامہ البانی کا وہم

مگر یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ البانی ☆ سے بھی الضعیفۃ میں علامہ سیوطی کا کلام نقل کرتے ہوئے وہم ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے برد بن سنان کے بارے میں جوالفاظ اللآلی المصنوعہ میں نقل کئے ہیں۔اس کا انتساب بھی مکحول ہی کی طرف کردیا۔

علامہ سیوطی کے الفاظ تو آپ پڑھ آئے ہیں۔علامہ البانی اسے یوں ذکر کرتے ہیں۔

" مکحول من علماء التابعین وفقهائهم وثقه غیر واحد، واحتج به مسلم فی صحیحه ، وروی له البخاري فی الأدب المفرد والأربعة، وثقه ابن معین والنسائي وضعفه ابن المدیني وقال أبو حاتم:لیس بالمتین وقال مرة: کان صدوقا وقال أبو زرعة:لا بأس به والله أعلم " (الضعیفہ رقم ۱۷۱)

غور فرمایا آپ نے کہ علامہ سیوطی کی عبارت میں جو" وبرد روی له البخاری "تھا اس میں سے"برد" کا نام ساقط ہوگیا اور یوں یہ سارا کلام امام مکحول سے متعلق ہوگیا۔اور یہی کچھ" معجم أسامي الرواة الذین ترجم لهم العلامة محمد ناصر الدین الألباني جرحاً و تعدیلاً " (ج۴ص۱۸۵) میں ان کے عقیدت مندوں نے بلا تأمل نقل کردیا۔ سبحان اللّٰہ من لا یسهو ولا ینسی ۔

اس وضاحت سے یہ بات نصف النہار کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام ابوحاتم نے قطعاً امام مکحول کو" لیس بالمتین "نہیں کہا، بلکہ وہ تو فرماتے ہیں کہ شام میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں ۔ دیوبندی مکتب فکر کے وکیل (جناب) سرفراز خان صفدر صاحب نے احسن الکلام میں "لیس بالمتین" کی جرح کا سہارا لے کر جو بتکرار امام مکحول پر کلام کیا ہے۔ حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔وہ اگر اس حقیقت سے آگاہ ہوتے تو شاید اسے نقل نہ کرتے اور اس حوالے سے انہیں مورد الزام نہ ٹھہراتے۔

[☆ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر میری کتاب "انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل" میں ہے (ص۲۰۰) انہیں ہمارے تمام استادوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔شیخ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے فرمایا:" ثقة محدث ، رجل طیب ۔۔۔عنده علم کثیر فی تصحیح الحدیث و تضعیفه وله أوهام و أخطا ء" یعنی وہ ثقہ محدث اور اچھے انسان ہیں....ان کے پاس حدیث کی تصحیح وتضعیف میں بہت علم ہے اور ان کے اوہام واخطاء (بھی) ہیں۔

امام محدث فقیہ ابوالسلام محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی رحمہ اللہ نے فرمایا: " **نعتمد على كتبه ، إلا له بعض المسائل ، لا نعتمد عليها التي تفرد بها** " ہم ان کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں مگر ان کے بعض مسائل ایسے ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، ہم ان پر اعتماد نہیں کرتے۔(انوار السبیل ص ۲۰۰ حرف النون)/ ز ع] (الحدیث:۱۳)

اعظم المبارکی

عون الرب فی توثیق شہر بن حوشب

شہر بن حوشب الاشعری الشامی مولیٰ اسماء بنت یزید بن السکن سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔امام بخاری رحمہ اللہ نے شہر بن حوشب سے الادب المفرد (۱۸، ۴۵، ۳۲۳، ۸۹۳، ۱۲۸۵) میں اورامام مسلم نے مقروناً اپنی کتاب صحیح مسلم (۲۰۴۹) میں روایت لی ہے۔

سنن اربعہ میں شہر بن حوشب کی روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

سنن ابی داود: ۱۳۴، ۵۲۸، ۶۷۷، ۱۴۹۶، ۲۴۸۲، ۲۸۶۷، ۳۶۸۶، ۳۹۸۲، ۳۹۸۳، ۴۰۲۷، ۵۰۴۲، ۵۲۰۴ [۱۲ روایات]

سنن الترمذی: ۳۷، ۹۴، ۶۱۱، ۱۵۶۳، ۱۷۶۵، ۱۹۳۹، ۲۰۶۸، ۲۰۹۱، ۲۱۱۷، ۲۱۲۱، ۲۴۹۵، ۲۵۳۹، ۲۵۴۵، ۵۲۸۶، ۲۶۹۷، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۳۲۱۵، ۳۲۳۷، ۳۳۰۷، ۳۳۸۲، ۳۴۷۴، ۳۴۷۸، ۳۵۲۲، ۳۵۲۶، ۳۸۷۱ [۲۶ روایات]

سنن النسائی: ۱۸۰۰، ۳۶۴۱، ۳۶۴۲

سنن ابن ماجہ: ۷۲، ۴۱۷، ۴۴۴، ۱۴۹۶، ۱۵۷۹، ۱۵۸۹، ۲۰۴۳، ۲۱۹۶، ۲۷۰۴، ۲۷۱۲، ۲۷۹۴، ۲۷۹۸، ۳۲۹۸، ۳۳۷۱، ۳۴۵۳، ۳۴۵۵، ۳۸۸۱، ۳۹۶۶، ۴۰۳۴، ۴۱۱۹، ۴۲۵۷ [۲۱ روایات]

شہر بن حوشب کے بارے میں محدثین کرام کا اختلاف ہے،بعض نے جرح کی ہے اور جمہور نے ثقہ وصدوق قرار دیا ہے۔اس تحقیقی مضمون میں پہلے جارحین کی جرح پیشِ خدمت ہے:

۱) النسائی: ''ليس بالقوي'' (کتاب الضعفاء والمتروکین ص۱۹۴ ت۱۹۴)

۲) الدارقطنی: ''ليس بالقوي'' (سنن الدارقطنی ۱/۱۰۲ ح۳۵۳)

نیز دیکھئے یہی مضمون،باب: عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب،فقرہ:۱

۳) موسیٰ بن ہارون: ''ضعیف'' (سنن الدارقطنی ۱/۱۰۴ ح ۳۵۷ وسندہ صحیح)

٤) ابن عدی: ''وشهر ليس بالقوي في الحديث''

اور شہر بن حوشب حدیث میں قوی نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی ۵/۲٦۴ وفی نسخۃ ۴/۱۳۵۸)

اور کہا: ''ضعيف جدًا'' (أیضاً ۵/۱۹۵۸، وفی نسخۃ ۷/۸، ترجمہ عبدالحمید بن بہرام)

۵) ابن جوزی: ''ذكره في كتاب الضعفاء والمتروكين'' (۲/۴۳)

٦) العقیلی: ''ذكره في كتاب الضعفاء الكبير'' (۲/۱۹۱ ونسخۃ أخریٰ ۲/۵۷۰)

۷) ابن حبان: ''كان ممن يروي عن الثقات المعضلات و عن الأثبات المقلوبات'' وہ ثقہ راویوں سے معضل (سند میں سے دو یا دو سے زیادہ راوی یکے بعد دیگرے ایک ہی جگہ سے گرانا) اور مقلوب (سند یا متن میں کوئی لفظ دوسرے سے بدلنا) روایات بیان کرنے والوں میں سے تھا۔ (کتاب المجروحین ۱/۳٦۱)

۸) البیہقی: ''و هو عند أهل العلم بالحديث لا يحتج به'' اہل علم کے نزدیک اس کی حدیث حجت نہیں ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۴٦۷، وفی نسخۃ ص ۵۸۹)

۹) ابن حزم: ''ساقط'' (المحلی ۷/۴۸۴)

وقال: ''ضعيف'' (أیضاً ۱۰/۸۳)

۱۰، ۱۱) شعبہ بن الحجاج و معاذ العنبری: معاذ بن معاذ العنبری نے کہا:

''ما تصنع بحديث شهر فإن شعبة ترك حديث شهر بن حوشب''

تم شہر بن حوشب کی حدیث کا کیا کرو گے؟ یقیناً اُسے شعبہ (بن الحجاج) نے ترک کر دیا تھا۔

(الجرح والتعدیل ۴/۳۸۳ وسندہ صحیح)

۱۲) یحییٰ بن سعید القطان: ''لا يحدث عنه''

اس سے حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔ (الجرح والتعدیل ۴/۳۸۳ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے یہی مضمون، باب: عبدالحمید بن بہرام عن شہر بن حوشب، فقرہ: ۲

۱۳) عبداللہ بن عون: ''إن شهرًا نزكوه إن شهرًا نزكوه'' بے شک انھوں نے

شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے، بے شک انھوں نے شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے۔
(مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووی ۹۲/۱ ح ۳۶ وسندہ صحیح)

۱۴) ابن الملقن: حافظ ابن الملقن نے کہا کہ محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا یعنی اس پر طعن کیا تھا۔ دیکھئے البدر المنیر (۶۱۱/۳، ۱۸۲/۴، ۲۶۴/۷)

۱۵) ابن قتیبہ الدینوری: ''**وکان ضعیفًا فی الحدیث**''
اور وہ حدیث میں ضعیف تھا۔ (المعارف لابن قتیبہ ۱۵۴/۱، المکتبۃ الشاملۃ)

۱۶) ابوحاتم الرازی: ''**شهر بن حوشب أحب إلي من أبي هارون العبدي و من بشر بن حرب ، و ليس بدون أبي الزبير ، لا يحتج بحديثه**'' مجھے شہر بن حوشب ابو ہارون العبدی اور بشر بن حرب سے زیادہ پسند ہے، اور وہ ابو الزبیر سے کم نہیں ہے، (لیکن) اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ (الجرح والتعدیل ۳۸۳/۴)
نیز دیکھئے یہی مضمون، باب: عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب، فقرہ: ۳

۱۷) حافظ العراقی: ''**وشهر ضعفه الجمهور**''
اور شہر (بن حوشب) کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (التقیید والایضاح ص ۵۱)

۱۸) الجوزجانی: ''**أحاديثه لا تشبه حديث النّاس**'' اس کی حدیثیں لوگوں کی حدیثوں کے مشابہ نہیں ہوتیں۔ (احوال الرجال: ۱۴۱)

وقال: ''**وحديثه دال عليه فلا ينبغي أن يغترّ به و بروايته**'' اس کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے اور اس کی روایت سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ (أیضاً: ۱۴۱)

۱۹) ابن القطان الفاسی: حافظ ابن القطان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہر بن حوشب روایت میں ضعیف ہے۔ دیکھئے بیان الوھم والایہام (۵۹۱/۳، ۳۲۱)

۲۰) صدقہ بن الفضل: عباس بن عبدالعظیم العنبری (ثقہ، حافظ) نے کہا:
صدقہ بن الفضل (ثقہ) ہمارے پاس آئے اور وہ شہر بن حوشب سے (احادیث) نہیں لکھتے تھے۔ دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۵۹/۲۵، وسندہ حسن)

۲۱) ابن القیم: ''وشهر بن حوشب ضعفه مشهور''
اور شہر بن حوشب کا ضعیف ہونا مشہور ہے۔ دیکھئے حادی الارواح (ص ۱۹۴)

۲۲) ابراہیم بن موسیٰ، برہان الدین الابناسی: ''وشهر ضعفه الجمهور''
اور شہر (بن حوشب) کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔

(الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح ۱/۱۱۴، المکتبۃ الشاملۃ)

۲۳) ابوعبداللہ الجورقانی: ''إسماعيل و ليث و شهر ثلاثتهم متروكون لضعفهم و لينهم'' اسماعیل (بن عیاش)، لیث (بن ابی سلیم) اور شہر (بن حوشب) تینوں اپنے (حافظے کی) کمزوری اور (حدیث میں) ضعیف ہونے کی وجہ سے متروک ہیں۔ (کتاب الاباطیل ۲/۸۶)

ان اقوالِ تضعیف کے بعد درج ذیل علماء سے شہر بن حوشب کی توثیق ثابت ہے:

۱) ابوزرعہ الرازی: ''لا بأس به'' (الجرح والتعدیل ۴/۳۸۳)

۲) البخاری: ''شهر حسن الحديث'' (سنن الترمذی تحت حدیث: ۲۶۹۷)

۳) الترمذی: ''حسن له'' (سنن الترمذی: ۲۵۳۹)

و ''صحح له'' (أیضاً: ۲۱۲۱)

٤) حافظ ذہبی: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال (۲/۲۸۴) میں شہر بن حوشب کے ترجمہ کے ساتھ [صح] کی علامت لکھی، اور کہا: ''قد ذهب إلى الإحتجاج به جماعة''
اس کے ساتھ ایک جماعت نے حجت پکڑی ہے۔

فائدہ: جس راوی کے ساتھ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ''صح'' کی علامت لکھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ذہبی کے نزدیک اس راوی کی توثیق راجح ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (۲/۱۵۹، ترجمہ حارث بن محمد بن ابی اسامہ)

اور ذہبی نے کہا: ''كان عالمًا كثير الرواية حسن الحديث''
وہ کثرت سے احادیث بیان کرنے والا عالم (اور) حسن الحدیث تھا۔ (العبر فی خبر من غبر ۱/۹۰)

نیز دیکھئے معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم بمالا یوجب الرد للذہبی (۱۵۸)، ذکر اسماء من تکلم فیہ وھو موثق (۱۶۱) اور تلخیص المستدرک (۳/۳۸۷ ح ۵۴۶۷)

۵) یحییٰ بن معین: ''وهو ثقة'' (تاریخ الدوری ۲/۲۶۷ ت ۴۰۳۱)

وقال: ''ثبت'' (أیضاً ۲/۳۳۵ ت ۵۱۵۹)

۶) البوصیری: ''حسن له'' (زوائد ابن ماجہ ح ۷، اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۱/۷۶ ح ۵۶)

۷) یعقوب بن سفیان: ''وشهر بن حوشب و إن قال ابن عون أن شهرًا قد تركوه فهو ثقة'' اور شہر بن حوشب اگرچہ (عبداللہ) ابن عون نے ان پر جرح کی ہے پھر بھی وہ ثقہ ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۴۲۶)

۸) النووی: ''أن شهرًا ليس متروكًا بل وثقه كثيرون من كبار أئمة السلف أو أكثرهم'' یقیناً شہر (بن حوشب) متروک نہیں ہے بلکہ بہت سے یا اکثر ائمہ سلف نے اس کی توثیق کی ہے۔ (شرح مسلم للنووی ۱/۹۳)

وقال: ''في إسناده شهر بن حوشب وقد جرحه جماعة لكن وثقه الأكثرون و بينوا أن الجرح كان مستندًا إلى ما ليس بجارح والله أعلم'' اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے اور ایک جماعت نے اس پر جرح کی ہے لیکن اکثر نے اس کی توثیق کی ہے اور انھوں نے واضح کیا ہے کہ جو جرح اس پر مستند کی جاتی ہے وہ جرح (ثابت) نہیں ہے۔ واللہ اعلم (المجموع شرح المھذب ۱/۳۷۰)

۹) مسلم: ''أخرج له في صحيحه في المتابعات'' (دیکھئے صحیح مسلم ح: ۲۰۴۹)

۱۰) ابن کثیر: ''حسن له'' (مسند الفاروق ۱/۲۲۸)

اور کہا: ''وكان عالمًا عابدًا ناسكًا'' (البدایہ والنہایہ ۹/۳۱۶، وفی نسخہ ۱۰/۱۴۵)

۱۱) البغوی: ''حسن له'' (شرح السنۃ ۱۱/۳۴۳ ح ۲۸۹۸)

۱۲) الخطیب بغدادی: خطیب نے اس کی حدیث کو ''و هذا حديث متصل الإسناد صالح الرجال'' قرار دیا۔ (موضح اوھام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۳۶۳)

۱۳) احمد بن حنبل: حرب بن اسماعیل نے کہا: میں نے (امام) احمد بن حنبل سے شہر بن حوشب کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے کہا: اس کی حدیث بہترین ہوتی ہے، (حرب بن اسماعیل نے کہا:) اور انھوں نے اس کی توثیق کی، اور وہ اہلِ حمص میں سے شامی تھا۔

(الجرح والتعدیل ۳۸۳/۴ وسندہ حسن)

۱٤) ضیاء الدین المقدسی: ''أورد حدیثه فی المختارة'' (المختارہ ۲۲۴/۸ ح ۳۹۱، ۳۹۲)
معلوم ہوا کہ شہر بن حوشب حافظ ضیاء الدین المقدسی کے نزدیک صحیح الحدیث تھے۔

۱۵) ابن خزیمہ: ''أخرج له فی صحیحه'' (صحیح ابن خزیمہ ۲۹۳/۴ تحت حدیث: ۲۹۱۳)
(امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ سے شہر بن حوشب پر جرح کرنا ثابت نہیں ہے۔ تاریخ دمشق (۱۵۹/۲۵) میں مذکور روایات میں سے ایک میں ابو الطیب المذکر جبکہ دوسری میں ابو بکر محمد بن جعفر ہے، ان دونوں کی توثیق اور ترجمہ مطلوب ہے۔!)

۱٦) ابو عوانہ: ''احتج به فی صحیحه''

(المستخرج علی صحیح مسلم ۳۳۹/۳ ح ۵۲۶۳، ۶۱/۴ ح ۵۸۶۵، ۲۵۲/۴ ح ۶۷۴۷)

۱۷) عبدالحئ بن العماد الحنبلی: ''کان کثیر الروایة حسن الحدیث و قرأ القرآن علی ابن عباس و کان عالمًا کبیرًا'' وہ کثرت سے روایت کرنے والا حسن الحدیث تھا، اُس نے (سیدنا عبداللہ) بن عباس (رضی اللہ عنہ) کے سامنے قرآن پڑھا اور وہ بڑا عالم تھا۔ (شذرات الذہب ۱۱۹/۱)

۱۸) الیافعی: ''وکان کثیر الروایة حسن الحدیث'' وہ کثرت سے روایت کرنے والا حسن الحدیث تھا۔ (مرآۃ الجنان ۱۹۵/۱ المکتبۃ الشاملۃ)

۱۹) ابن شاہین: ''ذکرہ فی تاریخ أسماء الثقات'' (تاریخ اسماء الثقات: ۵۳۶)

۲۰) المؤمل بن احمد: محدث المؤمل نے اس کی حدیث کے بارے میں کہا: ''هذا حدیث عال حسن الإسناد'' یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی حسن سند سے ہے۔ (فوائد المؤمل: ۴۶)

۲۱) یعقوب بن شیبہ: ''ثقة علی أن بعضهم قد طعن فی شهر'' ثقہ ہیں اگرچہ

بعض نے شہر (بن حوشب) پر طعن کیا ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۵۳/۲۵، وسندہ قوی)

۲۲) المنذری: حافظ منذری نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

دیکھئے ترغیب وترہیب (۵۵۶/۱ ح ۱۱۴۲)

۲۳،۲۴) علی بن المدینی اور عبدالرحمٰن بن مھدی: علی بن المدینی سے پوچھا گیا: کیا آپ شہر بن حوشب کی حدیث کو پسند کرتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: میں اس کی احادیث لیتا ہوں اور میں کسی آدمی سے (احادیث لینا) نہیں چھوڑتا الا یہ کہ (اُس کی تضعیف پر) یحییٰ (بن سعید القطان) اور عبدالرحمٰن (بن مھدی) جمع جائیں۔

(تاریخ دمشق ۱۵۲/۲۵، وسندہ صحیح)

۲۵) مغلطائی بن قلیج المصری الحنفی: مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ المصری نے شہر بن حوشب کی ایک روایت کے بارے میں کہا: ''**هذا حديث إسناده جيد**''

(شرح ابن ماجہ ۲۸۲/۱، المکتبۃ الشاملۃ)

متعارض اور غیر ثابت اقوال

شہر بن حوشب کے بارے میں بعض علماء کی جرح اور تعدیل میں تعارض ہے، جبکہ بعض محدثین کے اقوال صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں ہیں اور بعض بذاتِ خود مجروح تھے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: محمد بن عمر الواقدی: ''**كان ضعيفًا في الحديث**'' (طبقات ابن سعد ۴۴۹/۷)

عرض ہے کہ واقدی مذکور بذاتِ خود کذاب اور متروک راوی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**كتب الواقدي كذب**'' واقدی کی کتابیں جھوٹ (سے بھری) ہیں۔

(الجرح والتعدیل ۲۱/۸ وسندہ صحیح)

۲: حافظ ابن حجر: ''**صدوق، كثير الإرسال والأوهام**'' (تقریب التہذیب: ۲۸۳۰)

اور کہا: ''**و شهر حسن الحديث و إن كان فيه بعض الضعف**''

شہر بن حوشب حسن الحدیث ہے اگرچہ اس میں کچھ کمزوری ہے۔ (فتح الباری ۶۵/۳ ح:۱۱۹۰)

حافظ ابن حجر کی جرح اور تعدیل میں تعارض ہے، اس لئے دونوں اقوال ساقط ہیں۔

۳: الھیثمی: " ضعیف" (مجمع الزوائد ۳۳۹/۵)

مزید لکھا: " فیه کلام و هو ثقة إن شاء اللّٰه" (ایضاً ۱۳۰/۲)

وقال: " وحدیثه حسن" (ایضاً ۲۱۷/۴)

حافظ الھیثمی کے اقوالِ جرح اور تعدیل متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہیں۔

۴: السیوطی: جلال الدین السیوطی نے کہا: " وأبوبکر ضعیف و کذا شهر"

ابوبکر (الھذلی) اور شہر (بن حوشب) دونوں ضعیف ہیں۔ (الاشباہ والنظائر ص ۱۴۴)

اور شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید کی سند سے ایک روایت کے بارے میں کہا:

" بسند حسن" (الحاوی للفتاوی ۳۵۶/۱)

لہٰذا حافظ السیوطی کے دونوں اقوال ساقط ہیں۔

☆☆ الساجی اور ابواحمد الحاکم کی تضعیف مجھے باسند صحیح نہیں ملی۔ واللہ اعلم

شہر بن حوشب پر چوری کا الزام

بعض علماء نے شہر بن حوشب پر چوری کی جرح بھی نقل کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

① عباد بن منصور: دیکھئے الکامل لابن عدی (۵۹/۵ وفی نسخۃ ۱۳۵۵/۴)، کتاب المجروحین لابن حبان (۳۶۱/۱)

عباد بن منصور بذاتِ خود ضعیف عند الجمہور ہے۔ اسے امام نسائی، ابن مدینی، حافظ ذہبی اور ابوحاتم الرازی نے ضعیف، یحییٰ بن معین نے لیس بشئ اور ابوزرعہ الرازی نے بصری لین کہا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تھذیب الکمال اور کتاب الجرح والتعدیل وغیرہما

حافظ نووی نے چوری والی اس روایت کے بارے فرمایا: " غیر مقبول عند المحققین بل أنکروہ واللّٰه أعلم" یہ (روایت) محققین کے نزدیک غیر مقبول (یعنی

ثابت نہیں) ہے بلکہ انھوں اس کا انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم (شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۹۳)

④ شعبہ بن الحجاج: قال الحافظ البيهقي: أخبرنا أبو عبدالرحمٰن السلمي، ثنا أبو سعيد الخلال، ثنا أبو القاسم البغوي، ثنا محمود بن غيلان، ثنا شبابة قال سمعت شعبة يقول.... دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/۶۶)

یہ جرح دو وجہ سے باطل ہے:

۱) اس کی سند کا بنیادی راوی ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین السلمی سخت ضعیف تھا۔

محمد بن یوسف القطان النیسا بوری (وکان صدوقاً، تاریخ بغداد ۳/۴۱۱) نے کہا:

''كان أبو عبدالرحمٰن السلمي غير ثقة..... وكان يضع للصوفية الأحاديث''

ابو عبدالرحمٰن السلمی ثقہ نہیں تھا... اور وہ صوفیاء کے لئے احادیث گھڑتا تھا۔

(تاریخ بغداد ۲/۲۴۸)

۲) ابو سعید الخلال کی توثیق مجھے نہیں ملی، اس کا ترجمہ تاریخ جرجان (۱۷۳) میں بغیر کسی جرح وتعدیل کے موجود ہے۔

③ عبداللہ بن عون: قال ابن عدي: وأظن عبدان الأهوازي أو غيره حدثنا عن بندار عن معاذ بن معاذ عن ابن عون قال... دیکھئے الکامل (۴/۱۳۵۵)

اس کی سند میں حافظ ابن عدی کا اُستاذ غیر متعین ہونے کی وجہ سے نامعلوم ہے۔

⑤ ابو بکیر: قال ابن عدي: حدثنا محمد بن عمرو بن العلاء، ثنا عمرو بن علي، ثنا يحيى بن أبي بكير، حدثني أبي فذكره . دیکھئے الکامل (۵/۵۹ وفی نسخہ ۴/۱۳۵۵)، سیر أعلام النبلاء (۴/۳۷۵)، کتاب المعرفۃ والتاریخ للفسوی (۲/۹۸)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

اوّل: ابو بکیر کے حالات مطلوب ہیں۔

ثانی: اس کی سند میں انقطاع ہے۔ کما قال الذہبی فی سیر اعلام النبلاء (۴/۳۷۵)

⑥ ابو بکر الهذلی: قال محمد بن جرير الطبري: حدثني أحمدعن علي قال

أبو بكر الهذلي.... دیکھئے تاریخ طبری (۵۳۸/۶)، تاریخ دمشق (۱۵۶/۲۵)

ابوبکر الھذلی البصری بذاتِ خود سخت ضعیف اور متروک الحدیث راوی ہے اس پر یحییٰ بن معین، ابوزرعہ، ابوحاتم، النسائی، البخاری، الدارقطنی وغیرہ نے جرح کی ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا: '' أخباري متروك الحديث '' (تقریب التہذیب: ۸۰۰۲)

لہٰذا ابوبکر الھذلی کی جرح مردود ہے۔

⑦ احمد بن محمد: قال ابن عدي: أنشدنا الساجي، أنشدنا أحمد بن محمد....

دیکھئے الکامل فی الضعفاء لابن عدی (۱۳۵۵/۴)

زکریا الساجی کے شیوخ میں مجھے احمد بن محمد کے حالات نہیں ملے۔ واللہ أعلم

خلاصۂ تحقیق: شہر بن حوشب پر عباد بن منصور، شعبہ بن الحجاج، عبداللہ بن عون، ابوبکیر، ابوبکر الھذلی اور احمد بن محمد کی چوری والی جرح ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیر نے شہر بن حوشب کے بارے میں کہا: متاخرین کی ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا اور انھوں نے اس کی اور اس کی عبادت، دین اور اس کے اجتہاد کی تعریف کی ہے، اور انھوں نے کہا: یہ اس کی روایت کی (علت) قادح نہیں ہے کہ اُس نے بیت المال سے (بغیر اجازت) لیا، اگر یہ کام اس سے صحیح ثابت ہو، تو وہ (بیت المال) کا والی تھا اور اُس میں سے خرچ کرنے حق کا رکھتا تھا۔ واللہ اعلم (البدایہ والنہایہ ۳۱۶/۹، وفی نسخہ ۱۴۵/۱۰)

عبدالحمید بن بہرام عن شہر بن حوشب

اگر عبدالحمید بن بہرام شہر بن حوشب سے راویت کریں تو وہ روایت زیادہ قوی ہوتی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: الدارقطنی نے کہا: '' شهر بن حوشب يُخرّج من حديثه ما روى عنه عبدالحميد بن بهرام '' شہر بن حوشب سے جو حدیث عبدالحمید بن بہرام روایت کریں، اُس کی تخریج کی جاتی ہے۔ (سوالات البرقانی للدارقطنی: ۲۲۲)

۲: یحییٰ بن سعید القطان نے کہا: '' من أراد حديث شهر فعليه بعبدالحميد بن

بھـرام'' جوشہر (بن حوشب) کی حدیث (لینے کا) ارادہ رکھتا ہے تو وہ عبدالحمید بن بھرام کو لازم پکڑے۔ (الجرح والتعدیل ۶/۳۸۳ وسندہ صحیح)

۳: ابوحاتم الرازی نے عبدالحمید بن بھرام کے بارے میں کہا: ''**عبدالحميد بن بهرام في شهر بن حوشب مثل الليث بن سعد في سعيد المقبري....أحاديثه عن شهر صحاح لا أعلم روى عن شهر بن حوشب أحاديث أحسن منها**'' الخ

شہر بن حوشب سے عبدالحمید بن بھرام (روایت کرنے میں) اس طرح ہے جیسا کہ سعید المقبری سے لیث بن سعد ہیں۔ اس کی احادیث شہر (بن حوشب) سے صحیح ہیں، میں نہیں جانتا کہ شہر بن حوشب سے اس کے علاوہ کسی نے اچھی احادیث روایت کی ہوں۔

(الجرح والتعدیل ۶/۹)

اس کے بعد ابوحاتم رازی نے عبدالحمید بن بھرام اور شہر بن حوشب دونوں پر جرح کی جو کہ جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

۴: ابن رجب الحنبلی نے شہر بن حوشب کے بارے میں کہا: ''**مختلف في أمره، ولكن رواية عبدالحميد بن بهرام عنه أصح من رواية غيره، من أصحابه**''

اس کی (جرح وتعدیل) میں اختلاف ہے، لیکن اس کے دوسرے اصحاب سے عبدالحمید بن بھرام کی اس سے روایت زیادہ صحیح ہوتی ہے۔ (شرح علل الترمذی ۲/۷۷۷)

عبدالحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب والی روایت کو درج ذیل محدثین نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: الضیاء المقدسی دیکھئے المختارہ (۸/۳۲۴ ح ۳۹۱، ۳۹۲)

۲: ابوعوانہ دیکھئے مسند ابی عوانہ (۴/۶۱ ح ۵۸۶۵)

خلاصۂ تحقیق: اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ شہر بن حوشب ثقہ عند الجمہور اور حسن الحدیث راوی تھے اور اگر ان سے عبدالحمید بن بھرام روایت کریں تو وہ روایت زیادہ قوی اور حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ [الحدیث: ۶۳]

امام فضیل بن عیاض المکی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابو علی فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر الیربوعی المکی رحمہ اللہ

اساتذہ: امام یحییٰ بن سعید الانصاری، سلیمان التیمی، سلیمان الاعمش، سفیان ثوری، جعفر بن محمد الصادق، حمید الطّویل، صفوان بن سلیم المدنی اور محمد بن عجلان وغیرہم رحمہم اللہ

تلامذہ: امام عبداللہ بن المبارک، یحییٰ بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالرزاق بن ہمام، محمد بن ادریس الشافعی اور عبداللہ بن وہب وغیرہم رحمہم اللہ

علمی مقام: امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے ثقہ ہونے پر (قابلِ اعتماد علماء کا) اجماع ہے، اُن کی بیان کردہ احادیث سنن ابن ماجہ کے علاوہ کتبِ ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی اور سنن نسائی) صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں موجود ہیں۔ انھیں امام سفیان بن عیینہ، ابن سعد، عجلی، دارقطنی، ذہبی اور ابن حجر العسقلانی وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ (دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ۷/۷۳ وسندہ صحیح، طبقات ابن سعد ۵/۵۰۰، تاریخ العجلی: ۱۳۵۷، العلل للدارقطنی ۴/۱۶۶، الکاشف ۲/۳۳۱، تقریب التہذیب: ۵۴۳۱)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں نشوونما اور کوفہ میں پرورش پائی، کوفہ میں حدیث لکھنا شروع کی اور پھر مکہ تشریف لے گئے اور شدید محنت، مسلسل پرہیز گاری، بکثرت خوف اور گریہ زاری کے ساتھ بیت اللہ میں عام لوگوں سے دور، تنہائی میں زندگی گزاری اور دنیا کے اسباب کی طرف مائل نہ ہوئے۔

(الثقات ۷/۳۱۵)

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں الشیخ الصالح (نیک زاہد شیخ) فضیل بن عیاض نے حدیث سنائی۔ الخ (تاریخ دمشق ۵۱/۲۶۵ وسندہ حسن)

دو قصے: امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے بارے میں دو قصے مشہور ہیں:

۱: امام عبداللہ بن المبارک نے انھیں میدانِ جہاد سے ''**یا عابد الحرمین**'' کہہ کر خط لکھا تھا۔ (یہ قصہ ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے مشہور واقعات کی حقیقت ص ۱۲۵۔۱۲۹)

۲: پہلے وہ ڈاکو تھے پھر بعد میں توبہ کر لی تھی۔ یہ قصہ تاریخ دمشق وغیرہ میں ضعیف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے۔ یاد رہے کہ امام فضیل زاہد صالح تھے لیکن صوفیوں والے تصوف سے اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ آپ ۱۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

[الحدیث:۶۲]

ابوجبیر محمد اسلم السندھی

حیات
شیخ العرب والعجم امام سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ
کے درخشاں پہلو

سرزمین سندھ کی تہذیب وثقافت کو تاریخ انسانیت کی قدیم ترین تہذیب کہا جائے یا اس کی قدیم جغرافیائی حدود کو چین ،خراسان اور فارس تک مانا جائے مجھے اس سے کوئی سروکارنہیں ، کیونکہ یہ چیز میرے لیے باعث ناز ومسرت نہیں،لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرا وطن برصغیر میں وہ خوش قسمت بُقعہ (ٹکڑا) ہے جہاں خیر القرون کے صاف وشفاف اسلام کی شعائیں اس وقت نمودار ہوئیں جب مذاہب باطلہ اورفرق ضالہ کا وجود نامسعود بھی نہیں تھا،اگرکہیں کسی بدعت کا شرود(گمراہی وانتشار) تھاتو مغلوب تھا۔

بعض لوگوں کی تحقیق کے مطابق خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے لے کر صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کا سندھ میں ورود جاری تھا۔ جناب عثمان بن ابی العاص ثقفی ،حکم بن ابی العاص ثقفی ، ربیع بن زیاد حارثی ،سہل بن عدی بن مالک الخزرجی اورصحار بن عباس العبدی وغیرہم رضی اللہ عنہم وہ صحابہ ہیں جنھوں نے سندھ میں جہاد کیا اور سندھ کے مغربی علاقے کرمان اورمکران (جو کہ اس وقت حدود سندھ میں داخل تھے)اور دیبل وغیرہ میں وارد ہوئے تابعین میں سے کتنے ائمہ کرام سندھ میں داخل ہوئے اور کتنے سندھی مسلمانوں کو تبع تابعی ہونے کا شرف حاصل ہوا یہ بات اہل مطالعہ سے مخفی نہیں ہے۔کتب رجال میں آپ کو ایسے کئی اعیان (مشہور اشخاص) ملیں گے جو کہ سندھی تھے اورانہیں تابعی اور تبع تابعی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔تفصیل کے لئے اسد الغابۃ ، الاستیعاب ، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ، وجمھرۃ انساب العرب لابن حزم ،رجال السندھ

والہند للقاضی اطہر المبارکفوری، العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین للاطہر المبارکفوری ،معجم البلدان ،فتوح البلدان للبلاذری ،تہذیب التہذیب، طبقات ابن سعداور موسوعۃ التاریخ الإسلامی والحضارۃ الإسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (۴۵۹/۱۔۵۱۰) وغیرہ دیکھیں۔واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد (۹۳ھ) میں جناب محمد بن قاسم الثقفی رحمہ اللہ کی قیادت میں اہلِ حدیث لشکر نے سندھ کو باقاعدہ فتح کرلیا اور مستقل طور پر اپنا قبضہ برقرار رکھا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

یہی شفاف اسلام اہلِ حدیث کا دین ہے،جس میں بعد کے باطل نظریات وعقائد کی آمیزش نہیں ہے اور سرزمین سندھ عرصہ دراز تک اہل حدیث کا مرکز رہی ہے ۔چوتھی پانچویں صدی تک مذہب اہل حدیث دیارسندھ میں غالب تھا ۔مؤرخ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البشاری المقدسی (المتوفی 380ھ) تین سو پچھتر (375ھ) میں سندھ آئے۔انھوں نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' میں لکھا ہے۔

''مذاهب أكثرهم أصحاب الحديث و رأيت القاضي أبا محمد المنصوري داؤديًا إمامًا فی مذهبه وله تدريس و تصانيف قدصنف كتبًا عدة حسنة ......وقال...... إنهم علىٰ طريقة مستقيمة و مذاهب محمودة و صلاح و عفة، قدأراحهم اللّٰه من الغلو والعصبية و الهرج و الفتنة'' یعنی یہاں کے اکثر باشندے اہلحدیث ہیں۔اور میں نے یہاں قاضی ابومحمد المنصوری کو دیکھا جو کہ داودی (ظاہری) مذہب کا امام ہے،تدریس وتصنیف میں بھی مشغول ہے۔بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔لوگ سیدھے طریقے پر اور بہترین مذہب پر ہیں، نیک اور پرہیزگار ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں غلو،عصبیت،قتل وغارت گری اور فتنوں سے پناہ میں رکھا ہے۔

(ص ۳۶۳ دوسرا نسخہ ص ۴۸۱)

سلطان محمود الغزنوی (وفات ۴۲۲ھ بحوالہ کشف الظنون ج ۱ ص ۳۲۶) نے

ہندوستان کو یکے بعد دیگرے حملے کر کے فتح کیا۔ان کے دور میں بھی یہاں مذہب اہلحدیث غالب تھا۔امام ابن حزم ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں"ثم افتتح السلطان العادل محمود بن سبکتکین فتوحات متصلات إلیٰ أن مات رحمه اللّٰه بلاداً عظیمة فی الهند و هی الآن مسکونة بالمسلمین معمورة بطلاب الحدیث والقرآن والغالب علیها ،والحمدللّٰه رب العلمین مذهب أهل الظاهر (جمل فتوح الاسلام بعد رسول اللّٰه ﷺ لا بن حزم الملحق مع جوامع السیرة ص ۳۵۰)

یعنی انصاف پسند حاکم محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر تک لگا تار حملے کر کے ہند کے بڑے علاقے فتح کئے جہاں پر اب مسلمان رہائش پذیر ہیں اور حدیث وقرآن کے طالبان آباد ہیں اور الحمدللہ ان کی غالب اکثریت ظاہری مذہب کی ہے۔

ظاہری مذہب یہ ہے کہ قیاس وتقلید وغیرہ کو رد کر کے فقط قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور تاویل سے بچا جائے یہی اہلحدیث کا مذہب ہے،ظاہری مذہب میں اجماع بھی حجت ہے۔سجستان سے لے کر کچھ بھوج تک اور دیبل سے ملتان تک کے اس خطہ سرسبز میں بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے ہیں۔کتب تاریخ رجال کا بطن ان نفوس صالحہ کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی عصر حاضر کے امام ومحدث سید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ ہیں،جن کے علم وتفقہ کا عرب وعجم میں چرچا ہے۔ہم اس مختصر مضمون میں علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی حیاۃ نافعہ،خاندانی پس منظر،تعلیم وتربیت ،درس وتدریس ،اصلاح وتبلیغ اور جہاد وتصنیف پر قلمی طبع آزمائی کریں گے۔ان شاءاللہ

شاید اللہ تعالیٰ اس سے کسی قلب غافل کو بیدار کردے۔

خاندانی پس منظر:

سلسلہ نسب: سید بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ بن سید رشد اللہ شاہ بن سید

رشید الدین شاہ بن سید محمد یاسین شاہ بن سید راشد شاہ الراشدی الحسینی۔

سید بدیع الدین شاہ کی پانچویں پشت میں ان کے جدِ امجد سید راشد شاہ کی نسبت سے ان کی (یعنی راشد شاہ کی) اولاد کو راشدی کہا جاتا ہے۔ بقول شاہ صاحب رحمہ اللہ اور بقول صاحب کتاب ''راشدی خاندان کا شجرہ'' (سید فیض الدین شاہ راشدی) کے، آپ کے آباء واجداد میں سے سید علی مکی کاظمین سے بغرض دعوت وتبلیغ ہجرت کر کے سندھ کے ضلع دادو (DADU) میں لکی شاہ صدر کے مقام پر آ کر مقیم ہوئے۔ ان کی اولاد کو لکیاری سادات کہا جاتا ہے۔ لکیاری سادات کا مرکز آج بھی وہی جگہ ہے۔ لکیاری سادات کو سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی اولاد کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ سید بدیع الدین شاہ اوران کے برادر اکبر علامہ سید محبّ اللہ شاہ اپنے آپ کو حسینی لکھتے تھے۔ واللہ اعلم

سید راشد شاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں سے سید صبغت اللہ شاہ کو خاندانی اور جماعتی سرپرستی کی علامت '' پگڑی'' دی گئی اور دوسرے فرزند سید یاسین شاہ کو دعوت و تبلیغ کی علامت ''جھنڈا'' دیا گیا جو کہ ان کے خاندان کی تبلیغی خدمات کے عوض انہیں افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ کے فرزند زمان شاہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ اب سید صبغت اللہ شاہ کی اولاد کو پیر پگاڑا خاندان اور سید یاسین شاہ کی اولاد کو پیر جھنڈا خاندان کہا جاتا ہے اور سید راشد شاہ کے دیگر بیٹوں کی اولاد کو فقط راشدی کہا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں سندھ کی معروف سیاسی شخصیت اور گدی نشین پیر پگاڑا صاحب اسی (پیر پگاڑا) خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ علامہ سید بدیع الدین شاہ پیر جھنڈا خاندان سے ہیں۔

بقول علامہ سید ابو القاسم محبّ اللہ شاہ اور علامہ سید بدیع الدین شاہ کے، ان کا خاندان ہمیشہ حدیث پر عامل رہا ہے۔ لیکن بقول سید محبّ اللہ شاہ ''ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق کام کیا ہے۔'' یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ میں عصرِ قریب میں سب سے پہلے قیاسی وآرائی فقہ کے مقابلہ میں حدیث کو اسی خاندان نے ترجیح دی ہے۔ اور فقہ حنفی کے غلط مسائل کو رد

کرتے آئے ہیں ۔ راشدی خاندان خصوصاً پیر جھنڈا خاندان کا کتب وعلم کے ساتھ زبردست تعلق ولگاؤ رہا ہے۔اور وہ شروع سے ہی تقلید جامد کے خلاف رہے ہیں۔

پیر پگاڑا بھی پہلے تقلید کے خلاف تھے ان پر مجتہدانہ رنگ چڑھا ہوا تھا اور ان کے پاس ایسا کتب خانہ تھا کہ امراء وسلاطین کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا ، جب صحیح بخاری کا قلمی نسخہ ان کے کتب خانہ میں لایا جارہا تھا تو اپنی جماعت کو لے کر کافی فاصلہ طے کر کے اس کا استقبال کیا۔

پیر جھنڈا خاندان میں سب سے پہلے سید رشید الدین شاہ نے کھلم کھلا (علی الاعلان) مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کی ان کے بھائی سید ہدایت اللہ شاہ راشدی بھی اہل علم میں سے تھے اور حدیث کی طرف مائل تھے۔علامہ سید بدیع الدین شاہ لکھتے ہیں کہ سید رشید الدین شاہ کے ملفوظات کو ان کی جماعت کے لوگوں نے جمع کیا ہے۔اس میں جابجا حدیث کو فقہ پر ترجیح دی ہے۔اور عقیدہ ''ہمہ اواست'' اور صوفیوں کے لطائف کا رد کیا ہے۔

(رموز راشدیہ ص۳)

ان کے فرزند علامہ سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ سید نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ شوکانی کے تلمیذ رشید علامہ حسین بن محسن الانصاری الیمانی کے شاگرد تھے۔سید رشد اللہ شاہ نے دو بڑے کام کیے۔ایک ''دارالرشاد'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس کا برصغیر کے شہرت یافتہ مدارس میں شمار ہوتا تھا اور دوسرا کارنامہ ''کتب خانہ'' کا قیام تھا۔ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں سید ضیاء الدین شاہ اور سید احسان اللہ شاہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور اسی جھگڑے کے نتیجے میں سید احسان اللہ شاہ کو اپنا آبائی گاؤں ترک کرنا پڑا اور جاتے وقت انہوں نے اپنے والد سید رشد اللہ شاہ کے کتب خانے سے کچھ کتابیں حاصل کیں جبکہ باقی کتب خانہ ان کے بھائی ضیاء الدین شاہ کے پاس رہا۔انہوں نے اس عظیم سرمایہ کی حفاظت نہیں کی اور مرور زمانہ نے اس انمول خزانے سے نہ جانے کتنی کتب کو چاٹ کر رکھ دیا۔سید ضیاء الدین شاہ اور ان کے دیگر بھائیوں کی اولاد کو دیوبندیت نے اپنے

قبضہ میں لے لیا کیونکہ وہ لوگ علم سے دور ہو گئے تھے پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ ایک دیوبندی مولوی نے ان کی اولاد میں سے کسی کو کہا کہ آپ کے جد سید رشد اللہ شاہ کی کتاب میں ایسی باتیں ہیں جو آپ لوگوں کے مذہب کے خلاف ہیں لہذا اسے نہر میں پھینک دیں، ایسا ہی ہو ااور علامہ سید بدیع الدین شاہ کے شاگرد اور خادم مولانا اسحاق خاصخیلی صاحب کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نہر میں نہانے کے لیے گئے تو پانی بہت کم اور نہ ہونے کے برابر تھا اور وہاں ہمیں ایک قلمی کتاب ملی جسے ہم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس لائے انہوں نے اس کا مطالعہ کر کے بتایا کہ یہ کتاب ہمارے دادا سید رشد اللہ شاہ کی ہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ سید ضیاء الدین شاہ کی اولاد نے یہ کتب خانہ نیشنل میوزیم (قومی عجائب گھر) کراچی کو فروخت کر دیا اس وقت صرف قلمی مخطوطات آٹھ سو (۸۰۰) کی تعداد میں تھے اور جو ضائع ہو کر ختم ہو گئے تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔

علامہ سید ابوتراب رشد اللہ شاہ پکے اہل حدیث تھے۔ انہوں نے مسلک اہل حدیث کی بڑی خدمت کی ہے۔

علامہ فیروز آبادی کی کتاب ''سفر السعادہ'' کا سندھی میں ''ثمر آخرت'' کے نام سے ترجمہ کیا جس میں مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

یہاں پر ہم سید رشد اللہ شاہ کی ان چند تصانیف کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے حدیث کے متعلق یا مسلکِ اہل حدیث کی تائید میں لکھی ہیں۔

(۱) کشف الاستار عن رجال معانی الآثار (مدینہ منورہ سے عکسی طور پر شائع ہوئی ہے، کل صفحات ۱۳۹)

(۲) تجرید صحیح البخاری کا سندھی زبان میں ترجمہ

(۳) رفع الریب فی مسئلۃ علم الغیب۔ (یعنی عالم الغیب ہونا فقط اللہ تعالیٰ کی صفت ہے / ''اصحاب علم وفضل'' میں اس کا نام ''کشف الریب عن مسئلۃ علم الغیب'' لکھا ہوا ہے ص ۴۱)

(۴) التقریر المعلیٰ فی ان حدیث أفطر الحاجم والمحجوم منسوخ أم لا

(۵) الاعتناء فی مسئلۃ الاستواء (استواءِ باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے)

(۶) عین المتانۃ فی تکرار الجماعۃ (تکرارِ جماعت کے جواز پر ہے/اردو، اس میں رشید احمد گنگوہی دیوبندی کے ایک رسالے کا جواب دیا گیا ہے)

(۷) درج الدرر فی وضع الأیدی علی الصدر (عربی)

یہ رسالہ مخدوم محمد ہاشم التتوی (الدیبلی) السندی الحنفی کے رسالہ ''درہم الصرۃ فی وضع الایدی تحت السرۃ'' کا رد ہے۔

(۸) القِری لمصلي الجمعۃ فی القریٰ (عربی) گاؤں میں جمعہ کے جواز پر ہے۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ کے والد گرامی سید احسان اللہ شاہ بن علامہ رشد اللہ شاہ کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''وہ اسماء الرجال میں امام ہیں'' اور یہی بات علامہ سید بدیع الدین شاہ اپنے شیخ ابو محمد عبدالحق الہاشمی، علامہ سید محبّ اللہ شاہ راشدی اور علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری سے نقل کرتے ہیں۔

علامہ سید محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''اگر کوئی مجھے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلف دے کر پوچھے تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے ان (سید احسان اللہ شاہ) سے بڑھ کر کوئی پاکباز اور صاحب تقویٰ نہیں دیکھا۔''

آپ غیرت مند اہل حدیث اور سنت نبوی سے زبردست محبت کرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ''پیر صاحب سنت والے'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

شوقِ کتب کا یہ عالم تھا کہ جس دور میں ابھی تاریخ بغداد شائع نہیں ہوئی تھی چودہ سو (1400) روپے خرچ کر کے مصر سے اس کی فوٹو کاپی بنوائی اور جب شائع ہوئی تو کل قیمت اٹھائیس (28) روپے تھی۔ انھوں نے مسلک اہلحدیث کی تائید میں ایک رسالہ مسلک الانصاف لکھا ہے۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی

شاہ صاحب ایک ثقہ امام، علم وفقہ کے بحر، تقویٰ وورع کے پیکر، ایک عظیم محدث اور عصر حاضر میں محدثین کرام کے صحیح جانشین، بے باک حق گو، کردار وگفتار میں یکساں، اتباع السنۃ اور عقیدۃ السلف کے لئے غیور، ایک عظیم استاد، مصلح اور داعی تھے جن کی محنت و جدو جہد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار انسانوں کو ہدایت بخشی۔ آپ دینی معاملات میں بے جا نرمی اور مداہنت کے مخالف تھے۔ تقلید و بدعت کا ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دشمن ہو۔ حق گوئی ان کا شعار تھا۔ کبھی کسی منکر سے صرف نظر نہیں کیا۔ دنیوی لالچ ان کے قریب بھی نہیں بھٹکتا تھا۔ خاص طور پر ان کا اخلاص ضرب المثل بن گیا ہے۔ وہ سندھ کے ایک باعزت اور بڑے بااثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے، لیکن توحید وسنت کی خاطر انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا۔ وہ ایک جری اور نڈر شخص تھے جنھوں نے ساری زندگی وڈیروں، پیروں، مشرکوں اور مقلدوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور کبھی کسی سے نہیں ڈرے۔ اہلحدیث سے زبردست محبت کرنے والے، خیر خواہ اور کمزوروں کے ہمدرد تھے۔ ہر شخص یہی سمجھتا اور کہتا کہ شاہ صاحب مجھ سے اوروں سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ باوجود قلت المال کے بڑے مہمان نواز تھے ان کا دستر خوان کشادہ تھا۔ آپ نیو سعید آباد میں رہے یا حیدر آباد میں، جہاں بھی تھے بڑی رونقیں ہوتی تھیں۔

اصلاح امت کا درد ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کے اخلاص اور درد اصلاح کا اندازہ ان کی اس تحریر سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

"عام طور پر کتنے قاری دنیا کی خاطر قرآن پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔ کچھ تو گاڑیوں اور بسوں میں قرآن پڑھ کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں اور بعض رمضان میں مقررہ اجرت پر تراویح پڑھاتے ہیں تو بعض تقریر کی باقاعدہ فیس مقرر کرتے ہیں۔ اس قسم کی تجارت کا بازار محرم کے پہلے عشرہ، ربیع الاول ربیع الآخر اور رجب کے مہینوں میں گرم نظر

آتا ہے۔اسی طرح مرنے والوں کے پیچھے ختم کے وقت ،قبروں پر یا(قل وایصالِ ثواب کی) محافل میں خوب کمائی ہوتی ہے۔قرآن کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہانت ہوسکتی ہے کہ جو کتاب پڑھنے ،سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اسے دنیا کے مال ومتاع اور عیش وآرام پر نیلام کیا جائے۔ یہ قرآن کی زبردست بے قدری ہے۔ع

قدر گل بلبل بداند یا بداند عنبری

قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری''

(مقدمہ بدیع التفاسیر ص 58 /ترجمہ از سندھی)

اسی اخلاص کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں عوام وخواص کے ہاں بڑا مقام، پذیرائی اور محبت عطا فرمائی تھی۔ رحمه الله رحمة واسعة

تاریخ ولادت:

۱۸ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۰جولائی ۱۹۲۵م بمقام گوٹھ (village) سید فضل اللہ شاہ (قدیم پیر جھنڈا) تحصیل حیدرآباد۔

تعلیم وتربیت:

انہوں نے اپنے خاندانی مدرسہ'' دارالرشاد'' میں تعلیم مکمل کی۔اساتذہ کے اسماء گرامی کچھ اس طرح ہیں:

شیخ محمد اسماعیل بن عبدالخالق افغانی سندھی، شیخ ولی محمد بن عامر کیریو، شیخ سلطان کوریجہ (ہالا سندھ) شیخ شفیع محمد سندھی، شیخ محمد نور عیسیٰ خیلوی (پنجاب) شیخ عبدالرحمٰن رامپوری شیخ قطب الدین ہالیجوی، حافظ محمد امین مُتوَہ کچھ بھوج (گجرات بھارتی جوکہ اصل میں سندھ کا علاقہ ہے) شیخ بہاؤالدین جلال آبادی (افغانستان) شیخ محمد ایوب (افغانستان) شیخ محمد مدنی ، شیخ عبداللہ، شیخ محمد عمر بن شیخ عبدالغنی (نواب شاہ) شیخ محمد خلیل بن محمد سلیم لدھیانوی وغیرہ ☆

[☆ محترم جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی نے آپ کے اساتذہ میں عبیداللہ سندھی

(دیوبندی) اور شیخ الاسلام مولانا محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے اصحاب علم وفضل ص ۴۴ / زبیر علی زئی]

اول الذکر دو اساتذہ کے سوا باقی سب نہایت متعصب حنفی تھے جنھوں نے ہمیشہ شاہ صاحب کو حدیث پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی اور حنفیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی (کیونکہ شاہ صاحب کے والد گرامی اس وقت فوت ہو گئے تھے جب شاہ صاحب کی عمر بارہ یا تیرہ سال ہوگی) اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو ثابت قدم رکھا اور دوران پڑھائی ہمیشہ اساتذہ سے بادلائل واحترام بحث ومناظرے کرتے رہے بالآخر ان میں سے شدید ترین متعصب استاد بھی ہار مان گئے والحمد للہ تعالیٰ۔

حیرت کی بات ہے کہ شاہ صاحب کے سارے اساتذہ حنفی تھے کوئی بھی ان میں سلفی العقیدہ نہیں تھا، اس کے باوجود شاہ صاحب رحمہ اللہ عامل بالقرآن والحدیث اور اس کے مقابلے میں رائے وتقلید کا سخت رد کرنے والے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انھیں عظیم مرتبہ ومقام عطا فرمایا کہ عرب وعجم سے طالبان علم سفر کر کے ان کے پاس پڑھنے کے لیے آتے اور آپ کو عصر حاضر میں اہل حدیث کا امام مانا گیا۔

ماہنامہ ''صراطِ مستقیم'' کراچی (ش ۱۔ ج ۱) کے ایک سوال کے جواب میں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ ''غالباً والدہ کی دعاؤں کا اثر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارا ذہن دینی علم کی طرف لگا دیا۔ اس زمانہ میں مطالعہ کا شوق پڑ گیا جبکہ پوری طرح عربی پڑھنا بھی نہیں آتی تھی۔ جو کچھ مجھے حاصل ہوا مطالعہ سے ہی حاصل ہوا'' (ذلك فضل الله يؤ تيه من يشاء)

فرمان الٰہی ہے کہ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾

اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ (الانعام: ۱۲۵)

اور فرمان نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) ہے ''من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۱ وصحیح مسلم: ۱۰۳۷)

شاہ صاحب نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد درج ذیل نامور اہل حدیث علماء کرام سے سند اجازۃ حاصل کی اور استفادہ کیا۔

- شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ فاتح قادیان
- امام حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمہ اللہ
- علامہ ابومحمد عبدالحق البھاولفوری الھاشمی المھاجر المکی رحمہ اللہ
- علامہ ابواسحاق نیک محمد
- علامہ ابوسعید شرف الدین الدہلوی رحمہ اللہ (آپ شاہ صاحب کی دعوت پر قیام پاکستان کے بعد مدرسہ دارالرشاد میں تدریس کے لیے تشریف لائے تھے۔)

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''ویسے تو بہت سے لوگ میرے لئے قابلِ احترام ہیں لیکن خاص طور پر دو شخصیات نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے ۔ایک میرے والد احسان اللہ شاہ صاحب تھے ۔انہوں نے بچپن میں ہمارے دل و دماغ میں یہ بات پختہ کر دی کہ قرآن وحدیث کی بات سب پر مقدم ہے ۔قرآن وسنت کے علاوہ کوئی بات نہیں ماننی ۔ دسرے مجھے بہت زیادہ علمی فوائد مولانا ثناء اللہ امرتسری سے حاصل ہوئے۔ان سے کافی صحبت ملی، پڑھنے پڑھانے کا طریقہ وہیں سے حاصل ہوا۔جب پنجاب جاتے تھے ان کے پاس رہتے تھے،کبھی دو کبھی تین دن اور زیادہ سے زیادہ بارہ دن۔غرض ہمیں جہاں بھی موقع ملتا ان سے فیض حاصل کرتے ۔ والد محترم کے ساتھ ان کی خاص دوستی تھی ۔ ہمارے خاندان کی بڑی عزت کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بہت زیادہ محبت سے پیش آتے تھے۔ (رموز ص ٦٧)

''قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی بات نہیں ماننی'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بات نہیں ماننی۔

اور اپنی ثبت ''منجد المستجیز ''میں انہیں ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں ''**شیخنا الاستاذ المفسر المحدث حجة الله على الأرض**''

تدریسی خدمات: شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تدریس میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔جامع

اور مختصر الفاظ میں مافی الضمیر کو بیان کرنا ان کا خاصہ تھا۔آپ کی معلمانہ شفقت ،شخصی وجاہت ورعب ،تبحر علمی ،قوۃ الاستحضار والاستشھاد اور بے مثل خلوص کے امتزاج سے سکھلائی گئی بات سالہا سال گزرنے کے باوجود آج بھی کالنقش فی الحجر ہے۔

شاہ صاحب کے ایک شاگرد اپنے ایک خط میں آپ کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''أرسل لکم هذه الرسالة من أرض الجزيرة بعدأن يسر الله والتقينا بكم وطلبنا العلم علٰى أيديكم برهة من الزمن فكنتم بحق خير معلم لطالب علم وهذا أقل مانقول في شيخ مثلكم میں یہ خط ارض الجزیرہ (یعنی جزیرہ عرب) سے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ سے ملاقات ہوئی اور ہم نے آپ سے علم حاصل کیا۔بلا شک آپ طالب علم کے لیے بہترین استاد ہیں اور آپ جیسے شیخ اور استاد کی یہ کم ازکم مدح ہے (ورنہ آپ کا مقام اس سے کہیں بلند ہے اور آپ اس سے بڑھ کر مدح کے مستحق ہیں)

[أبو سفيان سالم بن علي العمر / الكويت]

شاہ صاحب نے پہلے اپنے خاندانی مدرسہ میں پڑھایا پھر جب اپنا الگ گاؤں آباد کیا تو وہاں پر المدرسۃ المحمدیہ اہل حدیث کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا وہاں پر منتھی طلبہ کو صحیح بخاری وغیرہ پڑھاتے رہے۔اس کے علاوہ ملک اور بیرون ملک سے آنے والے طلبہ کو وقت نکال کر پڑھاتے تھے۔سنہ 1974م سے 1978م تک مسجد الحرام میں عام طلبہ کو تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری شریف پڑھاتے رہے۔اس اثنا میں دارالحدیث الخیریۃ (مکہ مکرمہ) میں ایک سال تک مدرس رہے اور پھر رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ جناب فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید کی دعوت پر معہد الحرم المکی میں دوسال تک پڑھایا۔اس دوران عرب وعجم سے آنے والے ہزاروں طلبۃ العلم نے شاہ صاحب سے پڑھا اور حرم شریف میں صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر کے دروس ریکارڈ کر لئے ،اس طرح بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ان سے استفادہ کرنے والوں میں سعودی عرب کے جامعات کے بڑے بڑے مدرس شامل

ہیں۔ پاکستان واپس آنے کے بعد انہوں نے مستقل طور پر نہیں پڑھایا لیکن ملک اور ملک سے باہر کے بے شمار طلبہ کرام آئے اور ان سے مختلف کتابیں پڑھیں ۔آپ جامع المنقولات والمعقولات تھے۔کسی بھی آنے والے سے یہ نہ پوچھتے کہ کون سی کتاب پڑھو گے بلکہ علوم اسلامیہ،صرف،لغت،ادب،عروض،غرض کسی بھی فن کی کتاب بغیر مطالعہ کیے پڑھادیتے تھے۔آپ ایک اچھے طبیب بھی تھے بعض طلبہ آپ سے فن طب کی کتابیں بھی پڑھتے۔

تلامیذ: عرب وعجم میں آپ کے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں۔اسی وجہ سے آپ کو شیخ العرب والعجم کہتے ہیں۔

چند معروف تلامیذ کا ذکر کر لیتے ہیں ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنھوں نے آپ سے سند اجازت حاصل کی ہے۔

- علامہ محدث مقبل بن ہادی الوادعی الیمانی رحمہ اللہ (عصر حاضر کے عظیم مدرس، محدث اور داعی تھے جن کے ہاں ایک وقت میں دو ہزار سے زائد طلبہ صحیح البخاری پڑھتے تھے)

۱- عمر بن محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ سابق امام الحرم المکی

۲- شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندی سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کئی کتابوں کے مصنف تھے، رحمہ اللہ)

۳- شیخ عاصم بن عبداللہ القریوتی استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ (کئی کتابوں کے مصنف ومحقق ہیں)

۴- شیخ حسن حیدر الیمانی الصنعانی۔(یمن کے مشہور عالم، سنن الترمذی "مع الاسانید" کے حافظ ہیں)

۵- شیخ علی عامر الیمنی سابق مدیر دار الحدیث الخیریۃ بمکۃ المکرّمۃ

۶- شیخ حمدی عبدالمجید السّلفی العراقی۔(المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ بہت سی کتابوں کے محقق ہیں)

۷- دکتور بشار عواد معروف۔ بغداد/عراق (بہت سی کتابوں کے محقق ہیں)
۸- شیخ محمد احمد اسماعیل الاسکندریہ مصر
۹- شیخ عمر احمد سیف۔یمن
۱۰- محمد موسیٰ نصر (بحرین)
۱۱- بدر بن عبداللہ البدر الکویتی
۱۲- شیخ ابوسعید الیربوزی الترکی (کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ان کی ایک کتاب ''نماز'' کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے جو عوام میں بہت زیادہ مقبول ہے)
۱۳- شیخ سعدی بن مھدی الھاشمی
۱۴- شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی الہندی۔استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود بالریاض (کئی کتابوں کے محقق ہیں)
۱۵- شیخ ربیع بن ہادی المدخلی۔استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ/مدینہ منورہ وحال مقیم، العوالی/ مکۃ مکرمۃ
۱۶- الدکتور عبدالمحسن بن محمد بن عبدالمحسن المنیف۔استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، رئیس اللجنۃ العلمیۃ بکلیۃ الشرعیۃ۔
۱۷- شیخ محمد ناصر **العجیمی** (الکویت)
۱۸- شیخ عایض الصلاح الشلامی (الکویت)
۱۹- شیخ عبداللہ السبت (الکویت)
۲۰- شیخ جاسم العون (الکویت)
۲۱- شیخ وصی اللہ بن محمد عباس الہندی (مکۃ مکرمۃ) (کئی کتابوں کے محقق ومصنف ہیں)
۲۲- شیخ محمد موسیٰ افریقی
۲۳- شیخ ابوالحارث علي بن حسن اليافی الاردني
۲۴- شیخ یعقوب بن موسیٰ الہدساوی

۲۵- شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی (کئی کتابوں کے مصنف اور مشہور سلفی عالم ہیں)

۲۶- شیخ حکمت الحریری

۲۷- شیخ ابو ہارون عوضی بن عبید اللہ البکاری الیمانی

۲۸- ابو طاہر حافظ زبیر بن مجد علی زئی

۲۹- شیخ ارشاد الحق الاثری (مایہ ناز اہل حدیث عالم اور محقق، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں)

۳۰- شیخ ابو سلمان عبداللہ ناصر رحمانی (کراچی کے مشہور مبلغ اور کئی کتابوں کے مؤلف ہیں)

۳۱- شیخ عبدالغفار اعوان المدنی

۳۲- الشیخ العلامۃ قاطع الشرک والبدعۃ السیف المہند ضد المبتدعۃ شمس الدین بن محمد اشرف الافغانی☆

[☆ ثقة إمام حجة ، ومن حسنا ته "الما تريد ية" في ثلاثة مجلات كبار، وكان شديداً على المبتدعين ......" رحمه الله (أنوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص۹۶)]

۳۳- شیخ ابو عمر عبدالعزیز النورستانی (صوبہ سرحد میں سلفیت کا پرچم لہرانے والے مشہور مناظر، مبلغ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔)

۳۴- شیخ برق التوحیدی

۳۵- شیخ عبدالرؤف ظفر

۳۶- شیخ حافظ ثناء اللہ الزاہدی

۳۷- شیخ غلام اللہ رحمتی پشاور

۳۸- شیخ احتشام الحق آسیا آبادی رمکران بلوچستان

۳۹- شیخ عزیر شمس الہندی (کئی کتابوں کے مصنف و محقق ہیں)

۴۰- شیخ محمد حسین ظاہری اوکاڑوی (وخلق لایحصیهم إلا الله)

دعوت و تبلیغ:

علم سے مقصود عمل اور نشر یعنی بنی آدم کو توحید وسنت کی دعوت دینا ہے اسی لیے انبیاء ورسل آئے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک کامیاب خطیب، داعی اور مبلغ تھے۔ان کی گرجتی ہوئی آواز قلب کی گہرائیوں سے نکلتی تھی۔حق گوئی ان کا شعار تھا،اس میں کسی کی پروانہیں کرتے تھے انہوں نے ایک ''روایتی سست'' قوم کے اندر بھی ایک طوفانی کام کیا۔ جب انہوں نے سندھ کے اندر توحید وسنت کی دعوت کا آغاز کیا تو حالات کیا تھے؟ اسے خودانہی کے الفاظ میں سنیئے ۔''چونکہ ہماری دعوت توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید سے شروع ہوئی اور اسی موضوع کے لیے وقف تھی اس لیے مخالفت کا ہونا لازمی (امر) تھا۔ ہمارے ملک (سندھ) میں پیری مریدی کا گھیراؤ تھا اور جگہ جگہ پیروں کی گدیاں آباد تھیں۔ اسی طرح کئی سال سے لوگوں پر تقلید کا جمود طاری تھا۔باندریں حالات (یعنی ان حالات میں) توحید وسنت کی دعوت دینا اور شرک وبدعت کے خلاف آواز اُٹھانا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے یہ محتاج بیان نہیں۔'' (رموز راشدیہ 23.22)

جب شاہ صاحب نے سندھ میں دعوت توحید کا کام شروع کیا تو اُس وقت سندھ کے اندر بمشکل چند ایک مساجد جماعت اہل حدیث کی تھیں لیکن اب الحمدللہ صرف جمعیت اہل حدیث سندھ کے نظم کے تحت ایک ہزار کے قریب مساجد جماعت اہل حدیث کی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو خطاب کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔آپ کا حافظہ بے مثل تھا اور دوران خطاب قرآن،احادیث اور دیگر فنون کی کتب سے استحضار کرنا ان کا خاصہ تھا۔آپ کی تقاریر احادیث وقرآنی آیات سے مزین ہوتی تھیں۔اسٹیج پر انہیں کوئی سا بھی موضوع ملتا آپ اس پر فوراً تقریر کرتے۔انہوں نے سندھ کے علاوہ خصوصاً پنجاب میں بھی بہت کام کیا اور ہر چھوٹے بڑے شہر میں آپ کی تقاریر ہوتی تھیں۔تقسیم ہند سے قبل بٹالہ ضلع گورداسپور میں

سالانہ کانفرنس میں محض ۲۰ سال کی عمر میں صدارت کی حالانکہ اس وقت وہاں پر کبار علماء کرام موجود تھے۔ اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک میں طویل تبلیغی دورے کیے۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران روزانہ عربی اور اردو زبانوں میں دروس دیئے، جس سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ سعودی عرب کے علاوہ عمان، کویت، عرب امارات، بحرین، قطر، بنگلہ دیش اور کٹناوا کے تبلیغی دورے بھی کئے۔

انہوں نے اپنے بعض تبلیغی دوروں کا حال قلم بند کیا ہے مثلاً تذکرۃ السفر فی بلاد اوروبا، سفر نامہ یورپ، سفر نامہ ہندوستان، سفر نامہ متحدہ عرب امارات، سفر نامہ امریکہ وکٹناوا (غیر مطبوع ہیں) ہر سال نیوسعید آباد میں سیرۃ النبی کانفرنس منعقد کراتے جس میں پورے ملک سے علماء کرام تشریف لاتے اور سندھ کے کونے کونے سے اہل حدیث شریک ہوتے۔

آپ تقاریر میں نہایت شیریں آواز میں تلاوت کلام پاک فرماتے اور لوگ گھنٹوں توجہ کے ساتھ بیٹھ کر یوں خطاب سماعت کرتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

شور شرابہ، تماشا اور نعرہ بازی وغیرہ کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کے جلسے اور کانفرنسیں نظم وضبط اور سادگی کا زبردست نمونہ ہوتی تھیں۔

تالیفات:

شاہ صاحب رحمہ اللہ تدریس وخطابت کے ساتھ ساتھ میدان تالیف وتصنیف کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کے شاگرد مولانا عبدالغنی پسایو کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی وقت میں چار کاتب شاہ صاحب کے پاس لکھتے تھے اور آپ سب کو مشغول رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے نظیر حافظہ اور قوت استحضار اور زبردست فہم وتفقہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ کے لیے تالیف آسان تھی۔ آپ کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کی سندھی زبان میں تفسیر بنام بدیع التفاسیر ☆ ہے۔ یہ تفسیر آپ نے سلف صالحین کے منہج پر لکھی ہے۔ غیر عربی زبان میں خالص سلفی نہج پر اس پایہ کی تفسیر آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ (واللہ اعلم) ہم اس مضمون کے بعد

ان شاءاللہ بدیع التفاسیر پر مختصر تبصرہ لکھیں گے۔ یہ تفسیر سورۃ النحل کی ابتدائی چند آیات تک لکھی گئی ہے۔ افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی ورنہ اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی موضوعات مثلاً عقیدہ، حدیث، فقہی مسائل، ردتقلید، ردفرق ضالہ، نحو، ادب عربی اور اصول وغیرہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے زیادہ عربی زبان میں 61 کتابیں اردو میں 32 اور سندھی میں 50 کتابیں لکھی ہیں۔

ہم یہاں پر آپ کی چند تصنیفات کا ذکر کرتے ہیں۔

[☆ اس کے علاوہ مستقل ایک جلد میں فن تفسیر احکام القرآن وغیرہ پر مقدمہ ہے، تفسیر اور مقدمہ مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عربی زبان میں بھی تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو کہ سورۃ الفاتحۃ تک لکھی جا سکی جو ایک بڑی جلد میں ہے اور مقدمہ عربی میں بھی لکھا ہے دونوں غیر مطبوع ہیں۔]

عربی کتب:

(۱) السمط الابریز حاشیة مسند عمر بن عبدالعزیز (مطبوع)

(۲) المرآة لطرق حدیث من کان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة. (غیر مطبوع)

(۳) القندیل المشعول فی تحقیق حدیث اقتلو ا الفاعل والمفعول (غ)

(۴) عین الشین بترك رفع یدین (م) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب کا رد ہے۔

(۵) العجوز لهدایة العجور (لفظ عجوز معانی پر ہے) [غ]

(۶) وصول الالهام لأصول الإسلام (غ) غیر منقوط رسالہ ہے۔

(۷) زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع (م)

(۸) جزء منظوم فی أسماء المدلسین (م)

(۹) التعلیق المنصور علی فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور للشیخ محمد حیات السندی (م)

(١٠) جلاء العينين بتخريج روايات البخاري فی جزء رفع اليدين (م)

(١١) غاية المرام فی تخريج جزء القرا ء ة خلف الإمام للبخاري

(١٢) القول اللطيف فی الاحتجاج بالحديث الضعيف۔ (غ)

(١٣) أزهارا الحدائق فی تذكار من جمع أحاديث خير الخلائق (غ)

(١٤) الإجابة مع الإصابة فی ترتيب أحاديث البيهقي على أسانيد الصحابة (غ)

(١٥) تحفة الأحباب فی تخريج أحاديث قول الترمذي وفی الباب (غ)

(١٦) كشف المحو شرح هداية النحو

(١٧) انماء الزكن فی تنقيد انهاء السكن۔ (ظفر تھانوی کے مقدمہ انہاء السکن کا زبردست رد ہے جسے شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے اپنی تحقیق کے ساتھ "نقض قواعد فی علوم الحدیث" کے نام سے کویت سے شائع کیا ہے۔

(١٨) شهادة الأحناف فی مسئلة علم الغيب على سبيل الإنصاف

(١٩) شرح كتاب التوحيد (صغير) لابن خزيمة

(٢٠) تفسير القرآن الكريم المسمیٰ بالاستنباط العجيب فی اثبات التوحيد من جميع آيات الكتاب النجيب [غ] (اس کے سرورق پر شاہ صاحب لکھتے ہیں" هذا تفسير روحي وهو أحرى بأن يدعى بتفسير القرآن بالقرآن" اس کتاب میں مصنف نے ہر آیت سے توحید پر استدلال کیا ہے اور آیات کی تفسیر فقط آیات ہی سے کی ہے۔

(٢١) الطوام المرعشة فی بيان تحريفات أهل الرأى المدهشة۔ یہ کتاب بھی شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی کی تحقیق سے کویت سے شائع ہوئی ہے۔

(٢٢) توفيق الباري بترتيب جزء رفع اليدين للبخاري (غ)

اس کے علاوہ الیومیہ (Daily Diary) بھی لکھی ہے جس میں روزانہ کوئی مسئلہ، کسی آیت

کی تفسیر یا کسی حدیث کی مختصر شرح لکھی ہے صرف ایک جلد موجود ہے باقی دیگر جلدیں بعض تصانیف کی طرح شاید ضائع ہوگئی ہیں۔ واللہ اعلم

اردو کتب:

ا۔ توحید خالص (ا) مسئلۃ العلو والاستواء پر ہے۔ پتہ چلا ہے کہ شیخ عبداللہ ناصر رحمانی اس کا عربی میں ترجمہ کررہے ہیں واللہ اعلم، یہ ایک عظیم کتاب ہے۔

(۲) تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید (۳) امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے (۴) اسلام میں داڑھی کا مقام (۵) رموز راشدیہ [انٹرویوز] (۶) اسلام میں عورت کا مقام (۷) حقوق العباد وغیرہ

سندھی کتب:

(۱) مقدمہ بدیع التفاسیر [م] (۲) بدیع التفاسیر [م] (۳) حجۃ الوداع [حج کے مسائل پر] (۴) تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفۃ الحدیث [ایک تقلیدی مولوی عبدالخالق میمن کے رسالہ تحفۃ الحدیث کے رد میں ہے جس میں انہوں نے مشہور اختلافی مسائل کے لئے احادیث اور آثار سے دلائل جمع کئے تھے اور اہل حدیث کا رد کیا تھا اس کا ایک زبردست جواب ہے] (۵) توحید ربانی (چار اجزاء میں) وغیرہ

علامہ شاہ صاحب کا اہل علم کے ہاں مقام:

شاہ صاحب کو اہل علم وعوام سب کے ہاں بڑی قدر سے دیکھا جاتا تھا۔ عرب وعجم آپ کے علم، ثقاہت، فقاہت اور منہج سلیم کے معترف تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے باوجود ہم یہاں پر سلفی علماء کرام کے شاہ صاحب کے متعلق اقوال اور توثیق نقل کرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی جوانی میں ایک کتاب "**المرآۃ لطرق حدیث من کان له إمام**"، لکھی تھی اس پر اس وقت کے کبار علماء کرام اور محدثین کی تقاریظ ہیں۔ ہم ان میں سے چند علماء کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی لکھتے ہیں: ''فأني أسرعت نظري في رياض الرسالة المسماة بالمرآة لرأس المحققين العلامة السيد بديع الدين''
شیخ علامہ احمدالدین گکھڑوی لکھتے ہیں: ''ذكر تضعيفها وعللها بالتفصيل وحققها كالبخاري والبيهقي بالدليل''

ارض الیمن کے نامور محدث علامہ مقبل بن ہادی الوادعی کے ہاں ایک ہی وقت میں دو ہزار کے قریب طلبہ صحیح بخاری وغیرہ پڑھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود دوران درس کہتے تھے کہ ''اگر حدیث پڑھنی ہے تو سندھ جا کر شیخ بدیع کے ہاں پڑھو'' اور خود بھی شیخ بدیع کے ہاں صحیح بخاری کے چند مواقع سمجھنے کے لئے سفر کا ارادہ رکھتے تھے لیکن بالتقدیر ایسا نہ ہوسکا اس بات کے گواہ ان کے ثقہ تلامیذ ذہنی عبدہ القیسی وغیرہ ہیں اوراس کے علاوہ شیخ مقبل کے مدرسہ کے مدیر اوراستاد شیخ عوض البکاری کا خط جو کہ ہمارے ہاں محفوظ ہے۔

ماہنامہ ''الحدیث'' کے ایڈیٹر حافظ زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ ''اگر کوئی مجھ سے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلفاً پوچھے گا تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے شیخ بدیع الدین سے بڑھ کر کوئی عالم اور فقیہ نہیں دیکھا'' (الحدیث ش۲ ص۴۰) پنجاب کے نامور عالم عطاءاللہ ثاقب مترجم کتاب فتح المجید شرح کتاب التوحید شیخ بدیع رحمۃ اللہ علیہ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں ''صاحب لوائے توحيد ، ناصر السنة ، قامع البدعة ، العلامة الشيخ السيد......'' (ہدایۃ المستفید ج۱ ص۸)

دکتور عبدالمحسن المنیف استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ لکھتے ہیں:

''فضيلة الشيخ العلامة المحدث المفسر'' (خط محفوظ ہے۔ والحمدللہ)

دکتور عاصم القریوتی استاذ جامعہ اسلامیہ لکھتے ہیں ''شيخنا العلامة''

علامہ شمس الدین الافغانی صاحب الماتریدیہ لکھتے ہیں: ''الشيخ الأجل الوالد العزيز المحدث البديع أبو السلفيين قاطع أعناق أهل الشرك والبدع''

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کئی اساتذہ شاہ صاحب کے شاگرد تھے اور وہاں سے کئی

طلبہ شاہ صاحب کو سنداجازۃ کے لئے خطوط لکھتے تھے۔ایک طالب علم ابوالحسن یاسر بن البرزنجی لکھتے ہیں"وذلك لما سمعنا من سير تكم الحسنة وسير كم على المنهج السلفي الصحيح وذلك بعد أن حدثنا عنكم علماء نا ومشائخنا حفظهم الله"

ایک اور تلمیذ اور محقق شیخ حکمت الحریری لکھتے ہیں"والذي دفعنا لذلك هو ثقتنا لفضيلتكم وما أكرمكم الله به من علم وسعة اطلاع"

جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی لکھتے ہیں کہ"سید بدیع الدین وسیع العلم اور کثیر الافادہ عالم دین تھے، مکہ مکرمہ جیسے بابرکت مقام پر انہیں درسِ حدیث دینے کا شرف حاصل رہا، متعدد بین الاقوامی کانفرسوں میں شریک ہوئے اور مشرق ومغرب کے کئی ممالک کے کامیاب تبلیغی دورے کئے۔سندھی زبان میں قرآن کریم کی مفصل تفسیر"بدیع التفاسیر" لکھی۔تلامذہ کا ایک بہت بڑا حلقہ ان کے فیض علم سے مستفیض ہوا۔سید بدیع الدین شاہ نے تبلیغی اغراض ومقاصد کے لئے جمعیت اہلحدیث سندھ کی بنیاد رکھی، اس وقت جماعت کے سربراہ شاہ صاحب کے تلمیذ رشید مولانا عبداللہ ناصر رحمانی ہیں۔" (اصحاب علم وفضل ص۴۴)

ایک اور عظیم کارنامہ:

شاہ صاحب کا ایک نہایت اہم کام مکتبہ(لائبریری) کا قیام تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں نادر مطبوعات اور بڑی تعداد میں مخطوطات اور مسودات جمع کئے ہیں۔کتب جمع کرنے کا شوق انہیں ورثے میں ملا تھا۔شاہ صاحب نے بڑی جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ کتابیں جمع کی ہیں۔یوں سمجھیں کہ آپ کی زندگی کی جمع پونجی یہی المکتبۃ الراشدیہ ہے۔اب جمعیت احیاء التراث الاسلامی الکویت کے تعاون سے جناب استاذی الکریم فضیلۃ العلامۃ حافظ ثناءاللہ الزاہدی حفظہ اللہ کی نگرانی میں اس کی نئی بلڈنگ کا کام جاری ہے اللہ تعالیٰ اسے تاقیامت قائم رکھے اور جناب شاہ صاحب کے ورثاء کو اس کی حفاظت اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مناصب:

شاہ صاحب رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان ☆ کے کچھ وقت کے لئے امیر رہے۔جمعیت اہل حدیث سندھ کے بانی اورتاحیات امیر رہے۔سرکاری مناصب سے دور رہتے تھے۔پاکستان کے بڑے بڑے لیڈروں،حکمرانوں،وزراء اور سیاستدانوں کے آپ سے تعلقات رہےلیکن کبھی اپنی ذات کے لئے ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ سب لوگوں سے آپ کے مراسم فقط''الدین النصیحة'' کی بنیاد پر قائم تھے۔آپ نے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے ہمیشہ جماعت اہلحدیث کوحتی المقدور فائدہ پہنچایا۔

[☆ اہل حدیث کی جتنی جماعتیں وتنظیمیں موجود ہیں ان کی حیثیت تبلیغی ، اجتہادی اور اشتہاری ہے۔ان میں دخول کفر واسلام کا مسئلہ نہیں ہے ان جماعتوں کی رکنیت اور بیعت تصوف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔سب سے بہتر اور افضل یہی ہے کہ ان تمام جماعتوں اور حزبیت (پارٹی بازی) سے علیحدہ رہ کر کتاب وسنت کی دعوت عام کی جائے اور مسلک اہلحدیث کی غیر جانبدار بھرپور خدمت کی جائے۔سلف صالحین سے ایسی کاغذی جماعتوں اوراحزاب (پارٹیوں) میں شمولیت ثابت نہیں ہے۔وما علینا إلا البلاغ/ (حافظ زبیر علی زئی ۲۲ شعبان ۱۴۲۶ھ)]

وفات:

آفتاب علم وعمل،سرتاج اہلحدیث،قاطع الشرک والبدعة،ناصر السنة النبویة سید ابومحمد بدیع الدین شاہ راشدی تقریباً 72 برس کی عمر میں 8 جنوری 1996م بمطابق 16 شعبان 1416ھ کووفات پاگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون إن لله ما أخذ وله ما أعطیٰ و کل شيءٍ عنده بأجل مسمیٰ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله آمین۔آپ کو اپنے آبائی گاؤں میں اپنے والد اور بھائی علامہ سید محبّ اللہ شاہ الراشدی کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ،آمین۔

[**چندفوائد:** آپ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھاتے اور لمبی قرأت کرتے تھے۔اقامت

کے بعد نیند سے اٹھنے والا آدمی استنجا، وضو اور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بھی پہلی رکعت میں پہنچ جاتا تھا۔ آپ انتہائی بہترین تجوید والی قرأت کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریا بہہ رہا ہے۔ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے میں انتہائی سکون محسوس ہوتا تھا۔

راولپنڈی میں ایک دفعہ آپ کا تبلیغی پروگرام تھا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ یہ میری آپ سے آخری ملاقات تھی۔

پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد صاحب نے ''تذکرہ علمائے اہلحدیث'' میں آپ کا طویل تذکرہ لکھا ہے، جس میں آپ کے چودہ (۱۴) مناظروں کی تفاصیل بھی لکھی ہیں (ج ۲ص ۱۵۶ تا ۱۶۸) مختلف اہل بدعت اور بدعقیدہ لوگوں کے خلاف آپ انتہائی کامیاب مناظر تھے۔

راقم الحروف نے انوار السبیل میں لکھا ہے: ''ثقة إمام متقن ، قال (شيخنا الإمام أبو السلام) محمد صديق بن عبدالعزيز (السرگودهوی) :''عالم محقق'' وقال أخوه (شيخنا الإمام أبو القاسم) محب الله شاه (الراشدي السندهي): '' ثقة'' وسمعت (الشيخ) محمد بن هادي المدخلي المدني يقول فيه : ''ما نسمع عنه إلا خيرًا'' وقال (الشيخ) فالح (بن نافع) الحربي :'' صاحب السنة ، من أهل الحديث ونفع الله به '' (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص ۲۶)

آپ نے اپنے دستخط کے ساتھ مجھے اجازت حدیث (منجد المستجیز) عطا فرمائی۔

أخبرني الإمام أبو محمد بديع الدين رحمه الله فيما أجا زلي عن الإمام ثناء الله أمرتسري عن السيد المحدث نذير حسين الدهلوي عن محمد إسحاق عن عبدالعزيز الدهلوي عن ولي الله الدهلوي و ثبته مطبوع باتحاف النبية فيما يحتا ج إليه المحدث و الفقيه، و الحمدلله .

آپ کے حالات پر ایک تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کا موقع میسر کر دے۔/ حافظ زبیر علی زئی]

تذکرۃ الاعیان ابوخالد شاکر

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

عالمی ایوارڈ یافتہ مصنف اور عالمِ اسلام کے عظیم سکالر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری وفات پا گئے ۔ برصغیر پاک و ہند کے معروف عالمِ دین، عظیم مدرس، محقق، مبلغ اور مناظر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنے آبائی قصبہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں یکم دسمبر ۲۰۰۶ء بمطابق ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ کو نمازِ جمعہ کے بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون

مبارک پوری صاحب کی عمر تریسٹھ برس چھ ماہ تھی اور وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے اور پچھلے چند ماہ سے بسترِ مرگ پر تھے۔

مبارکپور خاندان برصغیر کی تاریخِ اہلِ حدیث میں ایک گل سرسبد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خاندان نے تصنیف وتالیف میں بڑا نام پیدا کیا ہے۔ مولانا صفی الرحمٰن کے پردادا مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری جامع ترمذی کی ایک ضخیم شرح تحفۃ الاحوذی کے نام سے تصنیف کر کے تاریخِ حدیث میں اپنا نام رقم کر چکے ہیں۔

مولانا موصوف بھی تصنیف کے شعبے میں اپنے اسلاف سے پیچھے نہیں رہے۔ وہ علمی دنیا میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ مولانا نے کئی موضوعات پر قلم اٹھایا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ سیرت طیبہ پر آپ خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اس شعبہ میں آپ نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا شہرہ چار دانگ عالَم میں پھیل گیا۔ اس کتاب کا نام الرحیق المختوم ہے۔ اس تصنیف کو نہ صرف انٹرنیشنل ایوارڈ دیا گیا بلکہ شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اس کتاب کے اب تک ۱۸ مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں اور کئی ممالک میں شاملِ نصاب بھی ہے۔

[تنبیہ: الرحیق المختوم میں ضعیف روایات بھی موجود ہیں۔]

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری چھ جون ۱۹۴۲ء میں موضع حسین آباد مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ چونکہ آپ کا تعلق ایک مذہبی اور علمی

گھرانے سے تھا، اس لئے ہوش سنبھالتے ہی انھیں قرآن کی تعلیم دی گئی۔ ۱۹۴۸ء میں چھ سال کی عمر میں انھیں قصبہ مبارکپور کے مدرسہ دارالتعلیم میں داخل کرادیا گیا جہاں انھوں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں انھوں نے عربی زبان کی بنیادی کتب پڑھیں۔ یہاں دوسال حصولِ تعلیم کے بعد مئی ۱۹۵۶ء میں آپ مدرسہ فیض عام میں داخل ہوگئے جہاں آپ نے تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور دیگر علوم کی تعلیم حاصل کی۔ جنوری ۱۹۶۱ء میں آپ نے درس نظامی میں سندِ فراغت حاصل کی۔ اسی اثنا میں آپ نے مولوی فاضل اور عالم فاضل کے امتحانات بھی امتیازی نمبروں سے پاس کر لئے۔

مدرسہ فیضِ عام سے فراغت کے بعد آپ الٰہ آباد اور ناگپور میں تدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اگلے دوسال مدرسہ فیضِ عام میں تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد آپ دارالحدیث فیض العلوم سیونی، مدرسہ دارالتعلیم مبارکپور میں تدریسی اور انتظامی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۴ء میں جامعہ سلفیہ بنارس کے ناظمِ اعلیٰ کے پر زور اصرار پر وہاں تشریف لے گئے اور تدریس کے ساتھ ساتھ ماہنامہ ''محدث'' کی ادارت کے فرائض بھی بخوبی نبھائے۔ ۱۹۸۸ء تا ۱۹۹۸ء جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیں اور سینئر ریسرچ سکالر رہے، ساتھ ساتھ مکتبہ دارالسلام ریاض میں بھی بطورِ محقق کام کیا۔ حالیہ ایام میں آپ جامعہ سلفیہ بنارس کے شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

آپ نے چھوٹی بڑی کم از کم پچاس کتابیں تصنیف کیں جن میں چند ایک یہ ہیں، تلخیص تفسیر ابن کثیر، شرح صحیح مسلم، شرح بلوغ المرام، الرحیق المختوم، تجلیات نبوت، مختصر سیرت النبی وغیرہ۔ الرحیق المختوم کا مختصر تعارف پہلے کروایا جاچکا ہے۔ آپ نے تفسیر احسن البیان پر بھی نظر ثانی کی جو حج کے ایام میں حاجیوں کو دی جاتی ہے۔

مولانا صفی الرحمٰن میدانِ مناظرہ کے بھی بہترین شاہسوار تھے۔ ۱۹۷۹ء میں وسیلے کے موضوع پر بنارس میں ایک مناظرہ ہوا جس میں ہزاروں لوگ جمع تھے۔ آپ کے مسکت اور دندان شکن دلائل سن کر مخالف مناظر بھری محفل چھوڑ کر بھاگ گیا اور نتیجتاً نو خاندانوں اور

۴۹ آدمیوں نے موقع پر مسلک کتاب وسنت کو اپنا لیا۔ **والحمدلله**

مولانا انتہائی خلیق، شفیق، ملنسار، متواضع اور بردبار طبیعت کے مالک تھے۔ اپنی مدح سرائی قطعاً پسند نہ فرماتے۔

آپ کی وفات سے دنیائے اسلام میں بالعموم اور علمائے اہلِ حدیث میں بالخصوص ایک ایسا خلا پیدا ہوا ہے جو تا دیر پُر نہ ہو سکے گا۔ بہر حال **کل نفس ذائقة الموت** کے مصداق موت سے کسی کو مفر نہیں ۔ آپ نے پسماندگان میں چار بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑے ہیں۔ چار بیٹوں میں سے دو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ التحصیل ہیں اور دینی خدمات میں مصروف ہیں، تیسرے بیٹے آخری سال کے طالبعلم ہیں جبکہ ایک بیٹا جدہ میں ملازم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے اور ان کی دینی و علمی خدمات کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ (آمین)

[مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات مدینہ طیبہ میں ان کے گھر میں ہوئی تھی۔ ساٹھ سے اوپر عمر، سفید داڑھی، نورانی چہرہ اور مختصر جچا تلا متین کلام پہلی ہی نظر میں دل پر گہرا اثر چھوڑتا تھا۔ مولانا ان دنوں میں ڈاکٹر محمد احمد عبدالقادر ملکاوی کی کتاب ''مختصر اظہار الحق'' کا ترجمہ لکھ رہے تھے۔ جسے ڈاکٹر صاحب نے رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اظہار الحق'' کے خلاصے کے طور پر لکھا تھا۔ اس کتاب کو بعد میں سعودی عرب کی ''وزارتِ اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد'' نے انتہائی بہترین کاغذ پر دوسو ستر (۲۷۰) صفحات میں شائع کیا۔ آپ مجھے جامعہ اسلامیہ کے کچھ طالب علموں کے ساتھ مدینے کے اس علاقے میں لے گئے جو حرم سے باہر تھا اور صدیوں پہلے حدیثِ نبوی کی تصدیق کرتے ہوئے بہت بڑی آگ لگی تھی، جس کا نظارہ ہزاروں آنکھوں نے دیکھا تھا۔ پھر مولانا سے مکتبہ دارالسلام، ریاض (سعودی عرب) میں ملاقاتیں ہوئیں۔ رحمہ اللہ/ حافظ زبیر علی زئی]

[الحدیث:۳۳]

عبدالرشید عراقی

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی خدمتِ حدیث

(تلخیص وتہذیب)

مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی

شاہ محمد اسحاق دہلوی نے ۱۲۵۸ھ میں حجاز کی طرف سفر کیا تو ان کی مسند تدریس کے جانشین ان کے تلمیذ رشید مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) معروف بہ میاں صاحب ہوئے جنھوں نے ۶۲ سال تک حدیث کا درس دیا۔ اس عرصہ میں بلا مبالغہ ہزاروں طلباء ان سے مستفید ہوئے۔ آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر ناشرین و شارحین حدیث پیدا ہوئے جن میں مولانا ابو محمد ابراہیم آروی (م ۱۳۱۹ھ) مولانا شمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ) اور مولانا عبدالرحمان مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) قابل ذکر ہیں۔

علمائے اہلِ حدیث کی خدمتِ حدیث علمائے عرب کی نظر میں

کتبِ حدیث کی اشاعت و طباعت کا اعتراف علمائے عرب نے بھی کیا ہے۔
مصر کے مشہور عالم شیخ عبدالعزیز الخولی فرماتے ہیں: ”ولا یوجد فی الشعوب الإسلامیة - علٰی کثر تها و اختلاف أجناسها - من وفّی الحدیث قسطه من العنایة في هٰذا العصر مثل إخواننا مسلمی الهند ، أولٰئك الذین وجد بینهم حفاظ للسنة و دارسون لها علٰی نحوما کانت تدرس فی القرن الثالث حریة فی الفهم ونظرًا في أسانید ، کما طبعوا کثیرًا من کتبها النفیسة التي کادت تذهب بهاید الإهمال وتقضي علیها غیر الزمان
ہمارے اس دور میں کسی بھی اسلامی ملک میں مسلمانوں نے علمِ حدیث کی طرف کما حقہ توجہ نہ کی سوائے ہندوستان کے، کہ وہاں ایسے حفاظ واساتذۂ حدیث موجود ہیں جو تیسری

صدی ہجری کے طرز پر پابندیٔ مذہب سے آزاد درسِ حدیث دیتے، اور حسب ضرورت نقد روایات سے بحث کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے حدیث کی بہت سی نادر و نایاب اور بیش قیمت کتابیں شائع کیں، جن کی طرف اگر انھوں نے توجہ نہ کی ہوتی تو غالباً دستبرد زمانہ کی نذر ہو جاتیں۔'' (مفتاح السنۃ ص ۱۶۵، ۱۶۶، طبع قاہرہ ۱۳۴۷ھ بحوالہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات اور خدمات) ص ۴۲، ۴۳)

علامہ رشید رضا مصری (م ۱۳۵۴ھ) صاحب تفسیر المنار نے بھی برصغیر کے علمائے اہلِ حدیث کی خدمتِ حدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ولولا عناية إخواننا علماء الهند بعلوم الحديث في هٰذا العصر لقضي عليها بالزوال من أمصار الشرق، فقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتىٰ بلغت منتهى الضعف في أوائل هٰذا القرن الرابع العشر

ہندوستان کے علمائے حدیث نے علومِ حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید یہ علم مشرق کے ممالک سے مٹ جاتا، ہم دیکھتے ہیں کہ مصر، شام، عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ زوال پذیر تھا، اور چودھویں صدی ہجری کے آغاز میں تو ضعف کی انتہا تک پہنچ چکا تھا۔'' [مفتاح کنوز السنۃ (مقدمہ) طبع قاہرہ ۱۳۵۳ھ صفحہ ق بحوالہ مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات اور خدمات) ص ۴۳]

ہندوستان کے علمائے تقلید نے بھی علمائے اہلِ حدیث کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مناظر احسن گیلانی تقلیدی (م ۱۹۵۶ء) اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں:

''اس کو تسلیم کرنا چاہیئے کہ اپنے دین کے اساسی سرچشموں (قرآن وحدیث) کی طرف توجہ ہندوستان کے حنفی مسلمانوں کی جو پلٹی اس میں اہلِ حدیث اور غیر مقلدیت کی اس تحریک کو بھی دخل ہے اکثریت غیر مقلد تو نہ ہوئی لیکن تقلید جامد اور کورانہ اعتماد کا طلسم ضرور ٹوٹا۔''

(ماہنامہ برہان دہلی، اگست ۱۹۵۸ء جلد ۴۱ نمبر ۲)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کا شمار ممتاز علمائے اہلِ حدیث میں ہوتا ہے آپ ایک بلند پایہ عالم، محدث، محقق، خطیب و مقرر، معلم و متکلم، دانشور، ادیب، نقاد و مبصر اور عربی، فارسی اور اردو کے نامور مصنف تھے۔آپ کے علمی تبحر، ذوقِ تحقیق، وسعت معلومات اور علم و فضل پر ممتاز علمائے کرام کا اتفاق ہے آپ کو تمام علوم اسلامیہ یعنی تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، لغت، ادب، عربیت، تاریخ وسیر، اسماء الرجال، انساب اور صرف ونحو میں کمال حاصل تھا۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ (جولائی ۱۸۵۷ء) کو آپ کی ولادت ہوئی اور ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء) کو ۵۶ سال کی عمر میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۸ ص ۱۹۴، ۱۹۵)

خدمت علم حدیث

مولانا شمس الحق نے حدیث نبوی ﷺ کی خدمت میں جو گرانقدر کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس کی مثال تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ایک طرف آپ نے حدیث کی امہات الکتب شائع کیں دوسری طرف حدیث کی حمایت میں علمائے حدیث سے کتابیں لکھوائیں اور ان کی اشاعت کا بندوبست کیا اور تیسری طرف حدیث کی کئی ایک کتابوں کی شرحیں لکھیں اور ان کو شائع کیا اور چوتھے یہ کہ آپ نے ایک عظیم الشان کتب خانہ بنایا جس میں حدیث کی نایاب ونادر کتابیں جمع کیں۔مولانا عظیم آبادی نے جو مذکورہ بالا چار کارنامے انجام دیئے ہیں، اس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

"ثم رجع إلى بلدته وعكف على التدريس والتصنيف والتذكير و بذل

جهده في نصرة السنة والطريقة السلفية ونشر كتب الحديث وجمع كتبها التي كانت عزيزة الوجود فى السنة المطهرة وأنفق مالاً في طبع بعض الكتب وله منة عظيمة علىٰ أهلِ العلم بذلك '' دہلی میں (شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی (م ۱۳۲۰ھ) سے) تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے شہر لوٹ آئے اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ وعظ ونصیحت میں دل لگایا۔ اور اپنی پوری زندگی محنت، سنت اور سلفی طریقہ کی مدد کرنے اور کتب حدیث کی اشاعت اور ان کتابوں کے جمع کرنے میں لگے رہے جن کا وجود ان دنوں میں نایاب تھا۔ اس سلسلہ میں بعض کتابوں کے چھاپنے میں بھی اپنا کثیر مال خرچ کیا اور اس طرح انھوں نے اہلِ علم پر بڑا احسان کیا۔ (ایضاً ص ۱۹۴)

کتب حدیث کی اشاعت

مولانا شمس الحق نے ۵۶ سال کی عمر پائی۔ انھوں نے حدیث کی جو مفید خدمات انجام دیں اس کی مثال اس دور میں ملنی مشکل ہے۔ آپ نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، حافظ ذہبی اور حافظ عبدالعظیم منذری وغیرہ کی متعدد کتابیں اپنے خرچ پر طبع کرائیں۔ حافظ منذری کی مختصر السنن، حافظ ابن قیم کی تہذیب السنن اور علامہ سیوطی کی اسعاف المبطأ وغیرہ تصحیح وتعلیق کے بعد شائع کیں۔

دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن نے حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ اور حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ان کی تحریک پر شائع کیں۔

حدیث کی حمایت اور دینی حمیت

مولانا شمس الحق حدیث وسنت اور عقیدۂ سلف کی تائید وحمایت کے لئے پوری طرح کمربستہ رہتے تھے اور حدیث کے معاملہ میں معمولی سی مداہنت اور مخالفت برداشت نہ کرتے تھے۔

شبلی نعمانی تقلیدی (م ۱۹۱۴ء) نے جب سیرۃ النعمان (امام ابوحنیفہ کی سوانح حیات) شائع کی تو اس میں محدثین پر عموماً اور امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ پر خصوصًا تنقید کی تو مولانا شمس الحق نے سیرۃ النعمان کے جواب میں مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م ۱۳۳۶ھ) سے اس کا جواب لکھوایا۔ یہ جواب ''حسن البیان'' کے نام سے شائع ہوا اور اس کے ساتھ امام بخاری کے حالات اور ان کی علمی خدمات پر اس دور کے نامور عالم دین مولانا عبدالسلام مبارکپوری (م ۱۳۴۲ھ) سے ''سیرۃ البخاری'' لکھوائی۔ [دیکھئے مولانا شمس الحق عظیم آبادی (حیات وخدمات) ص ۵۹]

پٹنہ کے ایک غالی اور دین سے جاہل شخص ڈاکٹر عمر کریم نے چند رسائل اور اشتہار شائع کئے جن میں امام بخاری اور ان کی بے نظیر کتاب صحیح البخاری پر بے جا قسم کے اعتراضات کئے گئے۔ مولانا شمس الحق نے اپنے تلمیذ رشید مولانا ابوالقاسم سیف البنارسی (م ۱۳۶۹ھ) کو ان کے جوابات لکھنے پر تیار کیا چنانچہ مولانا بنارسی نے ڈاکٹر عمر کریم کے تمام رسائل و اشتہارات کے جوابات لکھے اور مولانا عظیم آبادی نے یہ تمام جوابات اپنے خرچ پر شائع کروائے۔

مولانا ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ کے بعض رسائل کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) حل مشکلات بخاری مسمّی بہ الکوثر الجاری فی جواب الجرح علی البخاری

۲) الامر المبہم لابطال الکلام المحکم

۳) ماء حمیم للمولوی عمر کریم

۴) صراط مستقیم لہدایۃ عمر کریم

۵) الریح العقیم لحسم بناء عمر کریم

۶) الخزی العظیم للمولوی عمر کریم

۷) الارجون القدیم فی افشاء ہفوات عمر کریم

[جماعت اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات ص ۳۶۸، ۳۶۹، تراجم علمائے حدیث ہند ج۱ ص ۳۵۹]

حدیث اور متعلقات حدیث پر مولانا عظیم آبادی کی تصانیف

مولانا شمس الحق نے حدیث اور متعلقات حدیث پر جو کتابیں لکھیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داود (عربی)

۲۔ عون المعبود علیٰ سنن ابی داود (عربی، ۴ جلد)

۳۔ التعلیق المغنی علیٰ سنن الدارقطنی (عربی، ۲ جلد)

۴۔ التعلیقات علیٰ اسعاف المبطأ برجال الموطا (عربی)

۵۔ التعلیقات علیٰ سنن النسائی (عربی)

۶۔ رفع الالتباس عن بعض الناس (عربی)

۷۔ غنیۃ الالمعی (عربی)

۸۔ فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری (عربی)

۹۔ ہدیۃ اللوذعی بنکات الترمذی (عربی) [جماعت اہلِ حدیث کی تصنیفی خدمات ص ۵۰ تا ۵۲]

۱۰۔ النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن حجاج (عربی)

[مولانا شمس الحق عظیم آبادی، حیات اور خدمات ص ۸۶]

کتب خانہ

مولانا شمس الحق کو کتابیں جمع کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ چنانچہ ان کا کتب خانہ ہندوستان کے عظیم الشان کتب خانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کتب خانہ میں بے شمار مطبوعہ اور غیر مطبوعہ (قلمی) کتابوں کا ذخیرہ تھا۔

مولانا شمس الحق کی جمع کتب کے بارے میں سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی درسگاہ سے جو نامور اٹھے ان میں ایک مولانا شمس

الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنھوں نے کتب حدیث کی جمع اور اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا۔ اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔''

[مقدمہ تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۷]

۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء کو ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام بنارس کے ٹاؤن ہال میں نادر و نایاب کتابوں کی نمائش کی گئی تھی۔ اس میں درج ذیل کتابیں شبلی نعمانی تقلیدی نے مولانا عظیم آبادی کے کتب خانہ سے منگوائی تھیں:

۱۔ مسند عبد بن حمید المکی

۲۔ مسند ابی عوانہ

۳۔ کشف الاستار عن زوائد مسند البزار للہیثمی

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ

۵۔ معرفۃ السنن والآثار للبیہقی

۶۔ معالم السنن للخطابی

۷۔ شرح سنن ابی داود لابن القیم [مقالات شبلی ج ۷ ص ۱۱۱]

کتب خانے کا افسوس ناک انجام

مولانا شمس الحق ۲۱ مارچ ۱۹۱۱ء کو فوت ہوئے۔ ان کے بعد یہ کتب خانہ ان کے صاحبزادے حکیم مولانا محمد ادریس ڈیانوی (م ۱۹۶۰ء) کی تحویل میں آ گیا۔ مولانا حکیم محمد ادریس نے ایک ذخیرۂ کتب خدا بخش لائبریری پٹنہ کو دے دیا۔ بقیہ کتب خانہ دو المناک حادثوں کا شکار ہو گیا۔

پہلا حادثہ (۱۹۴۶ء) میں پیش آیا۔ جب کہ ڈیانواں میں مسلم کش فسادات ہوئے تو بہت سے مسلمانوں نے مولانا کے آبائی مکان میں پناہ لی اور ان کے لئے کتب خانہ کے کمرے بھی کھول دیئے گئے تو ان لوگوں نے بے شمار کتابیں کھانا پکانے کی خاطر چولہوں کی

نذر کردیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا حکیم محمد ادریس ڈھاکہ (بنگال / مشرقی پاکستان) منتقل ہو گئے اور کتابوں کا ایک خاصا ذخیرہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حکیم صاحب نے (۱۹۶۰ء) میں وفات پائی اور یہ کتب خانہ حکیم صاحب کے داماد محمد ابو القاسم کی تحویل میں آیا۔ (۱۹۷۱ء میں) جب بنگلہ دیش تحریک شروع ہوئی تو اس میں یہ کتب خانہ مکمل طور پر ضائع ہو گیا۔ [دیکھئے مولانا شمس الحق عظیم آبادی حیات وخدمات ص ۷۲ تا ۷۴]

مولانا محمد عزیر شمس حفظہ اللہ فرماتے ہیں: ''ایسے عظیم الشان کتب خانے کا یہ انجام کتنا دردناک ہے!! '' اِنا للّٰہ واِنا اِلیہ راجعون

[الحدیث: ۳۴]

تذکرۃ الاعیان

حافظ ندیم ظہیر

عمر پوری خاندان کا ایک اور چراغ بجھ گیا

مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

اس مختصر سے عرصے میں یکے بعد دیگرے ممتاز علمی شخصیات اس جہانِ فانی سے رخصت ہوکر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی ہیں۔ابھی مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ کی وفات سے پیدا ہونے والے علمی خلا کے الم کا مداوا نہ ہو پایا تھا کہ بقیۃ السلف، شیخ الحدیث مولانا عبدالغفار حسن رحمانی رحمہ اللہ کی جدائی مزید غم فزا کر گئی اور اہلِ علم اس علمی سائے سے محروم ہوگئے۔(إنا للّٰہ و إنا إلیه راجعون)

راقم انتہائی اختصار کے ساتھ چند باتیں صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی سعی کر رہا ہے، وگرنہ مولانا صاحب کے 'حالاتِ زندگی' ایک ضخیم کتاب کے متقاضی ہیں۔

نام: مولانا عبدالغفار حسن بن مولانا حافظ عبدالستار حسن بن مولانا عبدالجبار عمر پوری رحمہم اللہ

تاریخ پیدائش: ۲۰/ جولائی ۱۹۱۳ء

تعلیم: آپ نے درسِ نظامی کی مکمل تعلیم شروع سے فراغت تک دارالحدیث رحمانیہ، دہلی میں حاصل کی جس کا شمار ہندوستان کی مشہور درسگاہوں میں ہوتا ہے۔مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ، دسمبر ۱۹۳۳ء میں جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے ، جامعہ سے فراغت کے بعد ۱۹۳۵ء میں لکھنو یونیورسٹی سے فاضل ادب (عربی) اور ۱۹۴۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل (عربی) کے امتحانات پاس کیے۔

مولانا کے مشہور اساتذہ: آپ کے مشہور اساتذہ میں سے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب، مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (صاحبِ مرعاۃ شرح مشکوٰۃ) ہیں اور مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (صاحبِ تحفۃ الاحوذی شرح سنن ترمذی) رحمہم اللہ سے بھی جزوی طور پر استفادہ کیا۔

تدریس: تعلیم سے ایک حد تک فارغ ہونے کے بعد آپ نے شعبۂ تدریس کا انتخاب کیا اور خوب محنت و جانفشانی سے اپنے اس فریضے کو سرانجام دیتے رہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جامعہ رحمانیہ بنارس میں تقریباً سات سال تک تفسیر، حدیث، عربی ادب اور دیگر علومِ عربیہ واسلامیہ پڑھاتے رہے۔اس کے بعد جامعہ کوثر العلوم مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) میں اگست ۴۲ء سے مئی ۴۸ء تک تدریس کے ساتھ ساتھ خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر ایک خاص منہج کے تحت دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا جو مختلف شہروں پر محیط تھا اور اس دوران میں فتویٰ نویسی میں بھی مصروف رہے۔ جب آپ کے اسلوبِ تدریس کا شُہرہ حجاز تک پہنچا تو ۱۹۶۴ء میں الجامعۃ الاسلامیہ المعروف مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب سے پیغام آیا کہ آپ اپنی علمی خدمات مدینہ یونیورسٹی کے لئے وقف کردیں۔مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ سولہ (۱۶) سال تک مدینہ منورہ میں پڑھاتے رہے۔اس سے آپ کے رسوخِ علم کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سعودی عرب سے واپسی پر جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ فیصل آباد میں شیخ الحدیث کی مَسند پر فائز ہوئے اور قریباً چار (۴) سال تک درسِ بخاری کے علاوہ دیگر علومِ اسلامیہ کا درس دیتے رہے۔ مولانا عبدالغفار رحمہ اللہ 'اسلامی نظریاتی کونسل' کے رکن بھی رہے، جہاں انھوں نے اہم دینی مسائل کی تحقیق کا سلسلہ شروع کرایا تھا۔

تلامذہ: بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا موصوف رحمہ اللہ کے شاگرد سینکڑوں کی تعداد میں ہیں اور دنیا کے مختلف خطوں میں قرآن وحدیث کی صدا کو عام کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔جن کا فرداً فرداً تذکرہ ہم اپنے تفصیلی مضمون میں کریں گے۔ ان شاءاللہ

اولاد: مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تین بیٹے علمی میدان میں معروف ہیں: ڈاکٹر صہیب حسن صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب کی طرف سے دعوت و تدریس کے لئے ان کا تقرر لندن (برطانیہ) میں کیا گیا ہے جہاں وہ پوری ذمہ داری اور

تسلسل کے ساتھ دعوتِ دین میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر سہیل حسن صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی، جو اَب انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مولانا راغب حسن صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی

وفات: ۲۲/ مارچ ۲۰۰۷ء جمعرات کی شب کو طویل علالت کے بعد تقریباً ۹۴ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا نمازِ جنازہ آپ کے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر صہیب حسن صاحب نے پڑھایا، جنازہ G-10 اسلام آباد کے وسیع گراؤنڈ میں پڑھایا گیا۔ جس میں بہت سی علمی شخصیات کے علاوہ لوگوں کی کثیر تعداد تھی۔ **اللهم اغفرله وارحمه** .

[الحدیث: ۳۷]

ابو خالد شاکر

مولانا محمد حیات سندھی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: محمد حیات بن ابراہیم سندھی، قبیلہ چاچڑ

ولادت: عادل پور تحصیل گھوٹکی (ضلع سکھر) صوبہ سندھ (حال پاکستان) تاریخ پیدائش نامعلوم

اساتذہ: ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی الکبیر المدنی صاحب الحواشی علی الکتب الستہ، عبداللہ بن سالم البصری المکی، ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی اور حسن بن علی العجیمی وغیرہم

تلامذہ: محمد بن عبدالوہاب التمیمی صاحب کتاب التوحید مجدد دعوۃ التوحید، علامہ محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی صاحب سبل السلام شرح بلوغ المرام، غلام علی آزاد بلگرامی صاحب سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، محمد بن احمد السفارینی محمد فاخر الٰہ آبادی اور ابوالحسن بن محمد صادق السندھی الصغیر وغیرہم (آپ ٹھٹھہ سندھ میں بھی رہے ہیں)

تصانیف: شرح الترغیب والترہیب (دو جلدیں) شرح الاربعین لملاعلی القاری، تحفۃ الانام فی العمل لحدیث النبی علیہ الصلوۃ والسلام، شرح الحکم العطائیہ، الایقاف علی سبب الاختلاف، فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور، تحفۃ المحبین شرح الاربعین للنووی، رسالۃ فی النھی من عشق صور المرد والنسوان اور رسالہ فی ابطال الضرائح وغیرہ۔

عقیدہ ومنہج: آپ تقلید شخصی اور تقلید جامد کے خلاف تھے اور التزام مذاہب مخصوصہ کو جہالت، بدعت اور تعصب سمجھتے تھے۔ دیکھئے ایقاظ ہمم اولی الابصار للفلانی ص ۷۰، آپ قبر پرستی کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں مشہور رسالہ لکھا ہے اور محمد ہاشم ٹھٹھوی تقلیدی کا زبردست رد کیا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی مدنی لکھتے ہیں کہ آپ عامل بالحدیث تھے اور تعصب مذہبی کے خلاف تھے۔ (مقدمۃ فتح الغفور ص ۱۹)

یعنی آپ اہل حدیث تھے لہٰذا آپ کو حنفی کہنا غلط ہے۔ رحمہ اللہ

تدریس: آپ سندھ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے اور شیخ ابوالحسن

السندھی الکبیر کی وفات کے بعد آپ نے مدینہ میں چوبیس (۲۴) سال تدریس کی۔

علمی مقام: تمام علماء مثلاً مرادی اور کتانی وغیرہما آپ کی تعریف وتوثیق پر متفق ہیں۔

ابوالحسن ندوی تقلیدی کے والد نے کہا: ''**الشیخ الإمام العالم الکبیر المحدث**''

(نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۴۰۹)

وفات: ۲۶/صفر ۱۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۵۰ء مدینہ منورہ، آپ بقیع الغرقد میں دفن ہوئے۔

تذکرہ: آپ کا تذکرہ اور ذکر خیر سبحۃ المرجان، نزہۃ الخواطر، سلک الدرر لمحمد خلیل بن علی المرادی، فہرس الفہارس للکتانی، ایضاح المکنون للبغدادی، ابجد العلوم، الاعلام للزرکلی اور معجم المؤلفین للکحالہ وغیرہ میں موجود ہے۔

ملفوظات: مولانا محمد حیات سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱: ''**قلت :إذا کان المعبود الآمر بالعبادۃ واحدًا، والرسول -صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - واحدًا، والدین واحدًا ، وھؤلاء العلماء کلھم یریدون اتباع الدین ، ولا یقصرون ، وکل لہ فضائل وکمالات، وقد قال اللہ تعالی:** ﴿فَسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[النحل :۴۳] **فالتعصب لمعیّن والجمود لماذا ؟**''

جب عبادت کا حکم دینے والا معبود ایک، رسول ﷺ ایک اور دین ایک ہے۔ یہ سارے علماء دین کی اتباع چاہتے ہیں، اس میں کمی نہیں کرتے اور ہر ایک کے فضائل وکمالات ہیں۔ اللہ نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔ (النحل: ۴۳) تو ایک معین (امام) کے لئے تعصب اور (تقلیدی) جمود کس لئے ہے؟ (الایقاف علی سبب الاختلاف ص ۴۲، ۴۳)

پھر انھوں نے تقلید کا رد کیا ہے۔

۲: مولانا محمد حیات رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سابقہ معروضات سے یہ ثابت ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اصلِ اصیل اور دلیلِ جلیل ہے لہٰذا اہلِ ایمان کو اس عمل سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے۔ (ترجمہ از فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور ص ۹۹) [الحدیث: ۳۷]

تذکرۃ الاعیان ابوخالد شاکر

محدث حسین بن محسن الیمانی الانصاری رحمہ اللہ

نام ونسب: حسین بن محسن بن محمد بن مہدی الخزرجی الانصاری الیمنی رحمہ اللہ

ولادت: حُدَیدہ (یمن) ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۵ھ

اساتذہ: حسن بن عبدالباری الاہدل، سلیمان بن محمد بن عبدالرحمٰن الاہدل، احمد بن محمد بن علی الشوکانی اور محمد بن ناصر الحازمی وغیرہم

تدریس: آپ یمن سے ہندوستان تشریف لائے اور ریاست بھوپال میں برسوں درس دیا۔

تلامذہ: محمد بشیر بن بدرالدین السہسوانی، شمس الحق بن امیر علی ڈیانوی عظیم آبادی، عبداللہ غازیپوری اور عبدالعزیز رحیم آبادی وغیرہم

تصانیف: مجموعۂ رسائل، التعلیقات علیٰ سنن ابی داود، مختصر حاشیہ سنن النسائی، القول الحسن للتیمن فی ندب المصافحۃ بالید الیمنیٰ، تحقیق حدیث الصلوٰۃ بعد العصر حتیٰ تغرب الشمس، البیان المکمل فی الشاذ المعلل، التحفۃ المرضیۃ فی حل بعض المشکلات الحدیثیۃ اور فتاویٰ جلد اول۔

علمی مقام: تمام علماء آپ کی تعریف وتوثیق پر متفق ہیں۔ مولانا شمس الحق عظیم آبادی فرماتے ہیں: ''میں نے علامہ حسین بن محسن الیمانی کو علم اور عمل کا جامع پایا۔ شیخ قوی وجود، عظیم الشان اور بلند مرتبے کے حامل ایسے سمندر تھے جس کا کوئی ساحل نہ ہو۔ آپ محدث، محقق اور کتاب اللہ کے معانی کی وضاحت کرنے والے، اصولِ حدیث، علل حدیث، رجالِ حدیث کے عالم، علم اصولِ حدیث اور لغت کے ماہر تھے۔ سنن ابی داود اور دیگر کتبِ حدیث پر ان کی مختلف تعلیقات ہیں اور بہت سے مفید رسائل علمِ حدیث کے مباحث پر ہیں۔''

(غایۃ المقصود فی حل ابی داود ص ۱۷، کاروانِ حدیث ص ۳۵۷)

وفات: یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۰/ جون ۱۹۱۰ء بھوپال

آپ کی پیشانی سے وفات کے وقت پسینہ بہہ رہا تھا۔ تفصیلی تذکرے کے لئے دیکھئے نزہۃ الخواطر (ج ۸ ص ۱۲۱ تا ۱۲۶) اور کاروانِ حدیث از عبدالرشید عراقی (ص ۳۵۶۔۳۵۹)

[الحدیث: ۳۸]

تذکرۃ الاعیان حافظ ندیم ظہیر

مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ

مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جو ہمہ وقت دینِ اسلام کی خدمت اور مسلک قرآن وحدیث کا دفاع کرنے میں مصروف رہے ہیں۔اس مضمون میں انتہائی اختصار کے ساتھ مولانا موصوف کے حالاتِ زندگی ہدیۂ قارئین ہیں:

نام ونسب: مولانا نذیر احمد رحمانی بن شیخ عبدالشکور بن شیخ جعفر علی

ولادت: ٦/فروری ١٩٠٦ء بمطابق ١٠ ذوالحجہ ١٣٢٣ھ کو''املو'' میں پیدا ہوئے، یہ موضع مبارکپور سے ایک میل اور شہر اعظم گڑھ سے ٧ یا ٨ میل کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم: مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کا اعلان ہوا تو آپ نے اسی سال (١٩٢١ء) میں دہلی جا کر داخلہ لے لیا۔ابتداء سے انتہا تک تمام علمی مراحل اسی مدرسے میں طے کئے۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں استاذ الاساتذہ مولانا احمد اللہ دہلوی اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی) رحمہما اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

تدریس: آپ فراغت کے بعد مستقل طور پر دارالحدیث رحمانیہ دہلی سے منسلک ہو گئے اور جب تک مدرسہ قائم رہا آپ تدریسی مسند پر فائز رہے۔آپ کے تلامذہ میں مولانا عبدالغفار حسن، مولانا قاری عبدالخالق (کراچی) اور مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری زیادہ معروف ہیں۔

علمی خدمات: دارالحدیث کے مشہور ماہنامہ ''محدث'' کی ادارت کا فریضہ آپ باحسن انداز نبھاتے رہے اور یہ کام آخر تک آپ ہی کے سپرد رہا۔نیز آپ نے تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کے میدان میں بھی اپنی علمی حیثیت کا لوہا منوایا۔مثلاً ''انوار المصابیح بجواب رکعاتِ تراویح'' اور ''اہل حدیث اور سیاست'' آپ کی عظیم الشان کتابیں ہیں۔

علمی مقام: مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ مولانا نذیر احمد رحمانی رحمہ اللہ جامع الاوصاف شخصیت تھے۔''

وفات: ٢٨ محرم ١٣٨٥ھ (٣٠/مئی ١٩٦٥ء) بروز اتوار — اللھم اغفرلہ۔ [الحدیث:٤٥]

تذکرۃ الاعیان حافظ ندیم ظہیر

مولانا عبدالسلام بستوی سلفی رحمہ اللہ

مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ معروف خطیب اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔آپ کی عام فہم کتابیں عوام میں بہت مقبول ہیں۔زیرِنظر سطور میں موصوف کے مختصر حالاتِ زندگی پیشِ خدمت ہیں:

نام ونسب: عبدالسلام بن شیخ یادعلی بن شیخ خدابخش بن شیخ ظہوراحمد

آپ کے آباءواجداد فیض آباد کے باشندے تھےلیکن ۱۸۵۷ء کوضلع بستی موضع بشن پور (صوبہ یوپی[اترپردیش] ہندوستان) میں سکونت پذیر ہوئے۔

ولادت: آپ کی ولادت تقریباً ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء ہے۔

ابتدائی تعلیم: آپ پانچ سال تک مدرسہ مظاہرالعلوم میں پڑھتے رہےاور'' دارالعلوم'' دیوبند میں بھی زیرِتعلیم رہےلیکن جب حدیث پڑھنے کا وقت آیا تو بہت غوروفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حدیث پڑھنی ہےتو اہل حدیث سے پڑھی جائے لہٰذا آپ نے قرآن و حدیث کے مرکز جامعہ رحمانیہ دہلی کا رخ کیا۔

اساتذہ: آپ کے بعض اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی)،مولانا احمد اللہ دہلوی اور مولانا شرف الدین محدث دہلوی رحمہم اللہ .

تدریس: آپ مدرسہ دارالحدیث والقرآن دہلی میں پندرہ (۱۵) یا سترہ (۱۷) سال تک درسِ حدیث دیتے رہے۔۱۹۴۷ء کے بعد آپ مدرسہ ریاض العلوم دہلی میں منتقل ہوگئے اور وفات تک درس وتدریس،فتویٰ نویسی اور تالیف واشاعت میں مصروف رہے۔

اخلاق وعادات: مولانا عطاءاللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''راقم کو ۱۹۴۷ء کے بعد ہی مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا،وضع میں سادہ مزاج

متواضع، حسنِ اخلاق میں ممتاز پایا۔'' (الاعتصام ۱۵/ فروری ۱۹۷۴ء)

تصانیف: مصباح المومنین (ترجمہ البلاغ المبین تصنیف شاہ ولی اللہ دہلوی)، کشف الملہم ترجمہ وشرح مقدمہ صحیح مسلم، اسلامی توحید، اسلامی عقائد، اسلامی صورت، اسلامی پردہ، اسلامی وظائف، اسلامی اوراد، خواتین جنت، حلال کمائی، اخلاق نامہ، کلمہ طیبہ کی فضیلت، ایمان مفصل، مذمتِ حسد، کتاب الجمعہ، اسلامی تعلیم (آٹھ حصے)، رسالہ اصول حدیث، فضائل حدیث، فضائل قرآن، زبان کی حفاظت، انوار المصابیح ترجمہ وشرح مشکوٰۃ المصابیح (اردو) اسلامی خطبات (تین حصے) اسلامی فتاویٰ جس کی پہلی جلد ۱۴۱۳ھ میں آپ نے شائع کرائی تھی۔ آپ کی مشہور کتاب اسلامی خطبات کا انتخاب ''خطباتِ جمعہ'' کے ساتھ مولانا عطاء اللہ ساجد، مولانا محمد رفیق عبدالحق اور مولانا عبیداللہ عبید کی تلخیص، مولانا محمد داود ارشد کی تخریجِ احادیث اور مولانا عبدالصمد ریالوی کی مراجعت ونظر ثانی سے مکتبہ شاکرین لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے کتب خانۂ مسعودیہ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا۔ اس ادارے نے متعدد کتابیں اور رسالے شائع کئے ہیں۔

تنبیہ: آپ نے اپنی کتابوں میں صحت وسقم کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا لہٰذا آپ کی کتابوں میں ضعیف و بے اصل روایات بھی موجود ہیں لیکن اب بتدریج تحقیق کے ساتھ یہ کتابیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں۔ والحمد للہ

تلامذہ: آپ کی مدتِ تدریس چالیس سال سے متجاوز ہے اور آپ کے تلامذہ کی تعداد جنھوں نے آپ سے علم حاصل کیا سینکڑوں میں ہے۔

اولاد: آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ ان دونوں بیویوں میں سے آپ کے چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔

وفات: ۷/ فروری ۱۹۷۴ء بروز پیر (سوموار) آپ فجر کی سنتیں پڑھ رہے تھے کہ سجدے کی حالت میں دل کا شدید دورہ پڑا اور پھر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

[الحدیث:۴۶]

عبدالرشید عراقی

مولانا محمد صدیق سرگودھوی رحمہ اللہ

مولانا ابوالسلام محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی کا شمار نامور علمائے اہلِ حدیث میں ہوتا ہے۔آپ ۱۹۱۴ء بمطابق ۱۳۳۲ھ موضع فیروز وال ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے اور تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں میں کیا۔آپ نے جن اساتذہ کرام سے مختلف علومِ اسلامیہ میں تحصیلِ علم کیا، ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

① مولانا صدرالدین غالبوی رحمہ اللہ ② شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمہ اللہ

③ شیخ الحدیث مولانا کوموی رحمہ اللہ ④ مولانا حافظ محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ

⑤ مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ

⑥ علامہ شیخ الحدیث حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ

سب سے زیادہ استفادہ آپ نے محدث روپڑی رحمہ اللہ سے کیا۔فراغتِ تعلیم کے بعد مشرقی پنجاب کے شہر لدھیانہ میں اقامت گزین ہوئے اور جامع مسجد اہلِ حدیث میں درس و تدریس اور خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔لدھیانہ میں آپ کا قیام ۱۹۴۷ء تک رہا۔

تقسیمِ ملک کے بعد ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور سرگودھا میں سکونت اختیار کی۔سرگودھا میں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ایک مسجد میں خطبۂ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔اس کے ساتھ دینی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں ایک اشاعتی ادارہ "اشاعۃ السنۃ النبویہ" قائم کیا۔جس کے زیرِ اہتمام چھوٹی بڑی کئی کتابیں عربی اور اردو کی شائع کیں۔علم و فضل کے اعتبار سے مولانا محمد صدیق جامع العلوم تھے۔علم الفرائض میں آپ کو یدِطولیٰ حاصل تھا۔آپ اس علم میں اتھارٹی کا درجہ رکھتے تھے۔مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس وراثت کے مسائل کے سلسلے میں بے شمار حضرات اپنے سوالات بھیجتے ہیں۔پس میں یہ تمام سوالات مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ کو سرگودھا بھیج

دیتا ہوں۔ وہی ان سوالات کے جوابات لکھتے ہیں اور پھر انھی کے نام سے الاعتصام میں شائع کرتا ہوں۔

مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ بلند پایہ خطیب ، مدرس اور مبلغ ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں لکھیں اور مرتب فرمائیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے: ① اوصاف مسلمان ② راہ سنت ③ وراثتِ اسلامیہ
④ المعراج ⑤ خیر الکلام ⑥ جمع بین الصلاتین ⑦ دائمی اوقات نماز
⑧ اردو ترجمہ جزء رفع الیدین ⑨ اردو ترجمہ تحقیق الایضاح از الشیخ ابن باز رحمہ اللہ
⑩ تعلیم الاحکام ترجمہ بلوغ المرام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (نامکمل)

مولانا محمد صدیق کے دو عظیم علمی کارنامے بھی ہیں: ایک آپ نے شیخ محمد علوی کا حاشیہ سنن ابن ماجہ (عربی) مفتاح الحاجہ اپنے اشاعتی ادارہ اشاعۃ السنۃ النبویہ سے شائع کیا۔

دوسرے آپ نے اپنے شیخ العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۴ھ) کے فتاویٰ (جو ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث روپڑ اور لاہور میں شائع ہوتے رہے) کتابی صورت میں تین جلدوں میں شائع کیے۔ دوسری بار ان فتاویٰ کو دو جلدوں میں شائع کیا۔ ان فتاویٰ کی اشاعت سے بقول میاں محمد یوسف سجاد حفظہ اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا منہج اور طرزِ استدلال واضح طور پر علماء کے سامنے آ گئے۔

مولانا محمد صدیق کی ساری زندگی درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ ان کے تلامذہ بہت زیادہ ہیں ، چند مشہور تلامذہ یہ ہیں: مولانا عبدالرشید راشد، مولانا عبدالحیٔ انصاری، مولانا پروفیسر محمد طیب شاہین اور مولانا عبدالسلام (صاحبزادہ)

مولانا محمد صدیق نے ۱۶ اپریل ۱۹۸۸ء کو سرگودھا میں وفات پائی۔

سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی قبر کے قریب دفن ہوئے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

[الحدیث: ۴۸]

قاری ذکاء اللہ حافظ آبادی

ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر وتقریر اور تدریس کے ذریعے سے دین اسلام کی خدمت کی اور یقیناً ان کی یہ کاوش قابلِ ستائش ہے۔ اللہ ان کی خدمات قبول فرمائے۔

نام ونسب: ابوانس محمد بن یحییٰ بن محمد بن یعقوب گوندلوی رحمہ اللہ

ولادت: نومبر ۱۹۵۶ء کو گوندلانوالہ میں پیدا ہوئے۔ یہ قصبہ گوجرانوالہ شہر سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

تعلیم: جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے درس نظامی مکمل کرنے کے بعد ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد سے تخصصِ حدیث اور پنجاب یونیورسٹی سے فاضل عربی کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں مولانا ابوالبرکات رحمہ اللہ، مولانا محمد اعظم، حافظ الیاس اثری اور مولانا ارشاد الحق اثری وغیرہم شامل ہیں۔

تدریس: آپ نے ۱۹۷۸ء میں تعلیم سے فارغ ہو کر تدریسی شعبہ کو اپنایا اور اپنی تدریس کا آغاز دارالحدیث محمدیہ جلالپور روڈ حافظ آباد سے کیا۔ شیخ الحدیث مولانا داود علوی رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد جامعہ رحمانیہ قلعہ دیدار سنگھ تشریف لے گئے پھر وہاں سے چند وجوہ کی بنا پر چھوڑ کر دارالعلوم رحمانیہ منڈی فاروق آباد میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ کچھ دیر وہاں رہے پھر ۱۹۹۳ء میں حافظ عبدالرزاق سعیدی کے مشورہ پر ساہوالہ ضلع سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں انھوں نے جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ادارہ قائم کیا اور وفات تک وہیں خدمتِ دین میں مصروف رہے۔

علمی خدمات: آپ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا ذوق بھی رکھتے تھے۔

تصانیف: (۱) ترجمہ وتشریح سنن ترمذی (۲) ترجمہ وتشریح ابن ماجہ (۳) داستان حنفیہ (۴) ضعیف اور موضوع روایات (۵) مقلدین ائمہ کی عدالت میں (۶) دین تصوف

(۷) عقیدۂ اہلِ حدیث (۸) خیر البراھین فی الجھر بالتأمین (۹) مطرقۃ الحدید [اس میں مرزا قادیانی کے حنفی ہونے پر مکمل بحث ہے] (۱۰) ضرب شدید علی اہلِ تقلید [آلِ دیوبند کی انگریز نوازی اور تقلیدی مفاسد پر عمدہ کتاب] (۱۱) شریعت محمدیہ اور طلاق ثلاثہ (۱۲) فتوی حرمت سود (۱۳) نداء لغیر اللہ (۱۴) بائبل اور توہین انبیاء (۱۵) شمائل ترمذی، ترجمہ وتشریح (۱۶) ترجمہ صحۃ مذہب اہل المدینہ [یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے، ترجمہ وتشریح] (۱۷) حقیقت وحدت الوجود (۱۸) معیار الحق تحقیق وتخریج (۱۹) شادی کی دوسری دس راتیں بجواب شادی کی پہلی دس راتیں (۲۰) اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسند الامام الشافعی کا ترجمہ وتشریح وتحقیق لکھ رہے تھے۔

مناظرہ کلاس: مولانا عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا جانشین بنایا اور ان کی وفات کے بعد تاحیات مناظرہ کلاس کے انچارج رہے۔

علمی مقام ومرتبہ: حقیقت یہ ہے کہ آپ علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھے جس کی طرف لوگ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے رجوع کرتے۔

پسماندگان: پسماندگان میں آپ نے تین بیٹے (انس اور اسامہ وغیرہما) اور نو بیٹیاں چھوڑیں۔

وفات: ۲۹/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۶/جنوری ۲۰۰۹ء کو پیر اور منگل کی درمیانی رات تقریباً آٹھ بجے وفات پائی۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

[الحدیث:۵۹]

حافظ بلال اشرف اعظمی

مولانا عبدالحمید اثری رحمہ اللہ

ولادت: مولانا عبدالحمید اثری بن رحمت اللہ بن علی محمد بن عمر دین بن ابراہیم بن مکھن بن بابا رحمت ۲۲/ اپریل ۱۹۴۸ء کو کبیر والہ کے نواحی علاقہ چک نمبر ۱۴ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی ، بعد ازاں دینی تعلیم کے حصول کے لئے جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد اور جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں زیر تعلیم رہے۔

اساتذہ کرام: آپ کے اساتذہ میں مولانا عبداللہ جھال خانوآنے والے، مولانا محمد حنیف ندوی اور حافظ محمد گوندلوی رحمہم اللہ شامل ہیں۔

درس وتدریس: جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور مدرسہ تدریس القرآن بھکر میں مدرس رہے، اس کے بعد تاحیات اپنے علاقہ چک نمبر 46/T-D-A اڈا جہان خان ضلع بھکر میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

تصنیف: ''نورالکتاب والحکمۃ فی تحقیق البدعۃ'' یہ کتاب سعید اسعد بریلوی کی ''بدعت اوراس کی حقیقت'' نامی کتاب پر رد بلیغ ہے۔

نوٹ: آپ دوران تعلیم میں حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے بخاری شریف پڑھتے ہوئے ان کے بیش بہا قیمتی نکات تحریر فرماتے رہے جو کہ تین رجسٹروں پر مشتمل ہیں۔

پسماندگان: پسماندگان میں آپ نے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑی ہیں۔

وفات: علم وعرفان کا یہ آفتاب اپنی کرنیں بکھیرتا ہوا، ۱۱/ جولائی ۲۰۱۰ء کو اتوار کی شام چک نمبر 46/T-D-A اڈا جہان خان ضلع بھکر میں غروب ہوگیا۔ و کان ثقۃً رحمہ اللّٰہ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ

[الحدیث:۸۰]

تعارف وتبصرہ

ابوجبیر محمد اسلم سندھی

بدیع التفاسیر: ایک عظیم تفسیر۔ایک مختصر جائزہ

یقیناً آپ میں سے ایسے بہت کم حضرات ہوں گے جنھوں نے عصر قریب کے عظیم سلفی عالم علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمہ اللہ کو دیکھا یا سنا نہ ہو۔

شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ عصرِ قریب میں بلاشبہ سلفیت اور توحید وسنت کے بہت بڑے امام اور داعی تھے۔شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سندھ اور بیرون سندھ، پنجاب، سعودی عرب اور دنیا کے کئی ممالک میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور ان کے دنیا میں بے شمار شاگرد ہیں۔آپ کے علم کا اعتراف نہ صرف اپنے وبیگانے بلکہ عرب وعجم بھی کر چکے ہیں۔سندھ ایسی دھرتی ہے جہاں بہت سے سلفی علماء پیدا ہوئے اور ایک وقت تھا کہ سندھ سلفی دعوت کا مرکز شمار ہوتا تھا، پھر حالات کا دھارا بدلا اور کئی علمائے اہل حدیث نے سرزمینِ عرب کی طرف ہجرت کی اور پھر سندھ اربابِ اقتدار کی سرپرستی میں شرک وبدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گرتا چلا گیا، یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ سے قبل (عصرِ حاضر میں) سندھ میں اہلِ حدیث کی باقاعدہ شاید ایک مسجد بھی نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور توفیق کے بعد ان کی تبلیغ وجدوجہد سے ان کی وفات تک سندھ میں آٹھ سو (۸۰۰) کے قریب اہلِ حدیث مساجد بن چکی تھیں۔الشیخ بدیع رحمہ اللہ کی تصنیفی خدمات بھی بہت ہیں، آپ کی تقریباً ڈیڑھ سو کتب سندھی، اردو اور عربی زبان میں مطبوع وغیر مطبوع ہیں۔آپ کے آثارِ حسنات میں سے آپ کی (سندھی زبان میں) عظیم تفسیر موسوم بہ ''بدیع التفاسیر'' بلاریب اہلِ حدیث اور سلفی منہج پر لکھی گئی ایک جامع تفسیر ہے۔ہم اس مختصر سے مضمون میں بدیع التفاسیر کے منہج، اہم مشتملات اور خصائص کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

معزز قارئین! بدیع التفاسیر سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر ہے جو کہ سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۱۶ تک لکھی گئی ہے۔اس سے پہلے مستقل ایک جلد میں اس کا ایک مقدمہ ہے جو کہ فضائلِ قرآن، احکامِ قرآن، علومِ تفسیر اوراصولِ تفسیر وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ اپنے فن کا واحد مقدمہ ہے جو کہ خالص منہج سلف صالحین پر لکھا گیا ہے۔اس مقدمہ کا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے جو ابھی تک غیر مطبوع ہے۔سورۂ فاتحہ کی تفسیر ۶۹۶ صفحات کی ایک جلد پر مشتمل ہےاور سورۂ بقرہ کی تفسیر تین جلدوں میں ہے جس کے صفحات ۱۸۰۰ کے قریب ہیں۔

سورۂ اٰل عمران کی تفسیر ایک جلد پر مشتمل ہے جس کے کل صفحات ۴۷۵ ہیں، سورۃ النساء کی تفسیر ایک جلد میں ہےاور اس کے کل صفحات ۵۴۲ ہیں، سورۃ المائدۃ کی تفسیر بھی ایک جلد پر محیط ہےاور اس کے کل صفحات ۳۸۷، سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کی تفسیر ۶۳۳ صفحات پر مشتمل ہےاور سورۃ الانفال کی تفسیر ۲۵۱ صفحات، جبکہ سورۂ توبہ کی تفسیر ۳۵۸ صفحات کا احاطہ کئے ہوئے ہےاور یہ دونوں ایک جلد میں ہیں۔

سورۂ یونس کی تفسیر ۱۹۹ صفحات پر، سورۂ ھود ۱۷۶ صفحات پر، سورۂ یوسف ۱۷۰ پر، سورۃ الرعد ۵۵ صفحات پر اور سورۂ ابراہیم ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔سابقہ چاروں سورتوں کی تفسیر ایک جلد میں ہے۔ اس طرح مقدمہ سمیت کل گیارہ جلدیں ہوئیں۔ جو چھ ہزار ایک سو (۶۱۰۰) صفحات پر مشتمل ہیں جس میں دیگر اہلِ قلم کے لکھے ہوئے پیش لفظ و دیباچے بھی شامل ہیں۔

تسمیہ: ٹائٹل پر اس طرح لکھا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم .... بدیع السمٰوات والأرض.

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾ [الفرقان:۳۳]

بے نظیر بیان، قرآن کی تفسیر الملقب ''بدیع التفاسیر''

اس کے بعد ہر سورت کو الگ الگ نام بھی دیا ہے۔مثلاً:

۱: احسن الخطاب فی تفسیر اُم الکتاب
۲: بشریٰ البررة فی تفسیر سورة البقرة
۳: آلاء الرحمٰن فی تفسیر سورة آل عمران
۴: النداء والدعاء فی تفسیر سورة النساء
۵: الماهدة فی تفسیر سورة المائدة
۶: الاحکام فی تفسیر سورة الانعام
۷: الالفاف فی تفسیر سورة الاعراف
۸: الانوال فی تفسیر سورة الانفال
۹: البراعة فی تفسیر سورة البراءة
۱۰: یونس بتفسیر سورة یونس
۱۱: الهود بتفسیر سورة هود
۱۲: یوصف بتفسیر سورة یوسف
۱۳: الرشد بتفسیر سورة الرعد

منہج: بدیع التفاسیر بالکل سلف صالحین کے منہج پر لکھی گئی ہے۔ اس میں سلف صالحین کے طریقہ، مذہب، اعتقاد، اصول اور مسلک اہلِ حدیث کی زبردست ترجمانی کی گئی ہے۔

آپ جان چکے ہیں کہ مصنفِ بدیع التفاسیر سلفیت اور توحید وسنت کی اتباع کے عظیم داعی تھے، اس لئے ان کی تفسیر میں توحید اور اتباع سنت کی دعوت اور دفاع کیا گیا ہے، شرک و بدعت اور تقلید کا رد کیا گیا ہے۔ ہر جگہ سلف صالحین کے صحیح عقیدہ کی دعوت دی گئی ہے اور دفاع بھی کیا گیا ہے۔ جا بجا فرق ضالہ اور باطل وضلالة پر نقد ونکیر کی گئی ہے۔ جہاں بھی جس آیت، جملہ یا کلمہ سے کسی گمراہ نے باطل کے لئے استدلال کیا ہے، اس کے غلط استدلال کی خبر لی ہے۔ مصنف کا اخلاص اس تفسیر کے ہر صفحہ اور ہر جملہ وعبارت سے عیاں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب انسان کی ہدایت کے لئے اتاری ہے، لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس کتاب کو پڑھ کر اپنا ایمان، اعتقاد، کردار اور عمل درست کرے۔ اسی غرض کو سامنے رکھ کر انھوں نے یہ تفسیر لکھی ہے۔ اس میں جہاں حق کا اثبات اور باطل کا رد کیا گیا ہے وہاں ہر آیت وکلمہ سے جو بھی مسائل مستنبط ہوتے ہیں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور ہر مقام پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اصول کو سامنے رکھ کر نہایت جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔

معزز قارئین! ہم چاہتے ہیں کہ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی

السندھی رحمہ اللہ کے مقدمہ سے تفسیر کے متعلق ان کے اصول میں سے چند باتیں نہایت اختصار کے ساتھ بیان کریں، تا کہ قارئین کو ان کے اندازِ تفسیر کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہوں۔

مقدمہ تفسیر کے باب دہم ''تفسیر قرآن کے متعلق ضروری احکام کا بیان'' میں کل اکیس (۲۱) فصول (باب) قائم کئے گئے ہیں۔ ہم چند ضروری فصول میں سے اہم عبارات پیش کرتے ہیں:

فصل اول: قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن سے

اس سے قبل حافظ ابن کثیر کی تفسیر سے ان کی عبارت نقل کی ہے کہ'' **إن أصح الطرق في ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن فما أجمل في مكان فإنه قد بسط في موضع آخر فإن أعياك ذلك فعليك بالسنة فإنها شارحة للقرآن وموضحة له**''

یعنی تفسیر قرآن کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ جہاں قرآن مجید کا کوئی مضمون مجمل ہے تو دوسری جگہ اس کی تفسیر بھی موجود ہے۔ اگر اس طرح کرنا آپ کے بس میں نہیں تو پھر حدیث کے ساتھ اس کی تفسیر کرنی چاہئے، کیونکہ حدیث قرآن مجید کی شرح و تفسیر ہے اور اس کے مضامین کی وضاحت کرتی ہے۔

[تفسیر ابن کثیر، خطبۃ الکتاب ۱/۱۵]

اس فصل کی بحث کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''لہٰذا مفسر کو چاہئے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی آیت کی تفسیر خود قرآن سے تلاش کرے بلکہ راقم الحروف کا یہ معمول ہے کہ جب بھی کسی آیت کی تفسیر مطلوب ہوتی ہے تو اس مضمون کی تمام آیات کو ذہن میں لانے سے اصل آیت کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ یہ طریقہ کئی مرتبہ عمل میں آچکا ہے۔ **فللہ الحمد**'' (ص ۱۶۹، ۱۷۰)

فصل دوم: تفسیر القرآن بالحدیث (قرآن کی تفسیر حدیث سے)

اس بحث کو طویل تحقیق و دلائل سے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''الحاصل سلف کا یہ متفق علیہ مسلک رہا ہے کہ وہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کی

تفسیر اور بیان سمجھتے تھے، اس لئے قرآن مجید کے بعد اس تفسیر کا درجہ ہے جو حدیث مبارکہ سے سمجھا جائے۔ جس طرح ابن کثیر کے مذکورہ قول سے معلوم ہوا، بلکہ حدیث سے تفسیر کرنے میں کئی فوائد ہیں۔'' اس کے بعد وہ فوائد بیان کرتے ہیں اور پھر آخر میں وہ تفاسیر مذکور ہیں جو کہ تفسیر بالحدیث کی بنیاد پر لکھی گئی ہیں۔

فصل سوم: تفسیر القرآن باللغۃ العربیۃ (قرآن کی تفسیر عربی لغت سے)

تحقیق و بحث کے بعد لکھتے ہیں: ''الغرض معلوم ہوا کہ سلف کے نزدیک قرآن مجید کے سمجھنے اور تفسیر کرنے کے لئے عربی لغت کی بڑی اہمیت تھی۔ اس لئے مفسر قرآن کے لئے لغت کی کتب کا مطالعہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد لغت بالخصوص لغت القرآن اور غریب القرآن کے متعلق اہم کتب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں: ''مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فقط لغت کی کتب میں مذکور معانی پر اکتفا کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ کو سامنے رکھ کر تفسیر کی جائے۔ اسی طرح سلف صالحین کے طریقۂ تفسیر کو بھی دیکھنا چاہئے، نیز عقائدِ اسلامیہ کا بھی لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ ملحدین کا یہ شیوہ ہے کہ وہ فقط لغت کی کتب کو سامنے رکھ کر اپنی رائے اور خواہش کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں اور حدیث یا سلف صالحین کی تفسیر کی کوئی پروا نہیں کرتے اور نہ مسلمانوں کے متفق علیہ عقائد ہی کا خیال رکھتے ہیں۔'' پھر مزید ''فائدہ'' کے تحت لکھتے ہیں: ''واقعی یہ قرآن کی ہی شان ہے کہ **لا تنقضی عجائبه** ہر آنے والے مفسر نے اپنے سے پہلے مفسرین سے زیادہ احکام و مسائل قرآن مجید سے مستنبط کئے ہیں اور بعد میں آنے والے علماء اس سے کئی نئے نئے مسائل استخراج کریں گے جو کہ ہمیں معلوم نہیں ہیں اور آیات کی نئے انداز سے تفسیر کریں گے جو کہ آج تک کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ہر مفسر کو آزاد اور بے باگ چھوڑ دیا جائے، تا کہ صرف لغت کی دو کتابیں پڑھ کر شرعی حدود اور اسلامی عقائد کی قیود سے خود کو باہر سمجھتے ہوئے خواہش نفسانی یا حکمرانوں کے بنائے ہوئے دستور اور قوانین کی تائید کی خاطر کسی آیت کی جس طرح چاہے تفسیر کرے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے والا متقدم ہو یا متاخر، زمانۂ گزشتہ کا ہو یا موجودہ کا یا پھر مستقبل کا، اس کے لئے مذکورہ بالا شرائط وقیود ضروری ہیں۔یعنی کسی بھی آیت کی ایسی نئی تفسیر بیان کرتا ہے جو کہ سلف سے منقول نہیں یا ایسا نیا مسئلہ استنباط کرتا ہے جو پہلے کسی نے بھی اس آیت سے اخذ نہیں کیا ہے اور وہ مسئلہ لغات عرب یا ان کے محاورہ کے خلاف نہیں ہے اور حدیث میں منقول تفسیر یا قرآن وحدیث کے کسی حکم کے خلاف نہیں ہے اور نہ سلف صالحین کی تفسیر سے ٹکراتا ہے اور نہ کسی اسلامی عقیدہ کو رد کرتا ہے، تو اس کی وہ تفسیر مقبول اور استنباط معتبر ہے اور اس کی علمیت لائقِ تحسین ہے، بصورتِ دیگر ان باتوں میں سے کسی ایک کے بھی خلاف ثابت ہوئی تو وہ باطل، مردود اور بالرائے سمجھی جائے گی۔ایسا مفسر ملحد بلکہ دین کا دشمن جانا جائے گا۔''

فصل چہارم: صحابۂ کرام سے منقول تفسیر

متفق علیہ فیصلے کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ساری امت سے زیادہ عالم اور افقہ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد قرآن مجید کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ وہ نزولِ قرآن کے وقت موجود تھے اور رسول اللہ ﷺ سے براہ راست قرآن مجید اور اس کی تفسیر سماعت کی اور اس کی عملی تفسیر بنفس نفیس دیکھی، یہ مقام کسی اور کو حاصل نہیں ہے، اس لئے ان کی تفسیر امت کے لئے دیگر سارے افراد کی تفسیر سے علی الاطلاق بہتر اور اصح ہے۔اسی لئے علمائے محدثین اپنی تفاسیر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ روایات بیان کرتے ہیں۔

مزید لکھتے ہیں: ''صحابی کی تفسیر کو اس صورت میں مرفوع اور مسند کے حکم میں مانا جائے گا جب اس کی تفسیر میں اجتہاد اور ذاتی تحقیق کا دخل نہ ہو، یا وہ کسی آیت کا شانِ نزول بیان کرے۔ نیز اس قاعدے میں وہ صحابی داخل نہیں ہیں جن کی بابت اسرائیلیات اور کتب امم سابقہ کا مطالعہ کرنا مشہور ہو۔مثلاً سیدنا عبداللہ بن سلام یا سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما''

اور لکھتے ہیں:

''صحابی کی تفسیر اس وقت حجت ہوسکتی ہے جب اس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں:

۱: مرفوع حدیث کے مخالف نہ ہو ۲: صحابہ کی تفسیر باہم متخالف نہ ہو

۳: وہ معنیٰ عام لغت عربیہ یا شرعی لغت کے خلاف نہ ہو' (مختصراً)

اس تفصیل کے بعد تنبیہ ضروری کے تحت اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ مرفوع یا موقوف روایت کا سنداً صحیح ثابت ہونا ضروری ہے اور ساتھ ہی عام تفاسیر میں موضوع ومن گھڑت اور غیر ثابت روایات کے متعلق وضاحت اور اہلِ باطل کی بنائی ہوئی روایات ورواۃ (راویوں) کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں: ''تابعی کی تفسیر کسی کے نزدیک حجت نہیں ہے، اسے شہادت اور تائید کے لئے پیش کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ بعد والے مفسرین کے اقوال سے بہتر ہے مگر حجت تب ہوگی جب دلیل اس کی تائید کرے۔''

فصل پنجم: اہل کتاب سے منقول روایات کے متعلق بیان

تحقیق کے درمیان لکھتے ہیں: ''یعنی اسرائیلی روایات شہادت اور تائید کے طور پر ذکر کی جاسکتی ہیں (وہ بھی ہر جگہ اور ہر روایت نہیں) مگر ان سے دلیل نہیں لی جاسکتی، کیونکہ ان روایات کی تین صورتیں ہیں:

۱: ان کی صحت ہمیں معلوم ہے یعنی وہ قرآن وحدیث کے موافق ہیں۔

۲: جن کا جھوٹ معلوم ہے یعنی قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔

۳: جن کی ہم نہ تصدیق کر سکتے ہیں نہ تکذیب۔ قرآن وحدیث میں ان کی تصدیق ہے نہ تردید، اس طرح کی روایات فقط حکایت کے طور پر بیان کی جاسکتی ہیں، لیکن بطورِ حجت نہیں۔''

فصل ششم: صوفیوں کی تفسیر کی بابت بیان

اس فصل میں شاہ صاحب رحمہ اللہ ثابت کرتے ہیں کہ صوفیوں کی تفسیر میں الحاد، کفر، شرک، بدعت اور اغلاط ہیں۔

فصل ہفتم: تفسیر بالرائے کا بیان (قرآن وحدیث کے خلاف رائے کے ساتھ تفسیر)

اس فصل کے تحت شاہ صاحب رحمہ اللہ تفسیر بالرائے کو غلط ثابت کرتے ہیں اور اس کی

تعریف یوں کرتے ہیں: ''تفسیر بالرائے اس کو کہتے ہیں جس کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو اور اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص کسی آیت کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو قرآن مجید کے سیاق وسباق کے خلاف ہے یا قرآن کا مضمون اس کے معارض ہے یا کوئی صحیح حدیث اسے رد کرتی ہے یا سلف صالحین کی مشہور ومعروف تفسیر کے خلاف ہے یا مشہور اسلامی عقیدے کو رد کرتی ہے یا لغت اور عربی قواعد کے خلاف ہے تو ایسی تفسیر محض رائے اور خیال سمجھی جائے گی اور دلیل نہ ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل سمجھی جائے گی۔''

معزز قارئین! آپ اس تفصیل سے سمجھ گئے ہوں گے کہ بدیع التفاسیر صحیح اور سلفی منہج پر لکھی گئی ہے۔ ہم آئندہ سطور میں اندازِ تفسیر کی مزید وضاحت کریں گے اور بدیع التفاسیر کے امتیازات بھی بیان کریں گے۔ ان شاءاللہ

اہم مشتملات: بدیع التفاسیر میں تین چیزیں قابلِ بحث ہیں:

۱: تفسیر بالمأثور ۲: تفسیر بالمعقول المحمود ۳: مفردات کی لغوی شرح

تفسیر بالمأثور: اس میں مختلف مباحث شمار کئے جا سکتے ہیں:

(۱) آیات یا اجزاء الآیات کی تفسیر: مثلاً کسی آیت یا کلمہ سے کیا مراد ہے اس کی تفسیر اگر مرفوع حدیث میں ہو تو پہلے اس کو بیان کرتے ہیں۔ مرفوع حدیث نہ ہونے کی صورت میں آثارِ صحابہ نقل کرتے ہیں۔ مثلاً ''**والصلاة الوسطی**'' سے کیا مراد ہے؟ اختلاف نقل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اختلاف کے وقت ہمیں حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی احادیث صراحت کرتی ہیں کہ اس سے مراد صلاۃ العصر ہے۔'' (ج۶ص۲۱۰، ۲۱۱) پھر ان مرفوع احادیث کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

''**حتی یطهرن**'' کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''**أخرج ابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم والنحاس في ناسخه والبيهقي في سننه عن ابن عباس في قوله " ولا تقربوهن حتى يطهرن " قال: من الدم وأخرج عبدالرزاق في المصنف وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر والنحاس**

عن مجاهد في قوله " ولا تقربوهن حتى يطهرن " قال: حتى ينقطع الدم (الدر المنثور ص۲۶۰ ج۱) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ "حتی یطہرن" سے مراد ہے کہ حیض کا خون بند ہو جائے۔

(۲) شان نزول: آیات وسور کا شان نزول جو کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے مختلف کتب سے نقل کرتے ہیں۔

(۳) مختلف آیات سے صحابۂ کرام کا استدلال نقل کرتے ہیں مثلاً:

سورۃ النساء کی آیت: ۱۵۹ ﴿وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ سے فقیہ الامۃ المحمدیہ امام سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حیاتِ مسیح پر استدلال وغیرہ۔

(۴) جن آیات سے جو مسائل و احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو تفصیل اور تحقیق کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور صحیح وحسن احادیث سے ثابت کرتے ہیں جس کی تفصیل ہم امتیازات وخصائص کے عنوان کے تحت بیان کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ

(۵) جن آیات ومفردات سے جو اعتقادی وایمانی مسائل استخراج ہوتے ہیں ان کو قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت کرنا اور اس طرح فرق ضالہ کا رد کرنا اور ان مسائل میں ہی باطل استدلال کا رد کرنا وغیرہ

تفسیر بالمعقول المحمود: (۱) شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک یا ایک سے زائد آیات کا ترجمہ کرنے کے بعد ان آیات کی قرآن وحدیث، تفسیر سلف اور عربی لغت ومحاورہ کو سامنے رکھتے ہوئے جامع تشریح کرتے ہیں اور اپنی علمیت کے بھی جواہر ومرجان بکھیرتے ہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ہم آئندہ "مستقل سلاسل مباحث" کے عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

(۲) مصنف اپنے سے متقدم مفسرین کے عقل سدید پر مبنی اثباتِ حق کے لئے استدلالات ونکت کو بیان کرتے ہیں۔ اس بات میں وہ اکثر فخر الدین رازی اور ابن القیم وغیرہما سے نقل کرتے ہیں۔ بذاتِ خود ایک مستند ومعتمد علیہ عالم کی حیثیت سے وہ معقولی مفسرین کی فقط ان کاوشوں کو نقل کرتے ہیں جو ان کے مقدمہ میں بیان کردہ احکام اور اصول تفسیر سے

مطابقت رکھتی ہوں ۔ وہ اس سلسلے میں انصاف سے کام لینے والے تھے اور اچھا نکتہ اور اثباتِ حق کے لئے اچھی تحریر جس نے بھی کی ہواُ سے نقل کرنے میں تنگی محسوس نہیں کرتے تھے ۔انھوں نے اس طرح کے استدلالات اور باریک نکتے قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیر مظہری اور تفسیر مہائمی سے بھی باحوالہ نقل کئے ہیں۔

چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں، آیت: ﴿ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (ال عمران:۱۸۰) کی تفسیر میں دیگر مفسرین کی توجیہات واقوال کے درمیان رازی کا قول نقل کرتے ہیں:

'' آیت کا مطلب ہے کہ سارے مالکوں کی مالکیت ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ کی مالکیت ہمیشہ قائم ودائم ہے۔اسی وجہ سے اسے میراث کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔(الرازی ج۹ ص۱۵۔۱۶)''

آیت: ﴿وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ (النساء:۱۳۰) کے تحت قول نقل کرتے ہیں:

'' یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ طلاق کے بعد اللہ تعالیٰ دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کا محتاج نہیں بنائے گا۔'' (ص ۶۸ ج ۱۱)

بعد کے الفاظ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴾ کے تحت ان کا قول نقل کرتے ہیں:

'' اللہ تعالیٰ واسع الرزق، واسع الفضل ، واسع الرحمۃ ، واسع القدرۃ اور واسع العلم ہے مگر یہاں پر مطلقاً واسع بغیر اضافت کے ذکر کیا ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز میں وسعت والا ہے۔ لیکن اگر کسی شے کے ساتھ اضافت کے ساتھ ذکر کیا جاتا تو اسی کے ساتھ خاص سمجھا جاتا۔ عقلاً بھی یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا واجب الوجود ہے باقی ہر چیز مخلوق اور اس کی طرف سے وجود میں لانے سے موجود ہوئی ہے۔اس لئے ایسی ذات بابرکات کا علم، قدرت، حکمت، رحمت، فضل واحسان، جودوکرم بلکہ ہر بات میں واسع اور کشادہ ہونا ضروری ہے۔(الرازی ۱۱/۶۸، ۶۹)''

بعد والی آیت: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (النساء:۱۳۲) کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں : '' یہ سارا مضمون گویا کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ واسع کی تفسیر و توضیح ہے۔(الرازی ۱۱/۶۹)''

سورۂ انفال (آیت:۷۵) ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

’’سورت کے خاتمہ پر اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر بات کی عاقبت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس لئے بہترین اور حکمت والے احکام بیان کئے ہیں۔ اس سے (یہ بھی) ثابت ہوا کہ جن احکام کو اس سورت میں ذکر کیا گیا ہے اور جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ سب اللہ کی طرف سے حکمت اور فائدے سے بھرپور ہیں اور سب برحق اور محکم ہیں اور ان میں بندوں کے لئے اصلاح کا بڑا سبق ہے اور ان (احکام) میں کوئی بھی چیز عبث یا باطل نہیں ہے، کیونکہ جو ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا حکم خطا نہیں ہوسکتا بلکہ ہمیشہ برحق اور باصواب ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ملائکہ نے انسان کی پیدائش پر کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (بقرۃ:۳۰)
یعنی جب تم جانتے ہو کہ میں ہر چیز کی حقیقت اور عاقبت کو جانتا ہوں تو پھر یہ بھی جان لو کہ میرے تمام کام غلطی سے پاک ہیں، اسی طرح یہاں پر سمجھنا چاہیے (الرازی ۱۵/۲۱۴)‘‘

سورۂ ھود کی ابتدائی آیت: ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ ﴾ کی تفسیر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’(۱) قرآن مجید کی آیات نظم اور ترتیب کے لحاظ سے ایسے احسن پیرائے میں ہیں کہ اس میں کسی خلل اور نقص کا امکان باقی نہیں ہے، جس طرح مضبوط بناء کے لئے کہا جاتا ہے کہ **البناء المحکم**

(۲) الاحکام سے مراد بگاڑ اور فساد سے روکنا اور بچانا ہوتا ہے، پھر اُحکمت آیاتہٗ کا معنی ہوگا کہ اس کتاب کی آیات ایسی مضبوط اور محکم ہیں کہ ان کو منسوخ کرنے والی کوئی کتاب نہیں ہے۔ مقدمہ میں خاص مسئلہ نسخ کے بیان کے لئے ب ۱۰ ف ۱۲ رکھا گیا ہے اور وہاں پر وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن مجید کی ساری آیات نسخ سے محفوظ ہیں بلکہ ساری آیات محکم ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ نسخ تعارض کی فرع ہے۔ جب تک دو دلیلوں میں تعارض نہیں ہے تب تک ان میں ناسخ و منسوخ کا باب بند ہے۔ قرآن کریم کی شان اس سے اعلیٰ ہے کہ اس کی کسی دو آیات کے درمیان ایسا تعارض ہو جو رفع نہ ہوسکے۔ ماشاء اللہ

اس لئے مذکورہ فصل میں آپ کو اس کی تفصیل ملے گی کہ ساری آیات پر عمل کے بہترین اسباب موجود ہیں، لہٰذا نسخ کا کوئی احتمال نہیں ہوسکتا اور جو علماء بعض آیات کے نسخ کے قائل ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ چند آیات کے علاوہ ساری آیات محکم ہیں۔اس لئے اکثر کو کل کا نام دے کر کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید سارا محکم ہے۔

(۳) زمخشری کشاف (ج۲ص۳۴۷) میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد حکمت بھی ہوسکتی ہے اور حکم کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یعنی یہ آیات حکمت والی ہیں۔ جس طرح دوسری جگہ ہے:﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴾(یونس:۱)

(۴) اس کی آیات اپنے احکام میں محکم اور نہ تبدیل ہونے والی ہیں، اس کتاب میں خاص احکام بیان ہوئے ہیں۔ جیسے توحید، عدل وانصاف، نبوت، آخرت میں دوبارہ اٹھنا، ان کاموں پر قرآن کریم نے زیادہ زور دیا ہے اور ان باتوں میں کسی نسخ کا احتمال نہیں ہے، لہٰذا اس کی آیات انتہائی محکم ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کی آیات میں کوئی تعارض وتناقض نہیں ہے، پھر جب اس کی آیات اس طرح کے تناقض سے محفوظ ہیں تو یہ ہمیشہ کے لئے محکم سمجھی جائیں گی۔ تیسرا یہ کہ الفاظ قرآن میں ایسی بلاغت وفصاحت اور روانی ہے کہ ان میں کسی معارضہ کا دخل نہیں ہے، جس سے اس کی آیات کے قوی اور محکم ہونے کا پتا چلتا ہے۔ چوتھا یہ کہ دینی علوم دو قسم کے ہیں: (۱) نظری (۲) عملی۔ نظری جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو پہچاننا، اسی طرح ملائکہ، کتب ورسل علیہم السلام اور قیامت کے دن کی معرفت، ان علوم کو قرآن کریم میں نہایت بہترین اور اعلیٰ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا عملی یعنی دین کی سمجھ، ظاہری اعمال، باطنی تقویٰ اور نفس کی پاکیزگی۔

ان ساری باتوں کو جس طرح قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اس طرح پورے عالم میں ایسی کوئی کتاب نہیں ہے جو اس کے برابر ہوسکے۔ (الرازی ج۷ اص۱۸۷ مع التشریح) ''

شاہ صاحب رحمہ اللہ مذکورہ آیت کے لفظ ''**فصلت**'' کے تحت نقل کرتے ہیں: ''زمخشری کشاف (ص۳۷۷ ج۲) میں کہتے ہیں کہ ''اس (کتاب کریم) کی آیات توحید کے دلائل،

احکام، وعظ ونصیحت اور واقعات کے ساتھ اس طرح بالتفصیل بیان ہوئی ہیں جس طرح کسی ہار میں موتی (ہیرے جواہر) جڑے ہوئے ہوں۔ فصل سے مراد جدائی ہے یعنی اس کی سورتیں اور آیات جدا جدا بیان کی گئی ہیں، یا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے نہ کہ مجموعی (اکٹھا) یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی آیات میں بندوں کے لئے وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جن کی انہیں ضرورت وحاجت ہے۔ (بدیع التفاسیر ج ۱۰ ص ۲۳۲)

سورۂ توبہ کی آیت: ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ﴾ (۹۶۔۹۸) کے ربط میں تفسیر مھائمی سے نقل کرتے ہیں کہ دوسرے منافقین کے لئے وحی نازل ہوتی رہی، مگر اَعراب (بدو، دیہاتیوں) کے متعلق فرمایا کہ اگرچہ ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا مگر آپ ان پر کسی قسم کا بھروسا نہ کریں، کیونکہ وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان (شہری منافقین) سے بھی بڑھ کر نفاق اور کفر رکھتے ہیں۔ ان کے جہل کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدود واحکام نازل ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور خلوص کا سبب ہے اسے نفاق کا سبب بتاتے ہیں، جو فی سبیل اللہ خرچ کرنا پڑتا ہے اسے تاوان سمجھتے ہیں، مسلمانوں کی ہلاکت اور بربادی کا انتظار کرتے ہیں، یہ سب کچھ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ہے جن کو ایمان نصیب ہے وہ اس کے برعکس ہیں۔

معزز قارئین! اس کے علاوہ مصنف بدیع التفاسیر علامہ رشید رضا مصری کی تفسیر المنار سے بھی جگہ جگہ علمی نکات نقل کرتے ہیں مثلاً سورۂ ہود کی ابتدا میں اس سورت کے مضامین کا خلاصہ ۲۴ صفحات میں، سورۂ انفال کی ابتدا میں ۱۲ صفحات اور سورۂ توبہ کی ابتدا میں ۲۰ صفحات کا خلاصۂ مضامین نقل کیا ہے۔ اسی طرح سورۂ مائدہ، سورۂ انعام، سورۂ اعراف وغیرہ کا خلاصہ بھی المنار سے نقل کیا ہے۔

خود شاہ صاحب رحمہ اللہ آیات واجزاء اور مفردات کی تفسیر بالمأ ثور کے ساتھ مذکورہ بالا انداز سے تفسیر کرتے ہیں، بلکہ سورۂ مائدہ کے بعد تفسیر میں یہ انداز غالب ہے جس میں جلد: ۱۰ بطور خاص ہے۔

مفردات کی لغوی شرح

ان شاء اللہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (ص ۲۰ نمبر ۵) اس میں حل و شرح کے ساتھ مختلف مسائل پر استدلال، فائدہ اور فصل کی صورت میں بیان کرتے ہیں۔

تفسیر میں مستقل سلاسل و مباحث

(۱) ترجمہ: خود مصنف کی تحریر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ترجمہ ''معانی القرآن'' شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ترجمہ کی طرز پر ہے۔ جناب شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن ترجمہ آیات کے متعلق ان کے زیر خیالات، مذہب، مستدل علیہ احکام و مسائل پر ذاتی نظریے کا اثبات کرتا ہے۔ یوں نہیں کہ ترجمہ ایک طرف اور شرح، استدلال و استنباط اور تفسیر دوسری طرف۔

(۲) تشریح: ترجمہ کے بعد مذکورہ آیات کی جامع تشریح کرتے ہیں۔ اس تشریح کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مضامینِ قرآن پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نہایت گہری نظر تھی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں قرآن فہمی کے نہایت ہی بلند درجہ پر فائز کیا تھا۔ مثلاً:

سورۂ آل عمران کی آیت: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (۷۹، ۸۰)

اس کی تشریح یوں کرتے ہیں: ''یعنی وہ (یہودی) اپنے غلط طریقے کو تسلیم کروانے کے لئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہم السلام اور اپنے نیک لوگوں پر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا اور کہتے ہیں کہ ہمیں اپنے انبیاء کرام نے ہی یہ تعلیم دی

ہے۔اسی طرح وہ لوگ جو عام شرکیہ رسوم میں مبتلا ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے یہ کام کیئے ہیں اور ہمیں سکھلائے ہیں، حالانکہ یہ سارا جھوٹ اور ان کا بنایا ہوا قصہ ہے، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں، فرشتوں، انبیاء کرام اور اولیاء کرام کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اپنی عبادت کروائیں یا اس کا حکم دیں یا ایسی بات پر راضی ہوں۔
چنانچہ فرشتوں کے متعلق حکم ہے: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (سبا:۴۰، ۴۱)
جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق آیا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (المائدہ:۱۱۶)
دوسرے نیک بندوں کے متعلق بھی آیا ہے کہ ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًاۢ بُوْرًا ﴾ (الفرقان:۱۷، ۱۸)
الغرض جس کو بھی اللہ تعالیٰ کتاب کا علم دے یا کتاب دے کر اسے نبی بنائے، اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم کی قوت سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا شدہ بینائی اور نورِ بصیرت کے مطابق دین کی اشاعت اور توحید کی تبلیغ کو عام کرے۔اور جسے اللہ تعالیٰ حکومت و بادشاہی سے سرفراز کرے (یعنی عطا فرمائے)، تو اس کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوت سے شرک کے آستانوں (مراکز) کو مٹا دے اور شرکیہ رسوم کو ختم کر دے۔رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کو دیکھنا چاہیئے، اگرچہ آپ کو حکومت نہیں ملی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کے تحت توحید کی دعوت دیتے رہے اور شرک کی تردید کرتے

رہے۔اللہ تعالیٰ کی عظمت کو (لوگوں کے) دلوں میں بٹھانے اور معبودانِ باطلہ کی ہیئت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت وحکومت عطا کی اور بالآخر مکہ معظّمہ کو فتح کرلیا گیا جسے فتح مبین سے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے فوراً بعد (آپ ﷺ نے) مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف درگاہوں (اَوثان) اور آستانوں (یعنی شرک کے اڈوں) کی طرف بھیجا جن کی عبادت کی جاتی تھی، انھیں مسمار کردیا گیا۔غرض انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے،اس کے پاس جو بھی قوت ہے، مالی ہو خواہ علمی یا قوتِ بازو، ہر قسم کی قوت اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔اس لئے اسے یہ قوت اللہ تعالیٰ کی توحید اور شریعت کو عام کرنے کے لئے صرف کرنی چاہئے۔اور اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے اور نہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس عہدہ (حیثیت) کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کو اپنا غلام بنائے یا ان سے اپنی عبادت کروائے یا خود کو رب یا مشکل کشا وغیرہ کہلوانا شروع کردے، بلکہ اس کی تربیت یہی ہونی چاہئے کہ سب کا رب فقط ایک ہے جو کہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ہے۔اسی کی بندگی وغلامی اور اس کی نازل کردہ شریعت کی اتباع کی جائے۔

فرشتے، نبی، اولیاء سب اس کے بندے ہیں۔﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴾ (الانبیاء:۲۶)

لٰہذا بندوں کی عبادت سراسر کفر ہے جو درگاہیں اور مزارات پوجے جارہے ہیں وہ کسی نبی یا اللہ کے کسی نیک بندے کے امر یا ترغیب سے نہیں بنائے گئے بلکہ یا تو کچھ بادشاہوں (حکمرانوں) نے اپنی رعیت (یعنی عوام) جن کی اکثریت مشرکین (والمبتدعین) اور غیر اللہ کے پجاریوں کی ہے، ان کے اندر اپنی مقبولیت (وشہرت پیدا کرنے) کی خاطر اور عوام کی چاہت کی باگ کو اپنی طرف موڑنے کے لئے بنائی ہیں۔یا کچھ لادین لوگوں نے اپنی کمائی کی خاطر یہ اڈے بنائے ہیں، یا وہ لوگ جو بڑے مجرم، ظالم اور خطرناک مقدمات کے اندر حکومت کو مطلوب ہیں انھوں نے اپنے دفاع اور تحفظ کے لئے بھیس بدل کر درگاہیں بنالی ہیں اور مجاور بن کر بیٹھ گئے ہیں۔اس لئے اسے اچھا کام نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ ہی ایسی کفرو ضلالت کی تعلیم اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی، یا نیک بندہ، ولی یا عالم باعمل یا حاکمِ عادل باشرع کبھی

دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور کفر کی دعوت دینا خود کفار ہی کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا، اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ الغرض یہودیوں نے اپنے اس غلط اور شرکیہ طریقے کو انبیاء کرام کی طرف منسوب کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رد کیا ہے اور انھیں (یہودیوں کو) جھوٹا قرار دیا ہے۔

(۳) شانِ نزول: زیرِ تفسیر آیات کا شانِ نزول بیان کرتے ہیں، لیکن بعض آیات کا شانِ نزول نہیں ملتا جس طرح مکی سورتوں اور آیات کا شانِ نزول بہت ہی کم روایت کیا گیا ہے۔ شانِ نزول اکثر علامہ سیوطی کی کتاب ''الدر المنثور'' سے نقل کرتے ہیں، البتہ بعض دفعہ دیگر تفاسیر سے بھی نقل کرتے ہیں۔ تفسیر کے دیگر مقامات کی طرح شانِ نزول کے لئے بھی شاہ صاحب وہ روایات پیش کرتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک صحیح و حسن ہیں، بعض دفعہ وہ شانِ نزول کے متعلق وارد بعض احادیث کے ضعف و وضع کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں۔ جہاں شانِ نزول کے لئے کوئی روایت نہیں ملتی وہاں بیان کر دیتے ہیں کہ اس سلسلے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے بعض دفعہ ذکر کئے بغیر ہی آگے گزر جاتے ہیں۔ شانِ نزول ان کے نزدیک تخصیص کے لئے نہیں بلکہ توضیح کے لئے ہے۔ (ج۲/۹۱)

(۴) ربط: شاہ صاحب رحمہ اللہ آیات کے ترجمہ کے بعد تشریح کی ابتدا ہی اس طرح کرتے ہیں کہ ان آیات کا سابقہ آیات کے ساتھ ربط بیان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شانِ نزول کے بیان کے بعد ان آیات کا ربط سابقہ آیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

یہ ربط اکثر جیسا کہ آپ کی تحریر کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے آپ علامہ ابوالحسن البقاعی کی کتاب ''نظم الدرر في تناسب الآيات والسور'' سے لیتے ہیں، اس کے علاوہ اپنی تحقیق بھی پیش کرتے ہیں اور بعض دفعہ دوسری کتابوں کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔

(۵) مشکل الفاظ کی لغوی تشریح: یہ سلسلہ ان کی تفسیر کا نہایت اہم باب ہے۔ جو لفظ پہلی مرتبہ آتا ہے اس کے اصل و فروع کی لغوی توضیح کر دیتے ہیں، پھر جہاں بھی اس مادہ کا لفظ آتا ہے وہاں اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس کا معنی فلاں سورت کے رکوع نمبر فلاں کے تحت

گزر چکا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بدیع التفاسیر کی ابتدائی سورتوں کی تفسیر میں لغوی شرح کی وجہ سے جو طوالت پائی جاتی ہے وہ طوالت آخری جلدوں میں نہیں پائی جاتی۔سید شاہ صاحب رحمہ اللہ مشکل الفاظ کی شرح کے لئے جہاں لغتِ عربیہ کی کتب کی طرف رجوع کرتے ہیں وہاں اس کا شرعی معنی بیان کرنے کے لئے مختلف تفاسیر کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں اور سلف صالحین سے زیرِ حل لفظ کا معنی نقل کرتے ہیں۔مثلاً آیت:﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ..﴾ إلخ کے لفظ''مرضٌ '' کی لغوی تشریح اس طرح کرتے ہیں''بإجماع جميع قراء ''را '' پر زبر (فتحہ) پڑھی گئی ہے۔صرف اصمعی نے ابوعمرو سے نقل کیا ہے کہ اس نے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔(الشوکانی ج۱ص۳۰) اور مرض بمعنی السقم یعنی بیماری جو کہ صحت کے مقابلہ میں ہوتی ہے، انسان یا حیوان کو درپیش آتی ہے اور یہ اسم جنس ہے جو کہ قلیل وکثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔بقول استاذ سیبویہ (نحوی) کے یہ بھی (ان) مجموعی مصادر میں سے ہے جیسے الشغل ،العقل۔

عرب ان کی جمع امراض، اشغال اور عقول وغیرہ (کے اوزان پر) بولتے ہیں۔ان کی گردان اس طرح ہے''مرض فلان مَرَضًا ومَرْضًا فهو مارض ومَرِض و مريض ''اور مؤنث کا صیغہ مریضہ ہے۔'' أمرضته أي وجدته مريضًا ''یعنی میں نے اسے مریض پایا۔الممراض یعنی بہت اور بار بار بیمار (رہنے والا) التمارض اس حالت میں کہا جاتا ہے جب خود کو بیمار ظاہر کرے، لیکن (درحقیقت) بیمار نہ ہو۔'' أمرض الرجل جعله مريضًا ''یعنی اسے بیمار بنا دیا۔مرّضه تمريضًا یعنی اس کی (دوران بیماری میں) خدمت کی اور علاج کے لئے کوشش کی اور تیمارداری کی۔ (لسان العرب ج۷ص۲۳۱)

اور''المرَض''بالفتح یعنی را کی زبر سے، قلب (کے عوارض) کے لئے خاص طور پر استعمال ہوتا ہے بعض شک، نفاق، فتوی، اندھیرا اور نقصان (ترتیب القاموس ج۴ص۲۳۰)

فی قلوبهم خبر مقدم ہے اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔یعنی خاص طرح ان کے دل بیمار ہیں۔شک، نفاق اور اندھیرے سے بھرے ہوئے ہیں اور دل کے بیمار ہونے سے سارے

اعضاء بیمار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اوپر حدیث گزری ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دل تندرست ہوگا تو سارا جسم تندرست ہوگا اور اگر دل بیمار ہوگا تو سارا جسم بیمار ہوگا۔ سو جب ان کے دل ایمان اور تصدیق سے انکاری ہیں تو ان کے سارے اعضاء بھی عمل سے انکاری ہیں۔ سلف صالحین سے مرض کی بابت (کچھ) معانی منقول ہیں، چنانچہ ابن عباس، ابن مسعود اور دوسرے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کا معنی شک کرتے ہیں۔ اسی طرح کئی تابعین کرام مثلاً مجاہد، حسن بصری، ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کہتے ہیں۔ عکرمہ اور طاؤس اس کا معنی ریاء کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق اس کا معنی منافقت ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم (مشہور ضعیف راوی) کہتے ہیں:

''هذا مرض في الدين وليس مرضًا في الأجساد وهم المنافقون والمرض الشك الذي دخلهم في الإسلام فزادهم الله مرضًا قال زادهم رجسًا .''

(ابن کثیر ج ا ص ۱۶۷)

یعنی یہاں پر جسمانی بیماری نہیں بلکہ دینی بیماری مراد ہے، مرض بمعنی شک ہے۔ منافق لوگ مان کر اور تسلیم کر کے اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ شک کے ساتھ داخل ہوئے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور نجاست کو بڑھا دیا۔ یہ اقوال ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ منافقین کا کوئی بھی عمل ایمان اور یقین کے ساتھ نہیں ہوتا۔ صرف شک یا دکھلاوے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے اپنا دفاع کرنا چاہتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۱۰۳۔۱۰۴)

محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ لغوی شرح کے دوران میں زیرِ حل الفاظ سے ردو اثبات کا کام بھی لیتے ہیں جس کی مثالیں بدیع التفاسیر میں جا بجا ملتی ہیں۔

(۶) اسلام دشمن مصنفین کے قرآن مجید پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

اس سلسلے میں مصنف بدیع التفاسیر نے آریہ ہندو فرقہ کے ''سوامی دیانند کی کتاب

''ستیارتھ پرکاش'' میں قرآن مجید کی مختلف آیات پر کئے گئے اعتراضات کے مفصل جوابات دیئے ہیں۔شاہ صاحب نے ان جوابات کے لئے اپنے استاذ علامہ ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کی کتاب ''حق پرکاش'' سے بھی استفادہ کیا ہے،لیکن یہاں ان کا خاص اپنا انداز ہے جو کہ قابلِ داد ہے۔

(۷) ہر سورت سے پہلے مختصر خطبہ جو کہ سندھی زبان میں ہے۔اس کے بعد سورت کے اسماء، ربط، شانِ نزول اور سورت کے مضامین کا جامع خلاصہ بیان کیا ہے۔

طریقۂ تفسیر کے متعلق خود مفسر رحمہ اللہ کی وضاحت

(۱) محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بیان کرتے ہیں:

''سب سے پہلے ایک یا اس سے زیادہ آیات کا سلیس و عام (فہم) ترجمہ کیا جائے گا، اس کے لئے شیخ الاسلام استاذ ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ کی اردو تفسیر ''تفسیر ثنائی'' سامنے ہوگی، کیونکہ راقم الحروف کی نظر میں اس جیسا سہل، دلنشین اور جامع و مانع ترجمہ کوئی اور نہیں ہے۔'' موصوف مضمون کو مربوط اور واضح کرنے کے لئے ترجمہ کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر تشریح کرتے ہیں اور اصل ترجمہ کو خط کشید کر کے الگ ظاہر کرتے ہیں۔ نیز لکھتے ہیں: ''یہی طریقہ عوام الناس کے لئے مفید رہے گا اور اہلِ علم کے لئے بھی اسی میں فائدہ ہے۔

(۲) آیات کا شان نزول بیان کیا جائے گا اور صرف صحیح روایات پر اکتفا کیا جائے گا۔

(۳) تفسیر و توضیح کے لئے آیات و احادیث، پھر آثار صحابہ و تابعین کو بھی شہادت و مزید وضاحت کے لئے پیش کیا جائے گا مگر صرف وہ اقوال جو پایۂ ثبوت کو پہنچے ہوں۔سب سے پہلے مجاہد بن جبر مکی تابعی اور امام سفیان ثوری تبع تابعی کی تفسیر نیز ابن جریر الطبری کی تفسیر جامع البیان جس کے متعلق امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: ''قد نظرت فيه من أوله إلى آخره وما أعلم على أديم الأرض أعلم من محمد بن جرير'' (طبقات المفسرین للداودی ص ۱۱۱ ج ۲[تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۵/ ۱۴۷، وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۲/ ۱۶۴]) یعنی میں

نے اول سے آخر تک اس تفسیر کا مطالعہ کیا ہے اور (میرے علم کے مطابق) روئے زمین پر ابن جریر سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ نیز تفسیر ابن کثیر میں عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور متقدمین میں سے آدم بن ابی ایاس، ورقاء اور وکیع وغیرہم کی تفاسیر سے با اسناد روایات منقول ہیں، ان سے بھی انتخاب کیا جائے گا اور سیوطی کی ''الدر المنثور'' اور قاضی شوکانی کی ''فتح القدیر'' جو کہ احادیث و آثار سے پُر ہیں، ان سے بھی جا بجا تائید لی جائے گی۔

علامہ فیروز آبادی کی (روایت کردہ) جو تفسیر ابن عباس، تنویر المقباس کے نام سے منقول کی ہے اس کی سند معتبر طرق سے ثابت نہیں ہے اور پھر اس کی اسناد پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ائمۂ دین، محدثین کرام مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ابی شیبہ، حاکم وغیرہ جنھوں نے اپنی کتب میں تفسیر کے لئے مستقل ابواب رکھے ہیں ان کی ذکر کردہ احادیث و آثار واقوال کو اولین درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح ابن حجر کی المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ اور ہیثمی کی کتاب مجمع الزوائد ومنبع الفوائد اور موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان وغیرہ کتب سے بھی اس باب میں کافی رہنمائی ملے گی۔

(۴) مشکل الفاظ کے حل کے لئے لغت وادب کی کتب کو سامنے رکھ کر ان کا معنی اور حسبِ ضرورت اشتقاق بیان کیا جائے گا۔

(۵) بقدرِ ضرورت بعض جملوں کی نحوی ترکیب اور اعراب، نیز قواعد کے اعتبار سے جو بعض مقام محتاجِ حل ہیں، ان کے لئے نحو وصرف کی کتب سے مدد لی جائے گی۔

(۶) قرآنی مضامین کی فصاحت و بلاغت کو بیان کرنے کے لئے علم معانی اور بدیع کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔

(۷) آیات وسور کے ربط و تعلق سے متعلق مستقل کتب تحریر کی گئی ہیں جن میں سے علامہ برہان الدین ابوالحسن البقاعی کی کتاب ''نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور'' بے مثل ہے، اسی طرح دیگر کتب سے بھی مدد لی جائے گی۔

(۸) قرآن مجید سے احکام اور مسائل کا استنباط تفسیر کا اہم باب ہے، اس سے متعلق

متقدمین ومتاخرین علماء کرام نے کئی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے امام قرطبی کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن نہایت جامع ہے اور بھی کئی مفید کتابیں ہیں جن کے جا بجا حوالے آئیں گے۔

(۹) قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کے قصے مذکور ہیں ان کے متعلق صحیح اور ثابت روایات پر اکتفا کیا جائے گا۔ اسرائیلی روایات اور زبان زد عام قصوں سے اجتناب کیا جائے گا بلکہ ان کے غیر صحیح ہونے کے لئے روایۃً یا درایۃً نشاندہی کی جائے گی۔

(۱۰) دشمنان دین کی طرف سے بعض آیات پر وارد کردہ اشکالات کے حل اور اعتراض کا شافی جواب دینے کی کوشش کی جائے گی۔

(۱۱) بعض گروہ اپنے باطل عقائد کے لئے قرآن سے غلط استدلال کرتے ہیں، ان کی حقیقت آشکارا کی جائے گی۔ ان شاءاللہ'' (بدیع التفاسیر ج ا ص ۲۔۴)

بدیع التفاسیر سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾

اور یاد کرو جب ہم نے تمھیں فرعونیوں یعنی ان کے لشکر سے نجات دلائی جو کہ تمھیں کئی طریقوں سے بُری قسم کا عذاب چکھاتے رہے تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمھاری بیٹیوں کو اپنی خدمت کے لئے زندہ چھوڑتے تھے اور اس واقعہ میں حقیقتاً تمھارے رب کی طرف سے تمھارے اوپر بڑا انعام اور احسان ہے۔

(اصل ترجمے کو خط کشیدہ کر کے واضح کر دیا گیا ہے۔)

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کچھ انعامات کو تفصیل سے بیان فرماتا ہے کہ فرعون نے اپنی فوج کے زور سے قوم پر ہر طرح کے مظالم ڈھائے اور ان کی دو پارٹیاں بنائیں یعنی قبطی اور بنی اسرائیل۔ پہلی کو اپنی حکومتی پارٹی بنایا، کیونکہ وہ اس کی قوم تھی۔ ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل پر ظلم کرواتا رہا۔ ان کے بیٹے قتل کروائے جا رہے تھے، اس لئے کہ کہیں کوئی ایسا فرد اٹھ کھڑا نہ ہو جو میرے خلاف بغاوت کر دے، پھر ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت اور عیاشی

کے لئے چھوڑ دیتا، تا کہ وہ ہمیشہ ذلیل، کمزور اور غلام بنے رہیں۔

جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (القصص:۴)

خاص طور پر ان کے بیٹے اس لئے مروا رہے تھے کہ کہیں کوئی بغاوت نہ کرے یا انقلاب بپا نہ کر دے، کیونکہ جو (پہلے) موجود تھے ان کو اذیتیں پہنچا کر اتنا کمزور کر چکا تھا کہ ان کے اندر ہمت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ ان سے کسی بغاوت کا خطرہ رہتا اور غلامی ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، جبکہ نئی نسل سے ان کو خطرہ تھا اس لئے انھیں ذبح کرواتا رہا اور ان کی بیٹیوں کو چھوڑتا رہا تا کہ ان کو بھی اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے استعمال کیا جائے اور وہ (بنی اسرائیل) ان (عورتوں) کی خدمت سے بھی محروم رہیں۔ اور مزید کمزور اور بے بس بن جائیں، نیز (قبطی) ان کو اپنی عیاشی کے لئے استعمال کریں تا کہ ان کی مزید بے عزتی اور تذلیل ہو۔ اتنے بڑے عذاب سے نجات دلانا کوئی معمولی نعمت نہیں ہے۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ فرعون کو نجومیوں اور کاہنوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو تمھارے زوال کا سبب بنے گا اس لئے وہ ان کے بیٹوں کو قتل کرواتا رہا۔ مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، کیونکہ اگر انھوں نے فرعون کو ایسی خبر بتائی تھی تو یہ دو صورتوں سے خالی نہیں ہے: اگر فرعون نے ان پر اعتبار کیا تو پھر یہ بات یقینی ہوئی اور فرعون کی اس کے خلاف کوشش بے سود تھی، پھر کیوں خواہ مخواہ بچے مروا رہے تھے جس سے کوئی مقصد حاصل ہونے کی امید نہیں تھی۔

اور اگر فرعون نے ان کو جھوٹا سمجھا اور ان کی بات پر یقین نہیں کیا ہوگا تو پھر اس طرح بچے مروانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ظالم کو ہمیشہ اپنی عاقبت کا خطرہ رہتا ہے۔ اس لئے ہر خطرے سے بچنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ یہی فرعون کا حال سمجھنا چاہیے چنانچہ بائبل عہد نامہ قدیم (ص ۱۰۷) موسیٰ (علیہ السلام) کی دوسری کتاب یعنی خروج باب اول آیت ۸ تا ۱۷ میں ہے: ''تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا۔

اور اُس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو اسرائیلی ہم سے زیادہ اور قوی ہو گئے ہیں۔ سو آؤ ہم اُنکے ساتھ حکمت سے پیش آئیں یہ نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اُس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں۔ اسلئے اُنہوں نے اُن پر بیگار لینے والے مُقرر کئے جو اُن سے سخت کام لیکر اُنکو ستائیں۔ سو اُنہوں نے فرعون کے لئے ذخیرہ کے شہر پتوم اور رعمیسس بنائے۔ پر اُنہوں نے جتنا اُنکو ستایا وہ اُتنا ہی زیادہ بڑھتے اور پھیلتے گئے۔ اسلئے وہ لوگ بنی اسرائیل کی طرف سے فکر مند ہو گئے۔ اور مصریوں نے بنی اسرائیل پر تشدد کر کر کے اُن سے کام کرایا اور اُنھوں نے اُن سے سخت محنت سے گارا اور اینٹیں بنوا بنوا کر اور کھیت میں ہر قسم کی خدمت لے لیکر اُنکی زندگی تلخ کی۔ اُنکی سب خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے تشدد کا مظہر تھیں۔

تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے جن میں ایک کا نام سِفرہ اور دوسری کا فوعہ تھا باتیں کیں۔ اور کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور اُنکو پتھر کی بیٹھکوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو اُسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے، لیکن وہ دائیاں خدا سے ڈرتی تھیں۔ سو انہوں نے مصر کے بادشاہ کا حکم نہ مانا بلکہ لڑکوں کو جیتا چھوڑ دیتی تھیں۔'' (بائبل ص ۵۴)

یہ مضمون خود وضاحت کرتا ہے کہ فرعون نے یہ مہم بنی اسرائیل کی کثرت اور بڑھتی ہوئی آبادی دیکھ کر شروع کی تھی۔

الربط: تشریح میں گزر چکا ہے، نیز جب اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر کیا کہ وہاں کسی بڑے آدمی کی سفارش کام نہیں آئے گی تو (یہ بھی) بیان کیا کہ دنیا میں بھی یہی حال ہے۔ جیسے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے بنی اسرائیل کی آزادی کے لئے وقت کے بادشاہ فرعون سے سفارش کی، کیونکہ ان کے بچے قتل کروائے جا رہے تھے اور عورتوں کو غلام بنایا جا رہا تھا۔ مگر اس نے نہ مانا، اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ ان کا دشمن اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا اور وہ آزاد ہو گئے۔ اور ان کے محل و باغات کے وارث بن گئے۔ (نظم الدرر ج ۱ ص ۳۵۳)

نجینا کم: اصل میں نجی بمعنی جدا ہونا ہے، کیونکہ نجات کے وقت مصیبت سے جدا ہوتا

ہے۔اس کے مختلف باب ہیں۔(المفردات ا۔۵)

’’من ا ٰل فرعون :والآل أھل الرجل وعیاله وأیضًا أتباعه وأولیاؤه‘‘ آل بمعنی اہل، عیال، پیروکاراور دوست۔اصل اس کا أھل ہے۔ھاکو بدل کرہمزہ کردیا گیا ہے، پھرأ أل ہوا پھر دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل دیا تو اٰل ہوا۔اس کی تصغیر اویل اور اہیل آتی ہے۔مثلاً سورت انفال (۵۲) میں ہے﴿کدأب اٰل فرعون﴾(حالانکہ فرعون کی کوئی اولاد نہیں تھی)

امام ابن عرفہ کہتے ہیں:’’اٰل إلیه بدین أو مذھب أو نسب‘‘یعنی اس کی طرف دین یا مذہب یا نسب میں لوٹا۔جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب﴾(المؤمن:۴۶)اور آل کا لفظ اکثر عزت والے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔جیسے ’’اٰل الرسول و اٰل السلطان یا اٰل فلان‘‘(المفردات ص۲۹)مگر’’اٰل الرجل ، اٰل الخیاط ‘‘نہیں کہا جاتا، یا زمان ومکان کی طرف مضاف نہیں ہوگا جیسے اٰل الزمان اور اٰل البلاد نہیں کہا جاتا۔

مگر اھل کا لفظ کم وبیش، چھوٹے بڑے زمان ومکان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاج العروس (ج۷ص۲۱۲) اور تفسیر قرطبی (ج۱ص ۳۸۱) میں ہے کہ اٰل فرعون اس کی قوم، پیروکار اور اس کے دین پر چلنے والے ہیں۔اسی طرح اٰل رسول جو کہ آپ ﷺ کے دین و ملت پر ہوں۔آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں خواہ ہر زمانے میں ، آپ ﷺ کے نسب یا قرابت میں سے ہوں یا نہ ہوں، اور جو شخص آپ ﷺ کے دین وملت پر نہیں ہے وہ نہ آپ ﷺ کی آل ہے، نہ اہل اگر چہ آپ ﷺ کے نسب وقرابت سے ہو اور یہ بات روافض کے عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ وہ آل رسول فقط سیدہ فاطمہ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہم وغیرہ کو سمجھتے ہیں۔

مگر ہمارے لئے قرآن مجید میں دلیل موجود ہے﴿واغرقنا اٰل فرعون﴾اور ﴿ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب﴾ أي اٰل دینه، یعنی فرعون کے دین والے، ظاہر ہے کہ (وہ سارے) فرعون کی اولاد نہیں تھے۔

اس کے لئے دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ سب متفق ہیں کہ جو شخص مؤمن وموحد نہیں ہے وہ آل محمد ﷺ میں سے نہیں ہے، اگر چہ آپ کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے ابولہب وابوجہل کو آپ ﷺ کی آل میں شمار نہیں کیا جاتا، حالانکہ وہ بھی آپ ﷺ کے قریبی عزیز تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو خطاب فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ (ہود:۴٦)

اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا (آپ ﷺ نے) ظاہر ظہور بغیر (کوئی چیز) چھپائے فرمایا: ((ألا إن آل أبي يعني فلانًا ليسوا لي بأولياء إنما وليّي الله وصالح المؤمنين)) یعنی فلاں کی اولاد میری قرابت ودوستی میں نہیں ہے اللہ تعالیٰ اور صالح مؤمن لوگ ہی میرے دوست وقریبی ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۱۵، دارالسلام: ۵۱۹)

اب جو لوگ بھنگ پیتے ہیں اور لمبی مونچھیں رکھتے ہیں، نہ نماز پڑھتے نہ روزہ رکھتے ہیں، خود کو سید کہلا کر لوگوں سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور بددعا کی دھمکیاں دے کر ان سے مال ومتاع حاصل کرتے رہتے ہیں ان کو ان آیات واحادیث کے مطابق، آل الرسول ہرگز نہیں سمجھنا چاہئے۔ (بدیع التفاسیر ج ۱ ص ۳۸۰-۳۸۲)

معزز قارئین! اس کے بعد درج ذیل انداز سے تفسیر کرتے ہیں:

فرعون : لغوی بحث وحقیقت شخصی

یسومونکم : لغوی شرح اور تفسیر

سوء العذاب : (بڑا عذاب) سخت عذاب یعنی انھیں غلام بنا کر ان سے طرح طرح کی خدمات لینا اور ذلت اور کم درجہ کے کام لینا۔

یذبحون : لغوی بحث   أبناء کم : لغوی حل

فائدہ: تفسیر کبیر للرازی (ج ۳ ص ٦٨) سے انسان کے ناحق قتل، نسل کشی اور قتلِ اولاد کی مذمت پر مضمون نقل کرتے ہیں۔

فائدہ: تفسیر رازی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ اپنے اصلی معنی پر ہے یعنی فرعون ان کے بچوں کو قتل کرواتا تھا نہ کہ بڑوں کو جس طرح بعض مفسرین نے کہا ہے۔

یستحیون نساء کم : لغوی حل۔

ذلکم : (گزشتہ) سارے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ کا یہ سارا واقعہ۔

بلاء : لغوی شرح۔ یہاں لکھتے ہیں کہ یہ لفظ مشترک ہے۔

بلاء، بمعنی نعمت اور ابتلاء و شدّت دونوں معانی میں مستعمل ہے، لیکن قرائن کی وجہ سے یہاں پہلا معنی لینا صحیح ہے۔ (تفصیل سے مذکور ہے)

سوامی دیانند کی طرف سے قرآن پر اعتراض کے جواب کا انداز

فصل: آریہ مصنف اعتراض کرتا ہے کہ ''جب مسلمان کہتے ہیں کہ خدا لاشریک ہے، پھر یہ فوج کی فوج شریک کہاں سے کردی؟ کیا جو اوروں کا دشمن ہے، وہ خدا کا بھی دشمن ہے؟ اگر ایسا ہے تو ٹھیک نہیں، کیونکہ خدا کسی کا دشمن نہیں ہوسکتا (ستیارتھ پرکاش ص ۵۰۵)

[سوامی نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۹۸ پر اعتراض کیا ہے۔]

الجواب: اولاً سوامی کے تعصب کی حد یہ ہے کہ اپنا گھر بھی کھنگال کر نہیں دیکھتے۔ خود تمھارا پرمیشور کہتا ہے کہ ''پرمیشور کے اس خزینہ قدرت کی جس کو دیوتا حفاظت کرتے ہیں، کون جان سکتا ہے؟ (اتھروید کانڈ ۱۰ پھاٹک ۲۳، انوواک ۴، منتر ۲۳) نیز منتر (۲۷) میں ہے کہ ''تینتیس دیوتا اس پرماتما کے تقسیم کئے ہوئے فرائض کو پورا کر رہے ہیں، وہ اس کی قدرت کے جزوی مظہرات ہیں، جو لوگ اس برہم یعنی وید محیط کل ایشور کو پہچانتے ہیں وہی ان تینتیس دیوتاؤں کو جانتے ہیں اور ان کو اسی ایک برہم کے سہارے قائم مانتے ہیں۔''

سماجی مترو: آپ کی کتب میں بار بار توحید اور وحدہ لاشریک لہ کا رٹا لگایا جاتا ہے۔ پھر سناؤ کہ یہ دیوتا کہاں سے آگئے؟ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس کے فرشتوں پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ کیونکہ ان کی پیدائش بھی اسی کی قدرت سے ہے۔ وھوالثانی.

ثالثاً: پنڈت جی کے علم کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا ذکر آیا تو اسے بھی شرک سمجھتے ہیں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ کو بھی شرک کہتے ہیں۔ایسی مثالیں جا بجا آئیں گی۔ کیونکہ ان کی عمر غیر کی پوجا میں گزری۔ بے چارے سانپ واژدھے کے پجاری مسلمانوں کی پکاریں اور دلائل سن کر کہیں جا کے توحید کا نام زبان پہ لائے ہیں۔ مگر ابھی تک انھیں پتا نہیں ہے کہ توحید کیا ہے اور شرک کیا ہے۔

رابعاً: یہ بھی ان کا کہنا عجیب ہے کہ خدا کسی کا دشمن نہیں ہے۔مگر سوامی صاحب کا قصور نہیں ہے بلکہ ان کا حافظہ کمزور ہے۔ آریہ صاحبان بغور ایشور کا پرمان سنیں: ''میں بدکار ظالموں کو کبھی اشیر باد (نیک دعا) نہیں دیتا۔'' (رِگ وید اشٹک نمبر ۱، ورگ ۱۸، منتر ۱۲) اب سنائیں کہ ایشور کسی کو اشیر باد نہیں دیتے؟ وہی ہیں جن کے لئے قرآن کہتا ہے کہ ﴿فان اللّٰہ عدو للکافرین﴾ (البقرۃ:۹۸)

خامساً: اللہ تعالیٰ کی دشمنی کو سوامی صاحب اپنی دشمنی پر قیاس نہ کریں، کیونکہ سوامی صاحب تو چاہیں گے کہ اپنے دشمنوں کو ایک لحظہ میں فنا کر دیں مگر رب العالمین کی شان اس سے کہیں بلند و برتر ہے۔

سادساً: اللہ تعالیٰ ہر ایک کا دشمن نہیں ہے، بلکہ جو پہلے خود اس کا دشمن بنتا ہے (اس کا دشمن ہے) جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرۃ:۹۸) اس کا جو سوامی صاحب نے ترجمہ کیا ہے اس کا سر ہے نہ پیر۔

قارئین کرام! غور کریں اور ان کا حال دیکھیں کہ انھیں غلط بیانی میں کتنا انند (مزہ) حاصل ہوتا ہے، حالانکہ خود بھومکا (ص ۵۲) میں لکھتے ہیں کہ ''آگے پیچھے نہ دیکھنے والے جاہلوں کو علم کہاں؟

بدیع التفاسیر کی خصوصیات و امتیازات

۱۔ سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ یہ ایک ایسی تفسیر ہے جو کہ ہر طرح سے سلف صالحین اور اہلِ حدیث

کے مذہب کے مطابق ہے۔

۲۔ ایمانی، اعتقادی اور اصولی مسائل میں خالص اور کھرا مسلک اپنایا گیا ہے۔ مثلاً ہر اس قول اور مذہب سے اجتناب کیا گیا ہے جس میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید، انبیاء کرام، ملائکہ، کتب سماوی وغیرہ پر ایمان اور ان کے شان واحترام کے منافی یا ادنیٰ سے ادنیٰ شبہ پایا جاتا ہے۔

مثلاً (۱) سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ میں لام کو بمعنیٰ ''اِلٰی'' کے مانا ہے اور آدم علیہ السلام ایک قبلہ کی حیثیت میں تھے اور اس قول کی تردید کی ہے کہ اُمم سابقہ میں سجدۂ تعظیم حلال تھا۔

(۲) سورۂ یوسف کی آیت: ﴿رایتھم لی سٰجدین﴾ کا بھی یہی معنی کرتے ہیں یعنی ﴿رأیتھم﴾ إلی ﴿ساجدین﴾ اور آیت ﴿وخروا له سجدا﴾ کی بھی یہی تفسیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہاں پر مفسرین سجدہ کی مختلف توجیہات لکھتے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس پر اطمینان ہو۔ ان پر کوئی نہ کوئی اشکال یا اعتراض وارد ہوتا ہے۔

(بدیع التفاسیر ج ۱۵/۵۸۸)

(۳) سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ کی تفسیر میں ہاروت وماروت کو ''الشیاطین'' سے بدل مانتے ہیں۔ وما انزل کی ''ما'' کو نافیہ کہتے ہیں اور اس نظریے کا رد کرتے ہیں کہ ہاروت وماروت نامی دو فرشتوں کو بطور آزمائش بابل شہر میں بھیجا گیا تھا۔ وغیرہ

(۴) سورۃ الانفال کی آیت: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں ومن اتبعك کا عطف لفظ اللہ پر سمجھنے کو غلط کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ عقیدۂ توحید کے خلاف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہاں پر '' حسبك '' کے کاف پر عطف ہے یہی جمہور مفسرین کا قول ہے، مثلاً ابن جریر، ابن کثیر، ابن جوزی، رازی، زمخشری وغیرہم اور امام نحاس بھی اس قول کو اعراب القرآن (ص ۱۹۴ ج ۲) میں راجح قرار دیتے ہیں اور باعتبار

معنی اور عقیدہ کے یہی معنی صحیح ہے اور کہتے ہیں کہ ضمیر مجرور (متصل) پر حرف جارہ کی تکرار کے بغیر عطف کرنا نحویوں کے مختار مذہب کے مطابق جائز ہے۔ اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ دوسری تقدیر یوں ہوسکتی ہے کہ واؤ کا معنی ''مع'' ہے اور من منصوب موضع کاف پر معطوف ہے معنی ہوگا ''آپ کے لئے اللہ تعالیٰ اکیلا کافی ہے اور جو تمھارے پیروی کرنے والے مومن ہیں ان کے لئے بھی وہی اکیلا کافی ہے۔'' تیسری توجیہ بھی کی گئی ہے یعنی مَن موصولہ مع صلہ مبتدا ہے (یوں سمجھنا چاہئے) ''و من اتبعك من المؤمنين فحسبهم الله'' (ج۹، ۲۳، ۲۲۱)

(۵) سورۂ یوسف میں اس نظریے کا رد کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی پیغمبر تھے۔ پھر ان کے گناہ ذکر کرتے ہیں۔ (ج۱۰/ ۳۹۹)

سورۃ البقرۃ کی آیت: ﴿ فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ﴾ کے تحت لکھتے ہیں: ''انبیاءِ کرام صغائر و کبائر دونوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر ان سے بعض افعال سرزد ہوتے ہیں یعنی بھول یا نسیان ہوسکتا ہے۔ (یا بعض اعمال) وہ نیکی کی نیت سے کرتے ہیں اور اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ (ج۲/ ۲۸۲)

(۶) سورۂ یوسف کی آیت: ﴿اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ ؕ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں بعض کہتے ہیں ''انـه'' کی ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور دوسرے کہتے ہیں سید عزیز مصر (یعنی اس عورت کے شوہر) کی طرف لوٹتی ہے مگر پہلا معنی صحیح ہے، کیونکہ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہی کام آتا ہے، اسی لئے انھوں نے کہا: معاذ اللّٰه (اللہ کی پناہ) اور عزیز مصر کو ''ربی'' میرا رب کہنا، یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ یوسف علیہ السلام حقیقت میں اس کے غلام نہیں تھے۔ نیز اللہ کا نبی مخلوق کو اپنا رب کہے یہ بعید از عقل ہے۔ نیز مرجع قریب لفظ اللہ ہی ہے اور عزیز کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔ مجاہد، سدی اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل بعید از عقل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی مخلوق کو اپنا رب کہے، اگرچہ اس سے مراد سردار یا سید (مارک) ہی کیوں نہ ہو... الخ۔

(۷) اس سے اگلی آیت: ﴿ وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ ؕ﴾

کے باب میں عام تفاسیر میں جو من گھڑت اور اسرائیلی روایات آئی ہیں کہ نعوذ باللہ یوسف علیہ السلام نے بھی ابتدا میں برائی کا ارادہ کیا تھا، لیکن جب انھوں نے "برھان" دیکھا تو پھر ہٹ گئے اور نعوذ باللہ برائی کے لئے تیار ہو چکے تھے وغیرہ۔ ان اقوال و روایات اور نظریے کا زبردست اور طویل و مدلل رد کیا ہے اور ترجمہ تقدیم و تأخیر کے حساب سے کیا ہے یعنی اصل میں عبارت اس طرح سمجھنی چاہئے "ولولا ان رأی برھان ربه ھم بھا" یعنی ان کے رب کا برہان نہ ہوتا تو وہ بھی ارادہ کر چکے ہوتے اور برہان کے باب میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان کو بھی غیر صحیح کہا ہے اور کہا ہے کہ برہان سے مراد نبوت ہے، پھر آیات قرآنیہ دلائل کے طور پر لائے ہیں اور پھر کہتے ہیں "نبوت صاحبِ نبوت کے لئے عصمت کی ضمانت ہے اور بحیثیت تقاضائے بشریت یوسف علیہ السلام کا اس امتحان میں بچنا مشکل تھا، لیکن نبوت کا اعزازان کے لئے ضمانت تھا۔ (ج ۱۰۔ ۴۲۵، ۴۳۰) اس طرح کی کئی مثالیں ہیں۔

(۸) اول سے آخر تک توحید و صفات کے مسائل کو سلف صالحین کے مذہب کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور ان مسائل میں غلط استدلال اور غیر سلیم اقوال کا رد کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ اس درجہ اور اس قدر دوسری کسی تفسیر میں آپ کو شاید نہ ملے۔ مجھے اب تک کے بدیع التفاسیر کے مطالعہ سے فقط ایک مسئلہ ملا ہے جس سے متعلق اختلاف رکھا جا سکتا ہے اور وہ ہے سورۃ النساء کی آیت: ﴿لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ﴾ (۱۷۲) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس آیت کی ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ ساری مخلوق میں سے افضل ہیں۔ (ج ۶ ص ۳۶۔ ۵۳۵)

(۹) تفسیر و فقہ کو جمع کر دیا گیا ہے، مثلاً جو آیت یا جزء الآیۃ یا کلمہ کسی مسئلہ پر دلالت کرتا ہے تو اس مسئلے کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ مثلاً آیت سورۃ الفاتحہ کی تفسیر سے قبل "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے تحت تعوذ کے مسائل۔

سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں بسملة بالجھر، قراءۃ الفاتحہ خلف الامام، آمین، شرح الاسماء الحسنٰی، مدرک الرکوع کی رکعت وغیرہ مسائل نہایت تحقیق سے بیان کئے ہیں۔

معزز قارئین! میں نے اپنے ناقص علم کے مطابق اس عظیم تفسیر کے متعلق کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے لائق واہل نہیں ہوں شاید مجھ سے غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہوں اوران غلطیوں کا ذمہ دار مجلۃ ''الحدیث'' نہیں بلکہ میں خود ہوں۔میری اس کاوش سے شاید کسی اہل علم کو اس تفسیر کے متعلق مزید لکھنے کی رغبت ہو۔

میری ٹوٹی پھوٹی اردو زبان جو ادب ولغت کے اصول سے ہٹ کر ہے، لیکن اس عبارت میں بھی امید ہے کی آپ کو کچھ نہ کچھ معلومات تو ضرور حاصل ہو چکی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح عقیدہ، عملِ صالح اور اخلاص کی نعمت سے نوازے۔(آمین)

[الحدیث:۳۹، ۴۰، ۴۸]

حافظ ندیم ظہیر

ماہنامہ ''الحدیث'' کے پانچ سال

میڈیا کے اس دور میں ایسے رسائل و جرائد کی کمی نہیں جو مغربی کلچر کی تشہیر اور اسلامی تہذیب و تمدن کی تردید میں کوشاں ہیں۔ ایسے لٹریچر کی بھی بھرمار ہے جس میں تعلیمات محمدیہ (ﷺ) کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے، اور اپنے آقاؤں کی منشاء سے شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ایسا گھناؤنا پروپیگنڈا کیا کہ اسے تشدد پر مبنی، غیر انسانی اور انتہا پسندی کا دین کا قرار دیا گیا!! حیرت افزا بات یہ ہے کہ اس طرح کا زہر اُگلنے والے لوگوں نے اپنے تئیں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے علمبردار ہونے کا دعویٰ بھی کر رکھا ہے۔

جس طرح کلین شیو اسکالرز اور خشخشی داڑھی والے دانشوروں نے ''دینِ اسلام'' کی ''تجدید'' کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے، اسی طرح جبوں، قبوں والے اور اصحابِ دستار بھی بدعات و خُرافات اور مَن پسند شخصیات و مخصوص نظریات کے ذریعے سے ایک نئے ''دین'' کو متعارف کرانے کے لئے پُرعزم ہیں۔

الغرض! اسلام کے نام پر بہت سے گروہ سر اٹھا چکے ہیں جو لوگوں میں تحریر و تقریر کے ذریعے سے اپنی فکر عام کر رہے ہیں۔ باطل افکار کی روک تھام کے لئے اہلِ حق اپنی استطاعات کے مطابق ہمہ وقت مصروفِ عمل ہیں، لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے مزید تقویت پہنچائی جائے۔ اِسی سوچ کے تحت آج سے تقریباً پانچ سال قبل نامساعد حالات میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی زیرِ ادارت ''الحدیث'' کے نام سے ایک شمع جلائی گئی تھی، جس کی روشنی اب سورج کی کرنیں بن کر ہر سُو چمکا اور دمکا رہی ہے۔

واضح رہے کہ مجلۃ الحدیث ایک عزم، منہج، دعوت اور مشن کا نام ہے جو بڑے احسن انداز سے کامیابی کے راستے پر گامزن ہے اور اس کی کامیابی کا راز ہی یہ ہے کہ اس کی دعوت کھری، سچی اور سچی بلکہ قرآن (احسن الحدیث) کی آواز ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اصحابِ امر ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور بہت اچھا انجام ہے۔ (النسآء:۵۹)

یہ وہ دعوت ہے جس کا اعلان چودہ سو سال پہلے نبی کریم ﷺ نے کیا، آپ نے فرمایا: ((قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها ، لا یزیغ عنها بعدی إلا هالك)) میں تمھیں چمکتی (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں، اس کی رات (بھی) اس کے دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس سے وہی پھرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔

(سنن ابن ماجہ:۴۳ وسندہ صحیح)

یہ وہی دعوت ہے جس کی تبلیغ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس پر رسول اللہ ﷺ عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ مجھے ڈر ہے اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کے امور (احکامات) میں سے کوئی چیز چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (صحیح بخاری:۳۰۹۳، صحیح مسلم:۱۷۵۹)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " أما العالم فإن اهتدٰی فلا تقلدوه دینکم ." عالم اگر سیدھے راستے پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ۱۱۱/۲، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " لا تقلّدوا دینکم الرجال. "
اپنے دین میں آدمیوں کی تقلید مت کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۲، وسندہ صحیح)

یہی وہ دعوت ہے جس پر ائمۂ دین بھی ہمیشہ کاربند رہے۔

امام اہلِ سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کی وہ

شخص ہلاکت کے کنارے پر (گمراہ) ہے۔ (مناقب احمد ص ۱۸۲، وسندہ حسن)

قارئین! ہماری یہ دعوت جہاں عقل پرستوں کو منہجِ سلف صالحین سے آگاہ کر رہی ہے وہاں اکابر پرستوں کے لئے بھی مشعلِ راہ ہے۔ یہ منہج اس قدر واضح اور شفاف ہے کہ تقلید کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں تعصب زدہ مقلدین کی آنکھیں بھی چُندھیا گئی ہیں۔

اپنے ان پانچ سالوں میں قرآن، حدیث اور اجماع کی برتری کے ساتھ ساتھ اہلِ حق (اہلِ حدیث) پر اٹھنے والے اعتراضات کے بھی مسکت و دندان شکن جوابات دیئے گئے، علاوہ ازیں فقہ القرآن، فقہ الحدیث، علمی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین بھی دادِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

قابلِ توجہ: اختلاف رائے ہر کسی کا حق ہے اور ممکن ہے کہ ہمارے طریقۂ کار اور منہج سے بعض لوگ اختلاف رکھتے ہوں، لیکن ایسے حضرات سے عرض ہے کہ وہ اِدھر اُدھر چہ مگوئیاں، دُشنام طرازیاں اور جھوٹا پروپیگنڈا کرنے کے بجائے صحیح منہج پر مدلل لکھیں، لیکن یہ بھی گزارش ہے کہ پہلے ہمارے موقف سے اچھی طرح آگاہی حاصل کریں۔ ''الحدیث'' کے صفحات ان کے لئے حاضر رہیں گے بلکہ کوئی اور صاحبِ قلم و اہلِ علم لکھنا چاہیں تو انھیں بھی مایوس نہیں کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

ماہنامہ ''الحدیث'' کا یہ امتیاز ہے کہ جب حق بات کا علم ہو جائے یا کوئی غلطی کی نشاندہی کرے تو فوراً اصلاح اور حق کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہی ہمارے سلف صالحین کا طرۂ امتیاز تھا۔

قارئین کرام! اگر آپ ہماری دعوت و منہج سے متفق ہیں تو پھر قرآن وسنت کے پھولوں اور کلیوں کی دل آویز خوشبو ''الحدیث'' کو عام کیجئے، ہر گھر کی زینت بنائیے، اللہ تعالیٰ ہمارا اور آپ کا حامی و ناصر ہو اور ہماری ہر دینی کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے۔ (آمین)

و ما علینا إلا البلاغ

[الحدیث: ۴۲]

اہلِ باطل اور مبتدعین کا رد

ابو قاسم محبّ اللہ شاہ

سید محبّ اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کا ایک اہم مکتوب

[تنبیہ: جماعت المسلمین کے نام سے عربیوں کا ایک گروہ ہے جنھوں نے ایک کاغذی خلیفہ بنا رکھا ہے، یہ خلیفہ صاحب کافی عرصے سے انگلینڈ میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ شیخ محترم ابوالقاسم محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ نے یہ خط ان لوگوں کے رد میں لکھا تھا، جسے من وعن بغیر کسی ردوبدل کے شائع کیا جا رہا ہے، تاہم بعض جگہ ضروری حواشی لکھ دیئے ہیں۔]

محترم المقام جناب محترم زبیر علی (زئی) صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد!

مکتوب ملا، ابوایوب (اور) ابوعثمان میرے پاس بھی آئے تھے اور یہی کچھ باتیں بھی کیں، ابوعثمان کو تو پہلے میں نہیں جانتا تھا، لیکن ابوایوب تو ہمارے جانے پہچانے اور مخلص احباب میں سے تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتیں سن کر میں متعجب ہوا اور یہ خیال ہوا کہ اس قسم کا انقلاب ان کے ذہن میں کیسے آ گیا بہرحال **قلوب العباد بيد الله يقلبها كيف يشآء** (**اللهم ثبت قلوبنا على دينك**) آپ کے استفسارات کا جواب مختصراً حسب ذیل ہے۔

میرے ناقص خیال میں پہلا فتنہ اس قسم کا جماعت المسلمین والوں نے پھیلایا اب دوسرے فتنے کا آغاز ان حضرات نے کیا ہے، ان کا مقرر کردہ امیر المومنین یقینی طور پر ہاشمی ہو یا نہ ہو، لیکن جہاں تک کتاب وسنت کا تھوڑا سا علم اللہ تعالیٰ نے راقم الحروف کو عطا فرمایا ہے، اس کی روشنی میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کا طریقہ کار اور سارا معاملہ غلط ہے۔

صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہے آں محترم اس پر تدبر سے نظر ڈالیں تو ان کا سارا معاملہ غلط نظر آئے گا آپ جانتے ہیں کہ اس حدیث میں فتنوں کے دور کا ذکر ہے صحابی رضی اللہ عنہ دریافت کرتا ہے کہ ایسے دور میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**تلزم جماعة المسلمين وإما مهم**)) اس پر

انہوں نے عرض کیا کہ اگر جماعۃ المسلمین اوران کا امام نہ ہوتو پھر کیا کروں؟ جواب ملا کہ ((فاعتزل تلك الفرق كلها)) یعنی پھران سب فرقوں سے الگ ہوجاؤ، اگرچہ تمہیں درخت کی جڑوں کو چبا کر وقت گزارنا پڑے (أو كما قال) اب سوال یہ ہے کہ حدیث میں جو''امام'' کا لفظ آیا ہے اس سے کیا مراد ہے، آیا اس سے مراد عام امیر ہے یا سارے عالم کا امام جسے خلیفۃ المسلمین یا امیر المومنین کہا جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ حدیث کا سیاق اس پر دال ہے کہ امام سے مراد خلیفۃ المسلمین ہے، کیونکہ عام اُمراء تو ایک خلیفہ کی موجودگی میں بھی بہت سے ہوتے ہیں، اس لئے ایک ہی امیر کا لزوم چہ معنی دارد؟ لہٰذا اگر مراد''امام'' سے خلیفۃ المسلمین ہی ہے (اور یقیناً یہی مراد ہے) تو پھر ان لوگوں سے بجا طور پر سوال کیا جاسکتا ہے کہ آپ بتائیں کہ جس وقت آپ نے اپنی اس جماعت کی تشکیل کی اور ایک آدمی کو امیر المومنین بنایا اس وقت سارے عالم اسلام میں اور اس کے کسی خطہ میں مسلمانوں کی جماعت یا اس کا امام تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو آپ کو انہیں ہی لازم پکڑنا تھا نہ کہ اپنی نئی جماعت کی تشکیل کریں! گو اس امام میں کچھ نقص بھی ہوں اور کچھ منکرات کا مرتکب بھی ہو، پھر بھی انہیں کا ساتھ دینا ضروری تھا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے بعد آپ کو ایسے ائمہ سے سابقہ پڑے گا جو معروف ومنکر کاموں میں مبتلا ہوں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:''أفلا ننازعهم'' اور ایک روایت میں ''أفلا نقاتلهم''۔تو جواب ملا:((لا ما أقاموا الصلوة)) لہٰذا جو صحیح طور پر منتخب شدہ امام ہو تو اس میں اگر کچھ منکر اشیاء بھی ہوں تب بھی ان کا ساتھ چھوڑنا نہیں ہوگا جب تک نماز کا قیام وانتظام کرتے رہیں اگر ان کے خیال میں اس وقت عالم اسلام وممالک اسلامیہ کے کسی خطہ میں بھی کوئی امام موجود نہ تھا اور نہ ہی جماعت مسلمانوں کی تھی تو اس صورت میں انہیں سب فرقوں سے معتزل ہوکر اپنی جگہ پر اللہ کی عبادت کرنا چاہئے تھا یا جنگلوں میں اور جبلوں [1] کے غاروں میں جا کر رہنا تھا کہ انہیں درختوں کی جڑوں کو چبانا پڑتا، لیکن انہوں

[1] یعنی پہاڑوں

نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے ارشاد مبارک کے برعکس تیسری صورت اختیار کر لی اور ایک جماعت المسلمین بنائی اوران میں سے ایک امیر المومنین منتخب کرلیا گیا، انہیں اللہ کے رسول ﷺ سے بھی زیادہ علم کی ادعاء ہے؟ جب اللہ کے رسول نے یہ تیسری صورت بیان نہیں فرمائی (ورنہ اگر اللہ کے رسول ﷺ کے خیال میں یہ تیسری صورت ہوتی تو صحابی رضی اللہ عنہ کوفرما دیتے کہ ایسی حالت میں تم خود جماعت بنالواوران میں سے ایک امیر منتخب کر کے اللہ کے احکام جاری کرتے رہو، لیکن ایسا نہیں ہوا) تو انہیں یہ اصلاً حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی جماعت کی تشکیل کریں اوران سے امیر المومنین منتخب کرلیں اور یہ خودساختہ اورادعائیہ تیسری صورت اختیار کریں، چہ جائیکہ وہ اس سے بڑھ کر دوسروں کو بھی مجبور کریں کہ وہ ان کی بیعت میں داخل ہو جائیں یہ سب اللہ کے رسول ﷺ کے ارشاد سے صریح انحراف ہے، باقی ان کا اپنے سوا سب یا سارے عالم اسلام پر کفر کا فتوی یا شرک کا الزام تو یہ نہایت خطرناک طرز عمل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو دوسرے کو کافر کہے اگر واقعتاً وہ کافر نہیں ہے تو خود ہو جائے گا، لہٰذا ایسے فتوی میں متہور جری بے باک ہونا بڑی ہولناک صورت حال ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو جس نے ماشاء اللہ و شاء محمد (ﷺ) کہا ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا:

((أجعلتني لله ندًا قل ماشاء الله وحده أو ماشاء الله ثم ما شئت)) (أو كما قال ﷺ) ایک تو خود ایک غلط طریقہ کار کا (اپنی طرف سے) اختیار کیا، پھر اس پر طرہ یہ کہ اپنے سوا یا جو ان کے ساتھ مل کر ان کے بنائے ہوئے امیر کی بیعت میں داخل ہو (ئے) کے سوا سب کو مشرک و کافر قرار دیا اوران سے قتال کا جواز بھی نکال لیا، فیا للعجب !

چھوٹے چھوٹے امراء کا تو سنت الرسول ﷺ میں سراغ ملتا ہے، دو صحابی مالک بن الحویرث وغیرہ رضی اللہ عنہما آپ سے فیض حاصل کر کے جب واپس ہو رہے تھے تو ان کو ارشاد فرمایا گیا: ((وليؤمكما أكبر كما))

گویا دو آدمی سفر کریں تو ان میں بھی ایک کو امیر ہونا[1] چاہئے، پھر چھوٹے چھوٹے سرایا بھیجتے تو ان کو ارشاد ہوتا کہ وہ امیر کی ضرور اطاعت کریں، ہاں یہ سمجھایا کہ: ((**لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**)) یعنی اگر امیر اللہ تعالیٰ کی معصیت کا امر (حکم) دے تو اس کی اطاعت نہ کی جائے اسی طرح دوسرے شہروں، مثلاً یمن وغیرہ کی طرف بھی امراء مقرر کر کے وہاں ان کو بھیج دیا گیا یہ سب اس لئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ: ﴿ **وتعاونوا على البر والتقوى** ﴾ الآیۃ (المائدۃ:۲)

اور یہ تعاون جماعتی نظم ونسق کے سوا ہوتا نہیں، لہٰذا کوئی جماعت ہو اور اس کا امیر ہوتا، کہ جماعتی کاموں کا بخوبی انتظام وانصرام ہو سکے۔ جو اجتماعی کام ہیں وہ انفرادی طور پر قطعی طور پر انجام نہیں دیئے جا سکتے ایک گھر بھی گھر کے سربراہ کے سوا دوسرے گھر کے افراد کے تعاون کے سوا گھر بھی نہیں چلا سکتا۔ اس بات کو مدنظر رکھ کر کہ چونکہ اس وقت پورے عالم اسلام کا واحد خلیفہ یا امیر المومنین موجود نہیں، لہٰذا چھوٹے پیمانے پر جماعت بنا کر ایک امیر مقرر کر کے اجتماعی کاموں کو بحسن وخوبی انجام دیا جا سکے، اس لئے ہر ملک میں بشمول پاکستان اہل حدیث وغیرہ کی جماعتیں ہیں اور ان کا امیر بھی ہے اور معروف میں ان کی اطاعت بھی ضروری ہے، لیکن خلیفہ کی طرح اس سے بیعت ضروری نہیں۔ جس طرح عہدِ رسالت میں امراء کی اطاعت کا تو حکم دیا جاتا تھا، لیکن اس سے بیعت عام نہیں ہوتی تھی بیعت صرف اللہ کے رسول ﷺ یا ان کی رحلت کے بعد ان کی جگہ پر جو خلیفہ ہو اس کی ہی ہو گی، اب چونکہ ایسا خلیفہ نہیں تو صرف اطاعت معروف کرنی چاہئے باقی یہ جو کہتے ہیں کہ جس کی گردن میں امام کی بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مرے گا یہ صحیح ہے، لیکن جب ایسا

---

① راقم الحروف کے خیال میں خلیفۃ المسلمین کی عدم موجودگی میں امارت کے چکر سے بہتر ہے کہ انفرادی یا اجتماعی طور پر قرآن وحدیث پر خود عمل کیا جائے اور دعوت دنیا میں پھیلتی جائے اور دوسرے صحیح العقیدہ بھائیوں سے پوری شرعی محبت کی جائے، جماعتی تعصب سے اپنے آپ کو بالاتر رکھا جائے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے، یہ چند جملے بطورِ اشارہ لکھ دیئے ہیں۔ زبیر علی زئی

خلیفہ وامام موجود ہو[1]، اگر وہ عالم اسلام کے کسی خطہ میں ہے ہی نہیں تو پھر بیعت آخر کس سے کی جائے؟ لہٰذا حالت (حاضرہ)[2] میں ان شاء اللہ ہم پر میتة جاہلیة کے الفاظ منطبق نہیں ہوں گے (اللھم اھدنا الی سواء الصراط) باقی رہا ''اہل حدیث'' کا لقب تو یہ محض لقب واصطلاح ہے جو اصحاب الرائے وجھمیہ، روافض وغیرہم جو باطلہ[3] فرقے ہیں ان سے امتیاز کے لئے اختیار کیا گیا ہے ویسے ہم والحمدللہ مسلمان (مسلم) ہیں، لیکن اس لقب واصطلاح سے ہم ان باطلہ فرقوں[3] سے ممتاز ہو جاتے ہیں مسلمان تو سب ہیں، لیکن کسی خاص اصطلاح کی وجہ سے اس کی طرف انتساب نہ برا ہے نہ ممنوع نہ غیر مشروع بہت سے مسلمان ہیں، لیکن وہ نحوی، ادیب، لغوی کلامی وغیرہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں، لیکن آج تک کسی نے اس انتساب پر اعتراض نہیں کیا خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ﴾ الآية (سورۃ التوبہ ع۱۳ پ۱۱)

اور ﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ الآية (التوبہ ع۱۴ پ۱۱)

کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ و السابقون الاولون من المسلمین و الذین اتبعوھم باحسان اس طرح المسلمین کے لفظ میں مہاجر وانصار بھی آ سکتے تھے، اسی طرح

....

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے حدیث: ((من مات ولیس له امام ، مات میتة جاهلیة)) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''أتدری ما الامام ؟ الامام الذي يجمع المسلمون عليه ، كلهم يقول هذا إمام ، فهذا معناه '' کیا تجھے پتا ہے کہ امام سے (یہاں) کیا مراد ہے؟ امام (خلیفہ) وہ ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو، ہر مسلمان یہ کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے، یہ ہے اس کا معنی (المسند من مسائل الامام احمد للخلال ق:ا بحوالہ الامامة العظمی عند أهل السنة والجماعة ص ۲۱۶، ۲۱۷)

② اصل میں '' راھنہ'' کا لفظ ہے واللہ اعلم ③ یعنی باطل

لقدتاب اللّٰه علی النبي و المسلمین فرمایا جاتا لیکن نہیں ان سب مسلمانوں کو ان کی صفات کے لحاظ سے مہاجر و انصاری میں منقسم فرما کر ان کی طرف نسبت کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ جس کسی فرد یا جماعت میں کوئی خاص وصف امتیازی ہو تو مسلمون میں شمولیت کے باوصف ان صفات کی طرف ان کا انتساب کوئی معیوب چیز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو بدعت کہا جا سکتا ہے، ورنہ پھر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہم یہ سب کے سب بدعتی ٹھہرتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ خود ان کی کتب سے احادیث و روایات اپنے موقف پر استدلال کرتے رہتے (ہیں) کیا بدعتیوں کی کتب سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں؟ اور وہ بھی ان کی لائی ہوئی احادیث سے؟ اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہم کی کتب میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے ہم مشرب محدثین کو اہل الحدیث واصحاب الحدیث سے یاد کرتے ہیں۔ اور جہاں تک میرا ناقص علم ہے تو میں نے ابتدائی دور اسلام سے لیکر چودھویں صدی ہجری کے تقریباً نصف تک کسی نے بھی اس لقب (اہل حدیث) کو بدعت نہیں کہا[1] یہ کتب تواریخ وسیر آپ کے سامنے موجود ہیں، آپ ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے بلکہ یہ کتب تو یہ لقب اصحاب الرأی سے امتیاز کیلئے اپنی کتب میں ذکر کرتے ہیں تو کیا سب ساڑھے تیرہ صدیوں کے محدثین، فقہاء، ائمہ اسلام، مؤرخین، اصحاب السیر احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام پر کتب لکھنے والے بلکہ اور بھی سب مسلمان بدعتی ہی تھے؟ کہنے سے کوئی من چلا اس قسم کی بات منہ سے نکال تو سکتا ہے، اس کو دنیا کے سارے عقلاء کیا کہیں گے، گویا اسلام کی تاریخ میں اتنا بڑا دور جو ساڑھے تیرہ سو سال تک جا پہنچا ہے بدعتیوں کا مجموعہ تھا اور آج یہ مٹھی بھر مدعیان بدعت سے آزاد ہو کر اب صحیح اسلام پا چکے ہیں، آپ ہی سوچیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

نتیجہ سے بے پروا ہو کر اس طرح بے تحاشا بے پر کی بات کہنا اور بچوں کی بڑھ بکنا

---

[1] اہل الحدیث لقب کے جائز ہونے پر محدثین کرام اور تمام سلف صالحین کا اجماع ہے اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ اجماع شرعی حجت ہے۔

انہیں کو مبارک ہو، علاوہ ازیں صحیح حدیث میں ((هو سماكم المسلمين والمؤمنين)) بھی آیا ہے تو وہ کیوں اپنے کو جماعت المومنین نہیں کہتے؟ میرے خیال میں یہ سب اتباع ھوی[1] ہے جو شیطان نے ان کو مزین کر کے دکھایا ہے اور وہ اس پر بے لگام و بغیر کنٹرول واحتیاط کے سرپٹ دوڑے جارہے ہیں، فإلى الله المشتكى ، بالجملہ اہل حدیث کوئی فرقہ نہیں یہ محض لقب واصطلاح ہے جس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ہاں، اگر کسی جماعت نے اپنی طرف سے غلطی کی وجہ سے جماعت کو فرقہ بندی کا رنگ دے دیا ہے تو وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں، لیکن سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا عقل مندی نہیں ہے، میرے پاس ابوایوب آئے تھے اور بہت سی باتیں اپنے رنگ میں کہیں کہ میں غلط فہمی سے کچھ ان سے متاثر ہوا، لیکن ان کے جانے کے بعد میں نے جو اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثوں پر غور وفکر کیا تو سارا معاملہ صاف ہوگیا، اور وہ وعدہ کر گئے تھے کہ کراچی سے دو تین دن کے بعد وہ واپس میرے پاس آئیں گے تو میں نے ان پر بھروسا کر کے یہ بات دل میں رکھی کہ جب وہ آئیں گے تو ان کو یہ باتیں بتائی جائیں گی، لیکن کافی عرصہ گزر گیا وہ ابھی تک واپس نہیں آئے۔ واللہ اعلم آئیں گے بھی یا نہیں۔

بہر حال جو علم اللہ نے مجھ احقر العباد کو عطا فرمایا ہے اس کی روشنی میں میں (نے) آپ کے استفسارات کا جواب دے دیا ہے اگر صحیح ہے تو وہ من عند اللہ ہیں اور اسی وحدہ لا شریک لہ کا احسان وکرم وفضل ہے اور بصورت دیگر یہ غلط ہیں تو میرے نفس کی خطاء ہے۔

والانسان مركب من الخطاء والنسيان ، وآخر دعوٰنا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه اجمعين إلى يوم الدين (آمين)

والسلام

احقر العباد، اخوکم : ابوقاسم محبّ اللہ شاہ عفاء اللہ عنہ

۲۰۔۵۔۱۴۱۴ھ ، ۹۳۔۱۱۔۶ م

[الحدیث:۱]

[1] خواہش پرستی

فضل اکبر کاشمیری

حُبّ ِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا تقلید ڈاکٹر مسعود؟

مسعود احمد بی ایس سی تکفیری ، بانی جماعت المسلمین رجسٹرڈ کراچی کی طرح ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کا تعلق بھی ایسے لوگوں سے تھا جو خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب کے منکرات وسیئات میں سے عذاب قبر کا انکار اور سلف صالحین کی گستاخیاں سرفہرست ہیں ۔ امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو کافر کہتے تھے ۔ اسی سلسلہ میں حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے موصوف سے '' مناظرہ '' کیا لیکن مسعود صاحب جب کوئی جواب نہ دے سکے تو راہ فرار ہی میں عافیت سمجھی '' فرقہ مسعودیہ :۲ '' ہی کے کچھ اوہام وفریب واضح کرنے کے لیے محترم فضل اکبر کاشمیری نے قلم اٹھایا ہے جو پیش خدمت ہے ۔ [ابوثاقب محمد صفدر حضروی]

بحیثیت مومن ومسلم حق پرستی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان خالی الذہن ہوکر قرآن وسنت کا مطالعہ کرے پہلے سے کوئی نظریہ قائم نہ کرے، پھر قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں جو حق واضح ہو جائے اس کے سامنے سر تسلیم خم کردے،لیکن گمراہ فرقوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ پہلے خودساختہ اصول وضع کر لیے جاتے ہیں، اپنا ایک خودساختہ نظریہ قائم کرلیا جاتا ہے ۔ پھر کتاب وسنت سے اس کے حق میں دلائل تلاش کیے جاتے ہیں ، جو دلائل ان کے وضع کردہ اصولوں پر ٹھیک نہ بیٹھیں اُن کا انکار کر دیا جاتا ہے،اور اپنے باطل نظریہ کی تائید میں ضعیف روایات کا سہارا لینے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا ۔

ان گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ '' کیفیت عذاب قبر'' کے مصنف ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کا ہے ۔ انہوں نے بھی یہی کام کیا، صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف کو صحیح باور کرانے کی کوشش کی ۔ صحیح احادیث میں دوراز کار تاویلات کیں ۔ اپنے نظریہ کی حمایت میں ضعیف روایات پیش کیں ۔ قرآنی آیات میں من مانی تاویلات کرکے احادیث کا مذاق اڑایا ۔ ان

کے ایک ذیلی فرقہ (المسلمین) نے نزول عیسیٰ، دجال، امام مہدی، جادو کی تاثیر، نظر کا لگ جانا، ایصال ثواب اور عذاب قبر وغیرہ کا انکار کیا، اوران میں تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے۔ دوسری طرف ہمارا منہج بالکل واضح ہے یعنی: ''صحیح وحسن روایات سے استدلال اور ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب''۔

عقائد اسلام میں سے ایک اہم عقیدہ عذاب القبر ہے ۔ یہ عقیدہ صحیح اور متواتر احادیث سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔اس فرقہ مسعودیہ نے عذاب القبر کی صحیح وصریح اور متواتر احادیث میں ناجائز اور بھونڈی تاویلات کر کے ایک نیا نظریہ پیش کیا۔

اسی طرح قرآنی آیات، صحیح اور متواتر احادیث اور اجماع المسلمین سے نزول مسیح علیہ السلام کا اثبات ہوتا ہے۔ان احادیث کو بھی فاسد وتاویلات کی بھینٹ چڑھایا گیا۔اسی طرح جادو سے متعلق صحیحین کی احادیث کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ ہے۔

طاعات (دینی امور) پر وظیفہ لینے کو بھی یہ حضرات حرام سمجھتے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ایسے علماء کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز نہیں جو وظیفہ لیتے ہیں۔اس سلسلہ میں جو صحیح احادیث بخاری ومسلم اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں اوران سے اجرت کا جواز ثابت ہوتا ہے، ان میں محدثین کے اصول سے ہٹ کر باطل تاویلات کرتے ہیں اور عدم جواز کیلئے ضعیف روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

حدیث کی بابت استہزاء کی مثال

حدیث مسلم میں آتا ہے کہ ''جو شخص سورۃ الکھف کی ابتدائی دس (۱۰) آیات یاد کرے گا وہ دجال کے فتنے سے بچالیا جائے گا۔'' (صحیح مسلم: ۸۰۹/۲۵۷)

قرآنی آیات کی فضیلت والی اس حدیث کا یوں تمسخر اڑایا گیا:

''للہ قرآن اٹھا کر سورۂ کہف کی ابتدائی ۱۰ آیات پڑھ کر دیکھیں، ان میں کون سی چیز دجال سے بچنے میں معاون ہے۔'' (سحر کیا ہے؟ ص ۲۸)

جس طرح یہ لوگ عقائد میں افراط وتفریط کا شکار ہیں اسی طرح اعمال میں بھی ان کا یہی طرز عمل ہے یعنی صحیح احادیث کو ضعیف اور ضعیف احادیث کو صحیح کہنا۔ اس کی صرف دو (۲) مثالیں قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں:

ان کے رسالے ''حبل اللہ'' میں سعید احمد صاحب نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی سیرت پر ایک مضمون لکھا ہے جس میں اہل الحدیث پر کافی طنز و تشنیع کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر موصوف لکھتے ہیں: '' قابل غور بات یہ ہے کہ محدثین اور ماہرین رجال تو جرح و تعدیل کو تابعین تک ہی محدود رکھتے ہیں جبکہ یہ فرقہ پرست، تقلید اعمیٰ اور ذہن پرستی کا شکار تمام اخلاقی حدود پھلانگ کر ایک جلیل القدر صحابی کی تنقیص اور عظیم المرتبت فقیہ کی کردار کشی سے بھی باز نہیں رہتے۔ مسلکی عصبیت نے ان کو بالکل اندھا کر دیا ہے...... ہر چند کہ یہ الزام تراشیاں مسلکی بغض وعصبیت ہی کا غیر سنجیدہ مظاہر ہیں اور اس لائق نہیں کہ اس پر علمی بحث کی جائے پھر بھی مغالطہ آرائی اور اصحاب رسول ﷺ پر لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے لیے شیطانی مہم کا سد باب ہونا چاہئے۔'' (حبل اللہ ص ۱۶، ۱۷)

آگے چل کر موصوف رقم طراز ہیں: '' عدم رفع الیدین کی دلیل میں بھی متعدد روایات ہیں جن میں جامع ترمذی کی مندرجہ ذیل روایت بہت واضح اور صریح ہے۔'' (ص ۱۹)

اسی طرح اس فرقہ کا ایک پاکٹ سائز کتابچہ ہے ''الصلوۃ'' اس میں بھی یہ ضعیف روایت نقل کی گئی ہے۔ جبکہ اس کے پیش لفظ میں اس پاکٹ سائز کتابچہ کے متعلق یہ بھاری بھرکم الفاظ استعمال ہوئے ہیں: '' چنانچہ ایمان خالص کی دعوت کو قبول کر کے اس مشن کا ساتھ دینے والوں کو ایسی کتاب الصلوۃ کی اشد ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے'' (ص ۲)

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مختصر تحقیق

'' عن علقمة قال قال عبداللہ بن مسعود: ألا أصلي بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه إلا في أول مرة '' جناب علقمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ

(سیدنا) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ بتاؤں؟ پس انہوں نے نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ کے علاوہ ہاتھوں کو نہیں اٹھایا۔

(جامع الترمذی ۱/ ۵۹ ح ۲۵۷)

الجواب: اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، لیکن جمہور محدثین کرام نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ضعیف اور غیر ثابت قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے: "**قد ثبت حديث من يرفع و ذكر حديث الزهري عن سالم عن أبيه ولم يثبت حديث ابن مسعود أن النبي لم يرفع يديه إلا في أول مرة**" یقیناً رفع یدین کی حدیث ثابت ہے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر ثابت ہے جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ کے علاوہ رفع الیدین نہیں کیا۔ (۱/ ۵۹ ح ۲۵۶)

بعض لوگوں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی اس جرح کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہٹانے کی کوشش کی ہے، لیکن درج ذیل محدثین نے اس جرح کو اسی روایت سے متعلق قرار دیا ہے۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی (التلخیص الحبیر ۱/ ۲۲۲) ابن الجوزی (التحقیق ۱/ ۲۷۸) امام نووی (المجموع ۳/ ۴۰۳) ابن قدامہ (المغنی ۱/ ۲۹۵) وغیرہم

اس کے علاوہ امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ، امام دارقطنی رحمہ اللہ، حافظ ابن حبان رحمہ اللہ، امام ابو داود رحمہ اللہ، امام بخاری رحمہ اللہ، امام یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ، ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ، امام حاکم رحمہ اللہ، امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہم سب نے اس حدیث پر شدید جرح کی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: التمہید لابن عبدالبر، التلخیص الحبیر، المجموع شرح المھذب اور تہذیب السنن (اور نور العینین ص ۱۱۵۔۱۱۹) وغیرہ۔

اس روایت میں دوسری علت یہ ہے کہ اس کو امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے معنعن

بیان کیا ہے، اگر چہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ثقہ ثبت اور عظیم محدث ہیں، لیکن آپ مدلس بھی تھے اور ضعفاء تک سے تدلیس کیا کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال ۱۶۹/۲ سیر اعلام النبلاء ۷/ ۲۷۴)

اور مدلس اپنی بیان کردہ روایت میں جب تک سماع کی تصریح نہ کرے تو اس کی وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۹ الکفایہ ص ۳۶۲)

اور اس روایت کی کسی بھی سند میں سماع کی کہیں بھی تصریح موجود نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی محفوظ روایت

سفیان ثوری کی اس روایت پر محدثین نے سخت جرح کی ہے، جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی محفوظ اور اصل روایت وہ ہے جو امام عبداللہ بن ادریس رحمہ اللہ کی سند سے مروی ہے۔ (دیکھئے جزء رفع الیدین محقق ص ۵۸ ح ۳۳)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ بخاری نے کہا: ''محقق علماء کے نزدیک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سے یہی روایت محفوظ ہے۔''

اس روایت کو ابن خزیمہ (۱۹۶) دارقطنی (۳۳۹/۱) اور ابن الجارود (۱۹۶) نے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم (۵۳۴) میں اس کا ایک شاہد بھی ہے۔

موصوف نے ترک رفع الیدین والی ضعیف روایت پیش کر کے اہل حدیث پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے۔ اہل الحدیث کا جرم یہ ہے کہ وہ اس ضعیف روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر بارہ (۱۲) صفحات کا مضمون لکھ کر غلط تاثر دینے والا (سعید احمد) اور اس کا برزخی ٹولہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت پر عمل کرتا ہے یا نہیں؟ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے اس روایت پر علمی بحث کی ہے۔ (دیکھئے نور العینین ص ۱۱۹ تا ۱۳۳)

حافظ صاحب نے متعدد دلائل سے حدیث الثوری بسندہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا

ضعیف ومردود ہونا ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''یہ حدیث علت قادحہ کے ساتھ معلول ہے اور سنداً اور متناً دونوں طرح سے ضعیف ہے۔'' (ص ۱۱۹)

اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ، امام ابن حزم رحمہ اللہ، علامہ البانی رحمہ اللہ، علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس کی تصحیح یا تحسین کی ہے، لیکن بیس سے زیادہ ائمہ حدیث نے اس روایت کی تضعیف کی ہے اور ان کی تحقیق ہی راجح ہے۔

دوسری مثال: حبل اللہ کے ایک اور شمارے میں صلوۃ التسبیح کو عجوبہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''.....یہ روایت ایک عجوبہ ہی معلوم ہوتی ہے کہ ہر روز سے لے کر عمر میں صرف ایک مرتبہ کر لینے تک کی چھوٹ اور عمر میں صرف ایک مرتبہ صلوۃ التسبیح ادا کر لینے سے اگلے پچھلے عمر بھر کے سارے ہی گناہ معاف ہو جائیں خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ عمداً ہوں یا سھواً وغیرہ!''

صلوۃ التسبیح کی حدیث کی تحقیق

یہ حدیث سنن ابی داود (ابواب التطوع، باب صلوۃ التسبیح حدیث: ۱۲۹۷) اور سنن ابن ماجہ (اقامۃ الصلوۃ، باب ماجاء فی صلوۃ التسبیح حدیث: ۱۳۸۶) میں موجود ہے۔

امام ابن خزیمہ (حدیث ۱۲۱۶) اور حاکم (۳۱۸/۱) نے اسے صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کثرت طرق کی بنیاد پر حسن درجہ کی ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام حاکم اور حافظ ذہبی نے اس حدیث کی تقویت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حق ہے، کیونکہ اس کے بہت سے طرق ہیں۔ علامہ مبارک پوری اور شیخ احمد شاکر نے بھی اسے صحیح حسن کہا ہے۔ جبکہ خطیب بغدادی، امام نووی اور ابن الصلاح نے اسے صحیح کہا ہے۔ اسے ابوبکر الآجری نے (الترغیب والترھیب ۴۶۸/۱) ابوالحسن المقدسی اور ابوداود وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ تفصیل کے لیے حافظ زبیر علی زئی صاحب کی کتاب ''نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داوٗد'' دیکھیں۔

اس حدیث کے ایک راوی (موسیٰ بن عبدالعزیز) کو صاحب مضمون نے مجہول بتلایا ہے، لیکن موسیٰ بن عبدالعزیز سے ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے۔ ابن معین، نسائی، ابوداود، ابن شاہین وغیرہم جمہور نے ان کی توثیق کی ہے۔ صرف ابن المدینی اور السلیمانی کی جرح ملتی ہے جو کہ جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لہٰذا موسیٰ بن عبدالعزیز ''حسن الحدیث'' ہیں۔ صلوۃ التسبیح کے بارے میں دو اور احادیث بھی قابل حجت ہیں۔

۱: حدیث (جابر بن عبداللہ) الانصاری رضی اللہ عنہ۔

۲: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

(ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ شہادت ستمبر ۱۹۹۹ء ص ۳۷، ۳۸۔ تفصیلی بحث کے لیے الترشیح لبیان صلوۃ التسبیح مع التخریج و کتب الرجال دیکھئے)

انتہائی اختصار کے ساتھ ''فرقہ مسعودیہ : ۱ '' کے چند فریب واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو یہ حضرات اپنے خودساختہ نظریے کے دفاع میں پیش کرتے ہیں۔ [الحدیث:۱۲]

فضل اکبر کاشمیری

ان تازہ خداؤں میں سب سے بڑا حزبیت ہے

اسلام میں فرقہ بندی کی سخت ممانعت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠﴾

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (آل عمران:۱۰۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب لوگ اگر مل کر اللہ کی رسی (قرآن و حدیث) کو مضبوطی سے تھام لیں تو فرقہ بندی کی لعنت سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ اس امت میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں کہ جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر دینے کا سبب بنے ہیں۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر صرف قرآن وحدیث کی پیروی کرے تو اس نے صراطِ مستقیم اور منزلِ مقصود کو پالیا۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو امتِ واحدۃ دیکھنا چاہتا ہے، لیکن لوگ اس امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ﴾ ”یہ تمہاری امّت (حقیقت میں) ایک ہی امّت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو (مگر) لوگوں نے آپس میں دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا۔ سب ہماری ہی طرف پلٹنے والے ہیں۔“ (الانبیاء:۹۲، ۹۳)

دوسرے مقام پر اللہ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقہ فرقہ بن گئے ان سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ تو بس اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔ (الانعام:۱۵۹)

اختلافات اور فرقہ بندیوں کی طویل تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اگر امّتِ

مسلمہ کو بھی اس فرقہ بندی سے دور رہنا ہے تو اُسے قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامنا ہوگا۔ یادر کھئے کہ اتحاد واتفاق میں برکت ہے جبکہ اختلاف وانتشار اور فرقہ بندی اس امّت کے لئے لعنت اور ذلت کا سبب ہے اور ایسا کرنے والوں کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب موجود ہے۔ مذکورہ آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے بدعتی فرقے اور اصحاب الاھواء مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلَى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًاوَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴾ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اُوپر سے عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں فرقہ فرقہ بنا کر ایک دوسرے سے اُلجھا دے اور آپس کی لڑائی کا مزا چکھائے (اے رسول!) آپ دیکھئے ہم (کس کس طرح الفاظ) بدل بدل کر اپنی آیتوں کو بیان کرتے ہیں، تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔ (الانعام:۶۵)

محترم قارئین! فرقہ بندی کی تاریخ دیکھ لیجئے، یہی چیز نمایاں طور پر سامنے آئے گی کہ جب شخصیات کے نام پر دبستانِ فکر معرضِ وجود میں آئے تو اطاعت وعقیدت کے مرکز ومحور (قرآن وحدیث) تبدیل ہوگئے۔ اپنی اپنی شخصیات اور ان کے اقوال وافکار اولین حیثیت کے اور اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فرمودات ثانوی حیثیت کے حامل قرار پائے۔ اور یہیں سے امّتِ مسلمہ کے افتراق کے المیے کا آغاز ہوا، جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا اور نہایت مستحکم ہوگیا۔ فتنہ کے موجودہ دور میں ہر مقام پر نئی نئی جماعتیں معرضِ وجود میں آرہی ہیں۔ اگر جماعت سازی قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی تو یہ ایک مستحسن عمل ہوتا، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر روز نئے نئے فرقوں کا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ ہم قرآن وحدیث کے محکم دلائل کی روشنی میں اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ حزبیت (تنظیم سازی) ایک خلاف شریعت عمل اور تمام مفاسد کی جڑ ہے۔ حزبیت اور گروہ بندی اسلام کے خلاف ایک

خطرناک سازش سے کم نہیں۔ایسی جماعتیں عصبیت کا شکار ہو جاتی ہیں اوران کے ہاں محبت کی بنیاد جماعتی عصبیت ہوتی ہے اور لوگوں کو بھی صرف جماعتی عصبیت کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور جو شخص امیر کا جس قدر فرمان بردار ہوتا ہے اسے اس کی فرمانبرداری کے مطابق ہی جماعت میں مقام ملتا ہے۔حالانکہ ان امراء کی اطاعت نہ فرض ہے نہ سنت اور نہ مستحب۔اس لئے یہ گروہ اور فرقے اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقابلے میں بُت ہیں۔چنانچہ آج جو کام ہو رہا ہے وہ تنظیموں کی خاطر ہے، اللہ کی رضا کی خاطر نہیں۔ اِلاّ من رحم ربك

افتراق کا سبب دو چیزیں ہیں، عہدہ کی محبت یا مال کی محبت۔سیدنا کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما ذئبان جائعان أرسلا في غنم بأ فسدلهامن حرص المرء على المال والشرف لدينه)) دو بھوکے بھیڑیئے، بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنا نقصان نہیں کرتے جتنا مال اور عہدہ کی حرص کرنے والا اپنے دین کے لئے نقصان دہ ہے۔

(الترمذی:۲۳۷۶ وھو حسن)

اگر مال اور عہدہ کی محبت کے بجائے اللہ کا خوف ہو گا تو تنظیمیں نہیں بن سکتیں۔الحاصل موجودہ کاغذی اور نظام امارت والی جماعتوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔یہ عصر حاضر کا بہت بڑا فتنہ ہے۔یہ معاملہ شرعی اعتبار سے بڑا نقصان دہ اور خطرناک ہے۔ اس سے عقیدہ الولاء والبراء مجروح ہوتا ہے۔جس طرح حنفیت، شافعیت، مالکیت اور حنبلیت امت کو تقسیم کر رہی ہیں۔اسی طرح حزبیت کے بھی اہلِ علم نے متعدد شرعی نقصانات لکھے ہیں، لہٰذا جماعتی تعصب سے اپنے آپ کو بالاتر رکھ کر دوسرے صحیح العقیدہ بھائیوں سے بھرپور شرعی محبت کی جائے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

[الحدیث:۲۱]

ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی

بے اختیار خلیفہ کی حقیقت

جناب تنویر اختر صدیقی صاحب کی طرف سے ''خلیفہ والی جماعت'' کے متعلق ایک سوالنامہ موصول ہوا، چنانچہ اس سوالنامہ کے جوابات سے پہلے چند گزارشات پیش خدمت ہیں، تا کہ اس وضاحت سے اس نو وارد فتنہ کو سمجھنے میں مدد مل سکے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا اَوْيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا.))

(نیک) اعمال میں جلدی کرو ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں اٹھے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا یا شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا، کیونکہ وہ اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا۔ (مسلم ترقیم دارالسلام ح ۳۱۳ کتاب الایمان، الترمذی ح ۲۱۹۵، مسند احمد ۲/۳۰۴، ۵۲۳، مشکوٰۃ المصابیح ح ۵۳۸۳، ابوعوانہ ۱/۵۰)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فتنوں کے دور میں ایمان کو بچانا اور اسے محفوظ رکھنا ایک مشکل کام ہوگا، کیونکہ ایسے فتنے سرگرم عمل ہو جائیں گے جو اَھْوَاء (نفسانی خواہشات) کے تابع ہوں گے اور اہواء کے مطابق قرآن وحدیث کا مطلب بیان کریں گے اور اس سلسلہ میں عقل اور فلسفہ کا سہارا بھی لیں گے اور اس طرح وہ باطل فرقوں کی بھرپور ترجمانی کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے تہتر فرقوں کا ذکر فرمایا جن میں بہتر جہنمی ہوں گے اور ایک جنتی، اور وہ جنتی (فرقہ) الجماعۃ (اہل حق کی جماعت) ہوگی، اس حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں: ((وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلَبُ لِصَاحِبِهِ وَقَالَ عَمْرٌو : اَلْكَلَبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقٰى

مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ)) میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن میں اہواء (نفسانی خواہشات کی پیروی) ایسے سما جائے گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹنے سے ہڑک کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ (اس حدیث کے راوی) عمرو بن عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہڑک کی بیماری انسان کی ہر رگ اور جوڑ میں سما جاتی ہے یعنی کوئی رگ اور جوڑ اس سے محفوظ نہیں رہتا۔"

(ابوداود کتاب السنۃ ح ۴۵۹۷، الصحیحۃ ح ۲۰۴، المستدرک ۱/۱۲۸، مسند احمد ۴/۱۰۲، الدارمی ۲/۲۴۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس امت میں ایسی جماعتیں اور فرقے پیدا ہو جائیں گے جو اہواء (نفسانی خواہشات) کے غلام ہوں گے اور یہ خواہشات ان کے رگ و پے میں اس طرح داخل ہو جائیں گی جیسے ہڑک کی بیماری انسان کے رگ و ریشہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ قرآن وحدیث کے وہ معنی ومطالب بیان کریں گے جن کا تقاضا ان کی نفسانی خواہشات کریں گی، اسی طرح یہ فرقے قرآن وحدیث کے معنی ومطالب کو بگاڑ دیں گے اور اصل دین سے دور ہو جائیں گے۔ اور لوگوں کو باور کروائیں گے کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں بس وہی قرآن وحدیث ہے اور جو لوگ ان کی آراء سے اختلاف کریں گے انہیں وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج (یا فاسق وفاجر) قرار دیں گے۔

ماضی میں اس کی مثالیں خوارج، روافض، جبریہ، قدریہ، مشبہہ، معطلہ وغیرہ باطل فرقے ہیں اور موجودہ دور میں بہت سی جماعتیں اسی مشن پر رواں دواں ہیں، مثال کے طور پر منکرینِ حدیث کے مختلف فرقے، منکرینِ عذابِ قبر، عثمانی برزخی فرقہ، جماعت المسلمین رجسٹرڈ وغیرہ، یہ فرقے بھی قرآن وحدیث میں تحریف کر رہے ہیں اور ان کے خود ساختہ معنی ومطالب بیان کرتے ہیں اور انسانی خواہشات کے بُری طرح غلام بن چکے ہیں۔ نفسانی خواہشات کے متعلق قرآن کریم کی بعض آیات ملاحظہ فرمائیں۔

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴾

پھر کیا تم نے اس شخص (کا حال بھی) دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا الٰہ بنا لیا اور اللہ نے، علم کے باوجود اسے گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اللہ کے بعد اب کون اسے ہدایت دے گا؟ کیا تم لوگ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔'' (الجاثیۃ:۲۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنی خواہشاتِ نفس کا پیروکار بن جائے تو وہ علم کے باوجود گمراہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دے گا اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے گا۔ ایسے شخص کو اللہ کے سوا اب کون ہدایت دے سکتا ہے؟

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ﴾

اور اگر تم نے اس ''العلم'' کے بعد بھی جو تمہارے پاس آ چکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تب تمہارا شمار یقیناً ظالموں میں ہوگا۔ (البقرۃ:۱۴۵)

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ آپ صرف اس ''العلم'' یعنی قرآن وحدیث کی پیروی کریں جو اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے قرآن وحدیث کو چھوڑ کر ان لوگوں کی نفسانی خواہشات پر عمل کیا تو اس وقت آپ کا شمار بھی ظالموں میں ہوگا۔ گویا پوری امت کو آگاہ کر دیا گیا کہ قرآن و حدیث کی پیروی ضروری ہے اور نفسانی خواہشات سے دور رہنا بھی از حد ضروری ہے۔

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ اور اگر حق ہی ان کی خواہشات کا پیرو ہو جائے تو زمین وآسمان اور ان کے درمیان ہر چیز درہم برہم ہو جائے حق تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں ان کی نصیحت پہنچا دی ہے، لیکن وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔

(المؤمنون:۷۱)

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ (المتوفی ۷۳ھ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ستفترق أمتي على بضع و سبعين فرقة اعظمها فرقة قوم يقيسون الأمور

برأيهم فيحرمون الحلال ويحللون الحرام .)) میری امت ستر سے کچھ زائد فرقوں میں بٹ جائے گی ، ان میں سب سے زیادہ افتراق کرنے والی وہ قوم ہو گی جو (دینی) امور میں اپنی رائے کو داخل کرے گی ، پس حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے گی۔

(المستدرک ۴/۴۳۰، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۸/۵۱، وقال حمدی عبدالمجید السّلفی: ومن طریقه رواه الخطیب فی الفقیه والمتفقه ۱/۱۷۹، ۱۸۰، ورواہ الخطیب ایضاً فی تاریخ بغداد ۱۳/۳۰۷، ۳۱۱ من طرق متعددة ورواه البیهقی فی المدخل ح ۳۵۳۴ وابن عبدالبر فی جامع بیان العلم ۲/۱۶۳، وابن حزم فی الرسالة الکبریٰ فی ابطال القیاس والبزار ۱/۱۷۲ کشف الاستار وقال فی المجمع ۱/۱۷۹: "ورجاله رجال الصحیح" ورواه الحاکم ۴/۴۳۰ ح ۸۳۲۵، وصححه علی شرط الشیخین، حاشیة المعجم الکبیر للطبرانی ۱۸/۵۰) [وهو حدیث حسن]

اوران پر رسول اللہ ﷺ کا ارشاد بالکل صادق آتا ہے۔ **عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالمًا اتخذ الناس رؤوسًا جهالاً فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا))** عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "بے شک اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانہ میں) اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ لوگوں کے دل و دماغ سے اس کو نکال لے بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء (حق) کو اٹھا لے گا حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے اور ان سے دین کی باتیں پوچھیں گے اور وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔" (بخاری: ۱۰۰، مسلم: ۲۶۷۳ وترقیم دارالسلام: ۶۷۹۶)

باطل فرقوں کی ریشہ دوانیاں

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کو دین حق دے کر مبعوث فرمایا، تاکہ اس دین حق یعنی اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ کو یہ بات منظور نہیں۔ وہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا، خواہ یہ بات کافروں کو کتنی ہی بری لگے۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اس دین کو سب ادیان پر غالب کر دے، خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔ (التوبۃ: ۳۲، ۳۳)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار و مشرکین، اسلام کے نور کو بجھانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، لیکن وہ اللہ کے دین کو کبھی مٹا نہیں سکتے، کیونکہ یہ دین دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں۔

کفار و مشرکین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ جسے منافقین کہا جاتا ہے اس نے بھی اسلام کو نقصان پہنچانے اور مٹانے کے لئے خفیہ پروگرام مرتب کئے اور اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، منافقین نے ہمیشہ آستین کے سانپ کا کردار ادا کیا۔ اور انھوں نے اسلام کو کفار و مشرکین سے بھی زیادہ نقصان پہنچایا۔ اور اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات تک کو بدلنے کی مکروہ کوششیں کیں اور اسلام کے خلاف ایسی سازشیں کیں کہ جس کی وجہ سے لوگوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا گیا۔ اور ایسی ایسی باتیں مشہور کی گئیں جس کا حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ مثلاً یہ کہ خلافت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کی وصیت فرما دی تھی اور آپ وصیِ رسول تھے، لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے خلافت چھین لی تھی اور اسی طرح یہ بات کہ ''تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) سوائے تین صحابہ کرام کے اور ظاہر بات ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی مسلمان نہ رہے تو پھر ان کا پیش کردہ قرآن و حدیث کب درست اور حق ہو سکتا ہے؟ اس طرح ان منافقین نے شجر اسلام کی جڑیں کاٹنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس فرقہ کے علاوہ ایک

دوسرا فرقہ بھی معرض وجود میں آیا جسے خوارج کہا جاتا ہے۔اس فرقہ نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور قرآن کریم کو ماننے کا زبردست دعویٰ کیا،لیکن احادیث رسول کا انکار کر دیا۔اور توحید کا تو ایسا زبردست نعرہ لگایا کہ انہیں اپنے خود ساختہ نظریات کے علاوہ ہر چیز شرک نظر آنے لگی، اِنِ الْحُکْمُ اِلا للّٰہ (حکم صرف اللہ کا چلے گا) کا نعرہ بلند کر کے انہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی مقدس ہستیوں کو بھی کافر قرار دے ڈالا اور بالخصوص سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا کافر کہا۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس استدلال کے متعلق فرمایا تھا:''كلمة حق أريد بها باطل ''(یہ) کلمہ حق ہے،لیکن ان کا ارادہ اس سے باطل ہے۔ (مسلم:۱۰۶۶/۱۵۷وترقیم دارالسلام:۲۴۶۸)

یعنی انھوں نے اس کا مفہوم غلط اخذ کر لیا ہے اور اسی غلط مفہوم کو وہ دوسروں پر بھی مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

تکفیری فرقہ خوارج کے خدوخال

اس تکفیری فرقہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشن گوئی فرمائی:

(۱) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:((**يخرج قوم من أمتي يقرء ون القرآن ليس قراء تكم إلى قراء تهم بشيء ولا صلٰوتكم إلى صلوتهم بشيء ولا صيامكم إلى صيامهم بشيء يقرؤن القرآن يحسبون أنه لهم وهو عليهم لا تجاوز صلوتهم تراقيهم يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية**)) میری امت سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے ایسا کہ تمہارا قرآن پڑھنا ان کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہ رکھے گا اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے مقابلے میں کچھ اہمیت رکھے گی اور نہ تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں کچھ حیثیت رکھیں گے وہ قرآن پڑھ کر یہ سمجھیں گے کہ قرآن ان کے لئے حجت ہے، جبکہ قرآن ان کے خلاف حجت ہوگا۔نماز ان کے حلق

سے نیچے نہیں اترے گی وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ (مسلم:۱۵٦/۱۰٦٦ وترقیم دارالسلام:۲۴٦۷)

(۲) صحیح بخاری کی ایک روایت میں سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(ذوالخویصرہ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اس کے جوڑے سے کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے اور تم اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابل ناچیز سمجھو گے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے زوردار تیر جانور سے پار ہو جاتا ہے، اس تیر کے پھل کو اگر دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز (خون وغیرہ) نظر نہ آئے گی اور تیر کے دیگر حصوں میں بھی کچھ نظر نہ آئے گا۔ بالکل اسی طرح ان لوگوں پر بھی دین کی کوئی علامت موجود نہ ہوگی۔ (صحیح بخاری:۳٦۱۰)

(۳) ایک اور روایت میں ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اور اگر میں ان کو پالوں تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کردوں گا۔ (صحیح بخاری:۳۳۴۴)

(۴) سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔''

((ثم لا یعودون فیه وهم شر الخلق والخلیقة .))

اور پھر وہ دین میں واپس پلٹ کر نہیں آئیں گے اور وہ ساری مخلوق سے بدتر ہوں گے۔

(مسلم:۲۴٦۹، ابن ماجہ:۱۷۰)

(۵) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:((سیخرج قوم في آخر الزمان أحداث الأسنان، سفهاء الأحلام یقولون من خیر قول البریة لایجاوز إیمانهم حناجر هم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة فأینمالقیتمو هم فاقتلو هم فإن في قتلهم أجرًا لمن قتلهم یوم القیامة)) آخری زمانے میں ایسے لوگ نکلیں گے جو نوعمر، کم عقل

(جاہل، بے وقوف) ہوں گے، بات تو سب مخلوق سے اچھی کریں گے (لوگوں کی خیر خواہی وبہتری کی بات کہیں گے۔) لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے۔ تم ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کر ڈالو بے شک ان کے قتل کرنے والوں کے لئے قیامت کے دن اجر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب استابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم باب ۶ قتل الخوارج والملحدین ح ۶۹۳۰، کتاب المناقب باب ۲۵، علامات النبوۃ ح ۳۶۱۱، صحیح مسلم ح ۲۴۶۲، مشکاۃ المصابیح ح ۳۵۳۵)

سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں:

((يخرج في آخر الزمان قوم كأن هذا منهم)) آخری زمانہ میں ایک قوم نکلے گی گویا کہ یہ اسی میں سے ہے (جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا۔) یہ لوگ قرآن پڑھیں گے جو ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ (النسائی: ۴۱۰۸ وإسنادہ حسن)

(۶) سیدنا ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ((الخوارج كلاب النار))

خوارج جہنم کے کتے ہیں۔ (ابن ماجہ: ۱۷۳ وھو حدیث حسن)

اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس طرح کے الفاظ مروی ہیں۔

(الترمذی: ۳۰۰۰ وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۱۷۶، المشکوۃ: ۳۵۵۴)

تکفیری جماعتیں ہر دور میں پیدا ہوتی رہیں گی

(۷) سیدنا ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

((لا يزالون يخرجون حتى يخرج آخرهم مع المسيح الدجال))

یہ (خارجی، تکفیری) ہمیشہ نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے آخری لوگ دجال کے ساتھ نکلیں گے۔ (النسائی: ۴۱۰۸، مسند احمد ۴/۴۲۱، ۴۲۵، المستدرک ۲/۱۴۶، وقال الأستاذ حافظ زبير علي زئي:

إسناده حسن وأخرجه ابن أبي شيبة ۱۰/۳۲۰، ۳۲۱، وأحمد ۴/۴۲۱، ۴۲۵، من حديث حماد بن سلمة وهو فى السنن الكبرىٰ للنسائي ح ۳۵۶۶..... وللحديث شواهد عمدة المساعي في

تخریج أحادیث سنن النسائي رقم ح ۴۱۰۸)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں ان تکفیری جماعتوں کا دعویٰ کتاب اللہ ماننے کا ہوگا، لیکن اہل اسلام کی دشمنی کی وجہ سے ان پر ایسا وقت بھی آجائے گا کہ یہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کھلم کھلا کفر (وتکفیر) کے علمبردار بن جائیں گے۔

یہ باطل فرقے مدینہ کے مشرق سے نکلتے رہیں گے

(۸) عن سهل بن حنيف: سمعت النبي ﷺ يذكر الخوارج فقال سمعته وأشار بيده نحو المشرق: ((قوم يقرء ون القرآن بألسنتهم لا يعدو تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية.))

سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا، پس آپ ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا: (یعنی مشرق سے) ایک قوم نکلے گی جو اپنی زبانوں سے قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔ (مسلم: ۱۰۶۸ وترقیم دارالسلام: ۲۴۷۰)

(۹) ”عن سالم عن أبيه عن النبي ﷺ ((أنه قام إلى جنب المنبر فقال: الفتنة ههنا، الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان أو قال: قرن الشمس))

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک مرتبہ منبر کے ایک طرف کھڑے ہوئے اور فرمایا: فتنہ اس طرف (ادھر) ہے فتنہ اس طرف سے ہے جدھر شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے یا ”سورج کا سینگ“ فرمایا۔

(صحیح بخاری: ۷۰۹۲، مسلم: ۴۷/ ۲۹۰۵ وترقیم دارالسلام: ۷۲۹۴، کتاب الفتن)

شیطان طلوع اور غروب کے وقت اپنا سر سورج کے پاس رکھ دیتا ہے تاکہ سورج پرستوں کا سجدہ شیطان کے لئے ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ مشرق کی طرف

رخ کئے ہوئے تھے۔ (بخاری: ۷۰۹۳) ایک روایت میں ہے: فتنہ اس طرف سے آئے گا اور آپ ﷺ نے مشرق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔ (مسلم: ۵۰/ ۲۹۰۵ وترقیم دارالسلام: ۷۲۹۷)

مدینۃ النبی ﷺ سے مشرق کی طرف عراق، ایران، پاک و ہند (قادیان، دیوبند اور بریلی) وغیرہ کے علاقے ہیں، عراق سے خوارج، روافض وغیرہ کے فتنے برآمد ہوئے، اسی طرح تاتاریوں کا فتنہ بھی مشرق سے نکلا، اور اس طرح کے مزید فتنے مشرق کی طرف سے برابر نکلتے رہیں گے یہاں تک کہ دجال کا فتنہ اور یاجوج ماجوج کا فتنہ بھی یہیں سے برآمد ہوگا۔ ہماری آنکھوں کے سامنے پندرھویں صدی میں عثمانی برزخی اور جماعت المسلمین کے تکفیری فتنے یہیں پاکستان سے برآمد ہوئے اور عثمانی برزخی فرقے سے مزید منکرین حدیث کے فرقے نکل رہے ہیں جو کھلم کھلا احادیث اور اسلامی تعلیمات کا انکار کر رہے ہیں اور ان عقائد کی باقاعدہ تبلیغ کر رہے ہیں۔

(۱۰) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے دعا فرمائی: اے اللہ! ہمارے شام میں ہمیں برکت دے، ہمارے یمن میں ہمیں برکت دے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمارے نجد میں بھی؟ نبی ﷺ نے پھر فرمایا: اے اللہ! ہمارے شام میں ہمیں برکت دے، ہمارے یمن میں برکت دے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور ہمارے نجد میں؟ (صحابی فرماتے ہیں) میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: وہاں (نجد میں) زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں شیطان کا سینگ (دجال) طلوع ہوگا۔ (بخاری: ۷۰۹۴)

علامہ عینی حنفی شرح صحیح بخاری میں امام خطابی سے نقل کرتے ہیں: ''**نجد من جهة المشرق، ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق أهل المدينة وأصل نجد ما ارتفع من الأرض**'' نجد سے مراد مشرق کی طرف والا نجد ہے، جو آدمی مدینہ میں ہو تو اس کے لئے عراق اور اس کے اردگرد کا علاقہ نجد ہے وہی مدینہ والوں کا مشرق ہے۔ اصل میں نجد اس زمین کو کہتے ہیں جو بلند ہو۔ (عمدۃ القاری ۲۴/ ۲۰۰ ح ۷۰۹۴)

لہٰذا اس حدیث میں نجد سے مراد عراق ہے جو مدینہ سے بلندی پر واقع ہے اور جیسا کہ اوپر کی احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ یہاں نجد سے حجاز کا نجد مراد نہیں ہے، کیونکہ فتنوں کی سرزمین کوفہ عراق ہی ہے۔ اور حدیث اور تاریخ کے طالب اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ خارجی و تکفیری فتنوں کا مقام ولادت مشرق کے علاقے ہوں گے اور نبی ﷺ نے ان پرفتن مقامات کے لئے دعا کرنے سے بھی اجتناب فرمایا اور وضاحت فرما دی کہ ان علاقوں میں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور سب سے بڑا فتنہ دجال بھی یہیں سے نکلے گا۔

گمراہ کرنے والے امام

(۱۱) عن ثوبان رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((إنما أخاف على أمتي الأئمة المضلين)) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر خوف ہے گمراہ کرنے والے ائمہ (اماموں، پیشواؤں، راہنماؤں، قائدین) کا (کہ وہ میرے امتیوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے) [ابوداود: ۴۲۵۲ وسندہ صحیح]

(۱۲) ” عن أبي هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: ((يكون في آخر الزمان دجالون كذابون، يأتونكم من الأحاديث بمالم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم ولا يفتنونكم)) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں دجال (دھوکا دینے والے، جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنانے والے) کذاب (جھوٹ بولنے والے، جان بوجھ کر غلط خبر دینے والے، حق و صحیح بات کو جھٹلانے والے، خلاف حقیقت بات کرنے والے) لوگ پیدا ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث (نئی نئی باتیں) لائیں گے کہ جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ پس تم خود کو ان سے اور ان کو اپنے سے دور رکھنا، تاکہ نہ تو وہ تمہیں گمراہ کر سکیں اور نہ ہی کسی فتنے میں مبتلا کر سکیں۔ (صحیح مسلم: المقدمۃ باب ۴، ح ۷ ص ۱/۸)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ جیسے جیسے قیامت قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی دنیا دجل وفریب کے ماہرین اور جھوٹے لوگوں سے بھرتی چلی جائے گی اور یہ لوگ اپنی فنکارانہ مہارتوں اور پرفریب اور خوش آئند باتوں سے لوگوں کو نہ صرف فتنے میں مبتلا کریں گے بلکہ گمراہ بھی کر دیں گے اور وہ لوگوں کو باور (ظاہر) کروائیں گے کہ اگر حق وصداقت کسی چیز کا نام ہے تو وہ انھی کے پاس ہے اور وہی حقیقی مسلم ہیں اور ان کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی مسلم نہیں ہے۔ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (المتوفی ۱۱۰ھ) نے اس ضمن میں بہت ہی عمدہ بات کہی ہے وہ فرماتے ہیں: " **إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم** " بے شک یہ (کتاب وسنت کا) علم، دین ہے پس جب تم اس کو حاصل کرو تو دیکھ لو کہ کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو؟ (صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام: ۲۶ وسندہ صحیح)

(۱۳) سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر (فتنہ) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ((**دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها، قلت: يا رسول الله! صفهم لنا قال: هم من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا.**)) کچھ لوگ اس طرح گمراہی پھیلائیں گے کہ گویا وہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہیں، اور جو ان کی دعوت قبول کرے گا اسے جہنم میں گرادیں گے (حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں کی کچھ صفات بیان فرما دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ہماری قوم کے لوگ ہوں گے اور ہماری ہی زبان میں گفتگو کریں گے۔ (صحیح بخاری: ۷۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۸۴۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گمراہی کی طرف دعوت دینے والے اپنی ہی قوم کے لوگ ہوں گے، لیکن تکفیری اور گمراہ فرقوں میں شامل ہونے کی وجہ سے جہنم کے داعی بن جائیں گے اور لوگوں کو قرآن وحدیث کی شاہراہ سے ہٹا کر انہیں نفس وشیطان کا بندہ بنا دیں گے۔

سید وقار علی شاہ صاحب جو ایک عرصہ تک جماعت المسلمین کی صف اول کے داعیوں میں سے تھے اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی شعور عطا فرمایا تو پھر قرآن وحدیث کی روشنی

میں اس جماعت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ اور اس طرح کی بہت سی متعدد احادیث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں دین کے نام پر گمراہ کرنے والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے اور امت مسلمہ کے لئے فتنہ بنتے رہیں گے۔ یہ لوگ بظاہر تو بہت اچھی اور خیر خواہی کی باتیں کریں گے، اپنے عقائد قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے لیکن قرآن وحدیث کی غلط تاویلات کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے اور اس طرح سے امت مسلمہ میں فتنہ، فساد، انتشار، تعصب، نفرت اور گمراہی پھیلا دیں گے۔ بظاہر بہت دین دار، دین کو سمجھنے اور اس کا علم رکھنے والے نظر آئیں گے اور اسی بنیاد پر لوگوں کی کم علمی اور دین سے محبت وعقیدت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں مرعوب کر کے اپنے جال میں پھانس لیں گے، لیکن دین ان کے حلق سے نیچے بھی نہیں اترا ہوگا یعنی وہ صحیح طور پر نہ تو دین ہی پر عمل کر رہے ہوں گے اور نہ ہی انہیں دین کی صحیح سمجھ، شعور، فہم اور معرفت ہوگی۔''

(تحقیق مزید ص۱۰)

تنبیہ: سید وقار علی شاہ صاحب ایک فرقے سے نکل کر دوسرے فرقے میں شامل ہو گئے ہیں۔

موجودہ دور میں دونو زائدہ فرقے تکفیری میدان میں بہت ہی سرگرم ہیں جن میں سے ایک فرقہ ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کا ہے جسے برزخی عثمانی فرقہ کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ عذاب قبر کا سخت منکر ہے، لیکن لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اس بات کا اقرار بھی کرتا ہے کہ عذاب قبر حق ہے۔ اس فرقہ کے بانی نے جہنم میں روح کے عذاب والی اور جنت میں روح کی راحت وآرام والی احادیث کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جنت وجہنم ہی اصل قبریں ہوتی ہیں اور احادیث میں قبروں میں عذاب کی جو روایات آئی ہیں ان کی انتہائی بھونڈی تاویلات کر کے ان کا انکار کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مطابق قبروں میں عذاب وثواب کو مان لینے سے قبر پرستی کے نظریئے کو تقویت ملتی ہے، جس کی تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''الدین الخالص'' حصہ اول والحمدللہ۔ دوسرا فرقہ جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

ہے جس کے بانی مسعود احمد بی ایس سی ہیں، اور اس کی تفصیل ہماری کتابوں ''الفرقۃ الجدیدۃ'' اور ''خلاصۃ الفرقۃ الجدیدۃ'' میں موجود ہے اور تیسرا فرقہ خلیفہ والی جماعت المسلمین کا ہے۔ اس جماعت کے متعلق ہم یہاں کچھ باتیں ذکر کریں گے۔

جیسے جیسے قیامت قریب آتی جا رہی ہے ویسے ویسے امت مسلمہ میں مختلف فتنوں اور فرقوں کی کثرت ہوتی جا رہی ہے اور ہر فرقہ اپنے خود ساختہ عقائد ونظریات کو درست ثابت کرنے کے درپے ہے۔ کچھ عرصہ پہلے جماعت المسلمین کے نام سے مسعود احمد بی ایس سی نے ایک جدید فرقہ کی بنیاد رکھی اور اس فرقہ جدیدہ کا نام اس نے جماعت المسلمین رکھا۔ موصوف کے نزدیک کوئی شخص چاہے کتنا ہی صحیح العقیدہ اور نیک اعمال کا پیکر کیوں نہ ہو، نیز وہ کسی جماعت یا فرقہ میں بھی شامل نہ ہو اور صرف قرآن وحدیث ہی پر عامل ہو، لیکن اگر اس نے موصوف کے ہاتھ پر بیعت کر کے جماعت المسلمین میں شمولیت اختیار نہیں کی تو وہ شخص موصوف کے نزدیک غیر مسلم ہے۔ مسلم اور جماعت المسلمین کہلانے کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو کہ موصوف کی جماعت میں شامل ہیں۔ موصوف نے بھی خلفا اور حکام کے سلسلہ میں آئی ہوئی احادیث کو (جن میں بیعت اور امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے) اپنی خود ساختہ امارت اور جماعت پر چسپاں کر دیا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے چاہنے والوں کے بے تاج بادشاہ بن بیٹھے۔ ابھی امت مسلمہ اس فتنہ سے دوچار ہی تھی کہ اس نوعیت کا ایک دوسرا فتنہ ظہور پذیر ہوا۔ اس جدید فرقہ نے بھی اپنے فرقہ کا نام جماعت المسلمین رکھا، البتہ انہوں نے اپنے امیر کو امیر یا امام کے بجائے خلیفہ قرار دیا اور خلافت کے سلسلہ کی تمام احادیث کو اس خود ساختہ خلیفہ پر چسپاں کر دیا۔ خلیفہ صاحب تو اب ٹونی بلیئر کے دیس لندن میں مقیم ہیں اور وہاں سے وہ اپنی خلافت کا جال پاکستان میں پھیلا رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طرح وہ تمام اہل اسلام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر لیں گے اور سب کو متحد کر دیں گے اور اس طرح اختلاف وافتراق کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگرچہ مخلص مسلمانوں کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ دنیا کے تمام مسلمان متحد ومتفق ہو جائیں۔ ہر جماعت بھی یہ دعویٰ کرتی

چلی آئی ہے کہ وہ اپنے جھنڈے تلے تمام اہل اسلام کو متحد کریں گے۔ خلیفہ والی جماعت نے جس طریقہ سے اپنے خلیفہ کا انتخاب کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کا سلسلہ جاری کیا ہے یہ ایک انوکھی اور عجیب سی بات لگتی ہے، کیونکہ دنیا کی تاریخ میں آج تک ایسا کوئی خلیفہ نہیں گزرا جو کہ مسند خلافت کے بغیر ہی خلیفہ بن گیا ہو اور اس کے لئے خلافت کی بیعت بھی لی جا رہی ہو۔ اس سلسلہ میں انہیں خلفائے راشدین کی طرف دیکھنا ہوگا اس لئے کہ جب خلفائے راشدین کے ہاتھ پر بیعت کی گئی تو وہ فوری طور پر تخت خلافت پر بھی براجمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أو صيكم بتقوى الله و السمع و الطاعة وإن كان عبدًا حبشيًا فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافًا كثيرًا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة .)) [رواه أحمد (٤/١٢٦، ١٢٧) وأبوداود (٤٦٠٧) والترمذي (٢٦٧٦) وابن ماجة (٤٣) بحواله مشكوٰة المصابيح كتاب الإيمان باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ١٦٥ وقال الترمذي: حسن صحيح وصححه ابن حبان: موارد ١٠٢ والحاكم ١/٩٥، ٩٦ ووافقه الذهبي ، وقال الألباني وحافظ زبير علي زئي: سنده صحيح]

میں تمھیں وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کی اور (امیر کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تمہیں حبشی غلام کی بھی اطاعت کرنی پڑے، تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا تو ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنا۔ اسی کے ساتھ وابستہ ہو جانا اور اسے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رہنا اور تم (دین میں) نئی نئی باتوں اور کاموں سے بچتے رہنا اس لئے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث سے کئی چیزیں واضح ہو گئیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مسلمہ میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہوں گے۔

(۲) مسلمانوں کے لئے اختلاف کے دور میں بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرنا انتہائی ضروری ہے تا کہ ان اختلافات کا سدباب ہو سکے۔ اب جس طرح خلفائے راشدین کی بیعت لی گئی اور بیعت کے نتیجے میں وہ مسند خلافت پر براجمان ہوئے اسی طرح آج تمام مسلمانوں کو بھی خلفائے راشدین کی سنت کے مطابق ہی کسی خلیفہ کی بیعت کرنی ہوگی۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دین میں نئے نئے کاموں کو اختیار کرنے سے منع فرما دیا ہے کیونکہ ہر نیا کام بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا اب جس طرح کی بیعت اہل خلافت اپنے خلیفہ کے لئے لے رہے ہیں یہ بدعت اور نیا نرالا کام ہے اور لوگوں کو گمراہی (بدعت) کی طرف دعوت دینے کے مترادف ہے۔

اس جماعت کے امیر ابوعیسیٰ محمد الرفاعی صاحب اس وقت انگلینڈ میں عیسائیوں کی پناہ میں ہیں اور وہ لندن کے قوانین کے مطابق وہاں بودوباش اختیار کئے ہوئے ہیں اور دوسری طرف پاکستان میں ان کے لئے بیعت خلافت کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کے لئے اولوالامر کے الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں۔ اولوالامر کے معنی ہیں امر والا یعنی جس کا آرڈر اور فرمان مانا جاتا ہو اور یہاں معاملہ الٹ ہے یعنی خلیفہ صاحب خود مامور ومحکوم ہے۔ اہل خلافت اپنے خودساختہ خلیفہ کے لئے وہ تمام احادیث پیش کرتے ہیں کہ جس میں خلیفہ وامیر کی بیعت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ عربی کا ایک محاورہ ہے کہ پہلے عرش (تخت) ثابت کریں تو پھر اس پر نقش ونگار کی بات کریں۔ عرش کا کوئی ثبوت ہی نہیں اور آپ اس پر نقش ونگار بنانے کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ یہ خلیفہ واقعی اصلی خلیفہ ہے؟ اور جب اصلی ثابت ہو جائے گا تو پھر ان تمام احادیث کا اطلاق بھی اس کی ذات پر ہو سکے گا۔ ہم اہل خلافت سے دلیل مانگتے ہیں کہ ایسے خلیفہ کے لئے آپ کے پاس آخر ایسی کونسی دلیل ہے کہ جس کی بنا پر آپ نے امت مسلمہ میں ایک نیا فرقہ کھڑا کر دیا ہے اگر اس سلسلے میں کوئی واضح اور صریح دلیل موجود ہے تو

اسے پیش کریں، کیونکہ اصولی بات یہی ہے کہ جو شخص کسی بات کا دعویٰ کرتا ہے دلیل اس کے ذمے ہوتی ہے، لیکن ان کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ خلیفہ کے لئے خلافت کی شرط لگانا ہی درست نہیں ہے اور یہ ایسی شرط ہے جو کتاب اللہ میں نہیں ہے اور حدیث میں ایسی شرط کو جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو باطل قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری: ۲۷۳۵) لیکن ہمارا سوال ہنوز جواب طلب ہے اور وہ یہ کہ ہمیں قرآن و حدیث سے کسی ایسے خلیفہ کا اتا پتا بتایا جائے جو خلافت کے بغیر ہی خلیفہ ہو اور زمین کے کسی بھی ٹکڑے پر اس کی حکومت و خلافت قائم نہ ہو، بلکہ جو اپنے محلے میں بھی قائم شدہ کسی برائی کے اڈے کو مٹانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ کیا خلافت کی عدم موجودگی کے باوجود بھی کوئی خلیفہ بن سکتا ہے؟ اور اہل خلافت کا یہ کہنا کہ خلیفہ کے لئے خلافت کی شرط درست نہیں ہے۔ تو یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ عالم کے لئے علم کی شرط لگانا درست نہیں ہے، حالانکہ اس ناسمجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عالم اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس علم ہو۔ لوہارا سے کہتے ہیں جو لوہے کا کام کرتا ہو۔ بڑھئی اسے کہتے ہیں جو لکڑی کا کام جانتا ہو۔ الغرض جو شخص جس کام پر مامور ہے اسی کی مناسبت سے اس کا نام لیا جاتا ہے۔ مثلاً جج، وکیل، ڈاکٹر، وزیر، صدر، ٹیچر، پروفیسر وغیرہ۔ لہٰذا خلیفہ بھی اس شخصیت کا نام ہے جو کہ حکومت و خلافت رکھتا ہو۔ جو شخص ڈاکٹر نہ ہو اور لوگوں سے کہے کہ مجھے ڈاکٹر کہو تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو بچے پتھر ماریں گے اور آوازیں بھی کسیں گے کہ پاگل ہے، پاگل ہے۔ خلیفہ بھی ایک خاص اصطلاح ہے اور اہل علم اس اصطلاح سے اچھی طرح واقف ہیں بلکہ خلیفہ ایک ایسا لفظ ہے کہ عوام الناس بھی اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ ناسمجھ اور بھولے بھالے لوگوں کو خلیفہ صاحب نے اپنے پیچھے لگا لیا ہے اور وہ ان کے پیچھے ناسمجھی میں خلیفہ، خلیفہ کی صدائیں لگا رہے ہیں اور خلیفہ صاحب دل میں خوش ہو رہے ہوں گے کہ اب واقعی میں خلیفہ بن گیا۔

[قاضی ابویعلیٰ محمد بن الحسین الفراء (متوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ ''والثالث : أن يكون قيمًا بأمر الحرب والسياسة واقامة الحدود ، لا تلحقه رأفة في

ذلك ، والـذب عـن الأمة''امام (خلیفہ) ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ جہاد، سیاست اور اقامت حدود پر سربراہ ہو۔اس میں اور امت کے دفاع میں اسے نرمی لاحق نہ ہو(الاحکام السلطانیہ ص۲۲ دوسرا نسخہ ص۲۰) قاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) نے امامت (خلافت) کی چھٹی شرط یہ بیان فرمائی:

''الشجاعة والنجدة المؤدية إلى حماية البيضة وجهاد العدو''

شجاعت و دلیری جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے (الاحکام السلطانیہ ص ۶ ، اردو مترجم ص ۵) ان شرائط کی مخالفت کسی عالم سے ثابت نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس پر سلف صالحین کا اجماع ہے کہ خلیفہ کے لئے خلافت واقتدار کا ہونا لازمی ہے]

بے اختیار اور خود ساختہ خلیفہ کے عالم وجود میں آنے کے لئے کچھ دلائل کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور یہ ظاہری بات ہے کہ کوئی شخص جب اپنے لئے کوئی کام ڈھونڈ نکالتا ہے تو اس کے کچھ نہ کچھ دلائل بھی اس کے پاس موجود ہوتے ہیں اور وقت آنے پر وہ ان دلائل کا ذکر بھی کرتا ہے تاکہ ان دلائل کے ذریعے سے اپنے پیروکاروں اور مریدوں کو مطمئن کر سکے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کوئی واضح اور صریح دلیل تو اہل خلافت کے پاس نہیں ہے، لیکن بقول شاعر ؎ دل کے بہلانے کو.... یہ خیال اچھا ہے

لہٰذا اہل خلافت کے ایک دو شبہات کا ذکر کر کے ہم اس کا جواب عرض کرتے ہیں تاکہ بعض لوگوں کو اس سلسلے میں جو شبہات ہوئے ہیں ان کا ازالہ کیا جائے۔

پہلا شبہ:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وأنه لانبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فوابيعه الأول فالأول وأعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم .))

بنی اسرائیل کے انبیاء ان کی سیاست کیا کرتے تھے جب بھی کوئی نبی فوت ہوجاتا تو اس کے

بعد دوسرا نبی اس کی جگہ پر آجاتا، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، البتہ خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ لوگوں نے عرض کیا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جس خلیفہ سے تم نے پہلے بیعت کر لی ہے اس سے وفاداری کرو۔ تم انہیں ان کا حق دو۔ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ پوچھے گا۔ (صحیح بخاری: ۳۴۵۵ و صحیح مسلم: ۱۸۴۲)

اس حدیث سے کسی بے اختیار خلیفہ کا کوئی ثبوت فراہم نہیں ہوتا اور ایسے کسی خلیفہ کا اس میں اشارہ تک موجود نہیں ہے، البتہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں لگاتار اور سلسلہ وار خلفا آتے رہیں گے یعنی ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا ۔ الغرض اس طرح خلفا کا ایک سلسلہ قائم رہے گا۔ خلفائے راشدین۔ خلفائے بنوامیہ، خلفائے بنوعباس یہاں تک کہ انتہائی کمزور اور لاغر خلافت جس نے ترکی میں اس وقت دم توڑ دیا کہ جب مصطفیٰ کمال ترکی (سیکولر) نے اقتدار میں آکر اس بچی کھچی خلافت کا صفایا کر دیا۔ اب دنیا میں خلافت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ قرب قیامت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ایک خلیفہ آئے گا جسے امام مہدی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد خود عیسیٰ علیہ السلام ہی امت مسلمہ کے خلیفہ بن جائیں گے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((**إن هذا الأمر في قريش لا يعاديهم أحد إلا كبه الله علىٰ وجهه ما أقاموا الدين**)) یہ امر خلافت قریش میں رہے گا جو شخص ان کی مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھا کر دے گا جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش ح ۳۵۰۰، کتاب الاحکام ح ۷۱۳۹)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یہ امر خلافت قریش ہی میں رہے گا جب تک کہ ان میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔''

(بخاری کتاب المناقب ح ۳۵۰۱، کتاب الاحکام ح ۷۱۴۰، مسلم کتاب الامارۃ ح ۴۷۰۴)

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''(میرے بعد) بارہ امراء ہوں گے۔'' (بخاری ح ۷۲۲۲)

اوران صحابی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''دین اسلام بارہ خلفا تک غالب رہے گا اور یہ سب قریش میں سے ہوں گے'' (صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح ۴۷۰۸، ۴۷۰۹)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ امر خلافت قریش میں رہے گا چاہے وہ دو ہی آدمی باقی رہ جائیں جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے۔ دوسری حدیث سے واضح ہوا کہ بارہ خلفاء تک دین اسلام غالب اور مستحکم رہے گا۔ ان خلفا کے بعد پھر آہستہ آہستہ دین اسلام کمزور ہوتا چلا جائے گا اور مختلف فتنے، بدعات اور گروہ بندیاں اسے کمزور کرتی چلی جائیں گی۔
ایک حدیث میں ہے: ''اس امت کی عافیت پہلے حصہ میں رکھی گئی ہے۔''

(مسلم کتاب الامارۃ ح ۴۷۷۶)

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تكون النبوة فيكم ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها إذاشاء أن يرفعها ثم تكون خلافة على منهاج النبوة فتكون ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها إذاشاء أن يرفعها ثم تكون ملكًا عاضًا، فيكون ماشاء الله أن يكون ثم يرفعها إذا شاء أن ير فعها ثم تكون ملكًا جبريةً فتكون ماشاء الله أن تكون ثم يرفعها إذا شاء أن يرفعها ثم تكون خلافة على منهاج نبوةٍ ثم سكت .))

تم میں نبوت کا وجود اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نبوت کو اٹھالے گا اور اس کے بعد خلافت ہوگی جو نبوت کے طریقہ پر ہوگی۔ پھر خلافت کو اٹھالے گا اور اس کے بعد بادشاہت ہوگی کاٹنے والی (یعنی جس میں بعض لوگ بعض پر زیادتی اور ظلم کریں گے) پھر جب تک اللہ چاہے گا اسے قائم رکھے گا پھر اس کو بھی اللہ تعالیٰ اٹھالے گا۔ پھر تکبر اور غلبہ کی حکومت ہوگی اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ قائم رہے گی پھر اللہ تعالیٰ اس کو اٹھالے گا اور اس کے بعد (دوبارہ) نبوت کے طریقہ پر خلافت قائم ہوگی (جب امام

مہدی اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کا دور آئے گا) اتنا فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔

(مسند احمد ۴/۲۷۳، والبیہقی فی دلائل النبوۃ ۶/۴۹۱، الموسوعۃ ۳۰/۳۵۵، مجمع الزوائد ۵/۱۸۸، مشکوٰۃ، ح ۵۳۷۸، صحیحۃ: ۵، وقال الہیثمی: رجالہ ثقات وقال الالبانی وشعیب الارنووط وجماعۃ: ''حسن'' وقال الحافظ زبیر علی زئی: ''صحیح'')

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ خلافت کو رخصت ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے اور اب غالباً تکبر اور غلبہ کی حکمرانی کا دور ہے۔ اہل ایمان عیسیٰ علیہ السلام کے اس دور کے آنے کے منتظر ہیں کہ جن کے دور میں خلافۃ علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ اگر خلیفہ صاحب امام مہدی بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ امام مہدی کی کچھ مخصوص علامات اور ان کے دور کے کچھ ایسے مخصوص حالات ہیں کہ جن سے ان کی شناخت بآسانی ہو جائے گی مثلاً دجال کا ظہور ہوگا وغیرہ۔

ایک حدیث میں خلافت (خلافت علی منہاج النبوۃ) کو تیس سال میں محدود کیا گیا ہے۔

سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

((الخلافة ثلٰثون سنةً ثم يكون ملكًا ثم يقول سفينة: امسك خلافة أبي بكر سنتين و خلافة عمر عشرة وعثمان اثنتى عشرة وعليٍ ستة .))

نبوت کی خلافت تیس برس تک رہے گی، پھر اللہ جس کو چاہے گا، سلطنت دے گا، سفینہ نے بیان کیا کہ اب تم گن لو، ابوبکر کی خلافت دو برس اور عمر کی دس برس اور عثمان کی بارہ برس اور علی کی چھ برس۔[مسند احمد (۵/۲۲۰، ۲۲۱) ترمذی (۲۲۲۶ وقال: ھذا حدیث حسن) ابو داود (۴۶۴۶، ۴۶۴۷) مشکوٰۃ (۵۳۹۵) وقال الالبانی وحافظ زبیر علی زئی: وإسنادہ حسن، مستدرک (۳/۷۱، ۱۴۵) الطبرانی (۷/۹۸) شرح السنۃ (۱۴/۷۵)]

تسو سھم الأنبیاء کی حدیث کا یہ مطلب بیان کیا جا رہا ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی خلفاء ہوں گے اور ان کی بیعت کی جائے گی۔ چنانچہ جماعت الخلیفۃ کے پاکستان میں نئے امیر وقار علی شاہ نے کراچی میں ایک مناظرہ کے دوران، اس حدیث کی یوں وضاحت کی: ''خلفا کثرت کے ساتھ ہوں گے اور ایک ہی وقت میں کئی خلفا کی بیعت ہو سکتی ہے ہم

نے یہ دیکھنا ہے کہ کس خلیفہ کو ہم نے ترجیح دینی ہے یہاں معاملہ طاقت واقتدار کا نہیں ہے بلکہ معاملہ یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی خلفا کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی ہے تو ہم نے کس خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کرنی ہے۔''

حالانکہ اس حدیث کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے، شاید ان حضرات کو لفظ کثرت سے دھوکا لگا ہے۔ اس حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے اور وہ یہ کہ مسلسل اور یکے بعد دیگرے خلفا آتے رہیں گے۔ اس لئے ایک ہی وقت میں کئی خلفا نہیں ہو سکتے۔ اگر موصوف کی جماعت میں بھی کئی خلفا کھڑے ہو جائیں تو ان کے لئے مسائل کھڑے ہو جائیں گے۔ وقار صاحب کے سابق امیر جماعت المسلمین (مسعود احمد صاحب) نے اس حدیث کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''بنی اسرائیل میں سیاست کے فرائض انبیاء انجام دیا کرتے تھے (یعنی وہ نبی بھی ہوتے تھے اور حکمراں بھی) [حالانکہ تمام انبیائے کرام حکمران نہیں تھے۔ ابو جابر] جب کبھی کسی نبی کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی مبعوث ہو جاتا لیکن میرے بعد یقیناً کوئی نبی نہیں بنے گا البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔'' صحابہ کرامؓ نے پوچھا ''آپ ہمیں (اس سلسلہ میں) کیا حکم دیتے ہیں''؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے (خلیفہ) کی بیعت کو پورا کرو پھر یکے بعد دیگرے ان کی بیعت پوری کرتے رہو ان کا حق ان کو ادا کرتے رہو (یعنی تم پر ان کی اطاعت فرض ہے لہذا ان کی اطاعت کرتے رہو) ان کا جو فریضہ ہے اللہ ان سے اس کی بابت باز پرس کرے گا'' (یعنی تمہیں ان کی کسی کوتاہی کو بہانہ بنا کر اطاعت سے روگردانی نہیں کرنی چاہئے'')

آگے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

''دوسری بات جس کی خبر اس حدیث میں دی گئی ہے یہ ہے کہ یہ خلفاء دو چار نہیں ہوں گے۔ بلکہ کثرت سے ہوں گے۔ ان خلفا کا سلسلہ دراز ایک عرصہ تک جاری رہا اور اقصائے عالم اسلام کو اسلام کے زریں اصول اور تابناک قوانین سے منور کرتا رہا۔ اس سلسلہ زریں کی درازی خلفاء بنوامیہ سے بھی بہت آگے تک چلی گئی ہے۔''

(صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۶۵۸، ۶۵۹)

اسلامی خلافت کا اصول یہ ہے کہ ایک خلیفہ کی بیعت منعقد ہونے کے بعد (جسے اہل خلافت پہلی بیعت کا حامل خلیفہ قرار دیتے ہیں) اگر کوئی دوسرا شخص بھی خلافت کا دعویٰ کرلے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ جب خلیفہ کا انعقاد ہو چکا تو کسی دوسرے شخص کا دعویٰ خلافت کرنا ہی غلط اور بغاوت کے زمرے میں شامل ہے۔ جس خلیفہ سے پہلے بیعت ہو چکی اسی کو قائم رکھنا چاہئے۔ اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

(۱) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا بويع للخليفتين فاقتلوا الآخر منهما .))

جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان دونوں میں سے آخر والے کو قتل کر دو۔

(مسلم: ۴۷۹۹، مشکوۃ ۱۰۸۸/۲)

(۲) سیدنا عرفجہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"جو شخص تمھارے پاس آئے اور حالت یہ ہو کہ تم سب ایک شخص (خلیفہ) پر متحد ہو اور وہ تمھارے اتحاد کو توڑنے کا ارادہ رکھتا ہو یا تمھاری جماعت کو متفرق کر دینا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔" (صحیح مسلم: ۱۸۵۲)

(۳) دوسری روایت میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عنقریب طرح طرح کے شر و فسادات رونما ہوں گے پس جو شخص اس امت کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کرے جب کہ وہ (ایک خلیفہ پر) مجتمع ہو چکی ہو تو اسے تلوار سے قتل کر دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔" (صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح ۴۷۹۸، ۴۷۹۶)

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس شخص نے امام سے خلوص نیت کے ساتھ بیعت کر لی حتی المقدور اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلے میں (خلافت کا دعویٰ لے کر) آجائے تو اس کی گردن مار دو۔" (مسلم: ۴۷۷۶)

اہل خلافت نے خلیفہ کے لئے چھ شرائط کا ذکر بھی کیا ہے یعنی (۱) ایمان (۲) مرد ہونا (۳) قریشی ہونا (۴) عاقل و بالغ ہونا (۵) خلافت کی خواہش سے بے نیاز (۶) پہلی بیعت کا حامل ہونا۔

یہ تمام شرائط اپنی جگہ درست ہیں، لیکن اصل بنیادی بات کو عبدالرزاق صاحب آف اہل خلافت بھول ہی گئے۔ اصل چیز ہے مسند خلافت کہ جس پر خلیفہ صاحب کو براجمان ہونا ہے یہ خلافت کہاں ہے؟ خلیفہ صاحب نے کس ملک کا خلیفہ بننے کا ارادہ کر رکھا ہے؟ ملک نہیں تو کم از کم کچھ تھوڑا بہت علاقہ یا کوئی جگہ لے کر وہاں اپنی خلافت کا اعلان کر دیں۔ جب منزل مقصود ہی کا تعین نہیں ہوا تو سواری کیا فضاؤں میں چکر کاٹتی رہے گی؟ اگر کوئی شخص کسی چیز کا مالک ہوئے بغیر ہی اس کی ملکیت کا دعویٰ کر دے تو یہ اس کی دروغ گوئی اور کذب بیانی ہوگی اور ایسے انسان کو کذاب سمجھا جائے گا۔

(۱) نبی کو جب تک نبوت نہیں ملی اس نے اپنے آپ کو نبی نہیں کہا۔

(۲) کوئی شخص نکاح سے پہلے اپنے آپ کو شوہر نہیں کہتا۔

(۳) کسی شخص نے کوئی مکان، کوٹھی یا جائیداد ہی نہیں خریدی تو وہ خریداری سے پہلے ان چیزوں کا مالک نہیں کہلائے گا۔

اسی طرح جس شخص کے پاس خلافت نہیں ہے تو وہ بھی ہرگز خلیفہ نہیں ہے۔ جس طرح ڈاکٹری کی ڈگری کے بغیر کوئی ڈاکٹر، انجینئر نگ کی سند کے بغیر کوئی انجینئر اور علم کے بغیر کوئی شخص عالم نہیں کہلا سکتا۔ خلافت کی عدم موجودگی میں خلیفہ ہونے کے دعویٰ کی دیوانے کی بڑ سے زیادہ حقیقت نہیں اور پھر اس نام نہاد خلافت کے لئے بیعت کا ڈراما رچانا **ظلمات بعضها فوق بعض** کا مصداق لگتا ہے۔ اس کے بجائے خلیفہ صاحب یہ اشتہار بنالیں: ''خلافت کا امیدوار'' تو یہ انتہائی مناسب قدم ہوگا، لیکن اس کے لئے بھرپور تحریک چلانی ہوگی۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کریں کہ آپ کس ملک یا کس علاقہ میں خلافت کے امیدوار ہیں؟ آج کل بہت سے علاقے متنازعہ ہیں وہاں بھی یہ تحریک چلائی جاسکتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک آسان صورت یہ بھی ہے کہ خلیفہ صاحب اپنا نام تبدیل کر کے خلیفہ رکھ لیں اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی بچ جائے گی۔ایک دنیا آپ کو خلیفہ کے نام سے یاد کرنے لگے گی اور اس طرح خلیفہ ہونے کی کچھ نہ کچھ آرزو پوری ہو ہی جائے گی۔ کیونکہ آج کل لوگ نام ہی کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں جیسے مسعود احمد صاحب نے اپنی جماعت کا نام جماعت المسلمین رکھا اور دوسرے تمام مسلمانوں کو غیر مسلم قرار دے ڈالا گویا اس طرح نام رکھ کر وہ بلا شرکت غیرے اسلام کے واحد (اکیلے) ٹھیکے دار بن گئے۔

خلیفہ طاقت واقتدار کا مالک ہوتا ہے

یہ دعویٰ بھی کیا جارہا ہے کہ خلیفہ کے لئے طاقت واقتدار کی شرط لگانا درست نہیں ہے اس لئے کہ خلیفہ طاقت واقتدار کے بغیر بھی خلیفہ ہوسکتا ہے۔کسی نے سچ کہا ہے کہ ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ''۔غور فرمایئے کہ کس قدر جہالت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔اگر کسی خانقاہ میں کسی گدی نشین خلیفہ کی بات آپ کر رہے ہیں تو ہم بھی کہتے ہیں کہ اس خلیفہ کے لئے طاقت واقتدار شرط نہیں ہے۔لیکن جس خلیفہ نے دنیا میں اسلام کو نافذ کرنا ہے اور اللہ کی زمین میں حق کے پرچم کو بلند کرنا ہے وہ طاقت اور اقتدار کے بغیر آخر کیسے خلیفہ بن سکتا ہے۔اس سلسلہ کے بعض دلائل ملاحظہ فرمایئے:

(۱) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إنما الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به فإن أمر بتقوى الله وعدل فإن له بذلك أجرًا وإن قال بغيره فإن عليه منه .)) امام (خلیفہ) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے (یعنی سربراہی اور ماتحتی میں دشمنوں سے) جنگ کی جاتی ہے اور جس کی نگرانی میں امن وعافیت حاصل کی جاتی ہے، پس جو خلیفہ اللہ سے ڈر کر اس کے حکم کے مطابق حکمرانی کرے اور انصاف سے کام لے اس کو اس کے سبب اجر ملے گا اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا گناہ اس پر ہوگا۔ (بخاری:۲۹۵۷۔مسلم:۴۷۷۲)

یہ حدیث بالکل واضح کر رہی ہے کہ طاقت واقتدار کے بغیر خلیفہ کا کوئی تصور ہی اسلام میں موجود نہیں ہے بلکہ خلیفہ کا مطلب ہی طاقت واقتدار ہے۔خلیفہ اور امام ڈھال کی مانند ہوتا ہے کہ جس کی پشت پناہی میں جہاد کیا جاتا ہے اور یہ چیز طاقت واقتدار کے بغیر ناممکن ہے۔

(۲) ﴿ وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وعدہ کرلیا ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو جس کو اللہ نے ان کے لئے پسند کرلیا ہے مستحکم کردے گا اور خوف کے بعد ان کو امن نصیب فرمائے گا۔یہ وہ لوگ ہوں گے جو صرف میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو شخص اس (خوشخبری) کے بعد بھی کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ (النور:۵۵)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خلافت دینے کا وعدہ فرمایا اور اہل خلافت اللہ تعالیٰ کے قانون کو زمین پر نافذ کریں گے اور یہ طاقت واقتدار کے بغیر ناممکن ہے معلوم ہوا کہ طاقت واقتدار کے بغیر خلافت کا تصور ممکن نہیں ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت سے پہلے آئے ہوئے لوگوں کی خلافت کا بھی ذکر کیا ہے۔چنانچہ پہلے لوگوں ہی سے سیدنا داود علیہ السلام کا ذکر ملاحظہ فرمائیں:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾ اے داود ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو (یا ان پر حکومت کرو) اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ (صٓ:۲۶)

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ...﴾

اور ہم نے اس کی سلطنت وحکومت مضبوط کردی تھی... (صٓ:۲۰)

تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ﴾

اور داود علیہ السلام نے جالوت کو قتل کردیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت عطا کی اور اس علم ہی سے اس کو سکھایا جس میں سے وہ چاہتا ہے۔ (البقرۃ:۲۵۱)

داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے طالوت کے بعد بادشاہت وخلافت سے نوازا۔ جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، لیکن خلیفہ والی جماعت کے پاکستان میں مقرر کردہ امیر وقار علی شاہ صاحب نے مناظرہ کے دوران میں یہ عجیب نکتہ بیان کیا کہ جالوت کے قتل کے بعد طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جس کا اعلان اس آیت میں کیا گیا ہے۔ حالانکہ طالوت کی بادشاہت کا اعلان جہاد سے پہلے کردیا گیا تھا اور انہیں بادشاہ بنادیا گیا تھا:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا﴾ اور ان (بنی اسرائیل) کے نبی نے ان کو کہا اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کردیا ہے۔ (البقرۃ:۲۴۷)

معلوم نہیں کہ وقار صاحب نے اس مناظرہ کے دوران میں اس قدر جہالت کا مظاہرہ کیوں کیا؟ کیونکہ وہ اپنی اس بات پر مسلسل مصر رہے۔ اور داود علیہ السلام کی خلافت کے ذکر کو طالوت پر چسپاں کرتے رہے۔ موصوف نے سابقہ جماعت المسلمین پر چند انتہائی اہم کتب تحریر کی ہیں۔ (۱) جماعت المسلمین یا جماعت التکفیر (۲) تحقیق مزید، لیکن ایسا لگتا ہے کہ اب وہ اپنے اس مؤقف سے رجوع کرچکے ہیں اور فرقہ پرستی کی جس گندگی میں وہ پہلے لت پت ہوگئے تھے اب دوبارہ وہ اس میں جا پڑے ہیں۔

﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ کے سلسلہ میں بعض خلافتوں کا ذکر قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، لیکن میں اس کی تفصیل میں جانا مناسب نہیں سمجھتا اور صرف حوالہ جات نقل کرنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ سیدنا یوسف علیہ السلام (یوسف:۵۶) سیدنا سلیمان علیہ

السلام (صٓ: ۳۵، ۳۶، النمل: ۱۵، ۱۶) سیدنا ذوالقرنین علیہ السلام (الکہف: ۸۴)

امام مہدی

نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت مسلمانوں کے جو خلیفہ ہوں گے انہیں امام مہدی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے حدیث میں خلیفہ، امام اور امیر وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(۱) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين إلى يوم القيامة، قال: فينزل عيسى ابن مريم فيقول أمير هم تعال صل لنا فيقول لا إن بعضكم على بعض أمر آء تكرمة الله هذه الأمة .**)) میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لئے لڑتی رہے گی اور قیامت تک اپنے مخالفین پر غالب رہے گی۔ پھر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے پس مسلمانوں کا امیران سے کہے گا آئیے اور ہمیں نماز پڑھائیے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ نہیں بے شک تم میں سے بعض بعض پر امیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس امت کو بزرگ و برتر سمجھتا ہے۔ (مسلم کتاب الایمان ح ۳۹۵)

(۲) دوسری حدیث میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((**يكون في آخر الزمان خليفة يقسم المال ولا يعدهٗ وفي رواية: يكون في آخر أمتي خليفة يحثى المال حثيًا ولا يعده عدًا " وفي رواية: من خلفائكم خليفة يحثو المال حثيًا ولا يعدهٗ عددًا.**))

آخری زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جو (لوگوں میں) مال تقسیم کرے گا اور اس مال کو شمار نہیں کرے گا، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔ اور ایک روایت میں ہے: تمہارے خلفا میں سے ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال تقسیم کرے گا اور اس کو شمار نہیں کرے گا۔

(مسلم کتاب الفتن ۷۳۱۸، ۷۳۱۵، ۷۳۱۷۔ مشکوٰۃ: ۵۴۴۱۔ مسند احمد ۳/۳۱۷ مستدرک ۴/۴۵۴)

(۳) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كيف أنتم إذا نزل ابن مريم فيكم وإما مكم منكم.)) تمھاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے اور تمھارے امام تم میں سے ہوں گے۔

(بخاری کتاب احادیث الانبیاء ح ۳۴۴۹، مسلم کتاب الایمان ح ۳۹۳، ابوعوانہ ۱/۱۰۶، شرح السنۃ ۱۵/۸۲)

[امام مہدی کے سلسلہ میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے صحیح ابن حبان ح ۶۷۸۴، صحیحہ ۲۰۱۴، قال الحافظ زبیر علی زئی: وھو کما قالوا، یعنی قال الحاکم والذہبی والالبانی صحیح، التحقیق علی کتاب الفتن والملاحم لابن کثیر عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، سنن ابی داود کتاب المہدی]

دوسرا شبہ:

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق سوالات کیا کرتے تھے اور میں ان سے شر کے بارے میں دریافت کیا کرتا تھا اس ڈر سے کہ میں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ نے ہمیں یہ خیر دکھائی تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں نے عرض کیا: تو کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہے؟ فرمایا: ہاں، مگر اس میں دخن ہوگا۔ میں نے عرض کیا: دخن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ایسے لوگ ہوں گے جو میرے طریقہ پر نہیں ہوں گے، ان کی کچھ باتیں معروف ہوں گی اور کچھ منکر۔ میں نے پھر عرض کیا: اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے جو ان کی دعوت قبول کرلے گا وہ اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں کے کچھ اوصاف بتائیے۔ فرمایا: وہ ہماری قوم کے لوگ ہوں گے اور ہماری ہی زبان میں باتیں کریں گے۔ میں نے عرض کیا: کہ اگر میں اس وقت کو پالوں تو آپ مجھے کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا: مسلمین کی جماعت اور ان کے امام کو

لازم پکڑنا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر ان کی جماعت اور امام نہ ہو تو؟ فرمایا: ان سب فرقوں سے الگ ہو جانا چاہے تمھیں درخت کی جڑیں چبانی پڑ جائیں یہاں تک کہ تمھیں اسی حالت میں موت آ جائے۔ (بخاری، کتاب الفتن ح ۷۰۸۴، ۳۶۰۶، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ح ۱۸۴۷)

اس حدیث کے الفاظ تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم (جس میں فتنوں کے دور میں جماعۃ المسلمین اور اس کے امیر کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے) سے استدلال کیا گیا ہے کہ خلیفہ صاحب اور اس کی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی جائے۔ ان سے پہلے مسعود احمد (بی ایس سی) بھی اپنی جماعت المسلمین کے لئے اس روایت سے استدلال کر چکے ہیں اور ان سے متاثر ہو کر وقار علی شاہ صاحب بھی ایک عرصہ تک ان کی جماعت میں شامل رہے اور پھر اس جماعت سے خروج اختیار کر کے کچھ عرصہ بعد خلیفہ والی جماعت المسلمین میں شامل ہو کر اس کے امیر پاکستان بن چکے ہیں۔ اس روایت کے دوسرے طریق میں خلیفہ کے الفاظ بھی آئے ہیں:

((إن كان للّٰه تعالى خليفة في الأرض فضرب ظهرك وأخذ مالك فأطعه.))

(ابو داود کتاب الفتن: ۴۲۴۴، ۴۲۴۵ وھو حدیث حسن، مسند احمد ۴۰۳/۵، مستدرک ۴۳۲/۴، مشکوٰۃ ۱۴۸۴/۳، مسند ابی عوانہ ۴۷۰/۴)

امام ابو عوانہ نے حدیث تلزم جماعۃ المسلمین وامامھم کو نقل کر کے اس کے بعد اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

اس حدیث کا تعلق حکومت وخلافت سے ہے اگر مسلمانوں کی خلافت قائم ہو تو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اس کا ساتھ دینا ضروری ہے لیکن اگر خلافت موجود نہ ہو تو کسی فرقہ یا جماعت میں شامل نہیں ہونا چاہئے، بلکہ تمام فتنوں سے الگ رہ کر قرآن و حدیث کے ساتھ وابستہ رہنا چاہئے۔ خلیفہ صاحب کے پاس اس وقت چونکہ خلافت موجود نہیں ہے، لہٰذا اس کے حواریوں کا اس روایت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ صرف نام رکھ لینے سے اور بیعت لینے سے کوئی شخص خلیفہ نہیں بن سکتا۔ ورنہ ہر علاقے میں لوگ

اس طرح کا عمل شروع کر دیں گے اور اس طرح بے شمار خلافتیں وجود میں آ جائیں گی۔ پھر خلیفہ موصوف کا یہ عمل دھوکا اور فراڈ کے ضمن میں بھی آتا ہے اور مومن کبھی دھوکا باز اور فراڈی نہیں ہوسکتا۔ اس وضاحت کے بعد اب میں جناب تنویر اختر صدیقی صاحب کے سوالوں کی طرف آتا ہوں، ان کے اکثر سوالوں کے جوابات میری وضاحت میں آ چکے ہیں۔

سوال: ''منجانب: تنویر اختر صدیقی بخدمت جناب محترم ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعد! امید ہے بخریت ہوں گے۔ گزارش یہ ہے کہ جب میرا ذہن تحقیق اور دین کی طرف مائل ہوا تو جماعت المسلمین رجسٹرڈ کراچی میں شامل ہوا اور پھر جب دو سال بعد ان کے عقائد کھل کر سامنے آ گئے تو ان سے برات کی۔ پھر آج تک کسی جماعت میں شامل نہیں ہوا۔ سردست ایک مسئلہ میں آپ کی مدد درکار ہے کہ مجھے قرآن وسنت سے ان مسائل پر سمجھا کر اللہ سے ثواب کی امید پائیں، جزاک اللہ خیراً۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ 1994ء میں علاقہ غیر ''تیراہ'' میں عرب مجاہدین نے ایک شخص ابوعیسیٰ محمد الرفاعی کے ہاتھ پر بطور خلیفہ بیعت کی۔ جب قبائلیوں سے لڑائی ہوئی تو یہ لوگ افغانستان چلے گئے۔ وہاں بھی لڑائی کے نتیجہ میں یہ لوگ پھر انگلینڈ چلے گئے اور آج تک یہ لوگ مسلمانوں سے درخواست کر رہے ہیں کہ ہمارے خلیفہ کی بیعت کریں۔ مجھے بھی یہ دعوت ملی ہے لیکن سخت الجھن کا سامنا ہے کیونکہ ایسے شخص کو خلیفہ کیسے تسلیم کریں جو کفار کے زیر اثر اور قبضے میں ہے؟ بہر حال آپ مہربانی فرما کر میری یہ الجھن دور فرمائیں۔

۱: بخاری کی ایک حدیث ہے کہ ''میرے بعد خلفاء ہوں گے۔ تم پہلی بیعت کے حامل خلیفہ کی وفاداری کرو۔'' جبکہ طبرانی کی صحیح حدیث ہے کہ ''نبوت کے بعد خلافت ہوگی جو رحمت ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی، پھر امارت ہوگی جو رحمت ہوگی۔'' گزارش یہ ہے کہ ان دونوں احادیث کی کس طرح تطبیق کریں؟

الجواب (۱): [المعجم الاوسط للطبرانی میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنكم في

نبوة ورحمة، و ستكون خلافة ورحمة، ثم يكون كذا و كذا، ثم يكون ملگا عضوضًا)) إلخ (۳۰۱/۷ ح ۶۵۷۷ وسندہ حسن)

اس روایت اور صحیح بخاری کی روایت میں کوئی تعارض نہیں۔ خلفا میں سے خلفائے راشدین بھی ہوں گے اور ان کے بعد ایسے خلفا بھی آئیں گے جو "کذا وکذا" اور ملک عضوض سے متصف ہوں گے۔]

سوال (۲): کیا "امارت ہوگی جو رحمت ہوگی" والی حدیث سے امت میں اکثر امارتوں کا ظہور نہیں ہوا جیسا کہ اب بے شمار جماعتوں کے امراء موجود ہیں؟

الجواب (۲): امارت سے مراد خلافت وحکومت ہے نہ کہ کسی بے اختیار امیر کی امارت بعض امراء نے جو موجودہ وقت میں اپنی امارتیں قائم کر رکھی ہیں تو یہ صرف تنظیمی لحاظ سے اپنی جماعتوں کے امیر ہیں اور جماعت کے نظم ونسق کو چلانے کیلئے انہوں نے یہ امارتیں قائم کر رکھی ہیں۔ میرے خیال میں ان امارتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ علمائے کرام ان امارتوں کے بغیر بھی دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ تمام امرا اپنی اپنی امارتیں چھوڑ کر ایک امارت کے ماتحت ہو جائیں، لیکن چونکہ معاملہ کرسی کا ہے اور کوئی امیر اپنی کرسی چھوڑنا نہیں چاہتا۔ اس سلسلہ میں بعض لوگوں نے کوششیں بھی کی ہیں لیکن انہیں کامیابی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی۔ ایک صاحب نے اس سلسلہ میں جو جواب دیا وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں کہ "جب سب جماعتیں متحد اور ایک ہو جائیں گی تو پھر ہم بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔" ان جماعتوں کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ تعصب اور نفرت کو ہوا دیتی ہیں بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ﴾ ہر جماعت کے پاس جو کچھ ہے اس پر وہ خوش ہے۔ (الروم: ۳۲)

سوال (۳): کیا موجودہ مسلمانوں کی مذہبی وسیاسی جماعتیں، ساری شرعی ہیں یا غیر شرعی؟ اگر شرعی ہیں تو "ولا تفرقوا" پر عمل کیسے ہوگا؟

الجواب (۳): مسلمانوں کا مختلف جماعتوں میں تقسیم ہو جانا تفرقہ کی ایک صورت ہے اور تفرقہ کی یہ شکل وصورت غیر شرعی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ (ال عمران:۱۰۳)

[یعنی تمام موجودہ سیاسی و مذہبی جماعتوں سے علیحدہ ہو جاؤ، کسی ایک کی بھی رکنیت وغیرہ اختیار نہ کرو]

سوال (۴): فرقہ پرستی کے اس دور میں ایک مسلم کیا کرے؟ نیز خلافت کا قیام کس طرح ہو گا؟

الجواب (۴): مسلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع و پیروی اختیار کرے۔ قرآن وحدیث پر عمل پیرا رہے۔ اور اللہ کی نافرمانی سے بچتا رہے۔ اگر ایسا دور آ جائے کہ اس میں اللہ کی عبادت کرنا مشکل ہو جائے تو جنگل کی طرف نکل جائے وہاں بکریاں چرائے اور اللہ کی عبادت کرے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچائے یا پھر اپنے گھر یا کسی مقام میں گوشہ نشین ہو جائے۔ اس سلسلہ میں احادیث میں جو تفصیل آئی ہے وہ ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یوشك أن یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بها شعف الجبال ومواقع القطر، یفر بدینه من الفتن.))

وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی وہ ان کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر یا بارش کے گرنے کی جگہ (جنگل کے نالوں پر) چلا جائے گا اور فتنوں سے بھاگ کر اپنے دین کو بچا لے گا۔ (بخاری کتاب الایمان: ۱۹، ۳۳۰۰، ۳۶۰۰، ۶۴۹۵، ۷۰۸۸)

سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عنقریب فتنوں کا ظہور ہو گا اور یاد رکھو کہ پھر ان فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ پیش آئے گا

اس بڑے فتنہ میں بیٹھا ہوا شخص چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا بہتر ہوگا فتنہ کی طرف دوڑنے والے سے۔ خبردار! جب یہ فتنہ وقوع میں آئے تو وہ شخص جس کے پاس اونٹ ہو اپنے اونٹ کے ساتھ ہو جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں مل جائے اور جس کے پاس زمین ہو وہ اپنی زمین میں جا پڑے (یعنی تمام مصروفیتوں کو چھوڑ کر گوشہ تنہائی اختیار کرے اور ان چیزوں میں مشغول ومنہمک ہو جائے) ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جس کے پاس اونٹ، بکریاں اور زمین نہ ہو وہ کیا کرے؟ فرمایا: وہ اپنی تلوار کی طرف متوجہ ہو اور اس کو پتھر پر مار کر توڑ ڈالے (یعنی اس کی دھار کو بیکار کر دے تاکہ جنگ وجدل کا خیال اس کے دل میں پیدا نہ ہو۔) اور پھر اس کو چاہیے کہ ان فتنوں سے نجات پانے کے لئے بھاگ نکلے اگر وہ جلد ایسا کر سکے (تو اس میں دیر نہ کرے) اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے اللہ! میں نے تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے۔ تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے۔ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر مجھ پر جبر کیا جائے یہاں تک کہ مجھ کو دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی صف میں لے جایا جائے اور مجھ کو ایک شخص تلوار سے مارے یا کوئی تیر آ کر لگے اور مجھ کو مار ڈالے تو میری نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا: تیرے قاتل پر اپنا اور تیرا دونوں کا گناہ ہوگا اور یہ شخص جہنمیوں میں سے شمار ہوگا۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن: ۷۲۵۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بادروا بالأعمال فتنًا كقطع الليل المظلم يصبح الرجل مؤمنًا ويمسي كافرًا ويمسي مؤمنًا ويصبح كافرًا يبيع دينه بعرض من الدنيا .))

اعمال (نیک) میں جلدی کرو ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے جو تاریک رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (اس وقت) آدمی صبح کو اگر مومن ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا تو صبح کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا۔ (مسلم کتاب الایمان ح ۳۱۳)

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
قیامت آنے سے پہلے فتنے وقوع میں آئیں گے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی مانند ہوں گے (یعنی ہر ساعت میں انقلاب پیدا ہوتا رہے گا) اس وقت آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔ (ان فتنوں میں) بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اس وقت تو اپنی کمانوں کو توڑ ڈال اور کمانوں کے چلوں کو کاٹ دے۔ اور تلواروں کو پتھر پر مار دے (یعنی ان کی دھار کو بیکار کر دے) پھر اگر کوئی شخص تم میں سے کسی کو مارنے آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ آدم کے دو بیٹوں میں بہترین بیٹے کی مانند ہو جائے (یعنی مانند ہابیل کے۔) (ابوداود: ۴۲۵۹ وإسنادہ حسن)

ابوداود (۴۲۶۲ وھو حسن) کی ایک اور روایت میں ''چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے'' کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ۔ (یعنی گھروں میں پڑے رہو) اور ترمذی (۲۲۰۴ وھو حسن) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''تم اس میں اپنی کمانوں کو توڑ ڈالو اور ان کے چلے کاٹ دو اور گھروں میں پڑے رہو اور آدم علیہ السلام کے بیٹے (ہابیل) کی مانند بن جاؤ۔'' (ترمذی: ۲۲۰۴ وھو حسن)

سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فتنہ کے دور میں عبادت کرنے کا ثواب میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہوگا۔

(مسلم: ۲۹۴۸ دارالسلام: ۷۴۰۰)

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اپنی امت کے لئے میں جن چیزوں سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ گمراہ کرنے والے امام (پیشوا) ہیں اور جب میری امت میں تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک نہ رکے گی۔ (یعنی قتال کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔) [ابوداود: ۴۲۵۴ وسندہ صحیح]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کی ہلاکت قریش کے چند نوجوانوں کے ہاتھ سے ہوگی۔'' (صحیح البخاری: ۷۰۵۸)

المختصر یہ کہ پرفتن دور میں ہر مسلم کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرتا رہے اور ایمان کو بچانے کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو اس کی حفاظت میں لگ جائے۔ چاہے اس کے لئے اسے گوشہ نشین ہو جانا پڑے اور جنگل بیابان کی طرف نکل جانا پڑے۔ بعض صحابہ کرام اس بہترین دور میں بھی جب کہ وہ خیر کا زمانہ تھا، لیکن مسلمانوں کی جنگ وجدال کی وجہ سے وہ گاؤں، صحرا اور جنگل وغیرہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ جیسے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ مسلمانوں کی آپس کی جنگ وجدال کی وجہ سے بعض صحابہ کرام نے دونوں جماعتوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے جیسے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہما۔

پرفتن دور میں مسلمانوں کے آپس میں جنگ وجدال میں کسی مسلمان کو حصہ لینے کے بجائے اس سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے۔ البتہ تکفیری جماعتیں جو تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتی ہیں انہیں مٹانے کے لئے علمائے کرام اور اسلامی حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔ جس طرح خارجیوں کو قتل کرنے کی ترغیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ گمراہ کرنے والے اماموں اور فتنہ پرور قائدین سے دور رہے۔

جہاں تک خلافت کے قیام کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں تمام اہل اسلام کو قرآن وحدیث کے مطابق اپنے اعمال کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا پڑے گا۔ اور جب ہمارے اعمال درست ہو گئے اور ہم مکمل اخلاص کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ہمیں خلافت عطا فرما دے گا۔ خلافت کے لئے ایمان اور اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ اور جب ایسی حالت میں تمام اہل ایمان متحد و متفق ہو کر خلافت کے لئے کوشاں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور انہیں خلافت عنایت فرمائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

سوال (۵): کیا ابوعیسیٰ محمد الرفاعی کا پاکستان کے ایک گاؤں میں خلافت قائم کرنا صحیح

تھا؟ کیونکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ خلافت تو آزاد علاقے میں قائم کی جاتی ہے نہ کہ کسی دوسرے طاغوت یا کافر کی سرزمین پر؟

الجواب (۵): خلافت کے لئے ضروری ہے کہ کسی ملک یا علاقہ کا کنٹرول خلیفہ کے پاس ہو اگر وہ علاقہ کسی ملک کی ملکیت ہو تو ظاہری بات ہے کہ وہاں خلافت کا قیام ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک کافروں کے کنٹرول میں ہو اور وہاں کے مسلمان وہ ملک خلیفہ کے حوالہ کر دیں تو ایسی صورت میں بھی وہاں خلافت قائم ہو جائے گی۔

سوال (۶): کیا خلیفہ کے ساتھ مملکت، فوج اور طاقت کا ہونا لازمی ہے؟

الجواب (۶): خلیفہ کے ساتھ مملکت، فوج اور طاقت کا ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ اس مضمون میں ثابت کر دیا گیا ہے۔

سوال (۷): کیا امارت، امامت اور خلافت ہم معنی الفاظ ہیں؟ کیا ان تینوں الفاظ میں اقتدار یا زمین رکھنے کا مفہوم شامل نہیں جیسے سرحد میں خان، پنجاب میں چودھری، سندھ میں وڈیرا اور بلوچستان میں سردار اور اردو میں بادشاہ، حکمران الفاظ ہیں؟

الجواب (۷): امارت، خلافت اور سلطنت مترادف الفاظ ہیں اور ان سے مراد خلافت و حکومت ہی ہے اور خلیفہ کے لئے طاقت و اقتدار ضروری چیز ہے ورنہ وہ خلیفہ برائے نام ہی خلیفہ ہوگا۔

سوال (۸): کیا خلیفہ کے لئے آزاد ہونا بھی لازمی ہے کہ کفار کے تسلط میں نہ ہو؟

الجواب (۸): خلیفہ کے لئے آزاد ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ کسی کافر ملک کا محکوم اور برٹش حکومت کا وظیفہ خوار ہو تو ایسا شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا۔

سوال (۹): ابوعیسیٰ محمد الرفاعی سے بقول ان کے مملکت جب چھین لی گئی اور انہوں نے برطانیہ میں پناہ لی تو کیا اس طرح ان کی خلافت ختم نہیں ہو گئی؟

الجواب (۹): ابوعیسیٰ محمد الرفاعی کی خلافت قائم ہی کب ہوئی تھی کہ ان سے چھین بھی لی گئی ہو!! خلیفہ صاحب تو اس وقت برٹش حکومت کی پناہ میں ہیں اور وہاں کے قوانین کے

مطابق ان کے ملک میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ وہ تو خود پناہ گزین ہیں، لہٰذا خلافت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال (۱۰): کیا نبی ﷺ نے نبوت ملنے سے پہلے اپنے آپ کو نبی کہا یا کہلوایا یا خلفاء نے خلافت ملنے سے قبل اپنے آپ کو خلیفہ کہا یا کہلوایا جیسے ابوعیسیٰ محمد الرفاعی کو ابھی خلافت یعنی سلطنت نہیں ملی، لیکن اپنے آپ کو خلیفہ کہتے ہیں؟

الجواب (۱۰): نبی ﷺ نے نبوت ملنے سے قبل کبھی بھی اپنے آپ کو نبی نہیں کہا۔ اسی طرح خلفا نے بھی خلافت ملنے سے پہلے اپنے آپ کو خلیفہ نہیں کہا۔ اسی طرح خلیفہ صاحب کو بھی ابھی تک خلافت نہیں ملی ہے، لہٰذا ان کا اپنے آپ کو خلیفہ کہنا یا کہلوانا درست نہیں ہے۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے دکھائی دیتے ہیں اور ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے، ممکن ہے کہ خلیفہ صاحب بھی اپنی خیالی خلافت ہی میں رہتے ہوں اور اپنے آپ کو خلیفہ کہتے اور کہلواتے ہوں۔

سوال (۱۱): کیا خلافت بغیر ریاست وسلطنت لغت یا اصطلاح شرع میں معروف ہے؟

الجواب (۱۱): خلافت کا تصور حکومت وریاست کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

سوال (۱۲): کیا قرآن وحدیث میں جو الفاظ آئے ہیں ان کا معنی ہم لغت میں نہیں دیکھیں گے؟ یا ہر زبان کے بامحاورہ جملے والفاظ بھی ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں اگر گوشت کہا جائے تو اس سے مراد بڑا گوشت ہوتا ہے اگرچہ لغت میں گوشت چھوٹے جانور اور مچھلی کے گوشت کو بھی کہتے ہیں لیکن مستعمل بڑے گوشت کا مفہوم ہے تو کیا عرب لغت یا اصطلاح میں خلیفہ کو طاقت اور اقتدار کا حامل نہیں سمجھا جاتا؟

الجواب (۱۲): خلیفہ قرآن وحدیث اور لغت ہر جگہ بادشاہ اور سلطان ہی کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن جس نے نہ ماننا ہو اور ''میں نہ مانوں'' والے محاورے پر وہ عمل پیرا ہو تو ایسے شخص کا کوئی کیا کرسکتا ہے؟ شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

سوال (۱۳): خلیفہ پر کتنے مسلمانوں کا اجماع ہونا شرط ہے؟

الجواب (۱۳): امت کے اہل حل وعقد اور مجلس شوریٰ کے اراکین کسی خلیفہ پر متفق ہو جاتے ہیں تو ایسا شخص خلافت کا حق دار ہے۔ اور تمام لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

[فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " **الإمام الذي يجمع المسلمون عليه، كلهم يقول: هذا إمام، فهذا معناه** " اس سے وہ امام مراد ہے جس پر مسلمانوں کا اجماع ہو۔ ہر مسلمان یہی کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے۔ پس اس حدیث کا یہی مفہوم ہے۔

(المسند من مسائل الامام احمد للخلال قلمی: ۱ بحوالہ الامامۃ العظمیٰ عند أهل السنۃ والجماعۃ ص ۲۱۷)]

سوال (۱۴): کیا آپ ﷺ یا کسی خلیفہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ کسی شہر جیسے کراچی پر اس کی حکومت اور سلطنت نہ ہو لیکن اس نے اپنے لئے امیر کراچی کا لقب اختیار کیا ہو۔ جیسا کہ تمام مذہبی وغیر اقتدار سیاسی جماعتوں کے امرا ہیں۔ حتیٰ کہ ابو عیسیٰ خلیفہ جو کہ لندن میں پناہ لئے ہوئے ہیں اس کے بھی مختلف شہروں اور ممالک پر امراء موجود ہیں اگرچہ ان ممالک اور شہروں میں اس کی سلطنت نہیں؟

الجواب (۱۴): اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ یہ لوگ امیر اور حاکم نہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ اپنے آپ کو امیر پشاور، امیر ملتان اور امیر المؤمنین تک لکھتے ہیں: ع

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا۔

سوال (۱۵): صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق "اگر خلیفہ نہ ہو تو تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ" کیا فرقوں سے نماز، جنازہ، نکاح میں علیحدگی مقصود ہے یا خلیفہ نہ ہو اور مسلمین آپ (آپس) میں خلافت کے لئے جنگ کریں تو صرف اس کشمکش میں فرقوں سے علیحدگی ہے؟ خلیفہ نہ ہو اور تمام فرقے دندناتے پھر رہے ہوں تو علیحدگی کی کیا صورت مقصود ہے؟

الجواب (۱۵): تمام فرقوں سے الگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تنظیم میں شامل نہ

ہوا جائے، البتہ بر اور تقویٰ کے امور میں ان کے ساتھ تعاون ہونا چاہئے اور اثم وعدوان میں ان سے علیحدگی ضروری ہے۔ یہ بھی اس صورت میں کہ جب ان کے عقائد ونظریات درست ہوں۔ اور سنت نبوی ﷺ پر وہ عمل پیرا ہوں۔ نیز سیاسی جماعتوں سے بھی علیحدگی ضروری ہے۔ اور پرفتن دور میں گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہئے جیسا کہ اس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

سوال (۱۶): سورۃ انعام آیت ۱۲۱ کی رو سے کیا کسی کافر یا طاغوت کی شرک وکفر کی ملازمت، شرک نہ ہوگا؟

مخلص: تنویر اختر صدیقی صوبائی پبلک سروس کمیشن، فیز IV، سکاوٹ بلڈنگ، پشت تا تارہ پولیس سٹیشن، حیات آباد پشاور"

الجواب (۱۶): ملازمت کسی کافر اور مشرک کی بھی جائز ہے، جب تک کہ اس ملازمت میں اسلام کو نقصان پہنچانے والا کوئی عمل شامل نہ ہو۔ نیز اس ملازمت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی کوئی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔ سورۃ الانعام کی آیت ۱۲۱ میں یہ مضمون ذکر ہوا ہے کہ "شیاطین اپنے دوستوں کی طرف ایسی باتیں القا کرتے ہیں کہ وہ تم سے لڑائی اور جدال کریں، لہٰذا ایسی صورت میں اگر تم ان مشرکوں کی اطاعت کروگے تو تم بھی مشرک بن جاؤ گے۔" **هذا ما عندي والله أعلم**

[الحدیث:۲۲]

حافظ ندیم ظہیر

ایک دُشنام طراز کے جواب میں

جب سے آلِ دیوبند کی حقیقت منکشف ہونا شروع ہوئی ہے۔ ان کا اضطراب روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتے اور اپنے اکابر کے اکاذیب سے براءت کا اظہار کرتے، لیکن انھوں نے اس کے برعکس دشنام طرازی، قلم درازی، تبرابازی اور دوسروں پر جھوٹ کا الزام لگانے کے لئے مزید جھوٹوں اور خلطِ مبحث کا سہارا لینا شروع کیا۔ اس مضمون میں ایسے ہی ایک دشنام طراز کا انتہائی اختصار کے ساتھ علمی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

☆ امام الفقہاء وامیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: ''**تابعه محمد بن عبدالرحمٰن و عبدالعزیز بن محمد و أسامة بن حفص**'' اس (ابو خالد الاحمر) کی متابعت محمد بن عبدالرحمٰن، عبدالعزیز بن محمد اور اسامہ بن حفص نے کی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۰ ح ۷۳۹۸)

(۱) محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی والی روایت صحیح بخاری میں کتاب البیوع (باب: ۵ حدیث: ۲۰۵۷) میں گزر چکی ہے۔

(۲) عبدالعزیز بن محمد الدراوردی والی روایت محمد بن ابی عمر العدنی کی کتاب میں ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۳۸۰/۱۳)

(۳) اسامہ بن حفص المدنی والی روایت صحیح بخاری کتاب الذبائح والصید (حدیث: ۵۵۰۷) میں گزر چکی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ پہلے ایک روایت اصالۃً ہو، پھر دوسری متابعۃً ہو بلکہ متابعت والی روایت پہلے، بعد یا دوسری کتاب میں بھی ہو سکتی ہے۔

اب ایک جاہل جو علمِ حدیث کی ابجد سے بھی نابلد ہے وہ اسے جھوٹ قرار دے رہا ہے۔ اس سے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ خود کرائے کا کذاب ہے، کیونکہ جبہ، ٹوپی پہننے سے یا

"ذہبی" کا لاحقہ لگانے سے کوئی عالم نہیں بن جاتا۔ ع

آدمیت اور شے ہے علم ہے کچھ اور چیز کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا

ایسی مزید مثالیں ملاحظہ کریں! جس سے دجالوں کا دجل، فریبیوں کا فریب اور کذابوں کا کذب روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

☆ حصین بن نمیر الواسطی ایک راوی ہیں، جن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: "و فی الطب حدیثاً واحداً تابعه علیه عنده هشیم و محمد بن فضیل" اور (امام بخاری نے اس سے) کتاب الطب میں ایک حدیث روایت کی ہے جس میں اس کی صحیح بخاری میں ہشیم اور محمد بن فضیل نے متابعت کی ہے۔ (ہدی الساری ص ۳۹۸)

نیز دیکھئے صحیح بخاری کتاب الطب باب من لم یرق، حدیث: ۵۷۵۲

اس باب میں حصین بن نمیر کی روایت کے علاوہ دوسری کوئی روایت نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ متابعت والی روایت باب میں اصالۃً والی روایت کے بعد ہی ہوتی ہے، لاعلمی، دھوکہ اور مردود بات ہے۔

☆ امام بخاری صحیح بخاری میں داود بن عبدالرحمٰن العطار کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

(دیکھئے صحیح بخاری کتاب الاذان باب اذا قام الرجل عن یسار الامام حدیث: ۷۲۶، ارشاد الساری للقسطلانی ۲/۶۷)

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "ولم یخرج له البخاري سوی حدیث واحد فی الصلوٰة متابعةً" امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں بطورِ متابعت ایک حدیث کے سوا ان کی کوئی روایت بیان نہیں کی۔ (ہدی الساری ص ۴۰۲)

یاد رہے کہ اس باب میں صرف یہی ایک روایت ہے، لہٰذا بعض جہال کا یہ فلسفہ باطل ٹھہرا کہ پہلے اصالۃً روایت ہی ہوتی ہے اور پھر متابعۃً، اسے خوب ذہن نشین کر لیں۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ الیاس گھمن دیوبندی نامی شخص کے دو رسالے میرے پیشِ نظر ہیں۔ ان میں دیوبندی اکابر کی روش کو برقرار رکھا گیا ہے اور موروثی طریقہ اپناتے ہوئے دلائل کے بجائے گالی گلوچ کے ذریعے سے اپنے کلیجوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

استاذ محترم فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے خلاف تبرا بازی کی گئی، کیوں؟ اس لئے کہ وہ عوام کو بتا رہے تھے: ع یہ رہزن ہیں جنھیں تم رہبرِ منزل سمجھتے ہو۔

اب آتے ہیں رسالے میں کئے گئے ان دعووں کی طرف جو انھوں نے رٹے رٹائے الفاظ لکھ مارے یعنی جھوٹ، جھوٹ وغیرہ۔

(۱) کتاب ''امین اوکاڑوی کا تعاقب'' (۶۶) میں علی بن الجعد کی چودہ روایات صحیح بخاری سے پیش کر کے باحوالہ ان کی متابعت ثابت کر دی گئی ہے جس کی تحقیق انتہائی آسان ہے، لیکن

آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے

اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

ان میں سے ایک حوالہ بھی غلط نہیں ہے۔ والحمد للہ

(۲) نور العینین طبع دوم (اپریل ۲۰۰۲ء ص ۱۸۳۔۱۸۶) وطبع سوم (مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۷۷۔۱۸۰) میں قاری ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ کی صحیح بخاری میں تمام روایات میں متابعات یا شواہد ثابت کر دیئے گئے جن میں سے ایک حوالہ بھی غلط نہیں ہے۔ والحمد للہ

تنبیہ: واضح رہے کہ اس کے بعد قاری ابو بکر بن عیاش کے بارے میں استاذ محترم حفظہ اللہ کی تحقیق بدل گئی تو انھوں نے اپنے سابقہ موقف سے علانیہ رجوع کیا ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۸ ص ۵۴، اور نور العینین (طبع جدید، دسمبر ۲۰۰۶ء) ص ۱۶۸

لہٰذا ابو بکر بن عیاش کے بارے میں سابقہ تحقیق منسوخ ہے۔

(۳) نور العینین فی اثبات رفع الیدین طبع قدیم وطبع جدید (دسمبر ۲۰۰۶ء ص ۶۶) میں حوالہ نمبر ۱۰ کے تحت نسائی کے سلسلے میں 5 کا ہندسہ کتابت کی غلطی سے چھپ گیا ہے جس کی اصلاح آئندہ ایڈیشن میں کر دی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

تنبیہ: ابو عوانہ کا حوالہ جو نور العینین میں اسی جگہ موجود ہے اُس سے اور صحیحین کی حدیث سے 5 کا مطلوبہ مفہوم واشگاف الفاظ میں ثابت ہے، لہٰذا یہ واضح ہوا کہ نسائی کے ساتھ 5 کا عدد کتابت کی غلطی ہے۔

اس کمپوزنگ کی غلطی کو وہی لوگ جھوٹ تصور کریں گے جن کی پرورش ہی جھوٹوں میں ہوئی ہو یعنی جن کے پیشوا اور اکابر جھوٹے ہیں۔ ع

بھید کھل جائے گا ظالم تیری قامت کی درازی کا
اگر اس طرہ پر پیچ وخم کا پیچ وخم نکلے

قاسم نانوتوی دیوبندی نے کہا: ''لہٰذا میں نے جھوٹ بولا'' (حکایات اولیاء ص ۳۹۰ حکایت: ۳۹۱)

دوسرے دیوبندی پیشوا نے اعلان کیا کہ ''جھوٹا ہوں'' (دیکھئے فضائل صدقات ص ۵۵۸)

جھوٹو! خود تو جھوٹ کی بیماری میں مبتلا ہو، دوسروں کو کیوں اس دلدل میں گھسیٹ رہے ہو؟ تمھارا ورثہ تمھیں مبارک ہو!

محمد عبداللہ درخواستی دیوبندی نے اپنے ہاتھ اور اپنے قلم سے ایک آیت غلط لکھی ہے۔ دیکھئے کتاب ''تذکرہ محمد عبداللہ درخواستی'' تصنیف صاحبزادہ خلیل الرحمٰن درخواستی ص ۱۸۱، طبع ۱۹۹۵ء۔

دیوبندیو! اب کتابت کی اس غلطی کی وجہ سے درخواستی پر کذاب ودجال کا فتویٰ لگاؤ، اگر نہیں تو پھر دوسروں کی کتابت کی غلطی کی بنا پر سب وشتم کی بوچھاڑ کیوں؟ کیا تمھارے ہاں لینے اور دینے کے پیمانے علیحدہ علیحدہ ہیں؟ ؎ شرم تم کو مگر نہیں آتی

لطیفہ: الیاس گھمن کے خود ساختہ ''ذہبی'' لکھتے ہیں: '' **كما قال الله تعالىٰ " الا لعنة الله على الكذبين** '' (قافلہ حق ج ۱ شمارہ: ۲ ص ۵۷)

حالانکہ اس طرح کی آیت قرآن مجید میں قطعاً نہیں ہے۔ بعد میں یہ غلطی بے چارے کمپوزر کے ذمے لگا دی ہے۔ دیکھئے شمارہ: ۳ ص ۶۴

اور ''تصحیح اغلاط'' میں بھی ''اور کذاب غلط اور کذبا صحیح ہے۔'' شائع کیا گیا ہے۔ حالانکہ ''اور کذاب غلط اور کذاباً صحیح ہے۔'' ہونا چاہئے۔ خود ''تصحیح اغلاط'' کے نام پر پورا صفحہ چھاپ دیا ہے اور دوسروں کی چھوٹی سی کمپوزنگ کی غلطی کو بھی جھوٹ بنا دیا۔ ع

ہم بھی قائل ہیں تیری نیرنگی کے یاد رہے او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے

[الحدیث: ۴۰]

حافظ ندیم ظہیر

سرورالعینین پر ایک نظر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

حال ہی میں حافظ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب ''نورالعینین فی مسئلۃ رفع الیدین'' کا جواب دینے کی سعی لاحاصل کی ہے، کیونکہ ڈیروی صاحب نے جن باتوں کو بنیاد بنایا ہے وہ مرجوع (رجوع شدہ) یا کتابت کی غلطیاں ہیں۔اس سے قبل کہ ہم ڈیروی دیوبندی کی تحریر کا جائزہ لیں چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

۱) فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے باقاعدہ اعلان کر رکھا ہے کہ ''میری صرف وہی کتاب معتبر ہے، جس کے ہر ایڈیشن کے آخر میں میرے دستخط مع تاریخ موجود ہوں، اس شرط کے بغیر کسی شائع شدہ کتاب کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔''

(القول المتین فی الجہر بالتامین ص ۱۲، طبع اول جنوری ۲۰۰۴ء، طبع دوم ص ۱۹، جون ۲۰۰۷ء، ماہنامہ الحدیث شمارہ ۲۷ ص ۶۰، نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری ص ۱۴۱ طبع اول اپریل ۲۰۰۵ء والثانی ستمبر ۲۰۰۶ء)

۲) استاذ محترم حفظہ اللہ نے نورالعینین طبع جدید ص ۱۴ میں لکھا ہے: ''اس کا یہی جدید ایڈیشن معتبر ہے'' نیز راقم الحروف نے بھی مقدمۂ کتاب میں لکھا کہ ''اس ایڈیشن میں سابقہ تسامح وغیرہ کی تصحیح اور بعض کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے...... اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔''

(دیکھئے نورالعینین طبع جدید ص ۱۲، نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۵۸)

۳) تقریباً جولائی ۲۰۰۶ء کو ڈیروی صاحب اپنے بیٹے اور ساتھیوں کے ہمراہ مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک آئے اور استاذ محترم حفظہ اللہ سے ملاقات کی، دورانِ گفتگو میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ڈیروی صاحب سے پوچھا: سنا ہے کہ آپ نورالعینین کا جواب لکھ رہے ہیں؟ ڈیروی صاحب نے کہا: جی ہاں! تو استاذ محترم نے فرمایا: جواب لکھتے وقت اس کتاب کے جدید ایڈیشن کو پیشِ نظر رکھیں، کیونکہ اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔

لیکن اس کے باوجود ڈیروی صاحب نے ان تمام باتوں کو بھی بنیاد بنایا جن سے باقاعدہ اعلان کے ذریعے سے رجوع کیا جا چکا ہے۔

اس عمل کے ارتکاب سے بیچارے ڈیروی اپنی ہی تحریر کی رُو سے خائن و ملبّس ٹھہرے۔

ڈیروی نے خود لکھا ہے کہ ''کتنی زبردست جسارت ہے اور خیانت و تلبیس ہے کہ جو رسالہ منسوخ ہے اس کا مصنف اس عمل سے رجوع کر چکا ہے اس کی تشہیر کی جا رہی ہے

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہاء معلوم ''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴)

معلوم ہوا کہ رجوع شدہ بات کی تشہیر ڈیروی کے نزدیک خیانت و تلبیس ہے۔ ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اب دیکھئے کہ ڈیروی صاحب کتنے بڑے خائن اور تلبیس سے کام لینے والے ہیں۔

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ''فلہٰذا زبیر علی زئی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ حافظ صلاح الدین نے سفیان ثوری کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۰)

تجزیہ: حالانکہ استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے نور العینین طبع سوم، مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۲۳ پر دوٹوک الفاظ میں وضاحت فرمائی کہ ''حافظ العلائی کا یہاں ذکر میرا وہم تھا۔ صحیح یہ ہے کہ امام حاکم کا قول ہے۔ الحمدللہ''

لیکن ڈیروی صاحب مُصر ہیں کہ یہ حافظ زبیر علی زئی کا جھوٹ ہے۔ ڈیروی صاحب آپ اپنی تحریر کی رُو سے خائن و ملبس ثابت ہو چکے ہیں۔

تنبیہ: حافظ العلائی کے قول سے امام حاکم کا قول بدرجہا بہتر ہے، لہٰذا دلیل اور زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ یاد رہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے امام حاکم کو بحوالہ حافظ ذہبی ''الامام الحافظ اور الحجہ'' لکھا ہے۔ دیکھئے احسن الکلام (ج ۱ ص ۲۳۲) لہٰذا امام حاکم پر ڈیروی کی نیش زنی مردود ہے۔ اب ڈیروی صاحب کی ایک دوسری تحریر کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں، شاید کہ اپنے کیے پر نادم ہو کر توبہ کر لیں!!

ڈیروی نے لکھا ہے: ''غلط بیانی اور تلبیس گناہ ہے، اس کو آپ گناہ سمجھیں گے تو یہ مرض زائل ہوسکتی ہے ورنہ زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۴)

ڈیروی صاحب نے مزید لکھا کہ ''مولانا زبیر علی زئی فرماتے ہیں سفیان ثوریؒ احد الاعلام علماً وزہداً (الکاشف ج ا ص ۳۰۰) صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب) طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں الا اذا ثبت واللہ اعلم (طبقات المدلسین کا مطالعہ کریں) (جرابوں پر مسح ص ۴۰ جمع وترتیب عبدالرشید انصاری طبع اول)'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۱)

تجزیہ: یہاں بھی ڈیروی نے اپنی سابقہ روش برقرار رکھی، کیونکہ استاذ محترم حفظہ اللہ اس عبارت سے براءت کا اعلان فرما چکے ہیں جو کہ چھپ کر لوگوں کے ہاں عام ہو چکا ہے۔ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''سفیان ثوری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ مدلس ہیں اور ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے، لہٰذا ان کی غیر صحیحین میں معنعن روایت، عدم متابعت وعدمِ تصریح سماع کی صورت میں ضعیف و مردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقہ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقہ ثالثہ کے فرد ہیں'' نیز شیخ صاحب لکھتے ہیں ''یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۴۰۸/۸/۱۹ھ) میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ: ''طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے'' (جرابوں پر مسح ص ۴۰) میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں، لہٰذا اسے منسوخ وکالعدم سمجھا جائے گا۔''

(ماہنامہ شہادت اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۳ء، صفر ۱۴۲۴ھ ص ۳۹)

ڈیروی جی! آپ کو تو اپنی بات کا بھی پاس نہیں ''منسوخ وکالعدم'' کی تشہیر کو خیانت و تلبیس سمجھتے ہیں اور اسے خود کر بھی گزرتے ہیں۔ تلبیس کو گناہ جانتے ہیں، لیکن خود اس گناہ کو بار بار کرتے ہیں۔ یہاں ڈیروی کا ہی انتخاب چسپاں کرنے کو مَن چاہ رہا ہے۔

''بے حیاء باش وہر آنچہ خواہی کن''

ع جس میں برہمن کا گھر ڈوبا اس ساون کو آگ لگا دو

ڈیروی نے تعارض نمبر ا: کے تحت لکھا ہے: ''مولانا زبیر علیزئی صاحب تحریر کرتے ہیں مولانا سرفراز دیوبندی وغیرہم نے بھی محمد بن اسحاق کی توثیق کی ہے۔'' نیز لکھا ہے: ''اس بات کی تردید بہتر ہے کہ مولانا زبیر علیزئی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولانا علیزئی صاحب لکھتے ہیں غرض جمہور علماء محمد بن اسحاق کو ثقہ کہتے ہیں مگر سرفراز اینڈ پارٹی برابر کذاب کی رٹ لگا رہے ہیں۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۷)

تجزیہ: اس عبارت سے ڈیروی صاحب یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا تعارض ہے، حالانکہ اس سے تو صاف سرفراز خان صفدر کا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ محمد بن اسحاق کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھئے تسکین الصدور ص ۳۴۰ وغیرہ) اور دوسرے مقام پر اسی محمد بن اسحاق کو کذاب و دجال قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے خزائن السنن حصہ اول ص ۶۱ و احسن الکلام ج ۲ ص ۸۴)

اب بتایئے تعارض کس کا ہے؟ ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

ڈیروی نے لکھا ہے: ''مولانا زبیر علیزئی صاحب لکھتے ہیں۔ **انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بآیات اللہ و اولٰئك هم الکاذبون** (سورۃ نمل آیہ ۱۰۵) جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص ۳۶) اب مولانا حافظ زبیر نے یہ آیت سورۃ نمل ۱۰۵ سے پیش کی ہے جو بالکل جھوٹ ہے سورۃ نمل کی کل آیات ۹۳ ہیں تو اس سورۃ کی یہ آیت ۱۰۵ کیسے ہو سکتی ہے۔''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۸)

تجزیہ: کمپوزنگ کی اس غلطی کو ڈیروی نے جھوٹ تصور کیا ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً کمپوزنگ کی غلطی ہے جو النحل کے بجائے النمل لکھا گیا ہے، ہمارے پاس اس کی قلمی اصل موجود ہے، اس میں بھی النحل لکھا ہوا ہے۔ (ص ۱) دوسرے یہ کہ تعداد رکعات قیام رمضان کے اسی ایڈیشن میں صفحہ ۴۶ پر یہی آیت بحوالہ سورۃ النحل موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ ترجمہ بحوالہ تفسیر عثمانی نقل کیا گیا ہے اور اسکا صفحہ بھی درج ہے جو کہ دلالت کرتا ہے کہ یہ سورۃ النحل ہی ہے،

جو کمپوزر کی غلطی سے سورۃ النمل لکھا گیا، چوتھے یہ کہ ڈیروی خود معترف ہے کہ ''لکھنے میں یا پڑھنے میں بھولے سے غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ایسی غلطی تو بڑے بڑے حضرات سے بھی ہو جاتی ہے۔'' (نورالصباح حصہ دوم ص ۴۳) پانچویں یہ کہ اگر کمپوزنگ کی غلطی کو جھوٹ تصور کیا جائے تو شاید روئے زمین پر ڈیروی سے بڑا کذاب اور کوئی نہ ہو، اپنی اسی تازہ کتاب نورالصباح حصہ دوم کو ہی دیکھ لیں صفحہ ۳ پر لکھا ہوا ہے: ''رفع الیدین بن السجدتین'' صفحہ ۴ پر جابر بن سمرہ کے بجائے ''ثمرہ'' لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ کمپوزنگ ڈیروی نے (کمپوزر) کے ساتھ بیٹھ کر کرائی ہے۔ (دیکھئے نورالصباح حصہ دوم ص ۱۰) خود پاس بیٹھنے کے باوجود غلطیوں کا یہ عالم ہے اور دوسروں کو کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے جھوٹا قرار دے رہے ہیں!!

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ڈیروی کی جہالتیں

ڈیروی نے اپنی کتاب (نورالصباح حصہ دوم ص ۴۹، ۵۰) میں تقریباً چار مرتبہ ابوالعرب کو ''ابوالغرب'' لکھا ہے اور اپنی جہالت کی مزید وضاحت ''امام مغربیؒ (ابوالغرب)'' لکھ کر کی ہے۔ یہ ابوالغرب کیا ہے؟ یہ ایسا پردہ ہے جو علم کے ذریعے سے ہٹے گا اور ڈیروی کے ہاں علم کا فقدان ہے۔

یہی ڈیروی صاحب اپنی جہالت کا ثبوت دوسرے مقام پر اس انداز سے دیتے ہیں:

''علامہ ذھبیؒ ترجمہ ھشام بن سعد میں فرماتے ہیں: **فالجمهور على انه لا يحتج بهما** (میزان ص ۲۹۶ ج ۴)'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۹۱)

حالانکہ صحیح ہشام بن حسان ہے جسے ڈیروی نے ہشام بن سعد بنا دیا ہے۔ یہاں بھی مجھے ڈیروی کا انتخاب یاد آرہا ہے۔

گل گئے گلشن گئے جنگل دھتورے رہ گئے اُڑ گئے دانا جہاں سے بے شعورے رہ گئے

اسے ڈیروی صاحب کی جہالت کہیں یا ڈیروی قاعدے کے مطابق جھوٹ دونوں صورتوں

میں ڈیروی صاحب کی شخصیت پہچاننے میں مشکل نہ ہوگی۔

محرف کون؟

ڈیروی نے لکھا ہے:

''حافظ زبیر علیزئی صاحب تحریر کرتے ہیں **عقبة بن عامر الجهني يقول انه يكتب في كل اشارة يشيرها الرجل بيده في الصلوة بكل حسنة او درجة** (نور العینین ص ۱۴۵) یعنی حضرت عقبہ بن عامر نے فرمایا نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ہر ایک انگلی پر ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ یہ اثر طبرانی کبیر ج ۱۷ص ۲۹۷ میں ہے۔ اس میں ایک لفظ علیزئی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۰، ۲۵۱)

تجزیہ: ڈیروی صاحب کی مذکورہ عبارت کا تجزیہ درج ذیل ہے:

۱) نور العینین کے پہلے تین ایڈیشنوں میں لفظ ''اصبع'' کمپوزنگ کی غلطی سے رہ گیا تھا۔ ہمارے پاس نور العینین کی قلمی اصل موجود ہے۔ اس میں اصبع کا لفظ موجود ہے۔ والحمد للہ نیز ترجمہ میں اصبع کا ترجمہ انگلی کیا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ جو شخص کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف یا جھوٹ قرار دے وہ احمق ترین ہے۔ اس سلسلے میں سابقہ صفحات پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۲) علاوہ ازیں نور العینین کے جدید ایڈیشن (ص ۱۸۲) میں اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ڈیروی کا اسے تحریف ظاہر کرنا، اس کے اپنے قول کے مطابق خیانت و تلبیس ہے۔ ڈیروی صاحب نے اس کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف بنا دیا ہے، لیکن اپنے دیوبندیوں کی تحریفات سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں! جنھوں نے نہ قرآن مجید کا لحاظ رکھا اور نہ احادیث ہی کا، ڈیروی صاحب! سورۂ نساء کی آیت: ۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابی داود میں تحریف کرنے والے کون ہیں؟

ع ہمیں یاد ہے سب ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ڈیروی کی تحریف

ڈیروی نے لکھا ہے: ''اس میں ایک لفظ علیزئی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔اب دو انگلیوں کا اشارہ کیسے ہوگا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

تجزیہ: حدیث میں ''اصبع'' کا لفظ ہے۔دیکھئے المعجم الکبیر (۱۷/ ۲۹۷) وغیرہ، لیکن ڈیروی نے اپنے مفاد کی خاطر لفظ اصبع کو ''اصبعین'' بنا دیا جو سراسر تحریف ہے اور پھر بڑی ڈھٹائی سے اس کا ترجمہ بھی ''یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے'' کیا ہے۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

جب دلائل ساتھ نہ دے رہے ہوں تو پھر ڈیروی جیسے شخص اسی طرح کی حرکات سے اپنے عوام کو طفل تسلیاں دیتے ہیں! بلکہ پوری ملتِ دیوبندیہ اسی طریقہ پر کاربند ہے۔

ڈیروی صاحب اور ابن لہیعہ

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ''اس کی سند میں عبداللہ بن لھیعہ ایک راوی ہے جو سخت ضعیف و مدلس و مختلط الحدیث ہے۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۲)

ڈیروی صاحب نے ابن لہیعہ کو ''سخت ضعیف'' لکھا ہے، جس بنا پر بیچارے اپنوں کے ہی عتاب کی زد میں آ گئے، چنانچہ سید مہدی حسن شاہجہانپوری دیوبندی ابن لہیعہ کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''پس طریق مذکور کو ضعیف کہنا ضعیفوں کا کام ہے۔''

(مجموعہ رسائل جلد اول ص ۳۲۳، نیز دیکھئے اعلاء السنن تصنیف ظفر احمد تھانوی دیوبندی ۱/ ۴۴۵، ۴۴۸)

یہ ہے ڈیروی دیوبندی پر شاہجہانپوری دیوبندی کا فتویٰ! یعنی شاہجہانپوری کے نزدیک ڈیروی صاحب ضعیف ہیں۔

ع گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خلطِ مبحث اور ہٹ دھرمی

استاذ محترم حفظہ اللہ نے حدیثِ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مفہوم کے تحت امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راھویہ رحمہما اللہ کے اقوال نقل کئے، تاکہ عوام پر واضح ہو جائے کہ ان ائمۂ کرام کے نزدیک بھی اس حدیث سے مراد رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ہے، لیکن ڈیروی نے خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے لکھا کہ ''امام احمد بن حنبلؒ و امام اسحاق بن راھویہؒ کی بے سند قول سے حضرت عقبہؓ کے اثر کو رفع الیدین عندالرکوع پر فٹ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دو اماموں و حضرت عقبہؓ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے۔''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۴)

تجزیہ: حالانکہ یہ قول حدیث کی درایت (شرح) میں پیش کئے گئے ہیں نہ کہ روایت میں اور ان دونوں قولوں کی سندیں صحیح ہیں، لیکن ڈیروی صاحب اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے اپنی عادت سے مجبور اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔

مذکورہ عبارت کا فیصلہ ڈیروی کی ہی تحریر سے با آسانی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ڈیروی نے لکھا ہے: ''حافظ ابن حجرؒ حضرت عقبہؓ کے اثر کو تکبیر احرام کے وقت مانتے ہیں جبکہ یہ حضرات رفع الیدین عندالرکوع پر فٹ کر رہے ہیں'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

جی ڈیروی صاحب! کیا حافظ ابن حجر کی ملاقات سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے؟ کیا آپ یہ قول متصل سند کے ساتھ بیان کر رہے ہیں؟ کیا آپ کو اب ابن حجر اور سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ نظر نہیں آیا؟ ع بے حیاء باش وھر آنچہ خواہی کن

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حدیثِ عقبہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ باب کے تحت بیان کرنے سے فضیلتِ رفع الیدین مقصود ہے نہ کہ تکبیر احرام کے ساتھ تخصیص! کیونکہ خود حافظ ابن حجر نے اس روایت کو التلخیص الحبیر (۱/۲۲۰) میں رفع الیدین عندالرکوع و بعدہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔

ڈیروی کی خیانت

ڈیروی نے لکھا ہے: ''علامہ ذھبیؒ کا رجوع: سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ص ۲۶۷ میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔یعنی ان عارمًا قال ھذا و قد زال عقلہ کہ عارم نے یہ بات اس وقت کہی جب اس کا عقل زائل ہو گیا تھا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۶۰)

تجزیہ: مذکورہ عبارت میں ڈیروی نے بہت بڑی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ یہ عبارت علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ہے ہی نہیں، لیکن ڈیروی نے اسے علامہ ذہبی کے ساتھ جوڑ دیا جو کہ بہت بڑی خیانت ہے۔

ڈیروی صاحب جس عبارت کو علامہ ذہبی کی عبارت قرار دے رہے ہیں وہ ابوعبید الآجری کی یا امام ابوداود کی طرف منسوب ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۷/۱۵۵) اور سؤالات ابی عبید الآجری (قلمی ۴/الورقۃ ۱۱) نیز دیکھئے الجامع فی الجرح والتعدیل (۳/۶۷)

قارئین کرام: جو شخص خائن، ملبس اور محرف ہو اس کا دین میں کیا مقام ہوگا؟ اور اس کی تحریر کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کا فیصلہ اب آپ بہترین طریقے سے کر سکتے ہیں۔

ڈیروی جیسے حضرات جو اتنے صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں صرف اس لئے کہ عوام میں اپنی ''ڈانواڈول'' ساکھ کو بحال رکھ سکیں یا پھر ع بدنام نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ (اللھم اھد ھم)

ڈیروی کا صحیح بخاری پر حملہ

ڈیروی نے لکھا ہے: ''ابوالنعمان محمد ابن فضل السدوسی کی منکر روایات خود بخاری شریف میں موجود ہیں۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۶)

ڈیروی صاحب قیل وقال کے ذریعے سے صحیح بخاری کی صحت کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ڈیروی کے اس عمل نے ڈیروی کو ہی مشکوک بنا دیا ہے۔

ع دونوں عالم سے دل مضطر نے تجھ کو کھو دیا ہو گئی اس کی بدولت آبرو پانی تیری

آلِ دیوبند کے تسلیم شدہ بزرگ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱۳۴/۱، اردو ۲۴۲/۱، ترجمہ: عبدالحق حقانی)

معلوم ہوا کہ ڈیروی شاہ ولی اللہ کے نزدیک بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔ اور تو اور ڈیروی نے تو اپنے استاد کا سر بھی شرم سے جھکا دیا ہے، کیونکہ ان کے استاد سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں۔'' (حاشیہ احسن الکلام ۱۸۷/۱، دوسرا نسخہ ۲۳۴/۱)

اِدھر ڈیروی صاحب ہیں جو کہ اپنے استاذ سے بغاوت کرتے ہوئے صحیح بخاری کی احادیث کو منکر ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید کچھ لکھنے کے بجائے صرف یہی کہوں گا کہ

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں   ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

حافظ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو بھی بطورِ دلیل پیش کیا ہے بلکہ کتاب کے ٹائٹل پر بھی اسے نقل کیا ہے۔ علمی بحث سے قطع نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس روایت کو بطورِ دلیل پیش کر کے ڈیروی صاحب نے اپنے آپ کو رسوا اور اپنے اکابر کی نظر میں مزید گرا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہجہانپوری کے فتوے کی زد میں تو پہلے ہی آ چکے ہیں۔ اب مزید فتوے ملاحظہ کیجئے:

① محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں: ''باقی اَذْنابُ خَیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے۔'' (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۶۳)

② محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں: ''لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے۔'' (درس ترمذی ۳۶/۲)

ان تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ محمود حسن دیوبندی اور تقی عثمانی کے نزدیک ڈیروی صاحب انصاف کے قریب بھی نہیں پھٹکے بلکہ پرلے درجے کے بے انصاف شخص ہیں۔

لطیفہ: ڈیروی نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے سلسلے میں تقی عثمانی سے خط کتابت کی اور بہتیرے ڈورے ڈالنے کی کوشش کی کہ اپنے موقف سے رجوع کر لیں، لیکن تقی عثمانی نے جاہل ڈیروی کی تحریر کو قابلِ التفات ہی نہیں جانا، اور اپنے سابقہ موقف پر ڈٹے رہے۔ جس کا ڈیروی صاحب ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں: ''مگر مولانا محمد تقی عثمانی نے حسب وعدہ نہ رجوع فرمایا اور نہ اس خط کا جواب عنایت کیا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۳۲۸) بیچارہ ڈیروی اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ

آنکھ پرنم ہے اور اس پہ جگر جلتا ہے کیا تماشا ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

اکابر دیوبند کے بعد دیگر علمائے کرام کے فتوے بھی ملاحظہ کریں:

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**ولا یحتج بھذا من له حظ من العلم**'' جس کے پاس علم میں سے تھوڑا سا حصہ بھی ہے تو وہ اس روایت سے (ترک رفع یدین پر) حجت نہیں پکڑتا۔ (جزء رفع الیدین: ۳۷)

④ علامہ نووی شارح صحیح مسلم نے فرمایا: اس حدیث سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے نہ کرنے پر استدلال کرنے والا جہالتِ قبیحہ کا مرتکب ہے اور بات یہ ہے کہ عندالرکوع رفع الیدین کرنا صحیح و ثابت ہے جس کا رد نہیں ہو سکتا۔

(المجموع شرح المہذب ۳/۴۰۳)

⑤ حافظ ابن الملقن نے فرمایا: اس حدیث سے (ترک رفع الیدین پر) استدلال انتہائی بُری جہالت ہے۔ (البدر المنیر ۳/۴۸۵)

معلوم ہوا کہ امام بخاری، علامہ نووی اور حافظ ابن الملقن تینوں کے نزدیک ڈیروی صاحب بے علم اور پرلے درجے کے جاہل ہیں۔

تنبیہ: ماہنامہ الحدیث: ۲۷ ص ۲۰ تا ۳۱ میں حبیب اللہ ڈیروی صاحب کے دس (۱۰)

جھوٹ با حوالہ نقل کر کے قارئین کی عدالت میں پیش کئے جا چکے ہیں جن کا جواب ابھی تک ڈیروی پر قرض ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ راقم الحروف نے ڈیروی صاحب کی اس تحریر پر سرسری نظر ڈالی ہے جس سے عوام کافی حد تک ڈیروی کو پہچان گئے ہوں گے۔ (إن شاء اللّٰہ) [الحدیث:۴۱]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

جماعت المسلمین رجسٹرڈ کا ایک اصول اور تکذیبِ حدیثِ رسول

فرقہ مسعودیہ: نام نہاد جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے بانی مسعود احمد بی ایس سی صاحب نے ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء کو دوسری مرتبہ اپنے فرقہ کی بنیاد رکھی اور پھر اس کے متعلق طرح طرح کے دعوے کیے، مثلاً اسے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعت قرار دیا۔

(دیکھئے جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ ص۲)

اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ساختہ بشارت بناتے ہوئے لکھا:

''جماعت المسلمین کو بشارت'' (ہمارا نام صرف ایک ص ۷)

اور اپنی بنائی ہوئی اس جماعت کے بارے میں اس قدر غلو اور تعصب کا شکار ہوئے کہ اس میں شامل نہ ہونے والے جمیع اہلِ اسلام کو ''فرقے'' قرار دیتے ہوئے انھیں امتِ مسلمہ سے خارج قرار دے کر لکھا:

''غلط فہمی: جماعت المسلمین اور تمام فرقے امت مسلمہ میں شامل ہیں۔

ازالہ: امت میں تو بے شک شامل ہیں لیکن امتِ مسلمہ میں شامل نہیں۔''

(وقار صاحب کا خروج ص ۶)

دیکھئے کس قدر بے باکی سے اپنے قائم کردہ فرقے کے علاوہ بقیہ تمام لوگوں کی امتِ مسلمہ میں شمولیت کی نفی کر دی اور بیک جنبشِ قلم اپنی پارٹی کے علاوہ پوری کی پوری امتِ اجابت کو امتِ مسلمہ سے خارج قرار دے دیا۔

حالانکہ امت میں بے شمار لوگ ایسے ہیں جو کفر و ضلالت اور شرک و بدعت سے کوسوں دور خالصتاً قرآن و سنت کو اپنا مطمحِ نظر بنائے ہوئے، پوری دلجمعی کے ساتھ اُس پر عمل پیرا

ہیں، لیکن مسعود صاحب کے خودتراشیدہ، اُن کے ایجاد کردہ اصولوں کے مطابق ''وہ اُمتِ مسلمہ میں شامل نہیں'' ان کے فتاویٰ جات اور اصولوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو گزشتہ چودہ صدیوں میں خال خال ہی امتِ مسلمہ کا وجود ملتا ہے جو سرِدست ہمارا موضوع نہیں۔

اس وقت تو ہمارا مقصود ان کے ایک ایسے اصول کا تذکرہ کرنا ہے جس سے مخبرِ صادق، امامِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح اور ثابت شدہ حدیث کی تکذیب وتغلیط لازم آتی ہے، نعوذ باللہ وہ جھوٹ ثابت ہوتی ہے۔!!

راقم الحروف کئی بار یہ اشکال مسعود صاحب کی زندگی میں، اس کے بھیانک نتائج کے ساتھ مسعود احمد صاحب کے سامنے عرض کر چکا ہے، لیکن وہ نہ تو اس کا کوئی معقول حل پیش کر سکے اور نہ اپنے اس خطرناک اصول کا انکار کیا حتیٰ کہ ان کی موت کے بعد آج تک ان کا یہ اصول ان کی تحریرات میں جوں کا توں شائع ہوتا چلا آ رہا ہے۔

اُن کے بعد اُن کی جماعت کے کئی ایک سرکردہ لوگوں کے سامنے بھی یہ بات رکھی، لیکن محض الفاظ میں حق بات کی پیروی کا بہت زیادہ پرچار کرنے والے، اپنی حق پرستی کا دم بھرنے والے کبھی حق بات ماننے کے لئے تیار ہوئے اور نہ اس خطرناک اصول کے انکار پر آمادہ ہوئے۔ (الا ماشاءاللہ)

بلکہ اپنے بانیٔ فرقہ کے دفاع میں مختلف حیلے بہانے اور رکیک و باطل تاویلات کا سہارا لیا اور اپنے بانی امام مسعود صاحب کے اس اصول کو سینے سے لگائے رکھا۔ گویا عملاً رسول اللہ ﷺ کے صحیح ثابت شدہ فرمان کی تکذیب وتغلیط تو برداشت کر گئے، لیکن اس فرمان سے ٹکرانے والے اور اس کے نتیجہ میں مسعود صاحب کے باطل ثابت ہونے والے اصول کو غلط اور باطل تسلیم نہیں کیا، یقیناً بلا شک وشبہ یہ رویہ غلط اور متکبرانہ ہے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((الكبر بطر الحق وغمط الناس))

تکبر یہ ہے کہ حق بات کو جھٹلایا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔ (صحیح بخاری: ۹۱)

سطورِ ذیل میں ہم بطور نصیحت وخیر خواہی ان کے اس ''اصول'' کی حقیقت عرض کریں گے

اس دعا کے ساتھ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں حق بات قبول کرنے، اپنانے اور اس کے برملا اظہار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وہ اصول کیا ہے؟ ملاحظہ کیجئے، مسعود صاحب نے لکھا ہے:

''لغوی اعتبار سے فرقہ آپ جسے چاہے کہہ لیں، لیکن اصطلاحی لحاظ سے فرقہ وہ ہے جس نے اصل راستہ سے افتراق کیا، اپنے مذہب کے لئے علیحدہ اصول وفروع بنائے، اپنی کتابیں علیحدہ بنالیں۔ اپنا فرقہ وارانہ نام بھی علیحدہ رکھ لیا'' (فرقوں سے علیحدگی ضروری ہے ص۲)

اسی طرح مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''فرقہ تو علیحدہ امتیازی فرقہ وارانہ نام سے بنتا ہے، اس کے نظریات بھی ''جماعت المسلمین'' سے نکلنے کے بعد ملحدانہ، باغیانہ، مشرکانہ، کافرانہ اور جماعت المسلمین کے نظریات کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہمارا فرقہ نہ جماعت المسلمین یا الجماعۃ سے نکلا، نہ اس کے عقائد بدلے اور نہ اس نے اپنا نام بدلا'' (الجماعۃ ص۶۰)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''نہ جماعت کا فرقہ وارانہ نام ہے نہ فرقہ وارانہ امام ہے اور نہ مذہب، پھر یہ فرقہ کیسے ہوئی''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۳۶ شائع کردہ ۱۴۱۶ھ)

اسی کتابچہ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''دینی جماعت وہ نہیں جو فتوؤں اور قیاسوں پر چلتی ہو اور جس نے نام بھی اپنا خود رکھا ہو ایسی جماعت کو دینی جماعت ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔'' (ایضاً ص ۳۵)

ان اقتباسات پر غور کیجئے تو واضح ہوگا کہ مسعود صاحب کے نزدیک جن باتوں کی وجہ سے ''اصطلاحی فرقہ'' بن جاتا ہے اُن میں دیگر وجوہات کے علاوہ ایک وجہ ''نام'' رکھنا بھی ہے اور پھر محض نام رکھنے سے بھی ان کے ہاں ''فرقہ'' بن جاتا ہے، خواہ کسی کو فرقہ وارانہ امام نہ بھی بنایا گیا ہو اور نہ قرآن وحدیث سے ہٹ کر اپنا کوئی منہج بنایا ہو، لیکن محض نام رکھ لینے ہی سے وہ گروہ فرقہ بن جاتا ہے۔

اپنے اسی تراشیدہ وخودساختہ ''اصول'' کی بنا پر مسعود صاحب اوران کے قائم کردہ فرقے کے لوگ ''اہلِ حدیث'' کو بھی اصطلاحی فرقہ قرار دیتے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کو واجب الاتباع امام مانتے ہیں، نہ وہ کسی امام کے مقلد ہیں اور نہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر ان کا کوئی خاص مذہب ہے، لیکن ان کے زعم کے مطابق یہ لوگ اہلِ حدیث نام رکھ کر اصل راستہ سے افتراق کرکے فرقہ بن گئے ہیں۔!

قصہ مختصر کہ مسعود صاحب کے نزدیک محض کوئی لقب یا نام رکھ لینے سے بھی فرقہ بن جاتا ہے اور یہی ان کا اوران کی بنائی ہوئی جماعت کا نظریہ ہے، جواُن کے لٹریچر میں تادمِ تحریر موجود ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم ان کے اس اصول کا ابطال کریں، بطورِ جملہ معترضہ ایک بات عرض کرتے ہیں، وہ یہ کہ مسعود صاحب کا یہ دعویٰ ہے:

''ہم تو صرف وہی کہتے ہیں جو قرآن مجید اور حدیث میں ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے''

(امیر کی اطاعت ص ۲۹)

سوال صرف اتنا ہے کہ آپ نے جو یہ ''اصول'' بنایا کہ ''نام رکھنے سے بھی فرقہ بن جاتا ہے'' یہ بات قرآن مجید کی کس آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کس حدیث کا ترجمہ ہے؟ جواب دیتے وقت اپنے اس دعویٰ کو بھی مدنظر رکھئے گا کہ جس میں کہا گیا:

''جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جس کے پاس خالص دین ہے، اس میں کسی کے فتوے، اجتہاد، رائے اور قیاس کی آمیزش قطعاً نہیں ہے'' (جماعت المسلمین کا تعارف ص ۴)

جب کسی کی بھی رائے، قیاس، اجتہاد کی آمیزش نہیں اور اگر واقعی نہیں تو خود مسعود صاحب کے بھی قیاس، اجتہاد ورائے کی آمیزش نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ نہیں ہے تو پھر ان کے اس اصول کا، اس فتوے کا حوالہ قرآن وحدیث سے پیش کیجئے، اگر نہ کرسکے اور قطعاً نہ کرسکیں گے تو اپنے اس دعوے کا باطل ہونا تسلیم کیجئے یا اس سے دست بردار ہوجایئے۔ اب چلتے ہیں اصل موضوع کی طرف:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إن من قبلكم من أهل الكتاب افترقوا علىٰ ثنتين و سبعين ملة و إن هٰذه الملّة ستفترق على ثلاثٍ و سبعين: ثنتان و سبعون في النار و واحد في الجنة و هي الجماعة))

بے شک تم سے پہلے اہل کتاب بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ ملت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی بہتر جہنم میں اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ الجماعۃ ہے۔

جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے شائع کردہ کتابچہ ''دعوتِ تحقیق'' میں اس حدیث کی تخریج کچھ اس طرح سے ہے:

''سنن ابی داود، کتاب السنۃ/ باب اج ۴ ص ۱۹۸/ ح: ۴۵۹۷، صحیح ابی داود: ج ۳/ ص ۸۶۹ ح: ۳۸۴۳ وحسنہ البانی، مسند احمد، ج ۴ ص ۱۰۲، سنن دارمی، کتاب السیر باب ۷۵ ج ۲ ص ۱۵۸، ح: ۲۵۲۱، المستدرک، کتاب العلم ج ا ص ۱۲۸ وقال الحاکم وقد ساقہ عقب ابی ہریرۃ المتقدم: ھذہ اسانید تقام بھا الحجۃ فی تصحیح ھذا الحدیث ووافقہ الذہبی، مصابیح السنۃ، کتاب الایمان باب: ۵ ج ا ص ۱۶۱ ح: ۱۳۵....وصححہ مسعود احمد'' (دعوت تحقیق ص ۱۹)

معلوم ہوا کہ خود مسعود احمد صاحب بھی اس حدیث کو صحیح سمجھتے تھے۔ ان کے کئی ایک کتابچوں میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے۔ اس حدیث میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ یہ بات موجود ہے کہ اہلِ کتاب ''بہتر'' فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ پیشین گوئی ہے۔

یہ صرف ہمارا ایمان و پختہ یقین ہی نہیں بلکہ ایک اٹل حقیقت بھی ہے کہ چودہ سو سال سے آج تک رسول اللہ ﷺ کی جتنی اور جو جو پیشین گوئیاں احادیثِ صحیحہ ثابتہ سے معلوم ہوئی ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک بھی پیش گوئی نہ غلط ثابت ہوئی نہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے۔ اس کے برعکس عقیدہ رکھنے والا شخص مؤمن نہیں ہوسکتا، چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ اور یہ (نبی ﷺ) اپنی

طرف سے نہیں بولتے، وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ (النجم:۳،۴)

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنا کرتا اُسے یاد کر لینے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا، قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس عمل سے روکا اور کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں (بتقاضائے بشریت) آپ کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی یا غصے میں ہوتے ہیں۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنی (بابرکت) انگلی سے اپنی مبارک زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ((اکتب فوالذي نفسي بیده! ما یخرج منه إلا حق))

لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میرے منہ سے حق بات کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ (سنن ابی داود: ۳۶۴۶، ورواہ الحاکم فی المستدرک ج۱ ص۱۸۶ ح ۳۵۷، والنسخۃ القدیمہ ج۱ ص۱۰۴، وقال: ''ھذا حدیث صحیح الاسناد'' ووافقہ الذہبی)

لہٰذا کوئی ایمان والا تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعی ثابت شدہ کوئی ایک پیش گوئی بھی غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں، لیکن رجسٹرڈ جماعت المسلمین کے بانی مسعود صاحب نے ''فرقے'' کی تعریف کے سلسلے میں جو موقف اپنایا، اُس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ثابت شدہ پیش گوئی (معاذ اللہ) غلط ثابت ہوتی ہے۔

چونکہ ان کے اصول کے مطابق جس کسی نے چھوٹی بڑی کوئی پارٹی، تنظیم، جماعت، انجمن، بزم، اکیڈمی اور ادارہ وغیرہ بنایا، اُس کا کوئی نام رکھا، وہ ایک مستقل اصطلاحی فرقہ بن گیا، خواہ انکے عقائد ونظریات، اصول وفروع پہلے سے موجود کسی گروہ سے کلیتاً مطابقت رکھتے ہوں، دین کے تمام امور میں مکمل موافقت ہو، اُن کا ان معاملات میں کوئی اختلاف بھی نہ ہو، لیکن محض مزاج کے اختلاف یا طریقہ کار کے اختلاف یا سیاسی وانتظامی امور میں اختلاف کی وجہ سے اپنی علیحدہ تنظیم یا تحریک بنا ڈالی اور اس کا ایک نام بھی رکھ لیا تو ہمارے نزدیک تفریق فی الملۃ کی وجہ سے وہ غلطی کا مرتکب ہوگا، لیکن مسعود صاحب اور ان کی بنائی

ہوئی جماعت کے اصول کے مطابق وہ باقاعدہ مستقل ایک فرقہ بن جاتا ہے۔عملاً بھی یہ لوگ اپنے اسی خودساختہ اصول پر قائم ہیں۔اپنی پارٹی کی دعوت کو عام کرنے کے لئے ان کی طرف سے ''تلاشِ حق اور دینِ اسلام کی تحقیق کے لئے دینِ اسلام کی روشنی میں کچھ سوالات'' کے زیرِعنوان ان کا ایک ہینڈبل شائع ہوتا رہا، پھر کافی عرصہ بعد معمولی تبدیلی کے ساتھ ''تلاشِ حق کے سلسلہ میں کچھ سوالات'' کے عنوان سے چندورقی کتابچہ کی شکل میں شائع کیا۔اس میں سنن ابی داود کی مذکورہ بالا تہتر فرقوں والی حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے:''سنن ابی داؤد کی ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے تہتر (۷۳) حصوں میں تقسیم ہو جانے کی پیش گوئی فرمائی ہے اور یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ ان تہتر فرقوں میں بہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور آگے فرمایا ''وھي الجماعة ''(اور وہ جماعت ہوگی) اس جنت میں جانے والی ''الجماعۃ'' سے مسلمانوں کے موجودہ فرقوں میں سے کونسا فرقہ مراد ہے؟ '' (تلاشِ حق کے سلسلے میں کچھ سوالات ص ۴ ہینڈبل ص ۲)

اس سوال کے بعد مختلف تنظیموں کے چند نام دیئے ہوئے ہیں جن میں کئی کئی نام ایک ہی مکتبۂ فکر کی مختلف تنظیموں کے ہیں۔سب سے پہلے جن چھ (۶) ناموں کا ذکر ملتا ہے انھیں ملاحظہ کیجئے:

(۱) جماعت اہلحدیث (۲) جمعیت اہلحدیث

(۳) مرکزی جمعیت اہلحدیث (۴) جماعتِ شبانِ اہلحدیث

(۵) جماعت انجمن اہلحدیث (۶) جماعت غرباء اہلحدیث

اب دیکھئے یہ چھ تنظیمیں اہلحدیث کی ہیں، لیکن مسعود صاحب اور ان کی جماعت کے لوگوں نے اُسے چھ علیحدہ علیحدہ مستقل فرقے شمار کیا اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق یہ سوال پوچھا کہ اس جنت میں جانے والی '' الجماعۃ'' سے مسلمانوں کے موجودہ فرقوں میں سے کونسا فرقہ مراد ہے؟

حالانکہ اصل وحقیقت کے اعتبار سے یہ چھ کی چھ تنظیمیں ایک ہی جماعت ہے نہ کہ چھ

علیحدہ علیحدہ مستقل فرقے ،لیکن رجسٹرڈ جماعت نے انھیں اپنے اصول کے مطابق چھ مستقل فرقے باور کرانے کے لئے علیحدہ علیحدہ شمار کیا اوران میں سے ہر ایک کے متعلق پوچھا کہ ان میں سے جنت میں جانے والی ''الجماعۃ'' کونسی ہے؟ حالانکہ اپنی اصل وحقیقت کے اعتبار سے یہ ایک ہی جماعت ہے نہ کہ چھ مستقل ومختلف فرقے۔

ایک اشکال اوراُس کا جواب: اب کسی کے ذہن میں یہ اشکال آ سکتا ہے کہ جب یہ علیحدہ علیحدہ تنظیمیں ہیں،ان کے امراء علیحدہ علیحدہ ہیں، تنظیمی ڈھانچہ وامور علیحدہ ہیں تو پھر یہ سب مل کر ایک ہی جماعت کس طرح ہوئے؟

جواب: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امتِ مسلمہ واضح طور پر دو بڑے حصوں میں بٹ گئی۔خود مسعود صاحب بھی اس کے معترف رہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے (لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا دینے کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی، یہ اختلاف بھی درحقیقت اُسی سازش کا کارنامہ تھا جو اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کی گئی تھی)

حضرت علی کا خلوص اوراختلاف سے کراہت: ''حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے امراء اور قاضیوں کو ہدایت کی کہ جس طرح تم اب تک فیصلہ کرتے رہے ہو کیونکہ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں (اختلاف ختم کرنا میری سب سے اہم ذمہ داری ہے اور میں اسی کوشش میں لگا رہوں گا) یہاں تک کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں یا میں (اسی کوشش وجدوجہد میں) مرجاؤں جس طرح میرے ساتھی مرگئے''

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۶۸)

اور پھر یہ تو معلوم ومعروف اور مشہور بات ہے کہ ان میں صلح کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمامِ خلافت سیدنا ومحبوبنا حسن رضی اللہ عنہ نے سنبھالی، پھر صلح ہوئی۔مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے،خلیفہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ ایک بڑے

لشکر کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی طرف چلے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے (جب اس لشکر کو دیکھا تو) حضرت معاویہؓ سے کہا ''میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کرلیں پیٹھ نہ پھیریں گے (کیونکہ ان کا مقصد ہی قتل و خونریزی ہے، فتنہ و فساد برپا کرنا ہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے مختلف مقامات مثلاً جمل و صفین میں کر چکے ہیں)'' حضرت معاویہ نے کہا ''اے عمروؓ اگر ان لوگوں نے اُن لوگوں کو قتل کر ڈالا اور اُن لوگوں نے ان کو قتل کر ڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے والا کون باقی رہے گا، ان کی عورتوں کا انتظام کون کریگا، ان کے مالوں کا انتظام کون کرے گا۔ حضرت عمروؓ نے کہا میں (کر سکتا ہوں لیکن صلح بہتر ہے) حضرت معاویہؓ نے دو قرشی آدمیوں کو.... بلایا اور اُن سے کہا تم جا کر حضرت حسنؓ سے صلح کی بات چیت کرو اور انہیں صلح کی دعوت دو، وہ دونوں حضرت حسنؓ کے پاس گئے اور اُن سے بالمشافہ گفتگو کی اور انہیں صلح کی دعوت دی۔ حضرت حسنؓ نے کہا: 'ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں (ہمیں تو مال کی خواہش نہیں) ہم نے تو اس مال سے تکلیف ہی اٹھائی ہے لیکن یہ جماعت خونریزی میں مبتلا ہو چکی ہے.... اُن دونوں نے کہا معاویہؓ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور آپ سے اس کی درخواست کرتے ہیں.... حضرت حسنؓ نے کہا اس کا ذمہ دار کون ہوگا۔ ان دونوں نے کہا: ''ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں'' اس کے بعد حضرت حسن نے جو شرط بھی رکھی ان دونوں نے (اس کو منظور کر لیا اور) کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں، الغرض حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہ سے صلح کر لی اور اسی طرح حضرت حسنؓ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی پوری ہوئی کہ ''اللہ اس کے ذریعے مسلمین کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دیگا'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۷۸ تا ۷۷۹)

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان، نیز بقولِ مسعود صاحب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ میں اس کوشش میں لگا رہوں گا یہاں تک کہ لوگ ایک جماعت بن جائیں۔ واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا اور یہ دو جماعتوں میں تقسیم تھے، لیکن دونوں ہی حق پر تھے۔

پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا یزید برسرِ اقتدار آیا، اُس نے حکومت سنبھال لی، اہلِ شام نے یزید کی بیعت کر لی، لیکن حجاز مقدس میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یزید کی گورنمنٹ کو تسلیم نہیں کیا اور اپنی خلافت کا اعلان فرما دیا، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کی بیعت کر لی، اس طرح امتِ مسلمہ دو بڑی جماعتوں میں بٹ گئی۔

اس سلسلہ میں مسعود صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت یزیدؒ کے زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ واقعہ حرّہ ہے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔ اہل مدینہ میں سے (بعض لوگوں نے) حضرت یزیدؒ کی بیعت توڑ دی (اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہا) ابن حنظلہ نے (حضرت یزید کے خلاف) بیعت لینی شروع کی۔'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۰)

مسعود صاحب مزید لکھتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں نے مدینہ منورہ میں حضرت یزیدؒ کے خلاف بغاوت کی اور حرّہ کا واقعہ پیش آیا، باغیوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ (اس کے بعد حضرت یزیدؒ) کی فوجوں نے مکہ معظّمہ کا رُخ کیا حضرت ابن زبیرؓ کے حامیوں سے شامی فوج کا مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں بیت اللہ جل گیا، اور اس کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا (اس سرسری مقابلہ کے بعد شامی فوج واپس چلی گئی) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کعبہ کو اُسی حال میں رہنے دیا تاکہ جو لوگ حج کو آئیں وہ بھی اپنی آنکھوں سے کعبہ کی بے حرمتی دیکھ لیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا ارادہ یہ تھا کہ لوگوں کی آزمائش کریں (کہ ان میں کتنی ایمانی حمیت ہے) اس طریقہ سے وہ لوگوں کو اہل شام کے خلاف جرأت دلانا چاہتے تھے...'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۲)

افسوس کہ یزیدی لشکر نے مکہ پر حملہ کیا، ان کے سیاہ کرتوتوں کے نتیجہ میں کعبہ جل گیا، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کچھ عرصہ اسے اسی طرح رہنے دیا، تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے یزیدی لشکر کے ظلم و بربریت و اسلامی حمیت کے فقدان کا مشاہدہ کر لیں اور ان کی ایمانی حمیت جاگے، وہ ان سے نفرت کریں، لیکن مسعود صاحب پر یزیدی محبت ایسی غالب و

حاوی رہی کہ ایمانی حمیت بیدار نہ ہوئی، کعبہ جل گیا، بیت اللہ کی حرمت پامال ہوئی، اس کی بے حرمتی ہوئی، لیکن مسعود صاحب بین القوسین اپنے محبوب یزیدی لشکر کے دفاع میں یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ ''اس سرسری مقابلہ کے بعد شامی فوج واپس چلی گئی''

اس وضاحتی جملہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسعود صاحب اور ان کی پارٹی کو شعائر اللہ سے کتنی محبت ہے اور یزید و یزیدی لشکر سے کس قدر؟!

افسوس کعبہ جل گیا، لیکن مقابلہ سرسری ہی رہا۔ !! إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون

(نوٹ: یزید کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے الاستاذ المحترم الشیخ ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ کی کتاب ''دعوتِ قرآن و حدیث کے نام پر قرآن و حدیث میں تحریف'' ملاحظہ کیجئے۔)

اسی طرح مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''(حضرت یزیدؒ کی وفات کے بعد) ابن زیاد اور مروان شام پہنچے، قراء یعنی خارجی بصرہ پہنچے اور حضرت ابن زبیرؓ مکہ پر قابض ہو گئے (ان حالات میں جبکہ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی حضرت ابن زبیرؓ نے امت کی بہبودی کے خیال سے حکوت خود سنبھالنے کا ارادہ کرلیا، انہوں نے حضرت مروان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اسی بنیاد پر) انہوں نے حضرت عبدالملک کی بیعت نہیں کی بلکہ اپنی (خلافت کا اعلان کر دیا اور) بیعت لینی شروع کی۔'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۸)

اب دیکھیں! سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ ومدینہ پر حکومت کی، ان کی حکومت اور ان کے بیعت کرنے والے علیحدہ تھے۔ یزید، مروان اور عبدالملک بن مروان اپنے اپنے دورِ حکومت میں علیحدہ علیحدہ تھے، ان کی بیعت کرنے والوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، کوئی اہلِ ایمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہونے کی بنا پر کافر و مشرک ہو گئے تھے، نعوذ باللہ ان میں سے ایک جماعت اسلام پر اور دوسری صریح کفر پر تھی، نہیں دونوں میں شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقیناً حق والی جماعت میں شامل تھے، درحقیقت ایک ہی جماعت تھے، چونکہ انکے عقائد و نظریات ایک ہی تھے، اس سے اس اشکال کو سمجھنے میں کافی مدد مل سکتی

ہے کہ تنظیمی ڈھانچوں کے علیحدہ ہو جانے سے یا علیحدہ علیحدہ نظم ونسق قائم کرنے سے دو فرقے نہیں بن جاتے، جب تک عقائد ونظریات علیحدہ علیحدہ نہ ہو جائیں۔ چونکہ ہر دو گروہوں میں شامل صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے کو علیحدہ علیحدہ جماعتیں اور امتیں نہیں سمجھا، نہ ''فرقہ بندی کفر شرک ہے'' کا فتویٰ لگا کر ایک دوسرے سے اعتزال وعلیحدگی کا حکم دیا۔

اس طرح کی بات کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی نہیں ملتی تو گویا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور آخری عمر میں مسعود صاحب بھی اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حجیت کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ انھوں نے لکھا:

''کسی دینی فعل پر اجماعِ صحابہ بھی حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کے فعل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ سرچشمہ سنت ہی ہوسکتی ہے۔ ''وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ''اور جنھوں نے مہاجرین اور انصار کی خوبصورتی یا خلوص کے ساتھ پیروی کی (توبہ)

اس سے اجماع صحابہ پر استدلال ہوسکتا ہے۔'' (وقار علی صاحب کا خروج ص ۷)

اشکال اور اس کے جواب کے بعد ہم اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں کہ مسعود صاحب کے نزدیک نام رکھنے سے ہی ایک علیحدہ مستقل فرقہ بن جاتا ہے، خواہ عقائد و نظریات ایک ہی ہوں۔ اپنے اسی اصول کے مطابق وہ فیصلے فرماتے تھے اور اپنے مخالفین پر حجت قائم کرتے تھے۔ اب دیکھئے، برصغیر پاک وہند میں دو گروہ حنفی ہونے کے مدعی ہیں:

(۱) دیوبندی گروہ (۲) بریلوی گروہ

جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے اس کتابچہ اور پمفلٹ میں ہر دو گروہوں کی مختلف تنظیموں کو علیحدہ علیحدہ فرقے شمار کیا گیا ہے مثلاً دیکھئے:

''(۸) تبلیغی جماعت (۱۱) اشاعت التوحید والسنہ

(۱۲) جمعیت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ (۱۳) جمعیت علماء اسلام درخواستی گروپ

(۱۸) انجمن سپاہ صحابہ (۲۰) دیوبندیوں کی حیاتی عقیدہ کی حامل جماعت

(۲۱) دیوبندیوں کی مماتی عقیدہ کی حامل جماعت'' (تلاشِ حق کے سلسلے میں کچھ سوالات ص ۵)

فہرستِ بالا میں صرف ایک دیوبندی فرقے کو سات (۷) علیحدہ علیحدہ فرقے شمار کیا گیا ہے، حالانکہ عقائد و نظریات، اصول و فروع کے اعتبار سے یہ سب ایک ہی فرقہ بنتے ہیں نہ کہ سات (۷) علیحدہ علیحدہ فرقے۔

اس کے بعد بریلوی فرقے کی تنظیمیں کچھ اس طرح تحریر ہوئی ہیں:

(۱۴) جمعیت علماء پاکستان نورانی گروپ (۱۵) جمعیت علماء پاکستان نیازی گروپ

(۱۶) جماعت منہاج القرآن (۲۹) مختلف گدی نشینوں کی مختلف جماعتیں (ایضاً ص ۵)

ویسے تو رجسٹرڈ جماعت کی اس فہرست میں صرف بریلوی فرقے کی چار مختلف تنظیموں کو چار علیحدہ علیحدہ فرقے قرار دیا گیا ہے اور پھر آخر میں جو لکھا: ''مختلف گدی نشینوں کی مختلف جماعتیں'' بلا مبالغہ ہزار ہا مزارات ہیں اور انکے ہزاروں گدی نشین تو اسطرح ان گدی نشینوں کی ہزاروں جماعتیں ہوئی۔ گویا جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے اس خود ساختہ اصول کے مطابق ایک بریلوی فرقہ کے ہی ہزاروں مستقل و باقاعدہ فرقے ہیں۔

اس بحث و اعداد و شمار کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام ان کے اس اصول کو بخوبی سمجھ لیں کہ رجسٹرڈ جماعت کے ہاں اگرچہ مختلف تنظیموں کے عقائد و نظریات، اصول ایک ہی ہوں لیکن مختلف مقاصد یا وجوہات (خواہ وہ درست ہوں یا غلط) کی بنیاد پر بننے والے مختلف فرقوں کی مختلف تنظیمیں یا ان کی ذیلی تنظیمیں ''علیحدہ نام رکھ لینے کی وجہ سے'' علیحدہ و مستقل فرقے ہیں۔ ان کے اس ''نام رکھ لینے'' والے اصول پر تو امت میں بے شمار فرقے بن جائیں گے، ہم بطور ثبوت (بطورِ الزام) چند نام پیش کیے دیتے ہیں:

اہلِ حدیث کے ''فرقے'':

(۱) جماعتِ اہلحدیث (۲) جمعیت اہل حدیث

(۳) مرکزی جمعیت اہلحدیث (۴) متحدہ جمعیت اہلحدیث

(۵) جماعت انجمن اہلحدیث (۶) جماعتِ اہلحدیث پاکستان

(۷) جمعیت اہلحدیث سندھ (۸) جمعیت علماء اہلحدیث
(۹) جماعت مؤتمر اہلحدیث (۱۰) جماعت مجاہدین پاکستان
(۱۱) مرکز الدعوۃ والارشاد (۱۲) حرکۃ الدعوۃ والجہاد
(۱۳) انصار السنۃ المحمدیہ (۱۴) تنظیم طلباء سلفیہ
(۱۵) اہلحدیث یوتھ فورس (۱۶) اہلحدیث اسٹوڈنٹس فیڈریشن
(۱۷) طلباء مرکز الدعوۃ والارشاد (۱۸) سلفی تحریک
(۱۹) تبلیغی جماعت اہلحدیث (۲۰) جمعیت اہلحدیث ٹرسٹ کراچی
(۲۱) صراط مستقیم ویلفیئر ٹرسٹ (۲۲) جماعۃ الدعوۃ
(۲۳) طلباء جماعۃ الدعوۃ (۲۴) لشکر طیبہ کشمیر
(۲۵) تحفظ ناموس رسالت تحریک (۲۶) تحفظ حرمتِ قرآن تحریک
(۲۷) تحریک محمدی (۲۸) جمعیت نوجوانان اہلحدیث
(۲۹) جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنہ (۳۰) تنظیم الدعوۃ الی القرآن والسنہ
(۳۱) حزب المسلمین کیماڑی (۳۲) اخوان حزب اللہ کیماڑی
(۳۳) مرکز الدعوۃ السّلفیہ (۳۴) تنظیم اہلحدیث
(۳۵) تحریک نفاذ قرآن وسنت (۳۶) تحریک نفاذ شریعت محمدی (!)
(۳۷) متحدہ اہلحدیث کونسل (۳۸) تحریک اہل حدیث
(۳۹) غرباء اہلحدیث (۴۰) شبان اہلحدیث
(۴۱) تحریک المجاہدین (۴۲) اہلحدیث سپریم کونسل

واضح رہے کہ ان میں سے بہت سی تنظیموں کا اب وجود ہی نہیں رہا جیسے (۱) اہلحدیث سپریم کونسل (۲) تحریک محمدی (۳) تحریک نفاذ قرآن وسنت (۴) سلفی تحریک کراچی (۵) مؤتمر اہلحدیث (۶) حزب المسلمین (۷) اخوان حزب اللہ (۸) مرکز الدعوۃ والارشاد (۹) طلباء مرکز الدعوۃ والارشاد (۱۰) تنظیم اہلحدیث

(۱۱) حرکۃ الدعوۃ والجہاد وغیرہ اور بعض تنظیمیں بعض تنظیموں کی ذیلی تنظیمیں ہیں جیسے اہلحدیث یوتھ فورس مرکزی جمعیت اہلحدیث کی یوتھ ونگ اور اہلحدیث اسٹوڈنٹس فیڈریشن اس کی اسٹوڈنٹس ونگ ہے۔ اسی طرح بعض دیگر کا معاملہ ہے۔ واللہ اعلم

دیوبندی فرقے:

(۱) جمعیت علماء اسلام فضل الرحمٰن گروپ (۲) جمعیت علماء اسلام درخواستی گروپ
(۳) جمعیت علماء اسلام سمیع الحق گروپ (۴) تبلیغی جماعت
(۵) حرکۃ المجاہدین (۶) حرکۃ الانصار (۷) حرکۃ الجہاد الاسلامی
(۸) جیش محمد ﷺ (۹) سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم (۱۰) ملتِ اسلامیہ
(۱۱) انجمن خدام الدین (۱۲) سنی مجلس عمل (۱۳) جماعت اشاعت التوحید والسنہ
(۱۴) جمعیت طلباء اسلام (۱۵) تحریک نفاذ فقہ حنفیہ (۱۶) الحمد ٹرسٹ
(۱۷) صدیقی ٹرسٹ (۱۸) عالمی مجلس تحفظ حقوق اہلسنت
(۱۹) عالمی مجلس ختم نبوت (۲۰) سواد اعظم پاکستان (۲۱) فاروق اعظم کمیٹی
(۲۲) دیوبندی حیاتی (۲۳) دیوبندی مماتی (۲۴) حقیقی سنی تحریک
(۲۵) انجمن دفاع امام ابوحنیفہ (۲۶) الفرقان (۲۷) الرشید ٹرسٹ
(۲۸) الاختر ٹرسٹ (۲۹) الانصار ویلفیئر ٹرسٹ (۳۰) عالمگیر ویلفیئر ٹرسٹ
(۳۱) اتحاد اہلسنت پاکستان (۳۲) انجمن دعوت اہل سنت

یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ بعض تنظیمیں اب باقی نہیں رہیں جیسے سپاہ صحابہ، حرکۃ المجاہدین اور درخواستی گروپ وغیرہ لیکن رجسٹرڈ جماعت المسلمین کے اصول پر نام رکھنے کی وجہ سے وہ مستقل علیحدہ علیحدہ فرقے تھے۔

بریلوی فرقے: (۱) جماعت اہلسنت (۲) جمعیت علماء پاکستان۔ نورانی گروپ
(۳) جمعیت علماء پاکستان نیازی گروپ (۴) انجمن سرفروشانِ اسلام

(۵) انجمن طلباء اسلام (۶) انجمن نو جوانان اسلام (۷) جماعت اصلاح المسلمین
(۸) روحانی طلبہ جماعت (۹) جمعیت علماء طاہریہ (۱۰) بزم رضا
(۱۱) حسان نعت کمیٹی (۱۲) انجمن غلامانِ رسول (۱۳) انجمن غلامان غوث
(۱۴) پاکستان عوامی تحریک (۱۵) تحریک منہاج القرآن
(۱۶) انجمن فدایانِ رسول (۱۷) جمعیت الاخلاق (۱۸) جمعیت اشاعت اہلسنت
(۱۹) اصلاحی جماعت (۲۰) محمدی وعظ کمیٹی (۲۱) جماعتِ قادریہ
(۲۲) جماعت نقشبندیہ (۲۳) جماعت چشتیہ (۲۴) جماعتِ سہروردیہ
(۲۵) جماعتِ اویسیہ (۲۶) جماعت الرفاعیہ ٹرسٹ (۲۷) جماعت اشرفیہ
(۲۸) انجمن عاشقانِ رسول (۲۹) دعوتِ اسلامی (۳۰) سنی تحریک
(۳۱) جمعیت المشائخ (۳۲) قادری فاؤنڈیشن (۳۳) برکاتی فاؤنڈیشن
(۳۴) تحریک اہل سنت (۳۵) ورلڈ اسلامک مشن (۳۶) تحریک علماء اہل سنت
(۳۷) حقیقی سوادِ اعظم (۳۸) اہلسنت خدمت کمیٹی (۳۹) انجمن سپاہِ مصطفیٰ
(۴۰) انجمن سپاہِ اولیاء (۴۱) تحریک ذکر وفکر (۴۲) عالمی دعوت اسلامیہ
(۴۳) سنی جماعت القراء (۴۴) بزم صابریہ (۴۵) انجمن انوار القادریہ

مختلف (سیاسی وغیرہ) فرقے:

(۱) جماعت اسلامی (۲) شباب ملی (۳) پاسبان (۴) الخدمت ٹرسٹ
(۵) پاکستان اسلامک فرنٹ (۶) اسلامک نیشنل فرنٹ (۷) اسلامی جمعیت طلباء
(۸) تحریکِ اسلامی (۹) تحریکِ فکرِ مودودی (۱۰) تنظیمِ اسلامی
(۱۱) انجمن خدام القرآن (۱۲) تحریک خلافت پاکستان (۱۳) متحدہ مجلس عمل
(۱۴) اتحاد بین المسلمین (۱۵) القاعدہ نیٹ ورک (۱۶) طالبان
(۱۷) تنظیم الاخوان (۱۸) حزب التحریر (۱۹) حزب المجاہدین

(۲۰) البرق مجاہدین (۲۱) البدر مجاہدین (۲۲) المصطفیٰ لبریشن فرنٹ
(۲۳) حزب اللہ کیماڑی (۲۴) الہدیٰ انٹرنیشنل

شیعہ ومنکرین حدیث کے فرقے:

(۱) اہل القرآن (۲) بزم طلوع اسلام (۳) القرآن دی ریسرچ سینٹر
(۴) تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (۵) جعفریہ الائنس (۶) امامیہ اسٹوڈنٹس
(۷) اصغریہ اسٹوڈنٹس (۸) سپاہ اہل بیت (۹) اثنا عشریہ (۱۰) نوربخشیہ
(۱۱) بوہری فرقہ (۱۲) اسماعیلیہ (۱۳) زیدیہ (۱۴) ادارہ تدبر قرآن
(۱۵) دانش سرا غامدی گروپ (۱۶) ابوالخیر اسدی گروپ

تکفیری اور مسلمین نام کے فرقے:

(۱) تنظیم ڈاکٹر عثمانی محمد حنیف گروپ (۲) تنظیم ڈاکٹر عثمانی یعقوب علی گروپ
(۳) تنظیم المسلمین محمد ہادی گروپ (۴) تنظیم المسلمین ڈاکٹر بشیر ملتانی گروپ
(۵) جماعت المسلمین رجسٹرڈ (۶) جماعت المسلمین مرغوب عالم گروپ
(۷) جماعت المسلمین اقبال صاحب (۸) جماعت المسلمین عبدالقادر گروپ (کھڈیاں)
(۹) جماعت المسلمین محمد حسین گروپ (۱۰) جماعت المسلمین حکیم عبدالرحمٰن گروپ
(۱۱) جماعت المسلمین خلیفہ ابوعیسیٰ الرفاعی انگلینڈ
(۱۲) جماعت المسلمین خلیفہ وقار علی، دھونا پتی پشاور

سیاسی فرقے: ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہو کہ جناب سیاسی فرقوں کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے، تو عرض ہے کہ سیاسی فرقے بھی اسلام کے مدعی ہیں، اس امت کا حصہ ہیں۔ انھوں نے بھی اپنے علیحدہ نام رکھے ہیں اور نام رکھنے کی وجہ سے بانی و جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے ہاں فرقہ بن جاتا ہے۔ اس لئے ہم ان سیاسی فرقوں کا بھی ذکر کر رہے ہیں: (۱) مسلم لیگ، ن (۲) مسلم لیگ پگاڑا (۳) مسلم لیگ چٹھہ

(۴) مسلم لیگ جونیجو (۵) مسلم لیگ،ق (۶) پیپلز پارٹی (۷) پیپلز پارٹی مرتضیٰ بھٹو (۸) پیپلز پارٹی پیٹریاٹ (۹) نیشنل عوامی پارٹی (۱۰) عوامی نیشنل پارٹی بزنجو گروپ (۱۱) متحدہ قومی موومنٹ (۱۲) مہاجر قومی موومنٹ (۱۳) پاکستان تحریک انصاف (۱۴) ملت پارٹی (۱۵) جئے سندھ (۱۶) جئے سندھ ترقی پسند

(۱۷) پختونخواہ ملی عوامی پارٹی (۱۸) بلوچستان نیشنل پارٹی (۱۹) اتحاد ملی ہزارہ

(۲۰) مہاجر کشمیر موومنٹ (۲۱) پاکستان عوامی قوت پارٹی (۲۲) نیشنل پیپلز ورکرز پارٹی (۲۳) غریب عوامی پارٹی (۲۴) تحریک مساوات (۲۵) پاکستان مسلم الائنس (۲۶) تحریک استقلال (۲۷) مہاجر اتحاد تحریک (۲۸) سرائیکی صوبہ موومنٹ (۲۹) لنگاہ قوم اتحاد (۳۰) جمہوری وطن پارٹی (۳۱) ڈیموکریٹک الائنس

(۳۲) ہزارہ قوم اتحاد (۳۳) بلوچ اتحاد (۳۴) بلوچ رابطہ اتحاد تحریک

(۳۵) پاکستان سرائیکی پارٹی (۳۶) پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن (۳۷) پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن (۳۸) نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن (۳۹) آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹس فیڈریشن (۴۰) بلوچستان لبریشن فرنٹ (۴۱) بلوچستان نیشنل الائنس

(۴۲) اسلامی جمہوری اتحاد (۴۳) جوناگڑھ مسلم جماعت

اور مختلف قومیتوں کی مختلف جماعتیں۔

یہ سب ملک کر ۲۱۰ سے زیادہ فرقے بنتے ہیں۔ اس طرح بانی جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے اس اصول پر رسول اللہ ﷺ کی امت میں دوسو (۲۰۰) سے زائد فرقے بنتے ہیں، وہ بھی صرف اور صرف پاکستان میں۔ اگر باقی اسلامی دنیا کی تنظیموں، جماعتوں، تحریکوں وغیرہ کے نام بھی جمع کئے جائیں تو یہ سلسلہ ہزاروں پر جا کر رکے گا۔ جبکہ صحیح حدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ کی امت میں (صرف) تہتر فرقے ہوں گے۔ بس!!

اگر مسعود صاحب اور ان کی بنائی ہوئی رجسٹرڈ جماعت کے اس اصول کو درست تسلیم کرلیں کہ نام رکھنے سے بھی اصطلاحی فرقہ بن جاتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث و صحیح

السند پیش گوئی غلط ثابت ہوتی ہے۔ (نعوذ باللہ)

ایک مومن تو اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تاریخ گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ پیشین گوئیاں ہمیشہ ہمیشہ درست ہی ثابت ہوئی ہیں۔ آج تک کوئی بڑے سے بڑا دشمنِ اسلام بھی نبی کریم ﷺ کی کسی پیش گوئی کو نہ غلط ثابت کر سکا ہے اور نہ کبھی کر سکتا ہے، لیکن یہ نادان دوست ہی ہیں جو اپنی ذہن پرستی کو تقویت و تسکین پہنچانے کے لئے ایسے نت نئے اصول گھڑ دیتے ہیں کہ جن سے آپ ﷺ کی پیشگوئی کی تکذیب ہوتی ہے۔

اب اس رجسٹرڈ جماعت کے پاس دو ہی راستے ہیں یا تو رسول اللہ ﷺ کے صحیح السند فرمان و پیش گوئی کی تکذیب کے قائل ہو جائیں (معاذ اللہ) یا پھر بانیٔ جماعت کے اس باطل اصول کو ٹھکرا دیں۔ چونکہ حدیثِ رسول اور مسعود صاحب کا اصول: دونوں ایک دوسرے کے متضاد ہیں اور یہ بات تو رجسٹرڈ کے ہاں بھی مسلم ہے کہ اجتماعِ ضدین باطل ہے۔ ان کے لٹریچر میں کئی بار اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ﴾ کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لئے یہ اختیار نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کسی معاملے میں فیصلہ کریں تو وہ اسے رد کر دے۔ (الاحزاب:۳۶)

اس آیت سے واضح ہے کہ ایمان والے کے پاس تو اختیار باقی نہیں رہتا، اگر رجسٹرڈ جماعت کے افراد اپنے دعویٔ ایمان میں سچے ہیں تو اپنے اس باطل اصول کا انکار کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر مسعود صاحب کی اطاعت و پیروی فرض نہیں کی نہ مسعود صاحب کی مخالفت کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن یقیناً اپنے رسول ﷺ کی اطاعت و پیروی کو فرض کیا اور ان کی مخالفت کو حرام قرار دیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ خود مسعود صاحب اور بہت سے لوگوں کے سامنے ہم نے یہ بات رکھی، ان میں سے بعض نے یہ جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی

حدیث پر تجربے کیوں کر رہے ہیں، آپ بلاچُوں وچِرا اس پر ایمان لائیں۔

ممکن ہے کوئی آپ کے سامنے بھی یہی بات رکھ دے۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ الحمدللہ ہم کسی بھی ثابت شدہ صحیح یا حسن حدیث پر تجربے کے بعد ایمان لانے کے قائل نہیں، ہمارا تو صحیح حدیث پر ایمان ہے۔ البتہ مسعود صاحب کے اصولوں پر نہیں چونکہ وہ کوئی معصوم عن الخطاء شخصیت نہ تھے۔

وہ جو بھی اصول پیش کریں گے، ہم انھیں قرآن وحدیث پر پرکھیں گے، اگر وہ قرآن و حدیث کے مطابق ہوئے، ان پر پورے اترے تو ہم ضرور قبول کرلیں گے لیکن اگر وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہوئے بلکہ حدیث کی تکذیب کرنے والے اصول ہوئے تو نہ صرف یہ کہ انھیں ٹھکرا دیں گے بلکہ دلائل کے ساتھ ان کا ابطال بھی کریں گے تاکہ نصیحت وحق بات کو قبول کرنے والے حق قبول کرلیں اور انکار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا جواب اور انجام سوچ لیں۔

ان میں سے بعض لوگوں نے اس طرح بھی اپنے فرقہ کے بانی وامام کے قول کے دفاع کی کوشش کی کہ آپ اہلحدیث حضرات کی تمام تنظیموں کو ایک ہی شمار کرلیں، اسی طرح دیوبندی، بریلوی اور شیعہ لوگوں کی تمام تنظیموں کو بھی ایک ہی فرقہ شمار کریں تو آپ کا پیش کردہ یہ اشکال ازخود ختم ہو جائے گا۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ فی الحقیقت ایسا ہی ہے کہ شیعہ یا بریلویوں اور دیوبندیوں وغیرہم کی تمام تنظیمیں مل کر ایک ایک فرقہ ہی بنتا ہے، یہ کل تین علیحدہ علیحدہ فرقے ہیں نہ کہ بہت سی تنظیموں کی وجہ سے بہت سے فرقے۔

لیکن یہ مسعود صاحب کے ''اصول'' کے مطابق ممکن نہیں، چونکہ ان کے اصول کے مطابق نام رکھ لینے سے بھی اصطلاحی فرقہ بن جاتا ہے، جب نام رکھنے سے فرقہ بنتا ہے تو صرف بریلوی فرقہ ہی پچاس سے زائد فرقے بن جائے گا۔ ہاں اگر آپ مسعود صاحب کے ایجاد کردہ اصول سے انکار کر دیں جیسا کہ انکار کرنا بھی چاہیئے تو پھر آپ کا یہ جواب

درست ہوسکتا ہے، لیکن اس طرح مسعود صاحب کا یہ خود ساختہ اصول کہ ''نام رکھ لینے سے بھی اصطلاحی فرقہ بن جاتا ہے'' سلامت نہیں رہتا بلکہ دھڑام سے گر جاتا ہے۔

ان میں سے بعض نے اس طرح قولِ امام کا دفاع کیا: آپ کو بہتر فرقوں سے کیا غرض آپ کو تو تہتر ویں جنتی فرقے سے دلچسپی ہونی چاہئے، آپ اس کی نشاندہی کی کوشش کریں۔!

اس کے جواب میں عرض ہے کہ الحمد للہ جنتی فرقہ تو وہی ہوسکتا ہے جس کے اصول و فروع، عقائد و نظریات قرآن و سنت کے مطابق ہوں ۔ ہمیں جہنم میں جانے والے بہتر (۷۲) فرقوں میں کوئی دلچسپی نہیں، لیکن اس مقام پر سوال دلچسپی و عدمِ دلچسپی کا نہیں بلکہ حدیثِ رسول کی تصدیق و تکذیب کا ہے۔ آپ کے امام صاحب کے خود ساختہ اصول کے مطابق اس ثابت شدہ حدیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اس اصول سے اس میں تہتر کے بجائے سینکڑوں اور ہزاروں فرقوں کا وجود ثابت ہو جاتا ہے۔ جو کہ حدیثِ زیرِ بحث کی روشنی میں یقیناً باطل ہے۔ ویسے اس طرح کی باطل ورکیک تاویلات کے ذریعے سے قولِ امام کا دفاع کرنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ قولِ امام کے دفاع کے بجائے حدیثِ رسول کا احترام کرنا سیکھیں۔ صحیح حدیث کے مقابلے میں اور اُن سے ٹکرانے والے باطل اصول و فروع کا انکار کر دیجئے۔ یہی درست رویہ ہے اور اسی کا ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

پس نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ (ﷺ) کو اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر اسے تسلیم کر نہ لیں۔ (النساء:۶۵)

[الحدیث:۵۶]

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے چند اُصول اور تکفیرِ اصحابِ رسول

[مسعود احمد بی ایس سی کراچوی نے ایک اُصول بنایا کہ جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے امیر کی بیعت شرطِ ایمان ہے اور جو شخص یہ بیعت نہ کرے وہ مسلم نہیں ہے۔ اس باطل اصول سے صحابۂ کرام اور اُمتِ مسلمہ کے ایک بڑے حصے کی تکفیر لازم آتی ہے، لہٰذا محترم محمد صدیق رضا حفظہ اللہ نے اس مضمون میں جماعت المسلمین رجسٹرڈ کے لٹریچر کی روشنی میں اس باطل اُصول کا زبردست رد کیا ہے۔

ہمارے پاس مذکورہ لٹریچر کی بعض کتب و کتابچوں کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام حوالوں اور جملہ عبارات کی ذمہ داری صاحبِ مضمون پر ہی ہے۔/ حافظ ندیم ظہیر]

فرقہ مسعودیہ نام نہاد جماعت المسلمین کے لٹریچر سے واقفیت رکھنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ درحقیقت ایک تکفیری گروہ ہے، اگرچہ بظاہر مسعود صاحب نے ''اہلِ حق'' کی عملی تربیت واصلاح کے لئے اس پارٹی کی بنیاد رکھی، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اپنے عجیب وغریب نظریات اور تکفیری رجحانات کی وجہ سے اپنی خودساختہ جماعت (جماعت المسلمین رجسٹرڈ) کو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جماعت اور اس میں شمولیت کو فرض وواجب قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں اس قدر تعصب وغلو کا شکار ہوئے کہ یہ بات ان کے نزدیک مسلم یا غیر مسلم ہونے کا معیار اور کسوٹی بن گئی۔ اُن کے نزدیک یہ اعتقادیات وایمانیات کا مسئلہ اور شرائطِ ایمان کا جز بن گیا۔

بانیٔ فرقہ نے اپنے فرقے کی ترقی وفروغ کے لئے قرآن وسنت کی بعض نصوص کو سلف صالحین کے منہج کے مطابق سمجھنے کے بجائے اپنے من مانے جدید ترین مفہوم میں پیش

کرنے سے بھی گریز نہ کیا، ایسی ایسی شرائط عائد کیں اور ایسے ایسے اصول وضع کیے کہ اہلِ اسلام کا کوئی فرد خواہ ایمان وتقویٰ کے کتنے ہی بلند درجہ پر فائز ہو لیکن جب تک ان کی بنائی ہوئی پارٹی میں شامل نہ ہو وہ ادنیٰ ترین مسلم ومومن کا درجہ بھی حاصل نہ کر پائے، بطورِ ثبوت ان کی چند تحریریں ملاحظہ کیجیے:

ا: مسعود صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''...اگر وہ مسلم ہے اور اس دین کو مانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے تو اسی دین میں یہ موجود ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا کہ اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور فرقے نہ بنو آخر وہ اس آیت پر عمل کیوں نہیں کرتا اگر وہ نہیں کرتا تو بظاہر وہ اس آیت کا منکر ہے اسی لئے وہ اس حکم پر عمل نہیں کرتا اور وہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتا تلزم جماعت المسلمین یعنی جماعت المسلمین کو لازم پکڑو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر عمل کرتا ہے تو پھر کس کام کا مسلم ہے؟ اس کا محض فرقوں سے بیزار ہونا اس کے مسلم ہونے کی دلیل نہیں۔''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۴۲)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''غلط فہمی نمبر ۴ جو شخص تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن وحدیث پر عمل کرے وہ مشرک نہیں۔ میں اسے مسلم سمجھتا ہوں۔

ازالہ | ایسا شخص نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر۔ قرآن مجید میں ہے: واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا و لا تَفرقُوا۔ اس کا عمل اس آیت پر نہیں۔ حدیث میں ہے تلزم جماعة المسلمین۔ اس کا عمل اس حدیث پر نہیں تو پھر یہ کہنا کہ وہ قرآن وحدیث پر عمل کرتا ہے صحیح نہیں۔''

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۸ طبع جدید ص ۵۔۶، اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۶، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک اسلام کی آئینہ دار ہیں ص ۵۳۱۔۵۳۲)

تعصب وغلو کی انتہا ملاحظہ کیجیے کہ فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قران وحدیث پر عمل پیرا شخص کو ''مسلم'' سمجھنا مسعود صاحب اور ان کے قائم کردہ فرقے کے نزدیک ''غلط فہمی'' ہے چونکہ ان کے ہاں تو قرآن وحدیث پر عمل کی یہی ایک صورت ہے کہ ان کی ایجاد کردہ

رجسٹرڈ جماعت میں شامل ہو جایئے ! پھر مسعود صاحب کا طرزِ استدلال بھی انتہائی عجیب ہے کہ ایک آیت وحدیث پیش کر کے کہہ دیا کہ اس پر عمل نہیں ۔ ہر ہر آیت محکمہ وحدیث پر تو ان کی پارٹی کے تمام افراد بھی عمل پیرا نہیں پھر بھی انہیں مسلم سمجھتے رہنا ان کی ایک ''غلط فہمی'' نہیں تو اور کیا ہے؟ ان کے اس طرزِ استدلال کے مطابق تو شاید ہی کوئی فرد ''مسلم'' ثابت ہو سکے جب کوئی مسلم ہی نہیں ہو گا تو ''جماعت المسلمین'' کا وجود ثابت کرنا ایک مضحکہ خیز عمل ٹھہرے گا۔

ایک اور مقام پر مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''اعتراض| دعوت میں مخالفین کو یہ کہنا کہ ہم تو قرآن وحدیث ہی پیش کرتے ہیں لوگ اپنی طرف لیں تو ہمارا کیا قصور حالانکہ جماعت میں آنے کے بعد مجھے واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ آپ ان کو قرآن وحدیث نہیں سناتے بلکہ غیر مسلم ہی سمجھتے ہیں۔''

جواب| ''اگر سمجھیں تو کوئی بعید از دلیل بھی نہیں۔'' (اعتراضات اوران کے جوابات ص ۳۵)

لیجیے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ اپنے مخالفین کو ''غیر مسلم'' سمجھنا بعید از دلیل نہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ دلیل سے ایسا ثابت ہے، اب معلوم نہیں کہ وہ دلیل کونسی ہے جس سے فرقہ مسعودیہ کے جمیع مخالفین ''غیر مسلم'' ثابت ہوتے ہیں؟

ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

''اگر آپ یہ کہیں کہ یہ فرقہ پرست مسلم ہیں یہ بھی جماعت المسلمین ہیں تو آپ کا یہ استدلال احادیث کے خلاف ہوگا۔'' (ایک معترض کی غلط فہمیاں ص ۹)

رجسٹرڈ جماعت کے اس طرح کے غالیانہ، متعصّبانہ اور متشددانہ اقاویل وفتاویٰ جات کا ایک طویل سلسلہ ہے کہاں تک ان کا تذکرہ کیا جائے۔؟!

فی الوقت ان کے چند ایسے اصول کا تذکرہ مقصود ہے کہ جوانہوں نے اپنے مخالفین کے لئے وضع کیے جن سے موجودہ پوری کی پوری اُمتِ مسلمہ کے اسلام وایمان کی نفی اوران کا ''کافر'' ہونا تو لازم آتا ہے۔ساتھ ساتھ گزشتہ امتِ مسلمہ بالخصوص بہت سے اصحابِ

رسول ﷺ کے ایمان واسلام کی نفی اوران کا بھی ''کافر'' ہونالازم آتا ہے۔(نعوذ باللہ)

واضح رہے کہ یہ محض مخالفت برائے مخالفت کا شاخسانہ اور پروپیگنڈا نہیں بلکہ ایک بیّن اورٹھوس حقیقت ہے، جس کا مکمل ثبوت اور تفصیل خود انہی کے لٹریچر اورتحریروں سے ملاحظہ کر لیجیے، ان کا ایک اصول یہ ہے:

۱: امیر کی نافرمانی اسلام کو چھوڑ دینا ہے۔

اس سلسلے میں مسعود صاحب کی تحریروں کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے، لکھتے ہیں:

1 ''جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو امیر کو وہ حیثیت دیتی ہے جو اللہ تعالےٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔...... جماعت المسلمین امیر کی اطاعت کو فرض سمجھتی ہے۔ امیر کی نافرمانی گویا جماعت کو چھوڑنا ہے اور جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے یعنی اسلام کو چھوڑنا ہے۔کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں جو امیر کی اطاعت کو ایسی اہمیت دیتا ہو''

(جماعت المسلمین کا تعارف ص ۶ تا ۸، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۲۱۔۲۲)

2 ''جماعت کو چھوڑنے والے نے پوری طرح نہیں صرف ایک بالشت جماعت کو چھوڑ دیا تو گویا اس نے اسلام کو چھوڑ دیا۔ بتایئے اسلام کو چھوڑنے والا کیا ہوتا ہے؟ ایک بالشت چھوڑنے کا تو یہ حشر ہے اور جو پوری طرح جماعت کو چھوڑ دے وہ کیا ہوگا؟'' (اعتراضات اوران کے جوابات ص ۶۔۷)

3 نیز لکھتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ لزومِ جماعت کے سلسلہ میں اس قدر پابندی کہ امیر کی کسی مکروہ سے مکروہ بات پر بھی صبر کی تلقین کی گئی ہے جماعت کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور علیٰحدگی جاہلیت کی موت قرار دی گئی ہے۔ جاہلیت کی موت سے مراد زمانہ جاہلیت کی موت ہے جو حالت کفر کی موت ہے'' (اعتراضات اوران کے جوابات ص ۱۵)

4 ان کے امام ثانی محمد اشتیاق صاحب لکھتے ہیں:

''مطلب یہ ہوا کہ بیعت توڑنا، ایک بالشت جماعت چھوڑنا، ایک بالشت امیر کی اطاعت نہ کرنا اور امیر جماعت کا کسی پر نہ ہونا سزا کے لحاظ سے ایک ہی ہیں یعنی وہ اسلام سے خارج ہے۔''

(بے حکومت امیر کی بیعت کرنا ص ۴۶)

5 مزید لکھتے ہیں: ''جو شخص امیر کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے تو اس کی موت کفر کی موت ہے''

(تحقیق مزید میں تحقیق کا فقدان ص ۴۱)

ان اقتباسات سے واضح طور پر ان کا یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ ''امیر سے بالشت برابر بھی دور ہونا اسلام کو چھوڑ دینا ہے'' ایسا شخص ''اسلام سے خارج'' ہو جاتا ہے اور ''کفر کی موت مرتا'' ہے۔ اس کے بعد ان کا ایک اور اصول ملاحظہ کیجیے:

۲: امیر کی بیعت شرطِ ایمان ہے۔

بانیٔ فرقہ مسعود احمد صاحب اور ان کی بنائی ہوئی رجسٹرڈ جماعت کے لوگ امیر کی بیعت کو شرطِ ایمان سمجھتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی بھی فرد ''مسلم'' نہیں ہو سکتا۔

اس سلسلہ میں ان کے مختلف کتابچوں سے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

① مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة (صحیح مسلم) اس حدیث کی رو سے بیعت شرائط ایمان میں سے ہے ورنہ جاہلیت کی موت مرے گا یعنی کفر کی موت مرے گا۔ کفر کی موت سے بچنے کے لئے بیعت شرط ہے۔''

(وقار علی صاحب کا خروج ص ۷، ۸ طبع جدید ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۵۳۱)

② نیز لکھتے ہیں: ''جاہلیت کی موت سے مراد ایام جاہلیت کی موت ہے یعنی کفر کے زمانے کی موت...... فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (ترمذی وسندہ صحیح) اس حدیث نے تشریح کر دی کہ جاہلیت کی موت سے مراد اسلام پر مرنا نہیں ہے بلکہ اسلام چھوڑ کر مرنا ہے۔''

(اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۲)

اشتیاق صاحب کی گھڑی ہوئی ایک حدیث:

③ اشتیاق صاحب نے اس سلسلہ میں ایک حدیث وضع کرتے ہوئے لکھا:

''محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی بیعت نہ کرنے والوں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔''

(بے حکومت امیر کی بیعت ص ۴۶)

اشتیاق صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی اس حدیث کا کوئی حوالہ نہ دیا اور نہ دے سکتے

ہیں، ان شاء اللہ۔ ''اسلام سے خارج'' سمجھنا تو بائی فرقہ کا فہم ہے لیکن اشتیاق صاحب نے اسے ''حدیثِ رسول'' ﷺ بنا ڈالا۔ إنا للّٰه و إنا إليه راجعون

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت نہ کی تو؟

مسعود صاحب اور ان کے موجودہ امیر صاحب کی تحریروں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کے ہاں ''امیر کی بیعت'' شرطِ ایمان ہے، جس کسی نے بیعت نہ کی وہ اسلام کو چھوڑ کر کفر کی موت مرے گا اور اشتیاق صاحب کی ایجاد کردہ حدیث کے مطابق وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ ان کے ہاں ان کا یہ قانون واصول بالکل یقینی اور اٹل ہے، کسی کے لئے کوئی استثناء نہیں حتی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت ہی میں سے کیوں نہ ہو۔!

ان کے لئے بھی یہی قانون ہے مسعود صاحب نے بڑی دیدہ دلیری سے اس بات کا صاف صاف اظہار کرتے ہوئے لکھا: ''ہم کہتے ہیں حضرت سعدؓ کی ذات بیعت نہ کرنے کے الزام سے پاک ہے لہٰذا وہ جاہلیت کی موت سے مبرا ہیں۔ صلاح الدین صاحب کہتے ہیں الزام تو صحیح ہے لیکن وہ جاہلیت کی موت سے پھر بھی مبرّا ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟'' (الجماعۃ ص ۵۶)

② اسی طرح لکھتے ہیں: ''کیا حضرت ابوبکرؓ الجماعۃ کے امیر نہیں تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟'' (الجماعۃ ص ۲۰۔۲۱)

③ مزید لکھتے ہیں: ''بالفرض محال اگر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا جاہلیت کی موت مرنے کا قانون بدل جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ قانون قانون ہی رہے گا۔ بیعت نہ کرنے کے فعل کو صحابی کی غلطی تصور کیا جائے گا۔'' (الجماعۃ ص ۲۱)

مسعود صاحب کی ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا یہ قانون بالکل اٹل ہے، معاملہ خواہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہو۔ ان کا قانون قانون ہی رہے گا، مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں ان کے چند اصول واضح ہو جاتے ہیں جو کچھ اس طرح سے ہیں:

۱: جو شخص بھی جماعت سے بالشت برابر بھی علیحدہ ہو وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

۲: جو شخص بھی امیر کی بیعت نہ کرے وہ اسلام سے خارج اور کفر کی حالت میں کفر کی موت مرے گا۔

۳: جس شخص پر بھی ''امیر جماعت'' نہ ہو وہ اسلام سے خارج ہے۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور ہونا اور بیعت نہ کرنا:

ان کے ان اصولوں پر موجودہ دور کے تمام اہلِ اسلام خواہ ان میں اعتقادی و عملی گمراہی کا وجود نہ بھی ہو، ان اصولوں کے سبب دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ٹھہرتے ہیں۔ اسی طرح گزشتہ کئی صدیوں کے اہل اسلام بھی، حتیٰ کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ (نعوذ باللہ)

اب خود مسعود صاحب ہی کی تحریروں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جماعت سے دور رہنا اور امیر کی بیعت نہ کرنا ملاحظہ کیجیے اس کے بعد ان شاء اللہ ان کے اس موقف کا بطلان بھی واضح کر دیا جائے گا۔

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر:

رجسٹرڈ جماعت کے اصولوں کے مطابق سیدنا علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔ چونکہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت فاطمہؓ کی وفات اور حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع نہ دی اور خود ہی نمازِ جنازہ پڑھا کر رات کے وقت انہیں دفن کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو حضرت علیؓ نے لوگوں کے چہروں میں خفگی کے آثار دیکھے کیونکہ انہوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی (حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں ان کی تیمارداری کی وجہ سے لوگوں نے ان کو معذور سمجھا تھا لیکن اب یہ بات لوگوں کو ناگوار تھی)......

حضرت ابوبکرؓ کی اس وضاحت کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا ''میں (آج) زوال کے بعد (تمام لوگوں کی موجودگی میں) بیعت کر لوں گا۔'' حضرت ابوبکرؓ نے ظہر کی نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر آپ منبر پر

تشریف لے گئے۔تشہد پڑھا۔پھر حضرت علیؓ کی کیفیت، بیعت کرنے میں تاخیر اوران کی معذرت بیان کی۔پھر حضرت علیؓ نے (تقریر کی) تشہد پڑھا، مغفرت کی دعاء کی اور حضرت ابوبکرؓ کی عظمت بیان کی، پھر فرمایا ''بیعت کرنے میں اس وجہ سے دیر نہیں ہوئی کہ ہمیں ابوبکرؓ سے اس معاملہ میں کسی قسم کا حسد تھا......'' حضرت علیؓ کی اس تقریر (اور بیعت) کے بعد تمام مسلمین ان سے خوش ہو گئے۔سب نے کہا ''تم صحیح بات کو پہنچ گئے۔'' الغرض اس نیک کام کی طرف رجوع کرنے کے بعد تمام مسلمین ان سے (حسبِ سابق) محبت کرنے لگے۔

مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ اس واقعہ سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:۔

(۱) حضرت علیؓ نے ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی۔

......

(۵) حضرت ابوبکرؓ اور تمام صحابۂ کرامؓ قرابتِ رسولؐ کا کتنا احترام کرتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ کی زندگی میں حضرت علیؓ سے خفا نہیں ہوئے بلکہ ان کی قدر و منزلت کرتے رہے۔

......

(۱۱) حضرت علیؓ نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور اپنی تقریر میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔''

(صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۶۸۳۔۶۸۴)

تنبیہ: مسعود صاحب نے یہ واقعہ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر اور صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب قول النبی ﷺ لا نورث عن عائشۃ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا۔گویا یہ متفق علیہ روایت ہے۔صحیحین کی اس مستند و متفق علیہ روایت اور مسعود صاحب و رجسٹرڈ جماعت کے ہاں صحیح ترین تاریخ ان کی اپنی کتاب ''صحیح تاریخ الاسلام'' کے بیان کے مطابق سیدنا علی نے چھ مہینوں تک بیعت سے تخلّف فرمایا، بیعت نہیں کی بقول مسعود صاحب ملال کی وجہ سے بیعت میں دیر کی......

اس طرح رجسٹرڈ جماعت کے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھ مہینوں تک اسلام سے خارج رہے۔(نعوذ باللہ) اور پھر بیعت کی تو اسلام میں داخل ہوئے، شرائطِ ایمان کی تکمیل

کے لئے نہیں بلکہ مسعود صاحب کے بقول (تا کہ لوگوں کی ''ناراضگی'' کا سبب ختم ہو جائے)

(نعوذ باللّٰہ من ھذہ الخرافات)

اس دوران میں لوگ ان سے ناراض و نالاں رہے۔ لیکن کسی نے بھی انھیں یہ نہیں کہا کہ جی! آپ شرائطِ ایمان کی تکمیل کیوں نہیں کرتے؟ اسلام سے خارج کیوں ہیں؟ پھر مسعود صاحب نے بریکٹ میں اتنے عرصے تک بیعت نہ کرنے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے انہیں معذور سمجھے جانے کی جو تاویل و توجیہ بیان کی کہ ''تیمارداری کی وجہ سے معذور سمجھے گئے'' لہٰذا بیعت کو شرطِ ایمان ٹھہرانے اور اس کے بغیر کسی بھی مسلم کو خارج از اسلام گردانے کے بعد یہ تاویل بھی لغو و لایعنی اور باطل ثابت ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ محض اتنی سی بات کی وجہ سے ایک جلیل القدر صحابی کا ''اسلام سے خارج رہنا'' کو برداشت کر لیں اور امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرتے ہوئے انہیں شرائطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام میں داخل ہونے کی نصیحت نہ کریں۔ بھلا ''تیمارداری'' بھی کوئی ایسا مسئلہ ہے کہ شرطِ ایمان کی تکمیل اور اسلام سے خارج رہنے کے لئے عذر بن سکے؟!

ایں خیال است، محال است وجنوں

البتہ سیدنا ابوبکر و عمر سمیت جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ کی بیعت نہ تو شرطِ ایمان ہے اور نہ اس کے بغیر کوئی فرد اسلام سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ محض مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے توہمات و خیالاتِ فاسدہ اور جدید ترین اختراعات، من گھڑت اور خود ساختہ افکار و نظریات ہیں۔ اگر معاملہ ان کی باطل سوچ کے مطابق ہی ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ کرتے۔ آخر اس میں وقت ہی کتنا لگتا تھا؟

تنبیہ: مسعود صاحب نے اپنی کتاب ''الجماعۃ'' ص ۲۴ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوری بیعت کا واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مذکورہ بالا بیعت علی الاعلان (علانیہ) بیعت تھی۔

صحیحین کی روایات اور مسعود صاحب کا اصول:

اس بیعت کی حقیقت سے قطع نظر اس موقع پر ہمیں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت کے مقابلہ میں بیہقی وغیرہ کی روایت پیش کرنا ان کے اپنے ایک محبوب وپسندیدہ ترین اصول کے سخت خلاف ہے۔ جس کے ذریعے سے یہ اپنے خلاف صحیح حدیث کو رد کرتے رہے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ اصول ہے کہ صحیحین کی روایت سے ٹکرانے والی روایت ''معلول'' اور ساقط الاعتبار'' ہوگی۔ ان کا یہ اصول ان کے اپنے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے۔ ایک صحیح حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) ''اس کا متن صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول اور ساقط الاعتبار ہے۔''

(حدیث تلزم جماعت المسلمین واما مھم پر اعتراض اور جواب ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۴۷۶)

(۲) مزید لکھتے ہیں: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ ''امام'' ہے اور ابوداؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً وہی لفظ ادا فرمایا ہوگا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔'' (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۳) نیز لکھتے ہیں: ''الغرض ابوداؤد کی حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور مختلف المتون ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے۔''

(جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۱۵، الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

(۴) نیز لکھتے ہیں: ''عبداللہ صاحب! اس حدیث میں ''ائمۃٌ'' کا لفظ ہے جس کے معنیٰ آپ نے ''حاکم'' کئے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے بجائے قَوْمٌ کا لفظ ہے۔ بتائیے کون سا لفظ صحیح ہے۔'' (الجماعۃ القدیمہ ص ۱۹)

تنبیہ: مختلف المتون اور مضطرب ہونے کا اعتراض باطل ہے اور استاذی المحترم الشیخ عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ نے موصوف کو اپنی کتاب: الجماعۃ الجدیدۃ (طبع مع خلاصۃ الفرقۃ الجدیدہ ص ۴۲) پر ان لغو ولایعنی باتوں کا ایسا علمی ومسکت جواب مرحمت فرمایا کہ پھر تا دمِ مرگ مسعود صاحب پر سکوت طاری رہا اور اس کا جواب نہ بن پڑا۔

پھر''ائمہ'' کا لفظ صرف سنن ابی داود ہی میں نہیں بلکہ صحیح مسلم (۱۸۴۷، ترقیم دارالسلام: ۴۷۸۵) میں بھی ہے۔تو کیا مسلم کی حدیث بھی ضعیف و معلول ٹھہرے گی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ابوداود کی حدیث کیونکر معلول ہوگئی؟

۵: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''اعتراض | حضرت انسؓ کی روایت کو تمام محدثین نے بالاتفاق قبول کیا اور عمیر بن الاسود کی روایت کو امام بخاری کے سوا کسی محدث نے روایت نہیں کیا۔

جواب: یہ کوئی اعتراض نہیں ...... مزید برآں امام بخاری اکیلے ہی سب پر بھاری ہیں۔ صحیح بخاری کی احادیث پر ان کے ہمعصر محدثین نے اتفاق کیا ہے لہٰذا حدیث کو صحیح کہنے والے صرف امام بخاری نہیں ہیں بلکہ سب محدثین ہیں۔'' (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۲۹۔۳۰)

۶: ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، جس تحقیق و تفتیش اور سخت شرائط کے ساتھ ان کتابوں کو مدوّن کیا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ لیکن افسوس کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے ان واقعات کو بھی تسلیم کر لیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔'' (صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ۳)

۷: اسی طرح لکھتے ہیں: ''تاریخی روایات متعدّد مقامات پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث سے ٹکراتی ہیں اور یہ چیز اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات ناقابلِ اعتبار ہیں۔''

(صحیح تاریخ الاسلام مقدمہ ص ۷)

صحیح البخاری و صحیح مسلم کی اہمیت و حیثیت مسلّم، معروف اور معلوم ہے، لیکن مسعود صاحب کا یہ اصول سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول: ''كلمة حق أريد بها الباطل'' [کلمۂ حق، جس سے باطل پر استدلال کیا گیا ہے۔] (صحیح مسلم: ۱۰۶۶/ ۲۴۶۸) کے مصداق ہے۔ جب صحیح حدیث بظاہر قرآن مجید سے متعارض ہو تو ہم تطبیق دیتے ہیں پھر صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث سے اگر کوئی روایت ٹکراتی محسوس ہو تو تطبیق کیوں نہ دی جائے؟

المختصر یہ کہ ٹکراؤ اور تصادم اور پھر اس بنا پر صحیح حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دینے والا یہ مسعودی اصول سراسر باطل ہے۔ بہر حال مسعود صاحب کے مذکورہ بالا ان اقتباسات سے واضح ہوتا

ہے کہ ان کے نزدیک جو بھی حدیث صحیحین کے خلاف ہو تو وہ معلول یعنی ضعیف اور ساقط الاعتبار ہوگی۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے سے متعلق صحیحین کی روایت ملاحظہ ہو:

''فلما توفیت استنکر علي وجوه الناس فالتمس مصالحة أبي بکر ومبایعته ولم یکن یبایع تلك الأشهر......فلما صلّی أبوبکر الظهر رقی علی المنبر فتشهد وذکر شأن علي وتخلفه عن البیعة وعذره بالذي اعتذر إلیه''

جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوئیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے چہروں پر خفگی کے آثار دیکھے تو آپ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے صلح اور بیعت کی کوشش کی ان مہینوں میں سیدنا علی نے بیعت نہیں کی تھی...... جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو منبر پر تشریف لائے، تشہد پڑھا، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کیفیت اور بیعت سے پیچھے رہ جانے اور ان کی معذرت کو بیان فرمایا۔ (صحیح بخاری: ۴۲۴۰؛ صحیح مسلم: ۱۷۵۹، دارالسلام: ۴۵۸۰)

اب مسعود صاحب پر اپنے مذکورہ بالا اصول کے مطابق لازم تھا کہ وہ بیہقی وغیرہ کی روایات کو صحیحین کی صریح روایت کے مقابلہ میں رد کر دیتے، جیسا کہ وہ بعض مقام پر اپنے موقف کے خلاف واقع ہونے والی صحیح احادیث کو اپنے اس باطل وخود ساختہ اصول کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں بیہقی کی روایت ان کے حق میں جاتی ہے تو اس مقام پر ایسا نہیں کیا اور اپنے ہی تراشیدہ اصول کی مخالفت کر کے خود ہی اس کے بطلان کو طشت ازبام کر دیا، حالانکہ وہ لکھتے ہیں: ''کسی اصول کو محض زبان سے تسلیم کرنا اور عملاً اس سے روگردانی کرنا حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ اصول تسلیم نہیں'' (دعوت حق ص ۴، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۸۰)

مسعود صاحب کے اس طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے مسعود صاحب اور ان کی رجسٹرڈ جماعت نے بھی اپنے اصولوں کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم نہیں کیا اور نہ ان لوگوں میں حقیقت پسندی کا کوئی عنصر ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسعود صاحب کے اصول کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک اپنے

خلیفہ،امیر،امام کی بیعت نہیں کی تو مسعود صاحب اور رجسٹرڈ جماعت کے اصول نیز اشتیاق صاحب کی گھڑی ہوئی روایت کے مطابق وہ چھ مہینوں تک ''اسلام سے خارج'' رہے۔!

(نعوذباللّٰہ من ھذا الکفر و الضلالۃ)

سیدنا معاویہ اوران کے ساتھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

اسی طرح ان کے زیر بحث اصولوں پر سیدنا معاویہ اوران کے تمام ساتھی بالخصوص جنہیں شرفِ صحابیت حاصل تھا، رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کافر ثابت ہوتے ہیں۔(نعوذ باللہ) چونکہ انہوں نے بھی خلیفہ وقت کی بیعت نہیں کی اور ان سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:''حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے (لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کوسزا دینے کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی ، یہ اختلاف بھی درحقیقت اُسی سازش کا کارنامہ تھا جو اسلامی حکومت کوتباہ کرنے کے لئے کی گئی تھی)

حضرت علیؓ کا خلوص اوراختلاف سے کراہت

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے امراء اور قاضیوں کو ہدایت کی کہ جس طرح تم اب تک فیصلہ کرتے رہے ہو کرتے رہو کیونکہ میں اختلاف کو ناپسند کرتا ہوں (اختلاف ختم کرنا میری سب سے اہم ذمہ داری ہے اور میں اس کوشش میں لگا رہوں گا) یہاں تک کہ تمام لوگ ایک جماعت بن جائیں یا میں (اسی کوشش وجدوجہد میں) مرجاؤں جس طرح میرے ساتھی مرگئے''

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ٦٨ ٧)

اور پھر یہ تو معلوم ومشہور اور مسلّمہ بات ہے باوجود طرفین کی کوششوں کے صلح نہ ہوسکی یہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب زمامِ خلافت سیدنا ومحبوبنا حسن رضی اللہ عنہ نے سنبھالی پھر صلح ہوئی ۔مسعود صاحب لکھتے ہیں:''حضرت علیؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ خلیفہ ہونے کے کچھ عرصہ بعد وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی طرف چلے، حضرت عمرو بن عاصؓ نے (جب اس لشکر کو دیکھا تو) حضرت معاویہؓ سے کہا''میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کرلیں پیٹھ نہ پھریں گے......حضرت معاویہؓ نے دو قرشی آدمیوں کو جن کا تعلق قبیلۂ

بنوعبدشمس سے تھا اور جن کا نام عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر تھا بلایا اور ان سے کہا تم جا کر حضرت حسنؓ سے صلح کی بات چیت کرو اور اُنہیں صلح کی دعوت دو۔......ان دونوں نے کہا ''معاویہؓ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور آپ سے اسی کی درخواست کرتے ہیں......الغرض حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی اور اسی طرح حضرت حسنؓ کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی کہ ''اللہ اس کے ذریعہ مسلمین کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دیگا''

(تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۷۸۔۷۷۹)

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان نیز بقولِ مسعود صاحب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ میں اس کوشش میں لگا رہوں گا یہاں تک کہ لوگ ایک جماعت بن جائیں، واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف تھا، اور وہ ایک جماعت کی شکل میں نہیں تھے بلکہ دو بڑی جماعتوں میں تقسیم تھے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جنہیں شرفِ صحابیت بھی حاصل تھا جیسے سیدنا عمرو بن عاص وسیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما جن میں سے بعض جمل وصفین میں شہید بھی ہو گئے تھے، تو یہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے امیر خلیفہ راشد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بالشت برابر نہیں بلکہ پوری طرح سے علیحدہ تھے بلکہ مُلک شام میں اپنی امارت قائم رکھی تھی، اسی طرح ان مقدس ہستیوں نے اپنے امیر کی بیعت بھی نہیں کی تو مسعود صاحب اور ان کے فرقۂ مسعودیہ کے متفقہ اصول کے مطابق اسلام کو چھوڑے ہوئے تھے اور اسلام سے خارج تھے۔ نعوذ باللہ اور جو اس دوران فوت ہوئے یا شہید ہوئے، نعوذ باللہ وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے، چونکہ مسعود صاحب کا اٹل قانون ہے اور ''قانون قانون ہی رہے گا'' (أستغفر اللہ)

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر:

سیدنا عبداللہ بن زبیر اور ان کے ساتھی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا معاملہ بھی اسی طرح ہے چونکہ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی، مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''**حضرت عبداللہؓ کا بیعت سے انکار اور کعبہ کی تعمیر**

جب حضرت یزیدؒ خلیفہ ہوئے تو حضرت ابن زبیرؓ نے بیعت نہیں کی۔واقعہ حرّہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے......(ان حالات میں جبکہ حکومت ایک شخص کے ہاتھ میں نہیں رہی تھی حضرت ابن زبیرؓ نے اُمت کی بہبودی کے خیال سے حکومت خود سنبھالنے کا ارادہ کرلیا،اُنھوں نے حضرت مروانؒ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اسی بنیاد پر)اُنھوں نے حضرت عبدالملکؒ کی بیعت نہیں کی بلکہ اپنی (خلافت کا اعلان کردیا اور)بیعت لینی شروع کردی۔'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۸)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:''حضرت یزیدؒ کے زمانہ کا دوسرا اہم واقعہ واقعۂ حرّہ ہے، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا،اہلِ مدینہ میں سے (بعض لوگوں نے) حضرت یزیدؒ کی بیعت توڑ دی (اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خلیفہ بنانا چاہا)ابن حنظلہ نے (حضرت یزید کے خلاف)بیعت لینی شروع کی'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۷۹۰)

اس کے علاوہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:''جب حرّہ کا واقعہ رونما ہوا (یعنی جب حضرت یزیدؒ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا جارہا تھا) تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مطیع کے پاس گئے (تاکہ اسے بغاوت سے باز رکھیں)'' (تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۹۵۰)

یہ ابن حنظلہ،سیدنا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں'' له رؤية......استشهد عبدالله يوم الحرة '' واقعہ حرّہ میں شہید ہوئے۔(تقریب التہذیب:۳۲۹۶)

اور سیدنا عبداللہ بن مطیع بن الاسود بن حارثہ القرشی رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:'' له رؤية و كان رأس قريش يوم الحرّة، أمره ابن الزبير على الكوفة '' یوم حرّہ کو قریش کے سربراہ تھے،ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) نے انہیں کوفہ کا امیر بنایا تھا۔(تقریب التہذیب:۳۶۳۷)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر،سیدنا عبداللہ بن حنظلہ،سیدنا عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہم اور اہلِ مدینہ اپنے امیر سے بھی علیحدگی اختیار کرچکے تھے اور اس کی بیعت بھی نہیں کی تھی اور اسی حالت میں شہید ہوئے۔مسعود صاحب کے ان دو باطل اصولوں کی روشنی میں یہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم (نعوذ باللہ) اسلام چھوڑ کر اسلام سے خارج ہوگئے

اور جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔(نعوذ باللہ)

مسعود صاحب اور ان کی پارٹی کے اصولوں اور تحریروں سے درج بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے امیر سے، جماعت سے علیحدہ ہونا اور بیعت نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔اور یہ تو مسعود صاحب واضح طور پر لکھ چکے ہیں کہ ''بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ جاہلیت کی موت کیوں نہ مرے؟ کیا ان کے لئے اللہ کا قانون بدل جائے گا؟ '' (الجماعۃ ص۲۰۔۲۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بیعت نہ کرنے کی بنا پر درج بالا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جاہلیت یعنی کفر کی موت مرے۔(نعوذ باللہ)

مسعود صاحب، اشتیاق صاحب اور ان کی رجسٹرڈ پارٹی کی ان خرافات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جلیل القدر صحابہ کا کچھ مدت کے لئے یا مستقل طور پر کافر ہونا لازم آتا ہے۔(نعوذ باللہ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ صحیح اور درست موقف کیا ہے؟ کیا جاہلیت سے مراد کفر ہے؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ ان احادیث میں ''جاہلیت'' سے مراد کفر نہیں بلکہ ''جاہلیت کے دور'' کا مطلب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے والا زمانہ مراد ہے۔اور کئی احادیث میں اس لفظ کا استعمال محض اس دور کے لئے بکثرت ہوا ہے۔مثلاً:

۱: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''**كان عاشوراء يوم تصومه قريش في الجاهلية**'' عاشوراء ایسا دن تھا کہ قریش دور جاہلیت میں اس کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری:۳۸۳۱)

۲: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا......ایک بار وہ کوئی چیز لایا تو ابوبکر نے بھی اس میں سے کھایا، غلام نے ان سے کہا آپ کو معلوم ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟ انہوں نے کہا: بتاؤ کہاں سے آیا؟ غلام نے کہا:

''**كنت تكهنت لإنسان في الجاهلية**''

کہ میں نے جاہلیت میں کسی انسان کے لئے کہانت کی تھی اس نے مجھے اس کے بدلے یہ دیا

......الخ (صحیح بخاری:۳۸۴۲)

۳: سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''قلت : یارسول اللّٰہ! إنا کنا في جاھلیة وشر فجاء نا اللّٰہ بھذا الخیر ...... ''میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جاہلیت اور شر میں تھے کہ ہمارے پاس (اللہ تعالیٰ) یہ بھلائی لایا۔

(بخاری:۷۰۸۴؛ مسلم:۱۸۴۷)

ان روایات میں اسلام سے قبل زمانے کو ''جاہلیت'' کا نام دیا گیا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث پر کتاب المناقب میں ''باب أیام الجاھلیة'' کا باب قائم کیا۔ جاہلیت میں بہت سے عقائد ونظریات اور اعمال تھے جو سب کے سب کفر وشرک نہیں تھے، مثلاً اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، مدبر الامور ماننا جیسا کہ قرآن مجید میں کئی ایک مقام پر اس کا بیان موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ العنکبوت (۶۱، ۶۳) الزخرف (۸۷)

☆ چپ رہنے کا روزہ۔ (بخاری:۳۸۳۴) ☆ جنازہ کے لئے کھڑے ہونا۔ (بخاری:۳۸۳۷)

☆ قومیت کا تعصب (بخاری:۳۵۱۸)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور تھے، لیکن ان میں سے کوئی بات کفر وشرک نہیں، جہاں بہت سے امور شرکیہ، کفریہ تھے، وہاں ایمانِ خالص اور شرک وکفر سے بے زار لوگوں کا بھی وجود تھا، اہل ایمان بھی موجود تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ ھُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ﴾ جن کو ہم نے کتاب دی ہے اس (کتاب) سے پہلے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان پر (اس کتاب کی) تلاوت کی جائے تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں ہم اس سے پہلے بھی مسلم تھے۔ انہیں دہرا اجر دیا جائے گا اس لئے کہ یہ اس بات پر قائم رہے اور یہ لوگ برائی کو بھلائی کے ساتھ دور کرتے ہیں اور ہم نے انہیں جو دیا اس میں سے خرچ کرتے

ہیں۔'' (القصص:۵۲تا۵۴)

ان آیات مبارکہ میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ونزولِ قرآن سے پہلے ''دورِ جاہلیت'' میں ایمان اور حق پر قائم رہے۔ مسعود صاحب ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''قرآنِ مجید کے نزول کے بعد اہلِ کتاب دو گروہوں میں منقسم ہو گئے

① ایک تو وہ جو قرآن مجید کو پہچان گئے پھر بھی ایمان نہیں لائے......

② دوسرے وہ جو قرآن مجید کو پہچان گئے اور اس پر فوراً ایمان لے آئے......

آیتِ زیرِ تفسیر میں (اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ) دوسرے گروہ کے لوگوں کا قول ہے۔ یہ قرآن مجید پر اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی ایمان رکھتے تھے اور نازل ہونے کے بعد بھی اس پر ایمان لے آئے۔ یہ لوگ سنجیدہ اور انصاف پسند تھے...... (اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ) ان کو دگنا اجر دیا جائے گا۔ (اس لئے کہ ان میں مندرجہ ذیل صفات پائی جاتی ہیں۔)

① (بِمَا صَبَرُوْا) یہ لوگ اپنی کتاب کے مطابق احکام الٰہی پر جمے رہے اور پھر قرآن مجید کے مطابق احکامِ الٰہی پر جم گئے۔ نہ احکامِ الٰہی سے نزول قرآن مجید سے پہلے روگردانی کی اور نہ نزولِ قرآن مجید کے بعد روگردانی کی۔ (تفسیر قرآن عزیز ج۷ ص۶۲۴۔۶۲۶)

قرآن مجید کی آیات سے اور پھر مسعود صاحب کی تفسیر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''زمانۂ جاہلیت'' میں جہاں کفر وشرک کا دور دورا تھا، وہاں ایمان اور اہلِ ایمان کا وجود بھی باقی تھا جو شرک وکفر اور ہر قسم کی بے ہودگی سے بچتے ہوئے احکام الٰہی پر قائم رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ثلاثة يؤتون أجرهم مرتين...... ومؤمن أهل الكتاب الذي كان مؤمناً ثم آمن بالنبي صلی اللہ علیہ وسلم فله أجران))

تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر دیا جائے گا...... (ان میں سے ایک) مومن اہل کتاب ہے جو پہلے بھی مومن تھا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ (صحیح بخاری:۳۰۱۱)

اس حدیث سے بھی ''دورِ جاہلیت'' میں ایمان اور مومنین کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں: ''أن النبي ﷺ لقي زيد بن عمرو بن نفيل بأسفل بلدح قبل أن ينزل على النبي ﷺ الوحي فقدمتْ إلى النبي ﷺ سفرة فأبى أن يأكل منها، ثم قال زيد: إني لست آكل مما تذبحون على أنصابكم ولا آكل إلا ماذكر اسم الله عليه'' (صحیح بخاری:٣٨٢٦)

مسعود صاحب یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ بلدح کے نشیب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی۔ آپؐ کے سامنے ایک دسترخوان رکھا گیا۔ آپؐ نے اس میں سے کھانے سے انکار کردیا۔ پھر وہ دسترخوان زید کے سامنے کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''میں بھی تمہارے آستانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور نہیں کھاتا۔ میں تو اُس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو صرف اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔'' (صحیح تاریخ الاسلام ص٣)

انہی سے ایک روایت اس طرح ہے کہ ''إن زيد بن عمرو بن نفيل خرج إلى الشام يسأل عن الدين ويتبعه......قال: ما أعلمه إلا أن يكون حنيفًا قال: وما الحنيف؟ قال: دين إبراهيم، لم يكن يهوديًا ولا نصرانيًا ولا يعبد إلا الله فلما رأى زيد قولهم في إبراهيم عليه السلام خرج فلما برز رفع يديه فقال: اللهم إني أشهد لك أني على دين إبراهيم'' (صحیح بخاری:٣٨٢٧)

مسعود صاحب اس واقعہ کو کچھ اس طرح نقل کرتے ہیں: ''زید بن عمرو بن نفیل......وہ دین حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے... کہنے لگے مجھے اپنے دین کے متعلق کچھ بتاؤ شاید میں تمہارا دین قبول کر لوں۔ ......عیسائی عالم نے کہا تم حنیف ہو جاؤ۔ زید نے پوچھا حنیف کیا ہوتا ہے؟ اُس نے کہا ابراہیم علیہ السلام کا دین جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور نہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت کرتے تھے۔ جب زید نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کے متعلق ان عالموں کی گفتگو سنی تو وہاں سے باہر چلے آئے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا: ''اے اللہ میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں دینِ ابراہیمؑ پر ہوں'' (صحیح تاریخ الاسلام ص٦٨)

اب دیکھئے! زید بن عمرو نزولِ قرآن سے پہلے ایام جاہلیت میں تھے لیکن شرک وکفر اور گمراہی سے بےزار تھے اور خالص موحّد تھے۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے صرف اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور یہ جاہلیت ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ ان کی موت دورِ جاہلیت میں ہی ہوئی لیکن کفر وشرک پر نہیں بلکہ دینِ حنیف پر ہوئی۔

(دیکھئے صحیح تاریخ الاسلام ص ٦٨)

اسی طرح بیعت وافتراق والی احادیث میں جاہلیت کی موت سے مراد کفر کی موت نہیں، بلکہ زمانۂ جاہلیت کی موت کفر پر بھی ہو سکتی ہے اور ایمان پر بھی، جو شخص دین اسلام پر قائم رہے کفر وشرک سے بچا رہے، اس کی موت اسلام پر ہی ہوگی۔ جاہلیت کی ایک خصلت انتشار واختلاف بھی تھا لوگ مختلف قبائل واقوام میں منقسم ومنتشر تھے کسی نظم وضبط کے پابند نہ تھے، اسلام نے اتحاد واتفاق کو قائم کیا۔ قیامِ خلافت کے بعد کہ جب امت کا ایک معتد بہ گروہ خلیفہ پر مجتمع ہو، اجتماعیت قائم ہو پھر کوئی شخص اس اجتماعیت سے دور رہے تو اس کی موت جاہلیت کی ایک خصلت یعنی انتشار واختلاف پر ہوگی نہ کہ کفر وشرک پر۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”والمراد بالميتة الجاهلية وهي بكسر الميم حالة الموت كموت أهل الجاهلية علىٰ ضلال وليس له إمام مطاع ، لأنهم كانوا لايعرفون ذلك ، وليس المراد أنه يموت كافرًا بل يموت عاصيًا ويحتمل أن يكون التشبيه علىٰ ظاهره ومعناه أنه يموت مثل موت الجاهلي وإن لم يكن هو جاهليًا ، وإن ذلك ورد مورد الزجر والتنفير وظاهره غير مراد“

لفظِ میتۃ میم کی کسرہ کے ساتھ ہے اور جاہلیت کی موت سے مراد، اہلِ جاہلیت کے لوگوں جیسی حالتِ موت، بے راہ روی پر کہ اس کا کوئی فرمانروا امام نہ ہو۔ چونکہ وہ لوگ اسے نہیں جانتے تھے (کہ ایک حکمران کے منظّم نظام کے تحت رہنا ہے) اور ان الفاظ سے مراد یہ نہیں کہ وہ کافر ہو کر مرے گا بلکہ وہ گناہگار ہو کر مرے گا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تشبیہ اس کے ظاہر پر ہو اس (صورت میں اس) کے معنی یہ ہیں کہ وہ دورِ جاہلیت کے فرد کی طرح مرے گا اگر چہ وہ خود دورِ جاہلیت کا فرد نہ بھی ہو۔ یا یہ حدیث زجر وتوبیخ کے لئے وارد ہوئی ہے اور اس کا

ظاہر مراد نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱۳/ ۱۰، تحت رقم الحدیث: ۷۰۵۴، مطبوعہ دارالسلام ریاض)

اس بات کو صرف حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دورِ جاہلیت کے لوگ کسی منظّم ریاست وحکمران کے ماتحت نہیں تھے اور مختلف قوم قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور قرآن وسنت کے محکم دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام اہلِ جاہلیت شرک وکفر میں مبتلا نہ تھے بلکہ بہت سے لوگ کفر وشرک سے بیزار بھی تھے، اللہ عز وجل کی خالص عبادت کرنے والے بھی تھے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ اب بغیر کسی دلیل وبرھان کے یہ کہنا کہ یہ لوگ محض دورِ جاہلیت میں مرنے کی وجہ سے کفر وشرک پر مرے صرف ظلم ہی نہیں بلکہ ادّعاءِ علمِ غیب ہے جس کا بطلان ظاہر وباہر ہے۔

احادیثِ بیعت اور اجماعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماعی طرزِ عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان یعنی اقتدار وحکومت سے علیحدگی اختیار کر لینے سے یا خلیفہ کی بیعت نہ کرنے سے کوئی شخص دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا بلکہ وہ مومن ومسلم ہی رہتا ہے۔ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''طریقہ ☆ وہی صحیح ہے جو سلف صالحین کا تھا، اس میں نت نئے نظریات کی آمیزش سخت معیوب ہے۔'' (تلاش حق ص ۴۷)

[☆ ہمارے نسخہ میں ''مسلک وہی صحیح ہے...'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے تلاشِ حق ص ۴۷]

جب سلف صالحین کا طریقہ ہی صحیح ہے تو آیئے! دیکھتے ہیں سلف صالحین بالخصوص اکابر واَجلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف ومنہج کیا تھا؟ ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((وإن أمتكم هذه جعل عافيتها في أولها وسيُصيب آخرها بلاء وأمور تنكرونها)) تمہاری اس امت کی عافیت اس کے اول حصے میں رکھی گئی ہے اور اس کے آخر حصے میں ایسی مصیبتیں اور ایسے معاملات ہوں گے جنھیں تم نہیں پہچانو گے۔

(صحیح مسلم: ۴۷۷۶)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور احادیثِ افتراق وبیعت

پہلے خلیفہ راشد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معاملہ دیکھ لیجیے، عرصہ چھ ماہ تک (مسعود

صاحب کے اصول کے مطابق) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بیعت نہیں کی تھی، لیکن آپ نے انھیں اسلام سے خارج نہیں سمجھا، اور نہ آپ کی بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک صحابی نے ایسا سمجھا۔ اگر بیعت شرطِ ایمان یا قبولیتِ اسلام کے لئے لازمی عمل ہوتا تو سیدنا ابوبکر اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کبھی خاموش نہ رہتے، ضرور بالضرور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کرتے۔ دیکھئے مانعینِ زکوٰۃ سے کس طرح انہوں نے قتال کیا؟ مسعود صاحب یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوتے ہی عرب کے بعض لوگوں نے کفر اختیار کر لیا (یعنی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے جنگ کا ارادہ کیا) حضرت عمرؓ نے کہا ''آپ ان لوگوں سے کیسے لڑ سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں...... حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ''اللہ کی قسم میں ضرور اس سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا۔...... اللہ کی قسم اگر ایک بھیڑ کا بچہ بھی جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے مجھے نہ دیں گے تو میں ضرور ان سے اس بچہ کو روک لینے پر جنگ کروں گا۔'' حضرت عمرؓ کہتے ہیں ''اللہ کی قسم، اللہ نے ابوبکرؓ کے سینے کو کھول دیا تھا، بعد میں مَیں سمجھ گیا کہ یہ حق ہے۔'' (یعنی جنگ کرنا ضروری ہے)''

(تاریخ الاسلام ص ۶۸۱)

لیکن بیعت نہ کرنے کے سلسلے میں آپ نے ایسا نہیں کیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور احادیثِ افتراق وبیعت

اسی طرح تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان نے بھی ''من فارق الجماعة'' اور بیعت والی احادیث کا یہ مفہوم نہیں لیا کہ یہ شرائطِ ایمان میں سے ہے۔ چنانچہ عبیداللہ بن عدی بن خیار رحمہ اللہ نے فرمایا: ''أنه دخل علٰی عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه وهو محصور فقال: إنك إمام عامة ونزل بك ما نرى ويصلي لنا إمام فتنة ونتحرج، فقال: الصلاة أحسن ما يعمل الناس فإذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإذا أساء وا فاجتنب إساء تهم'' وہ سیدنا عثمان کے پاس گئے جبکہ وہ (باغیوں کی

بغاوت وخروج کے سبب اپنے گھر میں) محصور تھے انہوں نے کہا: آپ خلیفہ وقت ہیں اورآپ پر جو مصائب آئے ہیں وہ ہم دیکھ رہے ہیں اور ہمیں تو نماز بھی باغی امام پڑھاتے ہیں ہم اس میں حرج محسوس کرتے ہیں ،تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ جتنے اعمال کرتے ہیں نماز اُن میں بہترین عمل ہے، جب لوگ نیکی کریں تو تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرو اور جب وہ بُرے کام کریں تو ان کی برائیوں سے دور رہو یا بچتے رہو۔(صحیح بخاری:۶۹۵)

دیکھئے اس سلسلے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل کیا تھا؟ جن لوگوں نے آپ کی خلافت سے اختلاف کیا، آپ کے خلاف بغاوت کی، آپ کو اپنے گھر میں محصور کردیا اور یہ امیر سے کوئی بالشت برابر علیحدگی نہیں ،معمولی اختلاف وافتراق نہیں بلکہ کھلی بغاوت وخروج تھا لیکن اس کے باوجود سیدنا عثمان نے اپنے مامورین کو باغیوں کے پیچھے نماز پڑھتے رہنے کی تاکید کی ۔مسلمین کی اجتماعیت یا خلیفہ سے افتراق وعلیحدگی اگر ارتداد اور کفر وشرک ہوتا یا اسلام سے خروج ہوتا اور بیعت شرطِ ایمان ہوتی تو کیا کوئی مسلم اس بات کا تصور بھی کرسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی شرائطِ ایمان وارکانِ اسلام سے بھی بے خبر ہوں اور ایک کفر وشرک کے مرتکب ،اسلام سے خارج مرتد کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہنے کی اجازت دے دیں۔! اور اس بات کا تصور بھی محال ہے کہ خلیفہ راشد جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت کا شرف بھی حاصل ہو اور وہ خلافت وامارت کے بنیادی بلکہ ان مسائل سے بھی ناواقف وبے خبر ہوں جن کا تعلق (رجسٹر جماعت کے اصول کے مطابق) شرائطِ ایمان سے ہو! اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک جمّ غفیر موجود ہو مگر کوئی ایک بھی اس سلسلے میں اصلاح ورہنمائی کا فریضہ ادا نہ کرے! آخر معاملہ کی اصل نوعیت کیا ہے؟

قولِ عثمان رضی اللہ عنہ اور مسعود صاحب کی وضاحت

اس کی حقیقت اور وضاحت خود مسعود صاحب کے قلم سے ملاحظہ کیجیے، لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے وہ حضرت عثمانؓ کا قول ہے۔حدیث نہیں ہے۔حضرت عثمانؓ نے امامِ فتنہ کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی۔یہاں ایک بات یہ دیکھنی ہے کہ امامِ فتنہ کا اختلاف

کیا تھا۔کوئی مذہبی اختلاف نہیں تھا۔اس کو حضرت عثمانؓ کے سیاسی احکام میں اختلاف تھا۔‘‘

(تلاش حق ص ۱۰۸، اشاعت نمبر ۱۱ ۲۰۰۴ء)

مسعود صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ’’حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا فتنہ انتظامی نوعیت کا تھا۔ دینی نوعیت کا نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو کچلنے کی طرف توجہ نہیں دی ورنہ ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے اور دین کے خلاف جتنے بھی فتنے اٹھیں ان کا قلع قمع کرے۔‘‘

(اعتراضات اور ان کے جوابات قسط نمبر ۱ ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک...ص ۴۸۰)

ایک اور مقام پر مسعود صاحب نے لکھا: ’’۳۰: صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں: ’’حضرت امیر معاویہؓ سے حضرت امام حسنؓ نے بیعت نہیں کی، حضرت امام حسینؓ نے نہیں کی اور نوبت جدال وقتال تک پہنچی...‘‘

اس کے بارے میں مسعود احمد نے کہا: ’’صلاح الدین صاحب اس کا ثبوت دیجئے۔‘‘

بعد میں صلاح الدین کی دوسری عبارت نقل کر کے مسعود احمد بی ایس سی نے کہا:

المسلم صحابہ کا محولہ بالا اختلاف اور حمایت یا مخالفت تنظیمی امور میں تھی اگر دینی امور میں بھی تھی تو عارضی۔ نہ انہوں نے اختلاف کو ہوا دی اور نہ کوئی فرقہ بنایا۔‘‘ (الجماعۃ ص ۴۶)

یہ ہے اصل حقیقت! مسعود صاحب کی ان تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ امیر سے علیحدہ ہونا، بیعت نہ کرنا وغیرہ کا تعلق انتظامی نوعیت سے ہے دینی نوعیت سے نہیں۔ جب یہ معاملہ انتظامی نوعیت کا ہے تو اسے شرائطِ ایمان کا مسئلہ قرار دینا بدترین جہالت وتناقض نہیں تو اور کیا ہے؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حدیث بیعت وافتراق

گزشتہ صفحات میں باحوالہ یہ بات ہو چکی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سیدنا معاویہ اور دیگر صحابہ کا قصاص کے معاملہ میں ان سے اختلاف ہو گیا اور سیدنا معاویہ اور ان کے ساتھی جن میں صحابہ بھی تھے انہوں نے سیدنا علی کی بیعت بھی نہیں کی۔ لیکن سیدنا علی سمیت کسی بھی صحابی نے انہیں اسلام سے خارج اور کافر نہیں سمجھا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ سیدنا علی بھی بیعت کو ’’انتظامی نوعیت‘‘ کا مسئلہ سمجھتے تھے شرائطِ ایمان کا نہیں۔

اس بحث سے چاروں خلفائے راشدین کا نظریہ اور طرز عمل واضح ہو جاتا ہے، مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''خلیفۂ راشد تو وہی ہوسکتا ہے جو قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلفاء راشدین کا عمل گویا سنتِ نبویؐ کا بہترین ثبوت ہوگا اور جس طریقہ پر وہ چلتے رہے ہوں گے وہ طریقہ یقیناً سنت نبویؐ سے ماخوذ ہوگا گویا خلفاء راشدین کی سنت سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم معلوم ہوسکتی ہے۔ خلفاء راشدین بالاتفاق کسی ایسے طریقہ پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے جس کا نمونہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو۔'' (اعتراضات اور ان کے جوابات ص ۳۱)

اس تحریر کے مطابق خلفائے راشدین کا طریقہ تو یقیناً سنت کے مطابق ہے لیکن رجسٹرڈ جماعت کا طریقہ وطرزِ عمل یقیناً سنت رسول ﷺ کے برعکس اور باطل ہے۔

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور احادیث بیعت

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنی خلافت قائم کی تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی بیعت نہیں کی، جیسا کہ مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت سے تخلف:

ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ میں بیعت کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے)......الخ'' (تاریخ الاسلام ص ۸۰۰)

لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما یا ان کے کسی ساتھی صحابی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اسلام سے خارج، کافر یا مرتد سمجھا ہو۔ یہ محض رجسٹرڈ تکفیری پارٹی کا غلو وتعصب ہی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور احادیث بیعت وافتراق

جب یزید کی باقیات سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور یزیدیوں نے حجازِ مقدس پر بھی کنٹرول حاصل کرلیا، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور اس بات کو خود مسعود صاحب لکھ چکے ہیں کہ انہوں نے یزید، مروان اور عبدالملک بن مروان کی بیعت نہیں کی

تھی، لیکن صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی، بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ خود یزید کی بیعت کیے ہوئے تھے (بخاری: ۷۱۱۱) اس کے باوجود ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے متعلق ان کے کیا خیالات تھے؟ ملاحظہ کیجیے، مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ ہو چکا تھا، وہ مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کی لاش مدینہ کی ایک گھاٹی میں درخت پر لٹکا دی گئی۔...... ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ ادھر سے گزرے۔ حضرت ابن زبیرؓ کی لاش کو دیکھکر وہاں کھڑے ہو گئے اور کہا ''اے ابوخبیبؓ السلام علیک، اے ابوخبیبؓ السلام علیک، اے ابوخبیبؓ السلام علیک۔...... اللہ کی قسم میں نے تو پہلے ہی تمہیں اس کام سے منع کیا تھا، اللہ کی قسم میں نے تو پہلے ہی تمہیں اس کام سے منع کیا تھا، اللہ کی قسم میں نے تو پہلے ہی تمہیں اس کام سے منع کیا تھا، اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ تم بہت روزہ دار، شب بیدار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے، اللہ کی قسم وہ اُمت کتنی اچھی ہے جس کا بُرا (بزعمِ دشمن) تم جیسا ہو'' (تاریخ الاسلام ص ۱۰۸)

دیکھئے عبداللہ بن عمر انہیں دعائیں دیتے رہے، ان کی نیکیوں کا تذکرہ کرتے رہے ان کی تعریفیں کرتے رہے، اگر ''جاہلیت'' سے مراد کفر ہی ہوتا اور ان کی موت کفر پر ہوتی (نعوذ باللہ) تو کیا اس صورت میں وہ ان کی نیکی اور تقویٰ کا ذکر کرتے ان کے لئے دعائیں مانگتے؟ یقیناً نہیں کیونکہ کفر و شرک کی موجودگی میں نیکی و تقویٰ کس کام کا!

مفہومِ حدیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع

یہ ہے صحابہ کرام کا اجماعی طرزِ عمل کہ وہ خلیفہ وقت کی بیعت نہ کرنے والوں کو بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر نہیں سمجھتے تھے۔ دوسری طرف مسعود صاحب اور ان کا رجسٹرڈ فرقہ ہے کہ جو شخص ان کی رجسٹرڈ پارٹی میں شامل نہ ہو، اُن کے محکوم ومأمور بے اختیار امیر صاحب کی بیعت نہ کرے، خواہ وہ عقیدتاً وعملاً متقی پرہیزگار ہی کیوں نہ ہو، یہ اسے ''غیر مسلم'' دائرہ اسلام سے خارج اور کافر سمجھتے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسعود صاحب اور ان کے قائم کردہ فرقے کا رویہ اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے برخلاف و برعکس ہے۔

مسعود صاحب اور ان کی جماعت کا سبیل المؤمنین سے انحراف: مسعود صاحب ایک

مقام پر لکھتے ہیں: ''روایاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ چاروں رکعتوں میں قرأت کرنے پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ نہ صرف امام کے لئے بلکہ مقتدی کے لئے بھی۔ کیا صحابہؓ کا یہ اجماع آپ کے نزدیک حجت ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ سبیل المؤمنین نہیں ہے جس پر آپ چل رہے ہیں۔ سورۂ نساء کے الفاظ ﴿ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (آیت نمبر ۱۱۵) پر غور کیجیے۔'' (التحقیق فی جواب التقلید ص ۸۸)

مسئلہ قراءت خلف الامام پر تو ''اجماع'' کا دعویٰ محلِ نظر ہے لیکن مسعود صاحب کی جماعت کے سارے افراد مسئلہ بیعت میں کسی ایک بھی صحابی سے یہ بات پیش نہیں کر سکتے کہ انہوں نے بیعت نہ کرنے والوں پر کفر یا اسلام سے خارج ہو جانے کا فتویٰ لگایا ہو، نہ بسند صحیح وحسن اور نہ بسند ضعیف، حالانکہ ضعیف تو مردود روایت ہوتی ہے۔ گویا اس پر صحابہ کا اجماع یقینی ومتفق علیہ ہے۔ تو مسعود صاحب کی درج بالا تحریر کے مطابق وہ خود اور ان کی پوری پارٹی یقیناً ''سبیل المؤمنین'' سے منحرف ہے۔

اور سبیل المؤمنین سے انحراف کوئی معمولی جرم نہیں، مسعود صاحب کی محولہ آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ اور جو شخص مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ اس کے لئے ہدایت واضح ہوگئی اور وہ مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرتا ہے اور (پھر) ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ (النساء: ۱۱۵)

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ رجسٹرڈ جماعت کے ساتھیوں کو ''سبیل المؤمنین'' دل کی گہرائیوں سے قبول کرنے اور اس پر گامزن رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعی طرزِ عمل ہمارے لئے ہدایت جاننے کا ایک روشن ذریعہ ہے۔

مسعود صاحب بہت سے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''......کہ جن لوگوں کے ایسے فضائل ہوں اُن سے کیسے اُمید کی جاسکتی ہے کہ سیاست کے میدان میں للّٰہیت کو چھوڑ کر دنیا دار اور مکار بن جائیں گے۔ غیر اسلامی سیاست کو منظور کر لیں گے اور محض دُنیوی

مفاد کی خاطر یا بزدلی سے کلمۂ حق کہنے سے گریز کریں گے اور کسی غیر شرعی حاکم اور اس کے غیر شرعی احکام پر خاموش تماشائی بن جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ جماعت جس میں خلوص اور للّٰہیت کی فراوانی ہو، وہ لوگ جو ہر وقت رضائے الٰہی کے طالب رہتے ہوں، جنہوں نے اپنے خون سے اسلام کی آبیاری کی ہو وہ کس طرح اپنی آنکھوں سے اسلام کی پامالی دیکھ کر خاموش رہ سکتے ہیں۔'' (تاریخ الاسلام ص ۶۴۷)

جب معاملہ یہ ہے اور یقیناً یہی ہے کہ ہر صاحبِ ایمان رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے متعلق ایسا ہی اعتقاد رکھے گا۔ اب رجسٹرڈ جماعت کے افراد بتائیں کہ اگر بیعت واقعی شرطِ ایمان ہوتی، بیعت نہ کرنے سے بندہ اسلام سے خارج ہو جاتا تو صحابہ کرام نے ایمانیات کے اس مسئلہ پر وہ بات کیوں بیان نہیں کی جسے آپ لوگ حق سمجھتے ہیں؟

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسے ایمانیات کا مسئلہ سمجھتے نہیں تھے اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اجماعِ صحابہ سے متعلق مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''کسی دینی فعل پر اجماع صحابہ بھی حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کے فعل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ سرچشمہ سنت ہی ہو سکتی ہے'' (وقار علی صاحب کا خروج ص ۹ جدید طبع ص ۷، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۵۳۳)

اسی طرح وہ لکھتے ہیں: ''اجماع صحابہ حکماً حدیث ہی کی ایک قسم ہے۔ قرآن مجید یا حدیث کا انکار کرنے والا، ان کو حجت شرعیہ اور مأخذ قانون نہ ماننے والا کافر ہے''

(ہمارے عقائد ص ۴، جماعت المسلمین کی دعوات... ص ۳۰)

اس کے باوجود بھی اگر رجسٹرڈ جماعت کے افراد بیعت وافتراق سے متعلق احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ عمل سے واضح ہونے والے ان کے اجماعی مفہوم کو تسلیم نہیں کرتے تو اپنے ہی مذکورہ بالا فتویٰ کفر کی زد میں ہوں گے اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ان کے ہاں اصول محض وضع کیے جاتے ہیں ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔

مسعود صاحب کے چند تناقضات

اب مسئلہ زیر بحث سے متعلق مسعود صاحب کے چند تناقضات بھی ملاحظہ کرتے جائیں۔

پہلا تناقض: ایک طرف تو مسعود صاحب امیر کی بیعت کو شرط ایمان بتلاتے ہیں دوسری

طرف یہ بھی لکھتے ہیں: ''۵۷ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں:۔حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت نہیں کی ،حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ نے یزید سے بیعت نہیں کی ،حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے دورفتن میں کسی سے بیعت نہیں کی'' (حوالہ مذکورہ ص ۱۷ کالم نمبر ۳)

المسلم: صلاح الدین صاحب نے خود ہی ''دورِفتن'' کہہ کر بیعت نہ کرنے کے عذر کو بیان کر دیا۔اب ہم کیا لکھیں......'' (الجماعۃ ص ۵۸)

اس مقام پر مسعود صاحب نے ''دورِفتن'' کو بیعت نہ کرنے کے لئے ''عذر'' تسلیم کر لیا۔اگر بیعت واقعی شرطِ ایمان ہوتی تو محض ''دورِفتن'' اس کے لئے عذر نہ بن سکتا۔

کیا رجسٹرڈ جماعت کے افراد کوئی اور ایسی بات پیش کر سکتے ہیں کہ جو ''شرطِ ایمان'' ہو لیکن دورِفتن میں اس پر عمل نہ کرنا عذر بن سکتا ہو؟ اور ''دورِفتن'' میں اس پر عمل نہ کرنے کی گنجائش ہو؟ فتنوں کے دور میں تو ایمان کی حفاظت کی بہت زیادہ تاکید ملتی ہے لہٰذا ایسے دور میں ''شرطِ ایمان'' پر عمل کیوں ضروری نہیں؟

دوسرا تناقض: مسعود صاحب کا دوسرا تناقض یہ ہے کہ جناب نے اس مقام پر صلاح الدین صاحب کو جواب دیتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور کو ''دورِفتن'' قرار دے دیا چونکہ سیدنا معاویہ، مغیرہ بن شعبہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کی بیعت نہیں کی تھی۔

جبکہ مسعود صاحب لکھتے ہیں: ''ہم تو نہیں سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ شر کا زمانہ تھا۔ہم تو اسے خیر کا زمانہ سمجھتے ہیں۔''

(اعتراضات اور ان کے جوابات قسط نمبر ۱ ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک...ص ۴۷۹۔۴۸۰)

قارئین کرام! مسعود صاحب کے نزدیک سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تو شر کا زمانہ نہیں کیونکہ وہ خلیفہ تھے جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور کو ''دورِفتن'' یعنی ''شر کا زمانہ'' قرار دے رہے ہیں کیا وہ خلیفہ نہ تھے؟

تیسرا تناقض: مسعود صاحب نے خیر القرون میں خلافتِ راشدہ کے زمانہ کو ''دورِفتن'' کہہ

کر بیعت نہ کرنے کے لئے ''عذر'' تسلیم کرلیا۔لیکن آج کے حقیقی اور واقعی ''دورِ فتن'' اور شر کے زمانے کو بیعت نہ کرنے کے لئے عذر تسلیم نہیں کیا۔آج جو اُن کے امیر کی بیعت نہیں کرتا یہ اسے اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ''دورِ فتن'' جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیعت نہ کرنے کے لئے عذر ہوسکتا ہے تو آج کا بدترین پُرفتن دور بیعت نہ کرنے کے لئے عذر کیوں نہیں بن سکتا؟ جبکہ مسعود صاحب یہ بھی لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''تلزم جماعت المسلمین وامامھم'' کے زمانہ کو شر کا زمانہ کہا ہے، ''

(اعتراضات اوران کے جوابات، قسط نمبر ا ص ۵، جماعت المسلمین کی دعوات اور تحریک...ص ۴۸۰)

جس سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف اپنے دور کو شر کا زمانہ ہی سمجھتے تھے ۔جیسا کہ ان کے دورِ امارت میں شائع کردہ ایک کتابچہ میں واضح طور پر لکھا ہے: ''اب یہ جو ہمارا دور ہے، شر وفتن کا دور، تباہی و بربادی کا دور......کیا اس دور کے بارے میں بھی کتاب وسنت سے کوئی لائحہ عمل، کوئی مشورہ، کوئی رہنمائی یا کوئی حکم ملتا ہے؟'' (دعوت حق ص ۲۳، اشاعت دوم، سالِ طباعت ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۶ء)

اس کے بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث نقل کی گئی ہے۔اس وضاحت کے باوجود مسعود صاحب اور ان کی رجسٹرڈ جماعت والوں کا ان کی بیعت نہ کرنے کی بنا پر موجودہ دور کے جمیع اہلِ اسلام کو کافر اور اسلام سے خارج سمجھنا کھلا تناقض نہیں تو اور کیا ہے؟

چوتھا تناقض: اس سلسلے میں مسعود صاحب کا چوتھا تناقض یہ ہے کہ بیعت کو شرطِ ایمان قرار دینے کے باوجود دوسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں:

''امیر سے علیحدگی گناہ عظیم ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

......جس شخص کو امیر کی کوئی بات ناگوار گزرے تو صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی (صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم کتاب الامارۃ)......اور جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں (امیر کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا''

(اجتماعیت اور اسلام سلسلہ اشاعت نمبر ۱۰۴، رجب ۱۴۰۴ھ ص ۳۔۴)

نیز لکھتے ہیں: ''جماعت سے علیحدہ ہونا گناہ عظیم ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

......جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہو اور (اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔'' (حوالہ بالا ص ۲، جماعت المسلمین کی دعوات ص ۱۵۳)

مندرجہ بالا اقتباسات میں امیر سے علیحدگی اختیار کرنے اور بیعت نہ کرنے کی احادیث پر ''گناہ عظیم'' کی سرخی قائم کی اور انہیں گناہ عظیم یعنی گناہ کبیرہ قرار دیا۔ مسعود صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''ہمارے ہاں بھی ایک لحاظ سے درجہ بندی ہے۔ صلاح الدین صاحب کا بیان صحیح نہیں بلکہ اتہام ہے۔ ہمارے ہاں کفر اور شرک، کبیرہ گناہ اور صغیرہ گناہ تینوں کی درجہ بندی موجود ہے۔ ہم گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے، مسلم ہی کہتے ہیں'' (الجماعۃ ص ۳۳)

ایک طرف تو جاہلیت کی موت والی احادیث پیش کر کے اس سے کفر کی موت مراد لیتے ہیں دوسری طرف بیعت نہ کرنے اور امیر یا جماعت سے علیحدگی والی وہی احادیث پیش کر کے اس سے گناہ عظیم مراد لیتے ہیں پھر ان کی طرف سے یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں مسلم ہی کہتے ہیں۔ تو پمفلٹ ''اجتماعیت اور اسلام'' کے اقتباسات کی روشنی میں ''جماعت اور امیر'' سے علیحدگی اختیار کرنے والا اور بیعت نہ کرنے والا محض گناہ کبیرہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ لیکن ان کی اپنی وضاحت کی روشنی میں ''مسلم'' ہی رہتا ہے کافر نہیں ہو جاتا دوسری طرف وہ شرطِ ایمان کا تارک، کافر اور اسلام سے خارج ٹھہرتا ہے کیا یہ واضح تضاد و تناقض نہیں؟

مسعود صاحب کی تکفیری دعوت: اس سلسلے میں مسعود صاحب کا پانچواں تناقض نہایت ہی عجیب ہے۔ الجماعۃ نامی کتاب جس میں مسعود صاحب نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر بالفرض محال صحابی نے بھی بیعت نہ کی تو جاہلیت کی موت مرنے والا قانون قانون ہی رہے گا۔ ہم ابتدا میں باحوالہ ان کی مکمل عبارتیں نقل کر آئے ہیں۔ لیکن اسی کتاب میں وہ سابق مدیرِ تکبیر صلاح الدین صاحب کو یہ دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جماعت المسلمین کے امیر کے ہاتھ پر بیعت نظامِ باطل کے مٹانے کے لئے ہی کی جاتی ہے تو پھر یا تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر لیجئے یا دور رہتے ہوئے بھی اس کی تائید و حمایت میں سرگرم ہو جایئے۔'' (الجماعۃ ص ۵۵-۵۶)

حیرت ہے کہ مسعود صاحب امیر کی بیعت کو شرطِ ایمان قرار دیتے رہے اور کفر کی موت سے بچنے کے لئے ضروری و لازمی قرار دیتے رہے، اس کے باوجود صلاح الدین صاحب کو یہ دعوت دی کہ یا بیعت کر لیجیے یا دور رہتے ہوئے......الخ جب بیعت شرطِ ایمان ہے تو مسعود صاحب کو یہ اتھارٹی کہاں سے حاصل ہوگئی کہ وہ کسی کو شرطِ ایمان کی تکمیل نہ کرنے کی دعوت دے دیں، ان کے اصولوں کے مطابق تو مسعود صاحب کی یہ دعوت خالص کفر اختیار کرنے کی دعوت ہے، نیز شریعت سازی بھی ۔ معلوم ہوتا ہے کہ لاشعور میں خود مسعود صاحب بھی یہ سمجھتے تھے کہ امیر کی بیعت نہ تو شرطِ ایمان ہے اور نہ یہ کفر و اسلام کا مسئلہ (واللہ اعلم وعلمہ اتم) وگرنہ صلاح الدین صاحب کو ہرگز ایسی دعوت نہ دیتے جو ان کے اپنے اصولوں کی رو سے خالص کفریہ دعوت ٹھہرتی ہے۔ رجسٹرڈ جماعت کے افراد بتلائیں کہ ان کے فرقہ کے بانی امیر صاحب اس کفریہ دعوت دینے کے بعد ان کے خانہ ساز تکفیری قوانین واصول کا شکار ہوکر ''کافر'' ہوئے یا تکفیری اصول محض مخالفین ہی کے لئے ایجاد کیے گئے ہیں؟

المختصر! کہ مسعود صاحب کے خود ساختہ اور باطل اصول کی روشنی میں بیعت نہ کرنے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر ہوتی ہے۔ جن اصولوں سے صحابہ کرام کی تکفیر ہوتی ہو وہ اصول کبھی حق نہیں ہو سکتے۔ ان کا باطل ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے بانی و امیر ثانی کی محبت میں غرق ہوکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر پر راضی رہتے ہیں یا پھر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے ان من گھڑت اصولوں کو باطل قرار دیتے ہوئے انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔ وباللہ التوفیق [۳۰/ شعبان ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۱/ اگست ۲۰۰۹ء]

[الحدیث: ۶۳، ۷۴]

❀❀❀

زکوٰۃ ومعاملات

الشیخ الفقیہ ابن العثیمین رحمہ اللہ ترجمہ: ابوانس محمد سرور گوہر

زکوٰۃ کے انفرادی اور اجتماعی فوائد

[اسلام کا تیسرا بنیادی رکن زکوٰۃ ہے۔ صحیح طریقے سے مستحقین تک زکوٰۃ پہنچانے والے کو درج ذیل انفرادی واجتماعی حکمتیں اور فائدے حاصل ہوتے ہیں:]

۱: بندے کے اسلام کا اتمام واکمال؛ کیونکہ یہ (زکوٰۃ) ارکانِ اسلام میں سے ہے، لہٰذا جب انسان اس کی ادائیگی کا اہتمام کرتا ہے تو اس کا اسلام مکمل و کامل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عظیم مقصد ہے، پس ہر مسلمان شخص اپنے دین کے اکمال کے لئے کوشاں رہتا ہے۔

۲: یہ زکوٰۃ دینے والے کے صدق و ایمان کی دلیل ہے، اس لئے کہ مال دلوں کو بہت پیارا ہوتا ہے اور پیاری و محبوب چیز صرف اسی صورت میں خرچ کی جاتی ہے جب اس جتنی یا اس سے زیادہ محبوب چیز کا حصول مقصود ہو بلکہ اس سے محبوب تر چیز کے حصول پر اس پسندیدہ چیز کو خرچ کیا جاتا ہے، اسی لئے اس (زکوٰۃ) کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ یہ (صدقہ) زکوٰۃ ادا کرنے والے کی اللہ عزوجل کی رضا کی سچی طلب پر دلالت کرتا ہے۔

۳: یہ زکوٰۃ ادا کرنے والے کے اخلاق سنوارتی ہے، یہ اس کو بخیلوں کے زمرے سے نکال کر سخیوں کے زمرے میں داخل کرتی ہے، کیونکہ جب وہ اپنے نفس کو خرچ کرنے کا عادی بنا لیتا ہے، خواہ علم کا خرچ کرنا ہو یا مال کا صرف کرنا ہو یا جاہ کی قربانی، اور یہ خرچ کرنا اس کی عادت اور طبیعت و مزاج بن جاتا ہے حتیٰ کہ جس روز وہ اپنے معمول کے مطابق کچھ خرچ نہیں کرتا تو وہ رنجیدہ اور پریشان ہو جاتا ہے، جیسے وہ شکاری جو ہر روز شکار کرتا ہے اگر کسی روز وہ شکار سے پیچھے رہ جائے تو وہ رنجیدۂ خاطر ہو جاتا ہے اور اسی طرح جس شخص نے اپنے نفس کو سخاوت کا عادی بنا لیا ہو تو اگر کسی

روزانہ اپنے مال یا جاہ یا منفعت سے خرچ نہ کر سکے تو وہ کبیدۂ خاطر ہو جاتا ہے۔

٤: زکوٰۃ دل کو مطمئن کرتی ہے، پس انسان جب کوئی چیز خرچ کرتا ہے، خاص طور پر مال تو وہ اپنے دل میں اطمینان پاتا ہے اور یہ چیز مجرب ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خرچ کرنا سخاوت اور خوش دلی کے جذبے سے ہو، اس طرح نہ ہو کہ مال تو خرچ کر دیا، لیکن اس کو دل سے نہیں نکالا، حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں ذکر کیا ہے کہ خرچ وسخاوت انشراح صدر اور اطمینان قلب کا سبب ہے، لیکن اس سے صرف وہی شخص استفادہ کر سکتا ہے جو سخاوت اور خوش دلی کے جذبے سے خرچ کرتا ہے اور وہ اپنا مال اپنے ہاتھ سے دینے سے پہلے اس کو اپنے دل سے نکالتا اور ادا کرتا ہے، رہا وہ شخص جو اپنے ہاتھ سے تو مال ادا کرتا ہے، لیکن اس کو دل میں جگہ دیئے رکھتا ہے تو وہ اس خرچ کرنے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

٥: یہ انسان کو مومن کامل کے ساتھ ملاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا یؤمن أحدکم حتّی یحب لأخیه ما یحب لنفسه))

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ جو چیز اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے وہی چیز اپنے بھائی کے لئے پسند کرے۔ (صحیح بخاری: ١٣، صحیح مسلم: ٤٥)

٦: یہ جنت میں جانے کا ذریعہ ہے، کیونکہ جنت اس شخص کے لئے ہے جس نے عمدہ گفتگو کی، سلام پھیلایا (کثرت سے سلام کیا)، کھانا کھلایا اور نمازِ تہجد پڑھی، جبکہ دیگر لوگ محوِ خواب تھے۔ (المستدرک ١/٣٢١ ح ١٢٠٠ نحو المعنی مختصراً وسندہ حسن وللحدیث شواہد)

ہم سب جنت میں جانے کے لئے کوشاں ہیں۔

٧: زکوٰۃ اسلامی معاشرے کو ایک خاندان کی طرح بنا دیتی ہے، اس میں صاحبِ قدرت ناتواں شخص کی اور مال دار شخص تنگ دست کی مدد کرتا ہے، پس انسان یہ سمجھنے اور محسوس کرنے لگ جاتا ہے کہ اس کے بھائی ہیں اس پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے، ان پر احسان کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر

احسان فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں پر) احسان کر۔ (القصص:۷۷)

پس اس طرح امتِ اسلامیہ ایک خاندان کی طرح ہو جاتی ہے، اور متاخرین کے ہاں یہ اجتماعی کفالت کے نام سے معروف ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ ہی بہتر ہے کیونکہ انسان اس کے ذریعے سے فریضہ ادا کرتا ہے اور اپنے بھائیوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۸: یہ فقراء کی بغاوت کی حرارت کو ختم کرتی ہے، کیونکہ فقیر شخص جب دیکھتا ہے کہ یہ (مال دار) شخص اپنی مرضی کی سواری (پرتعیش گاڑی) پر سواری کرتا ہے، اپنی من پسند کوٹھی اور بنگلے میں رہتا ہے اور اپنی چاہت کے انواع و اقسام کے کھانے کھاتا ہے، جبکہ وہ (فقیر شخص) پیدل چلتا ہے اور آسمان کی چھت تلے راستوں (FOOT PATH) پر سوتا ہے اور اس طرح کی دیگر سہولتوں سے محرومی، کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے دل میں بغاوت کے کچھ جذبات رکھتا ہے۔ پس جب مال دار حضرات فقراء پر مال خرچ کرتے ہیں تو وہ ان کی بغاوت (کے تعمیر ہونے والے قلعے) کو توڑ دیتے ہیں اور ان کے غیض وغضب (کی آگ) کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں، اور وہ (فقراء) کہتے ہیں کہ ہمارے کچھ بھائی ہیں جو تنگ دستی میں ہمیں یاد رکھتے ہیں پس اس طرح وہ مال دار حضرات سے الفت رکھتے ہیں اور ان سے محبت کرتے ہیں۔

۹: یہ مالی جرائم، مثلاً چوریاں، ڈاکے اور اغواء کو روکتی ہے اور اس طرح کے دیگر جرائم، کیونکہ فقراء کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے، چونکہ مال دار حضرات اپنے مالوں میں سے انھیں دیتے رہتے ہیں اس لئے وہ (فقراء) ان سے الجھاؤ پیدا نہیں کرتے۔ وہ سونے، چاندی اور سامانِ تجارت میں سے چالیسواں حصہ (اڑھائی فیصد) زرعی پیداوار اور باغات کے پھلوں پر دسواں یا بیسواں حصہ، اور مویشیوں میں سے ایک بہت بڑی نسبت سے مویشی ان کو دیتے ہیں، پس وہ سمجھتے

ہیں کہ وہ ان پر احسان کرتے ہیں اور ان پر زیادتی نہیں کرتے۔

۱۰ : روزِ قیامت کی گرمی سے نجات۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہر شخص روزِ قیامت اپنے صدقے کے سائے تلے ہوگا۔

(مسند احمد ۱۴۸/۴ ح ۱۷۳۳۳ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۲۴۳۱ وابن حبان: ۳۳۱۰ والحاکم ۴۱۶/۱ ووافقہ الذہبی)

اور جس روز اللہ تعالیٰ کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا تو جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے تلے جگہ نصیب فرمائے گا ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

((رجل تصدق بصدقة فأخفاها حتّى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه))

ایک وہ شخص جس نے صدقہ کیا تو اس کو اتنا مخفی رکھا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۲۳، صحیح مسلم: ۱۰۳۱)

۱۱ : یہ انسان کی اللہ تعالیٰ کی حدود اور اس کے ضابطوں کی معرفت حاصل کرنے میں معاونت کرتی ہے، کیونکہ وہ زکوٰۃ کے احکام، اس کے اموال و انصاب اور اس کے مستحقین اور ان کے علاوہ دیگر ضروری چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

۱۲ : وہ حسی اور معنوی لحاظ سے مال کو بڑھاتی ہے، پس جب انسان اپنے مال میں سے صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو آفتوں سے بچاتا ہے، اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ اس صدقے کی وجہ سے اس شخص کے لئے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اس کا رزق بڑھا دیتا ہے، اس لئے حدیث میں آیا ہے: **((ما نقصت صدقة من مال))**

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم: ۶۹/۲۵۸۸ [۶۵۹۲])

یہ چیز مشاہدے میں آچکی ہے کہ بخیل شخص کے مال پر بسا اوقات ایسی چیز مسلط کر دی جاتی ہے جو اس کو ختم کر دیتی ہے یا اس کا زیادہ تر مال جل کر خاکستر ہو جاتا ہے، یا اسے بہت زیادہ خسارہ ہو جاتا ہے یا اس پر امراض حملہ کر دیتے ہیں اور وہ علاج کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا بہت سا مال اس سے چلا جاتا ہے۔

۱۳ : یہ نزول خیر و برکات کا ذریعہ ہے، حدیث میں آیا ہے:

((ما منع قوم زكاة أموالهم إلا منعوا القطر من السماء))

جو لوگ اپنے اموال کی زکوٰۃ نہیں دیتے تو وہ بارش سے محروم کر دیئے جاتے ہیں۔

(المستدرک ۵۴۰/۴ ح ۸۶۲۳ نحو المعنیٰ ، اتحاف المھرۃ ۵۹۰/۸ ح ۱۰۰۱۵ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

۱٤ : جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے: **((إن الصدقة تطفي ء غضب الرب))**

یقیناً صدقہ رب تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ [یہ روایت ثابت نہیں ہے۔]

(سنن الترمذی: ٦٦٤ نحو المعنیٰ وسندہ ضعیف ومع ذلک صححہ الألبانی بشواھدہ الضعیفۃ والمردودۃ !)

۱۵ : زکوٰۃ بُری موت سے بچاتی ہے۔

۱٦ : یہ آسمان سے اترنے والی بلاؤں سے ٹکراتی ہے اور انھیں زمین تک پہنچنے نہیں دیتی۔

۱۷ : یہ خطاؤں کو ختم کر دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الصدقة تطفيء الخطيئة كما يطفي ء الماء النار))

صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

(سنن الترمذی: ٦١٤ وسندہ حسن وقال الترمذی: ''حسن غریب'')

[الحدیث: ۳۲]

ابوالحسن مبشر احمد ربانی

قسطوں کا کاروبار شریعت کی نظر میں

حرام امور کی مذمت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يأتي على الناس زمان لا يبالي المرء ما أخذ منه أمن الحلال أم من الحرام ؟))

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو جو چیز بھی مل جائے، وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور یہ نہ دیکھے گا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ [یعنی حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جائے گی۔] (صحیح بخاری:۲۰۵۹)

دوسری حدیث میں ہے:

((بادروا بالأعمال فتناً كقطع الليل المظلم ، يصبح الرجل مؤمناً و يمسي كافرًا ، أو يمسي مؤمناً ويصبح كافرًا، يبيع دينه بعرض من الدنيا .))

ان فتنوں کے پیش آنے سے پہلے (نیک) اعمال میں جلدی کرو جو تاریک رات کی ٹکڑیوں کی مانند ہوں گے (کہ اس وقت) آدمی صبح کو ایمان کی حالت میں ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر ہو جائے گا (اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ) وہ اپنے دین کو دنیا کی تھوڑی سی متاع کی خاطر بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم:۱۱۸، دارالسلام:۳۱۳)

نیز حرام کھانے والے کے لئے سخت وعید بھی بیان فرمائی:

((لا يدخل الجنة لحم نبت من سحت ، النار أولى به .))

وہ گوشت جس نے حرام سے پرورش پائی، جنت میں داخل نہیں ہوگا (اور جس گوشت نے حرام سے نشو ونما پائی ہو) اس کے لئے جہنم کی آگ ہی اولیٰ ہے۔ (احمد ۳/۳۲۱، ۲۹۹، وھو حدیث حسن، الموسوعۃ الحدیثیۃ ۲۲/۳۳۲، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۵۶۹، والحاکم ۴/۴۲۲ ووافقہ الذہبی)

[تنبیہ: عبدالرحمٰن بن سابط کا سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، دیکھئے الجرح والتعدیل

(۲۴۰/۵ ت ۱۱۳۷) لہٰذا اس روایت کی سند حسن ہے۔]

اور دوسری روایت میں ہے کہ (حرام خور طویل سفر طے کرتا ہے اور) آسمان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب! جبکہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا پہننا حرام اور حرام ہی سے اس نے پرورش پائی تو پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟ (صحیح مسلم: ۱۰۱۵، دارالسلام: ۲۳۴۶)

اس پرفتن دور میں حلال و حرام کا فرق اب ختم ہوتا چلا جا رہا ہے اور لوگ مختلف طریقوں سے حرام خوری میں مبتلا ہوتے جا رہے ہیں۔

سود کی حرمت

حرام کاموں میں سب سے بڑا حرام کام سود ہے جس نے عالمگیر شکل اختیار کر لی ہے اور یہ چیز بینکوں کی شکل میں امتِ مسلمہ پر مسلط ہو چکی ہے، حالانکہ سود کے متعلق اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور (اصل رقم کے علاوہ) وہ حصہ چھوڑ دو جو باقی بچ جائے سود سے، اگر تم واقعی مومن ہو۔ پس اگر (سود سے) باز نہ آؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (البقرۃ: ۲۷۹)

اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربا وموکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال: ((ھم سواء))

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا: یہ (گناہ میں) برابر (کے شریک) ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۵۹۸، دارالسلام: ۴۰۹۳)

نیز سیدنا عبداللہ بن حنظلہ غسیلِ ملائکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے چھتیس زنا سے زیادہ گناہ رکھتا ہے۔''

(مسند احمد ۵/۲۲۵ وسندہ حسن، سنن دارقطنی ۳/۱۶ ح ۲۸۱۹)

[تنبیہ: اس کی سند حسن ہے۔ حافظ بزار کا یہ فرمانا: ''**وقد رواه بعضهم عن ابن أبي مليكة عن رجل عن عبدالله بن حنظلة**'' بلا دلیل ہے، لہٰذا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔]

تجارت میں سود

تجارت میں قرض کی صورت میں بھی سود وصول کیا جاتا ہے، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ آسان اقساط پر چیزیں فروخت کی جاتی ہیں۔ یہی اشیاء جب نقد خریدی جائیں تو ان کی قیمت کم ہوتی ہے، لیکن ادھار اور آسان اقساط کی صورت میں ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾

اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ (البقرۃ: ۲۷۵)

عصرِ حاضر میں قسطوں والا کاروبار عروج پر ہے اور لوگ آسان اقساط پر مختلف اشیاء مثلاً پنکھے، واشنگ مشینیں، فریج، ٹی وی اور گاڑیاں وغیرہ خریدتے ہیں اور ان چیزوں کی نقد اور ادھار قیمتوں میں کافی فرق ہوتا ہے، ایک چیز اگر نقد دس ہزار روپے میں ملتی ہے تو قسطوں کی صورت میں بارہ ہزار روپے کی ہے، اب یہ دو ہزار روپے جو اس کی قرض رقم کے ساتھ وصول کئے جارہے ہیں، ان کی حیثیت شرعی اعتبار سے کیا ہوگی؟ ظاہر ہے یہ کھلا سود ہے۔

اس مسئلہ کو یوں سمجھ لیں کہ کوئی آدمی کسی کمپنی یا دکان سے دس ہزار روپے اس شرط پر قرض لیتا ہے کہ وہ یہ قرض رقم دس ہزار کے بجائے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں ادا کرے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ سود ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص دس ہزار روپے قرض لینے کے بجائے دس ہزار روپے کی کوئی چیز اس صورت میں خریدتا ہے کہ وہ اس چیز کے بارہ ہزار روپے آسان قسطوں میں بطورِ قرض ادا کرے گا، ظاہر بات ہے کہ اس شخص کے ذمے تو دس ہزار روپے ہی واجب تھے، لیکن قرض لینے کی وجہ سے اس کی اصل رقم میں دو ہزار روپے مزید اضافہ کر دیا گیا ہے، لہٰذا یہ بھی سود ہے۔ نبی ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((الربا في النسيئة و في رواية قال :لا ربا فيما كان يدًا بيد .))
سود ادھار میں ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے جو چیز نقد بیچی جائے اس میں سود نہیں ہے۔
(صحیح بخاری: ۲۱۷۸، ۲۱۷۹، صحیح مسلم: ۱۵۹۶، دارالسلام: ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰)

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا''
ہر قرض جو نفع کھینچے وہ سود کی وجوہ میں سے ایک وجہ (قسم) ہے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۵۰/۵ وسندہ صحیح واخطأ من ضعفہ)

سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو بردہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ گیا تو (سیدنا) عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) سے ملا۔ انھوں نے فرمایا: کیا تم (میرے پاس) نہیں آتے تاکہ میں تمھیں ستو اور کھجور کھلاؤں اور گھر میں داخل ہو جاؤ؟ پھر فرمایا: تم ایسے علاقے میں ہو جہاں سود پھیلا ہوا ہے، اگر تمھارا کسی آدمی پر کوئی حق (قرض) ہو، پھر وہ تمھیں بھوسہ، جو یا (فضول) جنگلی دانوں والی گھاس تحفہ میں دے تو اسے نہ لینا، کیونکہ یہ سود ہے۔
(صحیح بخاری: ۳۸۱۴)

ادھار کے بدلے زیادہ قیمت جائز نہیں

قسطوں کی صورت میں جو ادھار کے بدلے زیادہ قیمت ادا کی جاتی ہے، اس کے ناجائز ہونے کے درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين في بيعة''
رسول اللہ ﷺ نے ایک چیز کی دو قیمتیں مقرر کرنے سے منع کیا ہے۔
(ترمذی: ۱۲۳۱، واسنادہ حسن، نسائی: ۴۶۳۶، وصححہ ابن الجارود: ۶۰۰، وابن حبان: ۴۹۵۲)

۲۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مرفوعاً مروی ہے:

((من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا))
جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا یا تو وہ کم قیمت لے گا یا پھر وہ سود ہو گا۔
(سنن ابی داود: ۳۴۶۱، واسنادہ حسن، وصححہ ابن حبان: ۱۱۱۰، والحاکم ۴۵/۲، ووافقہ الذہبی)

۳۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لا تحل صفقتان في صفقة و أن رسول الله ﷺ لعن آكل الربا و موكله و شاهديه و كاتبه ''

ایک عقد (بیع) میں دو معاملے کرنا حلال نہیں ہے اور بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اسکے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

(مسند احمد ۱/۳۹۳، واسنادہ حسن، والموسوعۃ الحدیثیۃ ۶/۲۶۹، ۲۷۰)

''لا تحل '' کے الفاظ المعجم الاوسط (۲/۳۶۴) اور مجمع الزوائد (۴/۸۴) میں ہیں، جبکہ مسند احمد میں ''لا تصلح '' ہے۔

۴۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''لا تصلح الصفقتان فی الصفقة، أن يقول: هو بالنسيئة بكذا و كذا، و بالنقد بكذا و كذا '' ایک عقد میں دو معاملے کرنا جائز نہیں ہے (اور ایک عقد میں دو معاملے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ایک شخص کہے کہ اگر تم نقد خریدو تو اتنے روپے میں اور اگر ادھار خریدو تو اتنے روپے میں۔

(مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۷ ح ۱۴۶۳۳، وسندہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت سے واضح ہو گیا کہ کسی چیز کی نقد اور ادھار کی صورت میں قیمت جدا جدا مقرر کرنا درست نہیں بلکہ ادھار کی صورت میں زیادہ وصول کی گئی قیمت سود ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ''صفقتان في صفقة ربا ''

ایک عقد میں دو معاملے کرنا سود ہے۔ (السنۃ للمروزی: ۱۹۱، وسندہ حسن)

راویانِ احادیث اور محدثین و فقہاء نے ان احادیث کی یہی وضاحت کی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

۱۔ قال عبدالوهاب يعني يقول: هو لك بنقد بعشرة و بنسيئة بعشرين .

عبدالوہاب (بن عطاء) فرماتے ہیں: یعنی دکاندار یوں کہے: یہ چیز تیرے لئے نقد دس روپے میں اور ادھار بیس روپے میں ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۴۳، السلسلۃ الصحیحۃ ۵/۴۲۰)

۲۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری غریب الحدیث (۱۸/۱) میں فرماتے ہیں: ''ومن البیوع المنهي عنها .... شرطان في بيع ، وهو أن يشتري الرجل السلعة إلٰى شهرين بدينارين و إلٰى ثلاثة أشهر بثلاثة دنانير وهو بمعنى بيعتين في بيعة''
اور منع کردہ بیوع میں سے ....، ایک سودے میں دو شرطیں لگانا اور وہ یہ ہے کہ آدمی دو ماہ تک سودا فروخت کرے دو دیناروں میں اور تین ماہ تک تین دیناروں میں یہ معنی ''بيعتين في بيعة'' کا ہے۔ (السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی ۴۲۰/۵ ح ۲۳۲۶)

۳۔ اور مسند احمد میں سماک بن حرب کا یہی قول ہے۔ (۳۹۸/۱)
سماک بن حرب معروف ثقہ وصدوق تابعی ہیں جنھوں نے اَسی (۸۰) صحابہ کرام کو پایا ہے اور اس حدیث کے راوی ہیں اور ان کی تفسیر وتوضیح اس مقام پر دوسرے لوگوں سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ راویِ حدیث اپنی روایت کا مفہوم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔

۴۔ امام محمد بن نصر المروزی نے کتاب السنۃ (رقم: ۱۹۴، دوسرا نسخہ: ۲۰۵) میں اور امام عبدالرزاق نے المصنف (۱۳۷/۸، ح ۱۴۶۲۹) میں صحیح سند کے ساتھ قاضی شریح سے حرف بحرف ان کا قول اوپر ذکر کردہ حدیث کے مطابق نقل کیا ہے۔

۵۔ امام محمد بن سیرین سے ایوب (السختیانی) نقل کرتے ہیں:
''أنه كان يكره أن يقول :أبيعك بعشرة دنانير نقدًا أو بخمسة عشر إلٰى أجل ''
وہ مکروہ سمجھتے تھے کہ آدمی یوں کہے: میں تمھیں نقد دس دینار میں اور ادھار پندرہ دینار میں فروخت کروں گا۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۳۶/۸ ح ۱۴۶۳۰، وسندہ صحیح)

۶۔ امام طاؤس کہتے ہیں: ''إذا قال :هو بكذا و كذا إلٰى كذا و كذا، وبكذا و كذا إلٰى كذا و كذا فوقع البيع علٰى هذا فهو / بأقل الثمنين إلٰى أبعد الأجلين '' جب آدمی یوں کہے: فلاں چیز اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک اور اتنی اتنی رقم کے ساتھ، اس اس طرح مدت تک ہے تو بیع واقع ہو جائے گی اور اس کے لئے دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہوگی اور دو مدتوں میں سے دور کی مدت ہوگی۔

(مصنف عبدالرزاق ۸/۱۳۶ ح ۱۴۶۳۱، وسندہ صحیح)

۷۔ امام نسائی نے باب ''بیعتین في بیعة'' کے تحت لکھا ہے:

''وھو أن یقول :أبیعك ھذہ السلعة بمائة درھم نقدًا أو بمائتي درھم نسیئة''

میں تمھیں یہ سودا نقد سو درہم میں اور ادھار دو سو درہم میں فروخت کرتا ہوں۔

(سنن النسائی قبل حدیث: ۴۶۳۶، ص ۶۳۷ مطبوعہ دارالسلام)

۸۔ حافظ ابن حبان نے اپنی صحیح (۱۱/۳۴۷ رقم ۴۹۷۳) میں فرمایا ہے:

''ذکر الزجر عن بیع الشيء بمئة دینار نسیئة و بتسعین دینارًا نقدًا.''

کسی چیز کو ادھار سو دینار میں اور نقد نوے دینار میں بیچنے پر زجر و توبیخ کا بیان۔

۹۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أن یقول :بعتك بألفین نسیئةً، بألف نقدًا فأیھما شئت أخذت به وھذا بیع فاسد .... وعلة النھي علی الأول عدم استقرار الثمن و لزوم الربا عند من یمنع بیع الشيء بأکثر من سعر یومه لأجل النسیئة .'' آدمی یوں کہے: میں تجھے یہ چیز دو ہزار میں ادھار بیچتا ہوں اور نقد ایک ہزار میں۔ تمھیں جس طرح پسند ہو لے لو تو بیع فاسد ہے اور اس سے منع کی علت یہ ہے کہ اس چیز کی قیمت مقرر نہیں کی گئی اور پھر اس میں سود ہے، اس شخص کے ہاں جو ادھار کی وجہ سے اس دن کے بھاؤ سے زیادہ قیمت لیتا ہے۔

(الام للشافعی/مختصر المزنی ص ۸۸، سبل السلام، البیوع باب شروطہ وما نھی عنہ واللفظ لہ ص ۵۵۲ تحت ح: ۷۹۱)

۱۰۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

''حدیث أبي ھریرة حدیث حسن صحیح والعمل علٰی ھذا عند أھل العلم وقد فسر بعض أھل العلم قالوا :بیعتین في بیعة أن یقول:أبیعك ھذا الثوب بنقد بعشرة و بنسیئة بعشرین .''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور اس حدیث کی تفسیر میں بعض اہلِ علم نے کہا کہ ایک چیز میں دو بیعوں کا معنی یہ ہے کہ آدمی کہے: میں تجھے

یہ کپڑا نقد دس کا اور ادھار بیس کا بیچتا ہوں۔ (سنن الترمذی بعد حدیث:۱۲۳۱)

۱۱۔ امام بغوی فرماتے ہیں: ''وقوله :ولا شرطان في بيع ، فهو أن يقول :بعتك هذا العبد بألف نقدًا أو بألفين نسيئة ، فمعناه معنى البيعتين في بيعة .''

نبی ﷺ کا فرمان: ایک سودے میں دو شرطیں جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہے: میں تجھے یہ غلام نقد ایک ہزار میں اور ادھار دو ہزار میں فروخت کرتا ہوں، اس کا معنی ''البيعتين في بيعة'' کا معنی ہے۔ [یعنی اس حدیث کا یہی مفہوم ہے۔]

(شرح السنۃ ۸/۱۴۵ ح ۲۱۱۲)

مذکورہ بالا ائمۂ محدثین کی توضیحات سے واضح ہو گیا کہ نقد اور ادھار کے فرق پر بیع کرنا درست نہیں اور ادھار کی وجہ سے جو قیمت زائد لگائی جاتی ہے، وہ سود کے زمرے میں آتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان: ((فله أوكسهما أو الربا)) کے مطابق واضح سود ہے۔ اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ: جو علماء قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز کہتے ہیں، انھوں نے اس حدیث کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس میں ممانعت کا سبب اور علت قیمت کا مجہول ہونا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ جب بائع (بیچنے والا) کہے: یہ چیز نقد سو روپے میں اور ادھار ڈیڑھ سو روپے میں ہے اور خریدار کہے کہ مجھے منظور ہے اور یہ طے نہ ہو کہ سو روپیہ ادا کرنا ہے یا ڈیڑھ سو روپے، لہٰذا جب طے ہو گیا تو قیمت مجہول نہ رہی اور خریدار نے واضح کر دیا کہ وہ نقد لے گا یا ادھار۔

ازالہ: یہ قول کئی وجہ سے باطل ہے:

۱۔ اس جگہ بیع میں جہالت کا ہونا مضر نہیں ہے، کیونکہ خریدار اور بائع با اختیار ہیں اور وہ دونوں ہی اگر دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کا یقین کیے بغیر جدا ہو جائیں اور بائع خریدار کو بعد میں ملے اور خریدار سے کہہ دے کہ مجھے ادھار منظور ہے اور وہ نقد پیسے اسے دے دے اس صورت میں کوئی ایسی جہالت نہیں پائی جاتی جو بیع کی صحت کے لئے مضر ہو اور یہ بات

بھی واضح اور عیاں ہے کہ ہر جہالت بیع کی صحت کے لئے مضر نہیں ہوتی، اسی لئے تو اناج کے ڈھیر کی بیع جائز ہے اسی طرح اخروٹ، بادام، اور تربوز وغیرہ کی چھلکے کے اندر ہی بیع درست ہے، حالانکہ ان سب میں جہالت ہوتی ہے، لیکن یہ جہالت غیر مضر ہے اور ادھار والی بیع میں ممانعت کی علت میں جو جہالت ذکر کی جاتی ہے وہ بھی غیر مضر ہے اور اگر اس کا مضر ہونا مان بھی لیا جائے تو پھر بھی ممانعت کی علت ہونا نہیں ہوگا، کیونکہ حقیقت میں اس جہالت کی وجہ سے یہ ممانعت قطعاً نہیں ہے۔

۲۔ اگر یہ ممانعت قیمت کی جہالت کی وجہ سے ہوتی تو فرمانِ نبوی ﷺ:

((فله أو کسهما أو الربا)) اس بائع کے لئے کم مقدار والی قیمت ہے یا پھر سود ہے، کا کیا مطلب اور کیا موقع و محل رہتا ہے؟

اور یہ بات یقینی ہے کہ اس بیع سے ممانعت کی اصل وجہ رقم کی وہ زیادتی ہے جو دکاندار یا بائع ادھار کی وجہ سے وصول کرتا ہے۔

اس حدیث کی رو سے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں: دکاندار یا بائع یا تو کم مقدار والی قیمت کے ساتھ اپنی چیز بیچے گا اور وہ نقد کی قیمت ہے یا پھر ادھار کی وجہ سے سودی اضافہ وصول کرے گا جس کی اس نے ادھار کی صورت میں شرط لگائی تھی۔

دوسرا شبہ: بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ ''بیعتین في بیعة'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کوئی چیز ایک مدت تک ادھار دیتا ہے، پھر اس خریدار سے خود کم قیمت پر نقد خرید لیتا ہے جسے ''بیع العینة'' کہا جاتا ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا تبایعتم بالعینة و أخذتم أذناب البقر و رضیتم بالزرع و ترکتم الجهاد سلط الله علیکم ذُلًّا لا ینزعه حتی ترجعوا إلی دینکم)) جب تم بیع عینہ کرنے لگ جاؤ گے اور گائے بیل کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور کھیتی باڑی کو پسند کرو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تمھارے اوپر ذلت مسلط کرے گا، اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف

پلٹ نہیں آؤ گے۔ (سنن ابی داود: ۳۴۶۲، مسند احمد ۲/ ۲۸ ح ۴۸۲۵، واسنادہ ضعیف)

[تنبیہ: اس روایت کی سند میں اسحاق بن اسید قولِ راجح میں ضعیف ہے اور اس کے شواہد بھی ضعیف ہیں جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔]

ازالہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ بیع عینہ بھی باطل ہے، اس لئے کہ یہ سود کا ذریعہ ہے اور اس کی حرمت پر بہت سے آثارِ صحابہ دلالت کرتے ہیں اور حدیث ''**نهى عن بيعتين في بيعة**'' کے عموم میں یہ بھی داخل ہے۔

لیکن نبی ﷺ کا یہ فرمان: ((**من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا**)) جو ایک بیع میں دو بیعیں کرلے تو اس کے لئے ان دونوں میں سے کم مقدار والی قیمت ہے یا پھر سود ہے، اس بیع عینہ پر منطبق نہیں ہوتا اور نہ یہ بیع اس حدیث کا مصداق ہی ہے۔

اس لئے کہ بائع یا دکاندار جب کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے کم قیمت میں خرید لیتا ہے اس صورت میں ((**فله أوكسهما أو الربا**)) کوئی معنی نہیں رکھتا۔

جائز کہنے والوں کے دلائل اور ان کا تجزیہ

جو لوگ قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، انھوں نے اس کے لئے مختلف دلائل کا سہارا لیا ہے:

پہلی دلیل: ان کا کہنا ہے کہ اشیاء اور معاملات میں اصل اباحت ہے اور کسی بھی شے کے حرام ہونے کی دلیل چاہیے اور قسطوں والی بیع معاملات میں سے ایک معاملہ ہے، لہٰذا یہ مباح ہے اور اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

تجزیہ: یہ بات تو درست ہے کہ اشیاء و معاملات میں اصل اباحت ہے، الا یہ کہ اس کے ناجائز ہونے کی دلیل مل جائے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس معاملے کے حرام ہونے کی کوئی دلیل ہے؟ تو یاد رہے کہ اس کے حرام ہونے کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ مروی ہے ((**من باع بيعتين فله أوكسهما أو الربا**)) جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے اور اسی طرح کچھ آثارِ صحابہ بھی بیان ہو چکے ہیں، لہٰذا یہ کہنا درست نہیں

کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں!

دوسرا یہ کہ سدالذرائع بھی اس اباحت اصلیہ کے خلاف دلیل ہے۔یعنی ناجائز کاموں کی طرف لے جانے والے ذرائع اور وسائل کو روکنا۔ یہ ایک شرعی قاعدہ ہے،عوام الناس کو ایسے فتاویٰ جات دے کر انھیں سودی کاموں پر دلیر کرنا اور سودی معاملات کی راہ ہموار کرنا ہے جو کسی بھی طرح جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل: قسطوں والی بیع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت جائز ہے:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بیع حلال کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ اے ایمان والو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، الا یہ کہ تمھاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ (النساء:۲۹)

بیع تقسیط (قسطوں والی خرید وفروخت) بھی باہمی رضامندی سے تجارت ہے۔

تجزیہ: وہ بیوع اور تجارت جو شرعاً ناجائز ہیں وہ ان آیات کے عمومی حکم میں داخل نہیں ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ شراب، خنزیر اور گندم کے بدلے برابر برابر اور ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار اور نقد بنقد ایک طرف سے زائد وغیرہ بیوع (سودے) جائز قرار پائیں! کیونکہ یہ بھی تو بیوع ہی ہیں حالانکہ ان بیوع کے جواز کے یہ لوگ بھی قائل نہیں ہیں کیونکہ یہ شرعاً حرام ہیں۔اسی طرح قسطوں کی صورت میں ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنا بھی حلال نہیں جیسا کہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے واضح ہے۔

تیسری دلیل: عقلی قیاس بیع تقسیط مروجہ کے حلال ہونے کا تقاضا کرتا ہے،اس لئے کہ تاجر کو پورا اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز کی جتنی چاہے قیمت مقرر کرسکتا ہے کبھی وہ کسی خریدار کو ایک چیز تھوڑی قیمت میں دے دیتا ہے اور وہی چیز دوسرے خریدار کو زیادہ قیمت میں فروخت کر دیتا ہے جب یہ اس کے لئے جائز ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ جو خریدار اُسے قیمت (دیر سے) لیٹ ادا کرتا ہے وہ اس سے زیادہ قیمت وصول کرے اور جو اسے نقد دیتا

ہے وہ اس سے کم قیمت وصول کرے۔

تجزیہ: جو لوگ اس قیاس کو عقلی کہہ کر جائز قرار دیتے ہیں، یہ ایسے لوگوں کی عقل کے اعتبار سے تو جائز ہے جن کی عقل شریعت کی پابند نہیں بلکہ شرع پر حاکم بنی بیٹھی ہے، لیکن جن کی عقل شریعت کی پابند ہے ان کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ وہ نص کے مقابلے میں عقل سے کام نہیں لیتے۔ یہاں تو نص موجود ہے جس کا سابقہ صفحات پر تذکرہ ہو چکا ہے۔

ہاں تاجر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرے جس کے ساتھ وہ اب نقد بیچنا چاہتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کی غربت یا دوستی کی وجہ سے وہ اسے کم قیمت پر بیچ دیتا ہے اور کبھی اسے روزانہ کا گاہک سمجھ کر کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور ان کے علاوہ دوسرے گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول کر لیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس بیع میں قیمت کی زیادتی اور اضافہ ادھار کی وجہ سے نہیں ہے۔ جس بیع میں قیمت کی زیادتی صرف ادھار کی وجہ سے ہو، وہ منع اور حرام ہے۔ اس طرح کی بیع کی حقیقت یہ بن جاتی ہے کہ اس دکاندار یا بائع نے اس گاہک کے ساتھ قرض کا لین دین کیا ہے اور اس نے اس قرض و دَین میں زیادتی اور اضافہ لیا ہے، کیونکہ اسے اس پر کچھ صبر بھی کرنا پڑے گا، چنانچہ تاجر جب خریدار سے کہے گا کہ یہ سامان ہے اگر تو اس کی قیمت اب ادا کرتا ہے تو میں تجھے ایک ہزار کا فروخت کرتا ہوں لیکن اگر تو مجھے اس کی قیمت ایک سال بعد ادا کرے گا تو میں تجھ سے ڈیڑھ ہزار روپے لوں گا تو پھر اس بیع کی حقیقت یہ بنتی ہے کہ دراصل گاہک نے تاجر سے یہ سامان ابھی ایک ہزار روپے کے بدلے خرید لیا ہے اور اپنے قبضے میں کر لیا ہے، چونکہ اب وقتی طور پر اس کے پاس ایک ہزار موجود نہیں ہے، اب یہ ہزار اس کے ذمہ قرض ہے جو اس نے سال بعد ادا کرنا ہے اور تاجر نے اسے زبانِ حال سے یہ کہہ دیا ہے کہ میں تجھے اس شرط پر ایک سال کی مہلت دیتا ہوں کہ تم مجھے پانچ سو روپے زائد بھی دو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے یہ شخص خریدار کے ساتھ بیع کا معاملہ کرنے والا تاجر تھا، اب تاجر سے منتقل ہو کر ہزار کے بدلے پندرہ سو وصول کر کے سودی معاملہ کرنے والا بن گیا

ہے اور یہی بعینہ سود ہے۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ قیاس باطل ہے۔

صحیح عقلی قیاس یہ ہے کہ ادھار کی شکل میں نقد کی قیمت سے زیادہ وصول کرنا ہی زیادتی اور اضافہ ہے جو سودی لین دین والا کرتا ہے۔ جو اس کے رأس المال (اصل سرمائے) سے زائد ہوتا ہے۔

چوتھی دلیل: نقد سے زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار کی یہ بیع، بیع سلم ہی ہے اس لئے کہ یہ ادھار کی بیع، بیع سلم کا عکس ہے، کیونکہ بیع سلم میں قیمت پہلے دی جاتی ہے اور سامان بعد میں وصول کیا جاتا ہے اور ادھار کی بیع میں سامان پہلے دیا جاتا ہے اور رقم بعد میں وصول کی جاتی ہے، لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔

تجزیہ: یہ قول بھی فاسد ہے اور باطل قیاس ہے۔ اس کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بیع سلم یا بیع سلف کے مباح ہونے کی واضح دلیل موجود ہے، جبکہ اس ادھار والی بیع کی حرمت کی واضح دلیل موجود ہے تو جسے شرع نے حرام کیا ہو، وہ اس طرح کیسے ہوسکتی ہے جسے شرع نے حلال کیا ہو؟ جس چیز کی حلت پر نصِ شرعی موجود ہو، اس پر اسے کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے جس کی حرمت پر نص موجود ہو؟

ادھار والی اس مروجہ بیع کی حرمت پر حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ((من باع بیعتین في بیعة فلہ أوکسھما أو الربا)) موجود ہے اور علماء وفقہاء اور محدثین کی ایک کثیر جماعت نے اس کا مطلب نقد اور ادھار میں قیمت کے فرق کے ساتھ بیع (خرید وفروخت) بیان کیا ہے جو سابقہ صفحات پر گزر چکا ہے اور بیع سلم کی حلت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تھے تو اس وقت مدینہ والے سال، دو سال تک بیع سلم کیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں فرمایا تھا:

((من أسلف في شيءٍ ففي کیل معلوم و وزن معلوم إلٰی أجل معلوم))

جو شخص بھی بیع سلم کرے تو وہ ایک معین مدت تک معین ماپ اور معین وزن ہی میں کر سکتا ہے۔ (بخاری: ۲۲۴۰)

لہٰذا جو چیز نص اور دلیل سے حرام ہوا سے ایسی چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جو نص اور دلیل سے حلال ہو، کیونکہ نص کی موجودگی میں قیاس باطل ہے اور ایک وجہ یہ ہے کہ بیع سلم، بیع کے عام قاعدے سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے اور جو چیز خود کسی عام قاعدے سے مخصوص ہو، اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہوتا اور بیع میں عام قاعدہ یہی ہے کہ معدوم (غیر موجود) شے کی بیع درست نہیں ہے اور بیع سلم کو اس قاعدے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے دیکھئے:

الوجيز في أصول الفقه (ص ۵۲، از عبدالکریم زیدان)

''جب اصل (مقیس علیہ) کسی عام قاعدے سے مستثنیٰ ہو تو اس پر کسی چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔'' (الوجیز ص ۱۹۹)

بیع سلم پر اس بیع اجل (ادھار کی بیع) کو اس لئے بھی قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ بیع الاجل میں جو زیادہ قیمت لی جاتی ہے وہ صرف ادھار کی وجہ سے ہے جو عین سود ہے۔ جبکہ بیع سلم میں مدت اور ادھار کی وجہ سے پھلوں کی اصل قیمت سے زائد کچھ بھی وصول نہیں کیا جاتا، لہٰذا دونوں میں فرق واضح ہے اور معترضین کا قیاس، قیاس مع الفارق اور باطل ہے۔

پانچویں دلیل: قسطوں والی مروجہ بیع کو جائز کہنے والوں نے آیت مداینہ سے بھی استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے قرض کا معاملہ مقرر و معین مدت تک کرو تو اسے لکھ لو۔ (البقرہ: ۲۸۲)

ان کا کہنا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقرر و معین مدت تک قرض کا معاملہ کیا جا سکتا ہے اور قسطوں والی بیع بھی مقررہ مدت تک قرض کا معاملہ ہے، لہٰذا یہ جائز ٹھہرا۔

تجزیہ: اس آیت کریمہ کا ادھار والی مروجہ بیع سے نہ قریب کا تعلق ہے اور نہ ہی دور کا۔ اس میں صرف قرض لکھنے، اس پر گواہ مقرر کرنے کا حکم ہے۔

اس میں یہ بات موجود نہیں کہ ادھار کے بدلے زیادہ قیمت وصول کر سکتے ہو، لہٰذا اس

آیت سے یہ مسئلہ کشید کرنا محض سینہ زوری ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

چھٹی دلیل: ان لوگوں کا چھٹا استدلال یہ ہے کہ نبی ﷺ نے خود اُدھار والی بیع کی ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے اُدھار اناج خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی۔(صحیح بخاری:۲۰۶۸، صحیح مسلم:۱۶۰۳)

تجزیہ: یہ بات تو درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا تھا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی، جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الرہن میں موجود ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں یا اس طرح کی کسی دوسری حدیث میں یہ موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو وقتی قیمت سے زیادہ قیمت دے کر ادھار سودا لیا تھا؟

جو شخص اس بات کا مدعی ہے وہ دلیل پیش کرے، بصورتِ دیگر وہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے ایسا کام لگا رہا ہے جو آپ نے نہیں کیا۔

ساتویں دلیل: رسول اللہ ﷺ نے دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ اُدھار خریدا۔

آپ ﷺ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ صدقے کے اونٹوں کے بدلے اونٹ لے۔ انھوں نے دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ اُدھار لیا لہٰذا اُدھار کے بدلے اضافہ ہوسکتا ہے۔(ابوداود:۳۳۵۷، مسند احمد۲/۱۷۱، واسنادہ ضعیف)

تجزیہ: یہ حدیث مسند احمد، سنن ابی داود اور سنن دارقطنی (۳/۶۹ ح ۳۰۳۳ وسندہ حسن) میں موجود ہے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان اونٹوں پر سوار کر کے ایک لشکر روانہ کروں جو میرے پاس تھے، چنانچہ میں نے اپنے اونٹوں پر لشکر کو سوار کیا حتیٰ کہ اونٹ ختم ہوگئے اور لشکر کے کچھ مجاہدین بچ گئے، ان کے لئے کوئی سواری نہ تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ بعض لوگ بچ گئے ہیں، ان کے لئے کوئی سواری نہیں بچی۔ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ صدقہ کے اونٹوں کے بدلے میں لوگوں سے ادھار اونٹ خرید لو تاکہ لشکر تیار ہوجائے اور جب صدقہ کے اونٹ آئیں گے تو ہم انھیں وہ اونٹنیاں دے دیں

گے جو طے کی ہیں، تا کہ تم اس لشکر کو تیار کر کے روانہ کر دو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں لوگوں سے صدقے کے دو دو اور تین تین اونٹنیوں کے بدلے ایک ایک اونٹ لینے لگا، اس شرط پر کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم آپ کا دَین واپس کر دیں گے حتیٰ کہ وہ لشکر میں نے تیار کر کے روانہ کر دیا۔ جب صدقے کے اونٹ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وہ اونٹنیاں ادا کر دیں۔

یاد رہے کہ یہ بیع حیوانوں کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ نص اور دلیل صرف حیوان کی بیع کے متعلق وارد ہوئی ہے، اس سے عام قاعدہ اور ضابطہ اخذ نہیں کیا جا سکتا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ بات کی تردید کی جائے اور وہ یہی ہے کہ ایک جنس کی دو چیزوں میں ایک طرف سے زائد وصول کر کے بیع کرنا جائز نہیں اور جو لوگ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ادھار کی وجہ سے ہر طرح کی زیادتی وصول کرنے پر جواز کا استدلال کرتے ہیں وہ غلط کر رہے ہیں، کیونکہ ان کا قیاس ایسی جگہ پر ہے جہاں قیاس کی گنجائش ہی نہیں ورنہ تو ایک دینار کے بدلے میں دو دیناروں کی بیع ادھار جائز ٹھہرے گی، اسی طرح ایک من گندم کی بیع دو من گندم کے ساتھ ادھار بھی جائز ہو گی وغیرہ، حالانکہ اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ ایک اونٹ کی دو اونٹوں کے بدلے بیع میں یہ شرط نہیں ہے کہ یہ بیع دو اونٹوں کے ایک اونٹ سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک اکیلا اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ''قد یکون البعیر خیراً من البعیرین '' کبھی ایک اونٹ دو اونٹوں سے بہتر ہوتا ہے۔ (بخاری قبل حدیث: ۲۲۲۸)

بہر حال مذکورہ حدیث حیوان کے ساتھ ایک طرف سے زیادتی کی ادھار بیع کے ساتھ ہی خاص ہے عام قاعدہ نہیں ہے، ورنہ ایک جنس کی دو چیزوں کی آپس میں بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ٹھہرے گی جس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ [یہ بھی واضح رہے کہ ابوداود اور مسند احمد کی مرفوع روایت سنداً ضعیف ہے اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا دو کے بدلے ایک

اونٹ لینا موقوفاً ذاتی عمل ہے نہ کہ مرفوعاً۔ واللہ اعلم]

آٹھویں دلیل: زیادہ قیمت کے ساتھ ادھار فروخت کرنے میں عوام الناس کے لئے آسانی ہے اور شریعت کے بہت سارے امور کا مدار آسانی پر ہے۔ غریب لوگ جو ضروریاتِ زندگی کی اشیاء یکمشت قیمت ادا کر کے نہیں خرید سکتے، وہ قسطوں کی صورت میں آسانی سے خرید سکتے ہیں اور دکاندار کو چونکہ قسطوں کی صورت میں لمبا انتظار کرنا پڑتا ہے، اس لئے وہ اس کے بدلے میں زیادہ قیمت وصول کر کے فائدہ اٹھالیتا ہے اس طرح تاجر اور خریدار دونوں کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔

تجزیہ: قسطوں کے کاروبار کو جواز فراہم کرنے کے لئے جو دلیل ذکر کی گئی ہے یہ دلیل وہ لوگ بھی دیتے ہیں جو خالص سودی کاروبار کرتے ہیں۔ جو شخص سود پر کسی سے قرض لیتا ہے وہ بھی اس مال یا جائیداد اور خرچ کرنے یا سرمایہ کاری کی صورت میں فائدہ اٹھا رہا ہے، پھر جب اسے آسانی ہوتی ہے، اس وقت وہ اصل سے کچھ زائد رقم دے کر جس سے قرض لیا ہوتا ہے اسے فائدہ پہنچا دیتا ہے، اس طرح قرض دینے والے اور لینے والے دونوں فائدہ حاصل کر لیتے ہیں، لہٰذا یہ سود بھی جائز ٹھہرا۔ ! (العیاذ باللہ)

ثابت ہوا کہ اُدھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں کی دلیل سودی کاروبار پر بھی فٹ ہو رہی ہے اور سود خور یہ دلیل پیش کر کے سودی کاروبار چلا رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ واقعتاً آسانی کرنا چاہتے ہیں تو ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کئے بغیر بھی آسانی کر سکتے ہیں اور سود سے بھی بچ سکتے ہیں۔ کسی چیز کو قسطوں پر دینے میں خریدار پر آسانی ہے، لیکن اگر ساتھ زیادہ قیمت لگائیں گے تو تنگی بھی ہوگی اور سود بھی وصول ہوگا تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو مہلت کیوں نہیں دیتا اور انتظار کیوں نہیں کرتا، تاکہ شرعی حقیقی آسانی ہو جس کی اسلام نے ترغیب دی ہے اور اس پر اجر و ثواب بھی ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ﴾

اگر تنگ دست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دینا ہے۔ (البقرۃ:۲۸۰)

اور مروجہ ادھار بیع روحِ اسلام کے خلاف ہے اور ایسے تاجروں سے لوگ اپنی مجبوری کی وجہ سے اشیاء خریدتے ہیں، اگر انھیں ایسا تاجر مل جائے جو ادھار کے بدلے زائد قیمت وصول نہ کرتا ہو تو لوگ اس سے اشیاء خریدیں گے، ادھار کے بدلے زائد رقم وصول کرنے والوں سے قطعاً سودا نہیں خریدیں گے۔ اس سے اس کے مال میں اضافہ بھی ہوگا، تجارت بڑھے گی اور لوگوں پر مہلت کی آسانی کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور جس تاجر کا جتنا مال زیادہ فروخت ہوتا ہے، اسے اتنا زیادہ نفع ملتا ہے اور اللہ کی رضا اس پر مستزاد ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اگر لوگوں کی حاجت اور ضرورت کی بنا پر حلت و حرمت کی بنیاد رکھی جائے تو پھر شرع میں ہر حرام کے حلال ہونے کی بھی لوگ دلیلیں بنالیں گے۔

اصل تو یہ ہے کہ شریعت نے جس چیز کو حلال بنایا وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دیا وہ حرام ہے۔ لوگوں کی حاجات اور ضروریات کو حلال و حرام میں دخل نہیں ہے اور مروجہ قسطوں کی بیع، بیوعِ محرّمہ میں داخل ہے اور رفعِ حرج اور ارادۂ یسر کا قاعدہ اس پر فٹ نہیں ہوتا۔

جو لوگ نقد قیمت ادا کر کے سامان خریدنے کی ہمت نہیں رکھتے اور جو ہمت رکھتے ہیں دونوں کو حلال پر اکتفا کرنا چاہیے اور حرام سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ (الطلاق:۲)

اور فرمایا: ﴿وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ﴾

اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ (الطلاق:۳)

نیز فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾

اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے، وہ اسے کافی ہے۔ (الطلاق:۳)

نویں دلیل: اُدھار مال دینے والا اپنے مال کو خطرے میں ڈالنے والا ہے، کیونکہ اسے مکمل طور پر یقین نہیں ہوتا کہ اُدھار لینے والا اسے وہ قرض اور دَین واپس بھی کرے گا یا نہیں اور جتنی مہلت لمبی ہوگی، اتنا ہی خطرہ بڑھتا چلا جائے گا، لہٰذا ایسا دکاندار یا تاجر اس خطرے

کو برداشت کرنے کی وجہ سے اُدھار کے بدلے زائد رقم وصول کرے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تجزیہ: اس دلیل کے باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سود پر قرض دینے والے بھی بعینہ یہی دلیل دیتے ہیں اور اس دلیل کی بنا پر تو سود بھی جائز ٹھہرتا ہے۔

حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ وہ تاجر جو اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ چیز نقد تو سو روپے کی ہے اور اُدھار ایک سو دس روپے کی اور خریدار کو اس نے مثلاً سال کی مہلت دے دی تو اس نے حقیقت میں تمھیں وہ چیز سو روپے کی فروخت کی ہے اور خریدار کے ذمے اس کے سو روپے ثابت ہو گئے، جب خریدار بعد میں اسے ایک سو دس روپے دے تو گویا دکاندار نے اس کے سو روپے کے بدلے میں اسے ایک سو دس روپے دیئے ہیں جو صریحاً سود ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ انظار اور مہلت کی وجہ سے مال کو خطرے میں ڈالنے والی دلیل بالکل بودی اور سود خوروں کو سود کا جواز فراہم کرنے والی ہے۔

دسویں دلیل: جمہور علماء نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

تجزیہ: یہ بات متفقہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ کتاب وسنت کی دلیل سے واضح ہو تو کسی بھی شخص یا عالم کے قول کو نہیں لیا جاتا بلکہ کتاب وسنت کی پیروی کی جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے اس بیع کا حرام ہونا ثابت ہو گیا تو پھر اس کے خلاف کسی کے قول کو نہیں دیکھا جائے گا اور یہ بھی یاد رہے کہ علماء کی اکثریت اس بیع کے ناجائز ہونے کی طرف گئی ہے جیسا کہ اوپر باحوالہ بات گزر چکی ہے اور اس بیع کی حرمت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے اور کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں ہے، راویانِ حدیث اور فقہاء ومحدثین نے بھی اس حدیث کی رو سے نقد اور اُدھار میں فرق والی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔

گیارہویں دلیل: بعض لوگ جب کوئی دلیل بیع تقسیط کے جواز کی نہیں پاتے تو کہہ دیتے ہیں کہ ((من باع بيعتين في بيعة فله أوكسهما أو الربا)) والی حدیث ضعیف وشاذ ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

تجزیہ: یہ حدیث صحیح ہے۔امام ترمذی نے اسے حسن صحیح ، حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔
اسے ابن الجارود (٦٠٠) اور ابن حبان (١١١٠) اور ابن حزم نے (المحلیٰ ١٦/٩ مسئلہ: ١٥١٧)
بھی صحیح قرار دیا ہے۔اس کی سند میں محمد بن عمرو حسن الحدیث ہیں، لہٰذا یہ روایت قابل حجت
ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ قسطوں والی مروجہ بیع جس میں اُدھار کے بدلے
رقم بڑھائی جاتی ہے حرام ہے اور اس میں سود شامل ہے۔

نوٹ: راقم جب یہ مضمون تحریر کر رہا تھا تو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ کی پانچویں جلد کے
مطالعہ کے دوران میں شیخ البانی رحمہ اللہ کا قول قارئین کو نصیحت کرتے ہوئے پڑھا کہ شیخ
عبدالرحمٰن عبدالخالق کا رسالہ ''القول الفصل في بيع الأجل'' اس مسئلہ میں بہت مفید
اور اس باب میں یکتا ہے تو اس کی تلاش میں فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن ضیاء صاحب حفظہ اللہ
سے جامعہ ابن تیمیہ لاہور میں ملاقات ہوئی، انھوں نے بتایا کہ یہ رسالہ ان کے پاس موجود
ہے بلکہ انھوں نے اس کے اکثر حصے کا اُردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے اور شفقت فرماتے ہوئے
یہ رسالہ اور اس کا ترجمہ عنایت فرمایا، لہٰذا اس بحث کا اکثر حصہ اسی رسالے سے ماخوذ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی حسنات میں اضافہ کرے اور سیئات سے درگزر فرمائے۔آمین

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ راقم الحروف کو ایسے جید باعمل علمائے کرام سے کما حقہ فائدہ
اُٹھانے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین

[الحدیث:٤٠]

دریچۂ اصلاح

حافظ ندیم ظہیر

غور وفکر

حال ہی میں ''سونامی طوفان'' کا جھونکا بے شمار گھرانوں کی تباہی کا سبب بنا۔ جن میں لاکھوں افراد سیلاب کی زد میں اور ایسے ہی لاتعداد زلزلہ کی تھرتھراہٹ سے منوں مٹی کے نیچے چلے گئے۔ مختصر سے عرصہ میں اتنا بڑا واقعہ حقیت میں لوگوں کی توجہ قرآن مجید کی آیت: ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ اور ہم انھیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرلیں۔ (السجدۃ:۲۱)

اور فاعتبروا یا أولی الأبصار کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ اے اہل فکر و دانش! ان واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ لیکن صد افسوس! کہ خون کے آنسو رلا دینے والے یہ واقعات بھی امت مسلمہ کو ان کی غیر اسلامی سرگرمیوں سے منحرف نہ کر سکے۔ ایک طرف متاثرین ''سونامی طوفان'' کی تعداد بڑھتی رہی اور دوسری طرف نئے سال کے جشن میں موسیقی کے اسٹیج سجتے رہے، لیکن اب ڈپلومیسی اپنی تمام تر حدود سے تجاوز کر گئی کہ ایک طرف بزعم خواہش کشمیری مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے پانچ فروری کو ''اظہار یکجہتی'' منایا جارہا ہے تو دوسری طرف ہندوانہ رسم ''بسنت رجشن بہاراں'' کی خوب تشہیر بلکہ فحاشی و بے حیائی کے اڈے قائم کیے جارہے ہیں اور دنیا کو بتایا جارہا ہے کہ ہماری ہمدردیاں اور محبتیں اہل اسلام کی بجائے اہلِ کفر کے لیے ہیں جس کا ثبوت ہمارا کردار ہے۔

شاعر نے خوب کہا ہے کہ ع

وضع میں ہو تم نصاری تمدن میں ہنود
یہ ہیں مسلمان جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((المرء مع أحب إليه)).

آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۱۷۰)

جس طرح ان رسم ورواج کو سینہ سے لگانے والوں کی کمی نہیں اسی طرح ان رسم ورواج کو کھینچ تان کر شریعت میں ان کی گنجائش نکالنے والے موسیقی کے دلدادہ اخبار اور ٹی وی چینل کی زینت بننے والے مفتیان کرام بھی بہت ہیں، حالانکہ اسلام میں ان رسوم کا تصور بھی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من تشبّه بقوم فهو منهم)).

جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی (اس کا شمار) اسی (قوم) میں سے کیا جائے گا۔

(ابوداود: ۴۰۳۱، حسن)

امتِ مسلمہ کی بقا اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن اور ثقافت وکلچر کو اپنائیں اور غیر شرعی ومعاصی امور کو ترک کردیں۔

لمحۂ فکریہ! اگر ہم اسی طرح شریعت اسلامیہ سے دوری اور کتاب وسنت سے انحراف و روگردانی کرتے رہیں گے اور اپنی من پسند زندگی گزارتے رہیں گے تو آسمانی وزمینی آفات کا یہ سلسلہ بھی جاری رہے گا، جس کی واضح مثال مظفر آباد اور بالاکوٹ میں ہونے والا تباہ کن زلزلہ ہے، اور اس سلسلے میں ہم نے یہ سوچنے کی بھی زحمت نہیں اٹھائی کہ آخر یہ سب کیوں ہوا؟ اور نہ اپنی زندگی ہی میں کوئی تبدیلی لائے!!

یہی وجہ ہے کہ اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد جنوبی پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے کئی علاقوں میں تاریخی سیلاب کی آمد ہوئی جس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔ جاپان کا طوفان وزلزلہ بھی اگر ہمیں سوچنے پر مجبور نہیں کرتا تو پھر یاد رکھئے کہ ہماری یہ حالت وکیفیت کسی بڑی تباہی وبربادی کا پیش خیمہ ہے۔ (العیاذ باللہ)

حافظ ندیم ظہیر

زبان کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے زبان ایک بہت بڑی نعمت ہے، زبان قلوب واذہان کی ترجمان ہے، اس کا صحیح استعمال ذریعہ حصول ثواب اور غلط استعمال وعید عذاب ہے، یہی وجہ ہے کہ احادیث نبویہ ﷺ میں ''اصلاحِ زبان'' کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

مومن کی شان: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرًا أو ليصمت))

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے (اسے چاہئے یا تو) وہ بھلائی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔ (صحیح بخاری: ۶۰۱۸، صحیح مسلم: ۴۷/۴۷)

اہل ایمان کی گفتگو بہترین اور پُر تاثیر ہوتی ہے، اور وہ ہمیشہ فضولیات سے احتراز کرتے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه .))

فضول باتوں کو چھوڑ دینا، آدمی کے اسلام کی اچھائی کی دلیل ہے۔

(مؤطا امام مالک: ۹۰۳/۲ ح ۱۷۳۷ وسندہ حسن)

بہترین مسلمان: سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مسلمانوں میں سے کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من سلم المسلمون من لسانه ويده .))

جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (بخاری: ح ۱۱، مسلم: ۴۲/۶۶)

کہتے ہیں کہ زبان کا نشتر (لوہے کے) نیزے سے زیادہ گہرا زخم کرتا ہے، لہٰذا بہترین مسلمان بننے کے لئے اپنی زبان پر کنٹرول اور دوسرے مسلمان کی عزت نفس کا خیال بہت ضروری ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (ان کی دوسری بیوی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کی بابت) عرض کیا: آپ کے لئے صفیہ کا ایسا ایسا ہونا کافی ہے۔ بعض راویوں نے کہا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ تھی کہ وہ پستہ قد ہیں تو آپ نے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: ((لقد قلت کلمةً لو مزج بها البحر لمزجته .)) تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو وہ اس کا ذائقہ بدل ڈالے۔ (سنن ابی داود: ۴۸۷۵، وسندہ صحیح)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إن دماء کم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام..)) إلخ یعنی ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا خون، مال اور اس کی عزت وآبرو قابل احترام ہیں۔ (بخاری: ۶۷)

جنت کی ضمانت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من یضمن لي مابین لحییه ومابین رجلیه أضمن له الجنة .)) جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (بخاری: ۶۴۷۴)

جس طرح زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کی بنا پر جنت کی بشارت دی گئی ہے ایسے ہی ان دونوں کی حفاظت میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے تنبیہ بلیغ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نے فرمایا: ((أتدرون ما أکثر ما یدخل الناس النار ؟ الأجوفان: الفم والفرج)) کیا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو کثرت کے ساتھ کون سی چیز جہنم میں داخل کرے گی؟ وہ دو کھوکھلی چیزیں، زبان اور شرمگاہ ہیں۔

(سنن ترمذی: ۲۰۰۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۴۶ واسنادہ صحیح)

زبان کے خطرات: سیدنا سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسی بات بتلایئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((قل ربي الله ثم استقم.)) تم کہو میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم جاؤ۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خطرے والی چیز جس کا آپ کو مجھ سے

اندیشہ ہو کیا ہے؟ فأخذ بلسان نفسه ثم قال: ((هذا)) آپ نے اپنی زبان پکڑی، پھر فرمایا: یہ (زبان) ہے۔ (سنن ترمذی: ح ۲۴۱۰ واسنادہ صحیح)

ایک دفعہ نبی ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر نماز، زکوۃ، روزہ، حج بیت اللہ اور جہاد کے متعلق بالتفصیل بیان فرمایا: آخر میں فرمایا: ((ألا أخبرك بملاك ذلك كله؟)) کیا میں تجھے ایسی بات نہ بتلاؤں جس پر ان سب کا دارومدار ہے؟

میں نے کہا: ''بلی یا رسول اللّٰہ'' اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔

آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: ((كف عليك هذا)) اس کو روک کے رکھ، میں نے عرض کیا: کیا ہم زبان کے ذریعے سے جو گفتگو کرتے ہیں اس پر بھی ہماری گرفت ہو گی؟ آپ نے فرمایا: تیری ماں تجھے گم پائے لوگوں کو جہنم میں اوندھے منہ گرانے والی زبان کی کاٹی ہوئی کھیتی (گفتگو) کے سوا اور کیا ہے؟! (سنن ترمذی: ح ۲۶۱۶ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ زبان کا غلط استعمال آدمی کے اعمال (نماز، روزہ، زکوۃ، حج، جہاد) وغیرہ کو برباد کرسکتا ہے، اور جنت کی بجائے جہنم کا ایندھن بنا سکتا ہے۔ أعاذنا اللّٰہ منها

پہلے تولو...... پھر بولو: ہمیشہ دوران گفتگو میں تدبر و تفکر کو ملحوظ رکھنا چاہئے، کیونکہ زبان کی ذراسی بے اعتدالی انسان کو دنیا وآخرت کے آلام ومصائب سے دوچار کرسکتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾ انسان جو لفظ بھی بولتا ہے تو اس کے پاس ہی ایک نگران موجود ہوتا ہے۔ (قٓ: ۱۸)

یعنی انسان کی ہر بات ریکارڈ ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی ایک بات کرتا ہے اس میں غور وفکر نہیں کرتا اور وہ اس بات کی وجہ سے مشرق ومغرب کے درمیان مسافت سے بھی زیادہ جہنم کی طرف گر جاتا ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۷۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۸/۴۹)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب انسان صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کی منت سماجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''اتق اللّٰه فينا'' ہمارے بارے میں تجھے اللہ سے ڈرنا چاہئے، بلاشبہ ہمارا معاملہ تیرے ساتھ وابستہ ہے، اگر تو درست رہے گی تو ہم بھی درست

رہیں گے اور اگر تجھ میں ٹیڑھا پن آ گیا تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۰۷ وسندہ حسن)

یعنی پہلے زبان درازی، گالی گلوچ ہوتی ہے، پھر لڑائی جھگڑا ہوتا ہے، تو مار جسم کو ہی برداشت کرنی پڑتی ہے، اسی لئے جسم کے سارے اعضاء زبان کے سامنے منت سماجت کرتے ہیں۔ ہر دو احادیث سے واضح ہو گیا کہ زبان کا استعمال صحیح نہ کرنے کی وجہ سے دونوں جہانوں میں خسارے کا سامنا ہے۔

خاموشی میں نجات: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من صمت فقد نجا))

جو شخص خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۰۱ وسندہ حسن مزید تحقیق کے لئے دیکھئے اضواء المصابیح للاستاذ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ: رقم ۴۸۳۶)

مزید ارشاد فرمایا: ((لا تكثروا الكلام بغير ذكر الله فإن كثرة الكلام بغير ذكر الله تعالى قسوة للقلب ! وإن أبعد الناس من الله القلب القاسي))

اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو، اس لئے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں دل کی سختی ہے، اور لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ دور سخت دل (والا آدمی) ہے۔

(سنن ترمذی: ح ۲۴۱۱ وسندہ حسن)

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ ہر مکلّف انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ ہر قسم کی گفتگو سے اپنی زبان کی حفاظت کرے، صرف وہ گفتگو کرے جس میں مصلحت واضح ہو، اور جہاں مصلحت کے اعتبار سے بولنا اور خاموش رہنا دونوں برابر ہوں تو پھر خاموش رہنا سنت ہے۔ اس لئے کہ بعض دفعہ جائز گفتگو بھی حرام یا مکروہ تک پہنچا دیتی ہے اور ایسا عام طور پر ہوتا ہے اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں۔

(ریاض الصالحین: ۳۸۹/۲ طبع دارالسلام) [الحدیث: ۲]

❀❀❀

حافظ ندیم ظہیر

وقت کا تقاضا

امتِ مسلمہ جن مسائل سے دوچار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں، مخصوص مفکرین، سکالرز اور دانشور حضرات ان مسائل کی گتھی سلجھانے کی سعی نامراد میں مصروف ہیں، کیونکہ ابھی تک ان حضرات کے لئے ''صحیح سمت کا تعین'' ہی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بعینہٖ چاول کاشت کر کے اگر کوئی یہ توقع رکھتا ہے کہ یہاں گندم کا کھیت لہلہائے گا تو اسے کوئی بھی سلیم الحواس اور عقل مند شخص تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا۔

لیکن ہماری اجتماعی حالت یہ رہی ہے بلکہ اب تو عادت ہوگئی ہے کہ بیج کانٹوں کا بوتے ہیں اور انتظار پھولوں کے کھلنے کا کرتے ہیں، سامان گلشن کی بربادی کا کرتے ہیں اور امید نظارۂ بہار کی کرتے ہیں، نتیجہ یہ کہ ہماری ماضی قریب کی تاریخ خودفریبیوں، خوش فہمیوں، جھوٹی امیدوں، مایوسیوں اور حسرتوں کی رودادبن کر رہ گئی ہے۔

کیونکہ ہمارے زعماء قرآن وحدیث کو نظر انداز کر کے مغرب سے براہ راست وحی کے منتظر رہتے ہیں، سنن کے احیاء کی بجائے شرک و بدعت، کفر والحاد اور تقلیدی خرافات کا اجراء کرر ہے ہیں۔ فحاشی و بے حیائی کی روک تھام تو بڑی دور کی بات ہے بلکہ (فحاشی و بے حیائی سے لبریز) میوزیکل شوز میں مہمانِ خصوصی کی کرسی پر براجمان ہونے میں فخر محسوس کرتے ہیں، مظلوم سے ہمدری کے دو بول؟...... ظالم کے ساتھ کھڑا ہونے میں اعزاز سمجھتے ہیں۔

ایسے میں وقت کا تقاضا ہے کہ ہمارے زعماء سلف صالحین کے دورِ حکومت کو ذہن نشین کریں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو ارشاد فرمایا:

''لوگو! مجھے تمہارا حکمران مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم میں سے بہترین نہیں ہوں اگر تم مجھے

حق پر پاؤ تو میرے ساتھ تعاون کرو اگر باطل پر پاؤ تو مجھے سیدھا کرو، یادرکھو! تم میں سے زیادہ کمزور میرے نزدیک طاقتور ہے، جب تک میں اسے اس کا حق دلا نہ دوں، اور تم میں سے قوی میرے نزدیک ضعیف ہے، جب تک میں اس سے حق وصول نہ کرلوں۔ ان شاء اللہ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک نہ کریں، کیونکہ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر ذلت مسلط کر دیتا ہے اور فحاشی و بے حیائی سے احتراز کرنا، بے حیا قوم کو اللہ تعالیٰ مختلف آزمائشوں (فتنوں) میں مبتلا کر دیتا ہے، جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں تو میری اطاعت کرو، جب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔ (سیرۃ ابن ھشام: ۳۱۱/۴)

واضح رہے کہ امت مسلمہ کے مسائل کا واحد حل قرآن وحدیث ہے۔

ابنِ نور محمد انبالوی

ماں کی فریاد

مجھے اپنے اس جگر گوشے، لعل اور زندگی کے سہارے کی تلاش ہے، جو میرے آنگن کا تارا تھا.... مجھے دیکھ کر جس کا پھول جیسا چہرہ کھِل اٹھتا.... مجھ سے چند دن کی جدائی کسی سانحہ سے کم نہ سمجھتا.... میرے بغیر اس کا کھانا حلق سے نیچے نہ اترتا.... اگر میں گھر میں نہ ہوتی تو گھر کو ویران چمن تصور کرتا.... جو میری تکلیف کو اپنا درد اور میرے الم کو اپنا غم جانتا.... میری خدمت کو عبادت گردانتا.... جو لفظ ''ماں'' میں اپنائیت، انسیت، چاہت اور محبت محسوس کرتا.... میری آغوش سے اس کی مضطرب روح کو تسکین اور بے قرار دل کو تمکین میسر آتی، اور اگر کبھی چھوٹو، مجھ سے سخت لہجے میں ہم کلام ہوتا تو فوراً پکار اٹھتا کہ چھوٹو! تمھیں نہیں پتا یہ ماں ہے، بڑی مشکل سے آنسوؤں کو ضبط کر کے کہتا: ہاں! یہ ماں ہے.... ماں جس کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچیں تو ان سے اُف تک بھی نہ کہہ اور نہ تو انھیں جھڑک اور ان دونوں کے لئے نرم (لہجے میں) بات کر۔ (بنی اسرائیل:۲۳)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے۔ (العنکبوت:۸)

نیز فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ...﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی، اس کی ماں نے

کمزوری پر کمزوری کے باوجود اسے اٹھائے رکھا۔ (لقمان:۱۴)

جس طرح قرآنِ مجید میں والدین کے ساتھ ''حسنِ سلوک'' کی تاکید فرمائی گئی ہے، اسی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی والدین کی خدمت ومحبت کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا، میں نے پوچھا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، میں نے پوچھا: پھر کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری:۵۲۷، صحیح مسلم:۸۵[۲۵۲])

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں میرے حسنِ سلوک کا زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھاری ماں، اس نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: تمھارا باپ۔ (صحیح بخاری:۵۹۷۱، صحیح مسلم:۲۵۴۸[۶۵۰۰])

مجھے اپنے اس معصوم بیٹے کی تلاش ہے جو ایک دن ''درسِ حدیث'' سن کر آیا تو گھنٹوں روتا رہا... میں بار بار پوچھتی، لیکن ... وہ تھا کہ روتا ہی جا رہا تھا، بالآخر کچھ نارمل ہونے کے بعد کہنے لگا: ماں آج ہمارے معلم صاحب نے دو احادیث سنائی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو کہ جس شخص نے اپنے والدین کو بڑھاپے میں پایا، ان میں سے ایک کو یا دونوں کو اور پھر وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں نہیں گیا۔ (صحیح مسلم:۲۵۵۱[۶۵۱۰])

معلم صاحب نے یہ بھی کہا کہ جس طرح شرک کبیرہ گناہ ہے، اسی طرح ماں باپ کی نافرمانی بھی بہت بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی ہے۔ (بخاری:۲۶۵۴، مسلم:۸۷)

ماں! یہی بات مجھے رُلا رہی ہے کہ والدِ محترم تو پہلے ہی وفات پا چکے ہیں۔ اب آپ ہی ہیں، لیکن آپ کی خدمت بھی مجھ سے نہیں ہو پا رہی۔

جی ہاں! اس بیٹے کی جو اللہ کے حضور ہاتھ پھیلا کر، آنکھوں سے آنسو بہا کر، التجا کرتا:

﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا﴾

اے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ بچپن میں انھوں نے میری پرورش کی۔ (بنی اسرائیل:۲۴)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ....﴾

اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔ (ابراہیم:۴۱)

میرا یہ لال حوادثاتِ زمانہ کا شکار ہو گیا، دنیا کی رنگینیوں میں کھو گیا، اور میں آج تک اسے ڈھونڈتی پھر رہی ہوں، کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ میں....میں اپنے لاڈلے، پیارے اور لختِ جگر سے کس قدر محبت کرتی ہوں؟ یہ سب کو معلوم ہے کہ اگر اس کائنات میں سب سے زیادہ اور سچی محبت کرنے والی ہستی ہے تو وہ ماں ہے...ماں کو اپنی اولاد بڑی محبوب ہوتی ہے۔!

☆☆☆

ہر ماں کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا پڑھے، لکھے، بڑا آدمی بنے، معاشرے میں اس کی عزت ہو....یہی ارمان لئے میں نے اپنے بیٹے کی بہترین پرورش کرنی شروع کی... لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اس کے والد ماجد وفات پا گئے۔ وقت گزرتا رہا...اور مجھے اپنے راج دُلارے کے مستقبل (Future) کی فکر دامن گیر ہوئی......کہیں ایسا نہ ہو کہ باپ کی شفقت سے محروم...کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہو جائے......یہ سوچتے ہی میں لرز جاتی، رونگٹے کھڑے ہو جاتے...لہٰذا میں نے ہمت کر کے محنت مزدوری شروع کی، راتوں کی نیند، دن کا سکون اپنے چاند سے بیٹے کے مستقبل کے لئے قربان کر دیا۔

زمانے کی خاک چھانی، اپنے کمزور و ناتواں کندھوں پر اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اٹھاتی، ہر طرح سے مشقت برداشت کر کے حلال روزی کماتی..صرف کس کے لئے...اپنے لختِ جگر کے لئے ...وگرنہ میرے لئے تو دو روٹیاں ہی کافی تھیں! بہرحال وقت گزرا...اور میرا پہلا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا کہ میرا بیٹا اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو گیا یعنی اسے نوکری مل گئی...اب میں بے چینی سے اپنے دوسرے خواب کی تعبیر کے انتظار میں تھی...اور وہ تھا بیٹے کی شادی...میں نے اس سلسلے میں

بہت کچھ سوچ رکھا تھا...آخر وہ دن بھی آن پہنچا...اور میں بڑے شاندار طریقے سے اپنی بہو اور بیٹے کی دلہن کو بیاہ کر لے آئی...لوگ مبارکبادیں دے رہے تھے کہ تم نے شروع سے لے کر... آج تک بیٹے کو یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا...اور تم بہت خوش نصیب ہو وغیرہ وغیرہ...اور میں تھی کہ اندر ہی اندر خوشیوں کے سمندر میں غوطہ زن تھی، لیکن یہ کیا؟...تھوڑے ہی دنوں کے بعد ....یہ اعلان سنائی دیا کہ ہم گاؤں میں نہیں رہ سکتے، لہٰذا جہاں میں جاب (ملازمت) کرتا ہوں وہیں اپنی فیملی کے ساتھ رہوں گا۔(جدید دور میں، فیملی میں ''ماں'' شامل نہیں)

یہ سننا تھا...میرے خوابوں کی لڑی بکھر گئی، میری سوچیں منتشر ہونے لگیں اور میں ٹوٹ کر رہ گئی وہ دن.......اور آج...بیٹے کی شکل دیکھنے کو ترس رہی ہوں...پریشانیوں نے گھیرا تنگ کر دیا ہے کہ جن سے میں ایک لمبا عرصہ لڑتی رہی ہوں...اب لڑوں بھی تو کس مقصد کے تحت؟...یہی وجہ ہے کہ عمر سے پہلے بوڑھی ہو گئی ہوں..کئی بیماریوں میں مبتلا ہوں...کبھی کبھی بہت زیادہ بیمار ہو جاؤں تو محلے والے، عزیز و اقارب اور میرا لختِ جگر اپنی بیگم کے ہمراہ عیادت کے لئے آجاتے ہیں، گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ مہمانوں کی طرح بیٹھ کر چلے جاتے ہیں اور مجھے تخیلات کی دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں! کہ گوشت پوست اور نام کے لحاظ سے تو میرا وہی بیٹا ہے، لیکن سوچ اور فکر میں کتنا بدل چکا ہے۔ جو میری آہٹ پہ میری طرف لپک آتا...آج کمزوری کی وجہ سے بار بار میرے گرنے پر بھی متوجہ نہیں ہوتا، جو گھنٹوں مجھ سے باتیں کرتا...آج میرے کان اس کی بات سننے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ ماں اور بیٹے کی محبت میں یہی بڑا فرق ہے کہ جب اسے میری ضرورت تھی تو میں نے تن من کی بازی لگا دی..... آج مجھے ضرورت ہے اپنے لختِ جگر کی لیکن...میں دوسروں کے سہارے جی رہی ہوں۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

میرے پیارے بیٹے! اگر میری یہ فریاد تیری سماعت سے ٹکرائے تو فوراً گھر آجانا، تمھاری بوڑھی ماں تمھارے بغیر ایک ایک دن تڑپ کر گزار رہی ہے۔ اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔

والسلام تمھاری 'ماں' [الحدیث:۳۶]

حافظ ندیم ظہیر

آرزوؤں کے صحرا میں دم توڑتا انسان!

آرزوئیں انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔ انسان انھی آرزوؤں کے حصار میں اس طرح جکڑا جاتا ہے جس طرح شہد میں مکھی اور پھر انسان ڈوبتا ہی جاتا ہے۔ ایک آرزو کا تعاقب دوسری آرزو سے متعارف کراتا ہے اور اس طرح سلسلہ در سلسلہ زنجیر بنتی چلی جاتی ہے۔ یہ وہ قُقْنس ہے جو جلتا ہے اور اپنی راکھ سے نئے ققنس کو جنم دیتا ہے۔ غرضیکہ ایک طرف آرزوؤں کا لامتناہی اور نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے تو دوسری طرف رب العالمین کا فیصلہ ہے:

﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾

اور کوئی جاندار یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے گا۔ (لقمان:۳۴)

لیکن انسان ہے کہ ہر چیز کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آرزوؤں کے ناہموار راستے پر دوڑتا ہی جا رہا ہے۔ اس سارے سفر میں جو حاصل ہو جائے اس کی تمنا ختم ہو جاتی ہے اور جو حاصل نہ ہو سکے وہ ایک حسرتِ ناتمام بن کر دم توڑ دیتی ہے۔

بہت دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ ابھی آرزوئیں ناتمام ہی ہوتی ہیں کہ موت کا آہنی پنجہ آدمی کو اپنے شکنجے میں کس لیتا ہے، کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾

ہر نفس نے موت سے ہمکنار ہونا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو، دراصل کامیاب وہ ہے جو آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ یہ دنیا تو محض ایک فریب ہے۔ (آلِ عمران:۱۸۵)

دنیا کی حقیقت کو جاننے کے باوجود بھی عموماً انسان کی تمام تر آرزوئیں دنیا ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ وہی دنیاوی جاہ وجلال، اقتدار کی حرص، شہرت کی ہوس اور عیش وعشرت کی خواہش اور اس کے مقابلے میں اُخروی زندگی کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴾ ''یعنی تم دنیا کی زندگی کو آخرت پر مقدم رکھتے ہو اور آخرت کے مقابلے میں ختم ہونے والی، مکدر کرنے والی اور زائل ہو جانے والی نعمتوں کو ترجیح دیتے ہو ﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴾ حالانکہ آخرت ہر وصف مطلوب میں دنیا سے بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی ہے، کیونکہ آخرت دارالخلد اور دارالبقا ہے اور دنیا دارالفنا ہے اور ایک عقل مند مومن عمدہ کے مقابلے میں ردی کو منتخب کرے گا نہ ایک گھڑی کی لذت کے لئے ابدی رنج وغم کو خریدے گا۔ پس دنیا کی محبت اور اس کو آخرت پر ترجیح دینا ہر گناہ کی جڑ ہے۔'' (تفسیر السعدی ۲۹۳۹/۳)

اور فرمایا: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾

جان لو! دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت (وآرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال واولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے۔ (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش کہ (اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے!) تو اس کو دیکھتا ہے کہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے، پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لئے) عذاب اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاعِ فریب ہے۔ (الحدید:۲۰)

نیز فرمایا: ﴿ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ

﴿...الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾

یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے اور آخرت کا گھر، وہی ہمیشہ کا گھر ہے اگر وہ جانتے ہوتے۔ (العنکبوت:٦٤)

لیکن آج کا انسان آخرت کے بجائے اپنی تمام تر امیدیں اور آرزوئیں دنیا سے وابستہ کئے ہوئے ہے کہ سب کچھ اسی دنیا میں مل جائے، خواہ آخرت میں کتنی ہی بڑی ذلت ورسوائی کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔! (العیاذ باللہ)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی لکیریں کھینچیں پھر (ایک خط کی طرف اشارہ کر کے) فرمایا: (یہ انسان کی) آرزوئیں ہیں اور (دوسری لکیر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) یہ اس کی موت ہے۔ پس انسان اسی طرح آرزوؤں کے درمیان ہوتا ہے کہ سب سے قریب لکیر (موت) اس کے پاس آ پہنچتی ہے۔ (صحیح بخاری:٦٤١٨)

موت کا خط انسان کے سب سے قریب ہے، پھر بھی انسان اس سے غافل ہے اور حقیقت سے انحراف برتتے ہوئے آرزوؤں کے سراب کے پیچھے اپنے آپ کو تھکا رہا ہے۔ آرزو ایک ایسا صحرا ہے کہ جو اس میں بھٹک جائے وہ بالآخر اسی میں دم توڑ دیتا ہے، کیونکہ اس سے واپسی کے تمام راستے مفقود ہو چکے ہوتے ہیں۔

ہاں! اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری آرزوئیں سودمند ہوں، ہمیں اطمینانِ قلب نصیب ہو تو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اپنی آرزوؤں کا دھارا بدل دیں، اقتدار کے بجائے جنت کی حرص، جھوٹی شہرت کے بجائے تقرب الی اللہ کے لئے تگ ودو اور اپنی زندگی کی تمام تر وابستگیاں دینِ حنیف کے ساتھ خاص کر دیں، اسی میں دونوں جہانوں میں عزت کا راز ہے، لیکن اس دھارے کو بدلنے کے لئے ایک نکتہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ انسان مسافر ہے اور اس کی زندگی ایک سفر ہے۔ امیر ہو یا فقیر، وزراء ہوں یا امراء سب ایک ہی منزل کی جانب گامزن ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی کا یہ سفر طویل ہوتا ہے تو کسی کا مختصر....بس اور وہ منزل موت ہے۔ ذکرِ موت ہی اس آدم خور صحرا سے نکلنے کی امید ہے۔ [الحدیث:٤٨]

حافظ ندیم ظہیر

المحرم الحرام
(فضائل ومسائل)

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے ایک ہے۔ اسے ''شَهْرُ اللّٰه'' یعنی اللہ کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے، یوں تو سارے دن اور مہینے اللہ ہی کے ہیں، لیکن بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اعمال بجالانے کی ترغیب بھی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اختصار کے ساتھ فضائل ومسائل بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

فضائل: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے بعد افضل روزہ اللہ کے مہینے محرم کا روزہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۳، ترقیم دارالسلام: ۲۷۵۵)

یوم عاشوراء: جمہور کے نزدیک (یوم عاشوراء سے مراد) اللہ کے مہینے المحرم کا دسواں دن ہے۔ (دیکھئے شرح صحیح مسلم للنووی ۱۲/۸)

سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوم عاشوراء کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ((يكفر السنة الماضية .))
یہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶۲، ترقیم دارالسلام: ۲۷۴۷)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یومِ عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا: یہ ایک اچھا دن ہے، اس دن اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی، موسیٰ علیہ السلام نے اس (دن) کا روزہ رکھا تھا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موسیٰ کے ساتھ (مناسبت کے اعتبار سے) میں زیادہ حق رکھتا ہوں تو آپ نے روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی دیا۔ (صحیح بخاری: ۲۰۰۴، صحیح مسلم: ۱۱۳۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عاشوراء اور رمضان

کے سوا کسی دوسرے دن قصداً (اہتمام کے ساتھ) روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ (صحیح بخاری:۲۰۰۶)

مسائل: یوم عاشوراء کا روزہ کس دن رکھنا چاہیے؟ اس سلسلے میں مختلف آراء ہیں جنھیں درج کرنے کے بعد ہم نے راجح مسلک کی طرف اشارہ کر دیا ہے:

(۱) بعض کے نزدیک ۱۰ محرم کو روزہ رکھنا چاہیے، لیکن ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا بھی ملانا چاہیے اور ان کی دلیل درج ذیل ہے: یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو (لہٰذا) ایک دن پہلے یا بعد کا (بھی) روزہ رکھو۔ (مسند احمد ۱/۲۴۱ ح ۲۱۵۴، صحیح ابن خزیمہ:۲۰۹۵)

لیکن یہ روایت سنداً ضعیف ہے، کیونکہ داود بن علی ضعیف راوی ہے، لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے، کیونکہ ضعیف روایت حجت نہیں ہوتی۔

یاد رہے کہ ۹ محرم کو روزہ رکھنے والی حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''**خالفوا الیھود و صوموا التاسع و العاشر**'' یہودیوں کی مخالفت کرو اور ۹، ۱۰ محرم کا روزہ رکھو۔ (مصنف عبدالرزاق ۴/۲۸۷ ح ۷۸۳۹ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۲۸۷)

(۲) بعض کے نزدیک صرف ۹ محرم کا روزہ رکھنا چاہیے اور وہ بطور دلیل یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم دیا تو (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے) عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ یہود و نصاریٰ کی تعظیم و تکریم کا دن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**فإذا کان العام المقبل _ إن شاء اللّٰہ _ صمنا الیوم التاسع .**)) پس آئندہ سال ہم ان شاء اللہ ۹ محرم کا روزہ رکھیں گے۔ (صحیح مسلم:۱۱۳۴)

یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے، لیکن اس سے صرف ۹ محرم کے روزے کا استنباط کرنا اور ۱۰ محرم کے روزے کو کلی طور پر چھوڑ دینا صحیح نہیں ہے، کیونکہ بہت سے علماء کرام نے اسے خطا قرار دیا ہے۔ مثلاً ایک عربی عالم الشیخ احمد بن عبداللہ لکھتے ہیں: ''**و من الأخطاء صیام یوم التاسع فقط**'' صرف ۹ محرم کا روزہ رکھنا خطا ہے۔ (بدع و اخطاء تتعلق بالایام والشھور ص ۲۲۴)

(۳) تیسرا اور راجح مسلک یہی ہے کہ ۹ اور ۱۰ محرم کا روزہ رکھا جائے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ اور دیگر احادیث اسی کی مؤید ہیں۔ [الحدیث:٦٧]

حافظ ندیم ظہیر

فضائل جمعۃ المبارک

تمام دن اللہ رب العزت کے ہیں، لیکن ان دنوں میں جو فضیلت ''یوم جمعہ'' کو حاصل ہے وہ کسی اور دن کو نہیں ہے، جمعہ کے دن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے اعزازات واختصاصات سے نوازا ہے، جن کی تفصیل نبی کریم ﷺ نے بتدریج بیان فرمائی ہے۔

بہترین دن: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة .)) ''جس بہترین دن میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے۔'' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۵۴ بترقیم دارالسلام)

آدم علیہ السلام کا یوم پیدائش: جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں داخلہ اور اسی دن جنت سے خروج ہوا، جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

((فيه خلق الله آدم وفيه أدخل الجنة ، وفيه أخرج منها .))

اسی (یوم جمعہ) میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی دن وہ جنت میں پہنچے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ (صحیح مسلم: ۸۵۴)

قیامت کا دن: جہاں یوم جمعہ کی اور بہت سی خصوصیات ہیں وہاں ایک اہم خصوصیت اسی دن قیامت کا ظہور پذیر ہونا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((ولا تقوم الساعة إلا في يوم الجمعة.)) اور قیامت جمعہ کے دن (ہی) آئے گی۔ (صحیح مسلم: ۸۵۴)

عظمتِ جمعہ: یہی وجہ ہے کہ یوم جمعہ کی عظمت وجلالت کی بنا پر اس کائنات میں انسان اور جنات کے علاوہ ساری مخلوق یہ دن عاجزی وگریہ زاری کے ساتھ گزار دیتی ہے، چنانچہ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((وما من دابة إلا وهي مصيخة يوم الجمعة من حين تصبح حتى تطلع الشمس شفقاً من الساعة إلا الجن والإنس .))

جنوں اور انسانوں کے علاوہ تمام جاندار جمعہ کے روز صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب

تک قیامت کے خوف سے گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں۔

(ابوداود:۱۰۴۶ اِسنادہ صحیح بتحقیق استادمحترم حافظ زبیرعلی زئی حفظہ اللہ)

یعنی انسان باوجود اس کے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت جمعہ کے روز ہی آئے گی'' غفلت کا شکار ہے آخرت کو بھلا کر دنیا کی رنگینیوں میں مبتلا ہے، جبکہ اس کے برعکس دوسرے جاندار (قیامت کے خوف سے) جمعہ کا دن پریشانی کی حالت میں گزارتے ہیں۔

سابقہ گناہوں کا کفارہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((الصلوات الخمس، والجمعة إلى الجمعة ، ورمضان إلى رمضان مكفرات ما بينهن إذا اجتنبت الكبائر .)) پانچ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، رمضان سے (دوسرے آنے والے) رمضان تک اپنے اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ ہیں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔ (صحیح مسلم:۲۳۳)

جمعہ کے دن اور اس کی رات فوت ہونے والے شخص کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے:

((من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة وقي فتنة القبر)) جو آدمی جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات (جمعہ سے پہلے والی رات) کو مرا اسے قبر کی آزمائش سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

(مسند احمد:۲/۲۲۰ ح ۷۰۵۰ والمختارہ جامع الصغیر:۳/۵۷۷ مزید تحقیق کے لئے دیکھئے استاذی حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: اضواء المصابیح تحقیق مشکوۃ المصابیح رقم:۱۳۶۷)

قبولیت کی گھڑی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إن في الجمعة لساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسأل الله تعالىٰ شيأ إلا أعطاه إياه وأشار بيده يقللها .)) جمعہ کے دن میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جو مسلمان بندہ بھی اس وقت میں کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں، آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے سمجھایا کہ یہ وقت بہت مختصر ہوتا ہے۔

(بخاری ۸۹۳، مسلم:۸۵۲)

دوسری حدیث میں فرمایا: ''جمعہ کا دن بارہ گھڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے، ان میں ایک گھڑی

ایسی ہے جو مسلمان بھی اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا ہو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں، اسے نماز عصر کے بعد آخری گھڑی میں تلاش کرو۔'' (ابوداود:۱۰۴۸، اسنادہ صحیح)

بعض علماء ''قبولیت کی گھڑی'' کے تعین میں اختلاف کرتے ہیں، لیکن بحیثیت مسلمان ہمیں سارا دن رضائے الٰہی کی تلاش میں گزار دینا چاہئے۔

تارک جمعہ کا انجام: جس طرح مذکورہ احادیث سے جمعہ کی فضیلت و اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ایسے ہی درج ذیل حدیث سے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ (بلا عذر) تارک جمعہ، اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لے کر جہنم کا ایندھن بن رہا ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ((**لقد هممت أن آمر رجلاً يصلي بالناس ثم أحرق على رجال يتخلفون عن الجمعة بيوتهم .**)) میں نے مصمم ارادہ کیا کہ کسی آدمی کو حکم دوں وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر جو مرد نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں انہیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔ (صحیح مسلم:۶۵۲)

مزید فرمایا: ''لوگ نماز جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔'' (مسلم:۸۶۵)

یارب العالمین! ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے جو جمعہ کے دن تیری رحمتیں، نعمتیں سمیٹتے ہیں اور ان فضائل کے اہل ہیں اور ان جیسا نہ کرنا جن کے دل تیری یاد سے غفلت کی بنا پر مختوم ہو چکے ہیں۔ (آمین)

[الحدیث:۱]

حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ سلام

سلام مسلمانوں کا امتیازی وصف اور وقار ہے۔ابتدائے آفرینش سے ''سلام'' کی جامعیت ، افضلیت اور اہمیت مسلّم ہے،عہدِ نبوی ﷺ میں بھی اس کی ترویج پر خوب زور دیا گیا ہے،اب تا قیامت یہ مسلمانوں کا شعار ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ اے ایمان والو!تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک تم اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کرلو۔ (النور:۲۷)

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ﴾ پس جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے گھر والوں پر سلام کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔ (النور:٦١)

آغازِ سلام:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان سے کہا: جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور جو وہ جواب دیں اسے غور سے سنو، کیونکہ وہی تیرا اور تیری اولاد کا سلام ہوگا۔

پس سیدنا آدم علیہ السلام نے جا کر کہا: ''**السلام علیکم**'' تو انھوں نے کہا: ''**السلام علیك ورحمة الله**'' یعنی انھوں نے رحمۃ اللہ کا اضافہ کر دیا۔ (بخاری:٦٢٢٧، مسلم:٢٨٤١)

تحفۂ سلام:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ اور جب تمہیں (سلام کا) تحفہ دیا جائے تو تم اس سے بہتر تحفہ انھیں دو، یا وہی انھیں لوٹا دو۔

اس آیت کی تائید درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے ''السلام علیکم'' کہا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، بعدازاں وہ بیٹھ گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: دس نیکیاں ہوگئیں۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا، آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بیس نیکیاں ہو گئیں، بعد میں ایک اور شخص آیا اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا۔ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ وہ بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تیس نیکیاں ہوگئیں۔

(سنن ابی داود: ۵۱۹۵، ترمذی: ۲۶۸۹ واسنادہ حسن)

بہترین اسلام:

ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: أي الإسلام خير ؟ کہ اسلام میں بہتر بات کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر بات یہ ہے کہ تو (بھوکے کو) کھانا کھلائے اور ہر واقف وناواقف کو سلام کہے۔ (صحیح بخاری: ۱۲، صحیح مسلم: ۳۹)

محبت اور سلام:

بغض وعناد، فتنہ وفساد کو کس طرح نبی رحمت ﷺ نے الفت ومحبت، اخوت و بھائی چارے میں تبدیل کر دیا؟ وہ کون سانسخۂ کیمیا ہے؟ جی ہاں، اسے نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے سنئے اور اپنی زندگیوں کو محبتوں سے بھر لیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ اور تم مومن نہیں ہو گے یہاں تک کہ ایک دوسرے سے محبت کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے اختیار کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے (اور وہ یہ ہے کہ) تم آپس میں سلام کو پھیلاؤ اور عام کرو۔

(صحیح مسلم: ۵۴)

جنت اور سلام:

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے

ہوئے سنا: اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، لوگوں کو کھانا کھلاؤ، رشتے داروں اور اقربا کے حقوق ادا کرو اور اس وقت اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں (یعنی تہجد) تو تم ''جنت'' میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی:۲۴۸۵)

قربتِ الٰہی اور سلام:

سلام میں پہل کرنا قربتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن أولی الناس باللّٰہ من بدأ با لسلام .)) سب سے زیادہ اللہ کے قریب وہ لوگ ہوں گے جو سلام کہنے میں پہل کرتے ہیں۔ (ابوداود:۵۱۹۷ وسندہ صحیح)

قارئین کرام! مذکورہ سطور میں انتہائی اختصار کے ساتھ سلام کی فضیلت رقم کی گئی ہے، لہٰذا ہمیں بحیثیت مسلمان ''سلام'' کو عام کرنا چاہئے، کیونکہ یہ قربت الٰہی کے حصول اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے اور غیر مسلموں کے ایجاد کردہ: ہائے، بائے، ہیلو اور نمستے وغیرہ الفاظ سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ کافروں سے مشابہت کی ممانعت ہے۔ اللہ ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق دے (آمین) وما علینا إلا البلاغ

[الحدیث:۵]

حافظ ندیم ظہیر

اظہار خوشی مگر کیسے؟

غم وخوشی، رونا وہنسنا، مشکلات وراحت اور مختلف نشیب وفراز، زندگی کا حصہ ہیں، لیکن انسان فطرتی طور پر خوشی حاصل کرنے میں جلد باز واقع ہوا ہے اور یہی عجلت پسندی اسے دنیا ومافیھا سے بے پروا کر دیتی ہے، حالانکہ ''دین اسلام'' مکمل ضابطہ حیات ہے، یہ دین جہاں حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کا پابند بناتا ہے وہاں اظہار خوشی میں بھی **ادخلوا فی السلم کآفة** کا درس دیتا ہے۔

ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب (بھی) مسرورکن معاملہ پیش آتا یا آپ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو، کوئی خوش خبری دی جاتی تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے سجدہ ریز ہوجاتے۔ (ابوداود:۲۷۷۴، ابن ماجہ:۱۳۹۴، ترمذی:۱۵۷۸ وقال: ''حسن غریب'')

حقیقی مومن خوش کن حالات میں ایمان کا سودا کرتا ہے نہ غم کے موقع پر ہی ڈگمگاہٹ (کمزوری) کا شکار ہوتا ہے۔

ارشادِ نبوی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے:

مومن آدمی کا بھی عجیب حال ہے کہ اس کے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے اور یہ بات کسی کو حاصل نہیں سوائے اس مومن آدمی کے کہ اگر اسے کوئی خوشی پہنچی اور شکر ادا کیا تو بھی ثواب ہے اگر نقصان پہنچا اور صبر کیا تو بھی ثواب ہے۔ (صحیح مسلم:۲۹۹۹)

یہی طرزِ عمل ہمارے اسلاف کا تھا۔

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قبولیتِ توبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے خوشخبری کا ذکر کرتے ہیں کہ ''میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جبل سلع پر چڑھ کر کوئی بلند آواز سے کہہ رہا تھا اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا''

(بخاری:۴۴۱۸)

امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ ہر نعمت کے حصول یا کسی مشکل سے چھٹکارے کے بعد سجدہ شکر مستحب ہے۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی ۹۰/۱۷)

قارئین کرام: خوشی آزادی وشادی کی ہو یا میلا د النبی ﷺ کی مروجہ طریقہ کے مطابق اس کا جشن منانا قرآن وحدیث اور اسلامی شعار کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حافظ ندیم ظہیر

فیشن کی لہر

ہمارا پورا معاشرہ ''فیشن کی لہر'' کی زد میں ہے۔تعجب ہے کہ لہر اگر پانی کی ہو یا ہوا کی تو ہر ایک اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے،لیکن یہاں ''فیشن'' کے معاملے میں ہر کوئی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں نظر آتا ہے ۔لڑکے ،لڑکیوں جیسا بناؤ سنگھار کرنے میں مصروف ہیں تو لڑکیاں ،لڑکوں کا روپ دھارنے میں، حالانکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:((**لعن رسو ل اللّٰہ ﷺ المتشبهين من الرجال بالنسآء و المتشبهات من النسآ ء بالرجال .**)) (صحیح بخاری:۵۸۸۵)

یعنی ایسے افعال (عورت ،مرد کی مشابہت اختیار کرے یا مرد عورت کی) کرنے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ۔ہماری نئی جنریشن (Generation) کس انداز کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت پر تلی ہوئی ہے اس کا مختصر سا جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

عورت کے لئے اسلام کی دعوت بڑی واضح ہے اور عام ہے کہ گلی ،محلّہ ،بازار تو درکنار گھر یا مسجد میں نماز بھی اس حالت میں پڑھنی ہے کہ (عورت کے) قدم چھپ جائیں۔

اس کے برعکس آج کی عورت تنگ و باریک اور قصیر لباس میں ملبوس ہے ،چھوٹے چاک ،ٹخنوں سے اوپر شلوار اور سر پر جوڑا کر کے حتی الوسع اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتی ہے،آج کی ماں ،بہن ،بیٹی اور بیوی رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کو کیونکر بھول چکی ہے کہ: دو قسم کے لوگ آگ میں جانے والے ہیں جو ابھی تک مجھے نہیں دکھائے گئے (ایک تو) ایسی عورتیں ہیں جو کپڑے پہننے کے باوجود ننگی رہتی ہیں ،یہ مائل ہونے والی اور (لوگوں کو) مائل کرنے والی ہیں ۔ان کے سروں پر (جوڑے) بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح حرکت کرتے ہوں گے۔ یہ جنت کو دیکھیں گی نہ اس کی خوشبو پاسکیں گی ۔الخ

(صحیح مسلم: ۲۱۲۵/۱۲۵)

دوسری طرف ہمارے (Clean-shave) نوجوان ہیں جو لمبے بال (لڑکیوں کی طرح) اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ حالانکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ((ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار)).

شلوار (پاجامے) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہو وہ جہنم میں ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۵۷۸۷)

خلاصہ: عورتیں اپنے پورے جسم کے ساتھ ساتھ ٹخنے بھی چھپائیں، یعنی ''باپردہ'' ہوکر گھر سے نکلیں اور مرد حضرات اپنے ٹخنے ہمیشہ ننگے رکھیں، یعنی اپنی شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھیں لیکن ستیاناس ہو ''اس فیشن کا'' کہ مسلمان اس ٹینشن کا شکار ہیں عورتوں کے ٹخنے ننگے اور مرد اپنے ٹخنے چھپائے پھر رہے ہیں۔

؎ یہ ہیں مسلماں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

لیکن ایسے حضرات اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی یاد رکھیں:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو سخت سزا دینے والا ہے۔ (الانفال: ۱۳)

❀❀❀

حافظ ندیم ظہیر

خطباء کی خدمت میں...

تبلیغِ دین، دعوتِ حق اور اس کی ترویج عظیم فریضہ ہے جسے اہلِ علم اور اہلِ فکر و دانش اپنی بساط کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ چونکہ تحریر کی بہ نسبت تقریر کا براہِ راست عوام کے ساتھ زیادہ تعلق ہوتا ہے جس میں اندازِ بیاں کے ساتھ مقرر و داعی کا اخلاق و کردار بھی گہرے نقوش چھوڑتا ہے، لہٰذا اپنے اُن بھائیوں کے لئے جو اس میدان کے شہسوار ہیں ﴿اِنۡ اُرِیۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ﴾ کے تحت چند کلمات بطورِ نصیحت لکھنے کی سعی کر رہا ہوں۔ ویسے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ((بلّغوا عني ولو آية)) مجھ سے (سن کر آگے) پہنچا دو، اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ [صحیح بخاری: ۳۴۶۱] بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر طرح سے دعوتِ دین عام کی جائے۔

① خطیب و داعی کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو دعوت دینے کے ساتھ خود بھی قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو اور تمام غیر شرعی اُمور سے کلی طور پر اجتناب کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے معراج والی رات کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبریل (علیہ السلام) سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی اُمت کے خطیب (خطباء) ہیں، یہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود (نیکی پر عمل پیرا ہونے سے) اپنے آپ کو بھلا دیتے تھے، حالانکہ یہ کتاب بھی پڑھتے تھے۔ کیا یہ عقل نہیں رکھتے تھے؟ [صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۳ وسندہ حسن لذاتہ، المختارۃ للضیاء المقدسی ۲۰۷/۷ ح ۲۶۴۶]

ایسے خطیب و داعی جو لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود برائی کا ارتکاب کرتے ہیں، کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا، پھر اسے (جہنم کی) آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ میں اس کی انتڑیاں باہر آ جائیں گی، پھر وہ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا چکی پر گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس اکٹھے ہو کر پوچھیں گے:

اے فلان! تجھے کیا ہوا ہے؟ وہ کہے گا: میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، میں تمھیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود برائی کرتا تھا۔ [صحیح بخاری: ۳۲۶۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۹]

④ توحید وسنت کی دعوت اور معاشرے کی اصلاح میں حکمت کا پہلو چھوٹنے نہ پائے ایسے ہی شرک وبدعت اور سیئات ومنکرات کا احسن طریقے سے مدلل رد کرنا چاہئے۔

③ خطبے میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال فہم سلف صالحین کی روشنی میں کیا جائے اور صرف صحیح احادیث، صحیح آثار اور صحیح تاریخی واقعات باحوالہ پیش کرنے چاہئیں۔ ضعیف و موضوع روایات اور بے سند و بے اصل واقعات بیان کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ موضوع حدیث کو رد اور انکار کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ [دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۱]

منکر، شاذ اور بے اصل روایات کا بھی یہی حکم ہے۔ ضعیف و غیر ثابت روایات کے بارے میں راجح یہی ہے کہ انھیں بصیغۂ جزم بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے قواعد التحدیث للقاسمی ص ۱۱۳، ماہنامہ الحدیث: ۴ ص ۷

بعض لوگ موضوع و من گھڑت روایت یا قصہ متاثر کن انداز میں اور بڑے ترنم سے سامعین کو سنا کر محظوظ کرتے ہیں اور آخر میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ موضوع ہے یہ طریقہ انتہائی غلط ہے۔ اگر ضعیف و موضوع روایت بتانا مقصود ہو تو سادہ انداز میں اس کی وضاحت کی جائے اور اس پر رد کیا جائے۔

④ بعض حضرات تقریر کے دوران میں خوب ہاتھوں کو لہراتے ہیں اور کبھی دونوں ہاتھوں کو اکٹھا بہت زیادہ بلند کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صرف سبابہ انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔ [صحیح مسلم: ۸۷۴، سنن ابی داود: ۱۱۰۴]

⑤ ایسے اندازِ بیاں اور لمبی تقریروں سے اجتناب کرنا چاہئے جو کہ فائدے کے بجائے تکلیف دہ ثابت ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی اکتاہٹ کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔

[دیکھئے صحیح بخاری: ۶۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۱]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے والد عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قصہ گو (خطیب) کے بارے میں پیغام بھیجا جو حجرے کے دروازے کے قریب بیٹھتا (اور وعظ کرتا) تھا کہ "اس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے حتیٰ کہ میں (گھر آنے والوں کی) باتیں بھی نہیں سن سکتی" آپ رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر اس قصہ گو کو منع کیا۔ پھر (ایک دن) اُس نے دوبارہ یہی حرکت کی تو میرے والد عمر رضی اللہ عنہ لاٹھی لے کر کھڑے ہوگئے اور اسے مار مار کر اس کے سر پر لاٹھی توڑ دی۔ [تاریخ المدینۃ المنورۃ لعمر بن شبہ ۱/۱۵ وسندہ صحیح]

⑥ فضول اشعار اور پر تکلف ترنم سے احتراز کرنا چاہئے، البتہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔

⑦ وعظ با مقصد و مفید ہونا چاہئے، حتی الوسع رطب و یابس سے پرہیز کیا جائے اور ہر بات باحوالہ پیش کی جائے۔ ایک دفعہ بشیر بن کعب العدوی رحمہ اللہ حدیثیں بیان کر رہے تھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا/ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان (مرسل) بے سند روایات کی طرف ذرا برابر توجہ نہ فرمائی۔ [مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام:۲۱]

⑧ تکبر سے ہر طرح سے بچنا چاہئے، یہ علم و عمل کا دشمن ہے۔ عجز و انکسار اپنانا چاہئے یہ علم و عمل کی ایک راہ ہے اور یہی اہل علم کا شیوہ ہے۔

⑨ اہل سنت (اہلِ حدیث) کے منہج کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور علمائے حق سے رابطہ رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی دعوت میں مشغول رہیں۔ حزبیت و پارٹی بازی کی وجہ سے پیدا ہونے والے انتشار، حسد، بغض اور کینہ کو مٹانے کے لئے سر توڑ کوششیں کریں، تمام صحیح العقیدہ بھائیوں کو ایک جماعت بنائیں۔ خارجیوں اور تکفیریوں کی راہ سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، کبھی اپنے صحیح العقیدہ بھائیوں کی توہین نہ کریں۔

⑩ جب بندہ اللہ کے لئے مخلص ہو جاتا ہے تو اللہ اپنے بندے کے لئے آسانیاں پیدا فرماتا ہے اور راستوں کو ہموار کر دیتا ہے، لہٰذا ہمیشہ دنیاوی مفاد کے بجائے اُخروی فائدے کو ترجیح دی جائے اور ہر طرح کی حرص اور لالچ کو اسلام کی سربلندی کے لئے خاص کر دیا جائے۔

حافظ ندیم ظہیر

فرقہ واریت، نتیجہ اور دعوتِ فکر

امتِ مسلمہ جن پریشان کن حالات سے دو چار ہے اس کے بہت سے اسباب و وجوہات ہیں۔ اگر سرسری طور پر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ آج امت مسلمہ جس موڑ پر کھڑی ہے اس کا ایک اہم پہلو انتشار و افتراق اور بے جا اختلافات کا شکار ہونا ہے۔ جس سے ہر سلیم الفطرت دل کی دھڑکن بے ترتیب، ذہن متفکر اور آنکھ نم ناک ہے۔ کیونکہ اغیار اس صورت حال سے نہ صرف بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں بلکہ ان زخموں پر نمک بھی چھڑک رہے ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال (Situation) اس بھوکے شیر کی مانند ہے جسے پنجرے میں قید کر کے اس کے سامنے صید (شکار) چھوڑ دیا جائے اور شیر تھوڑی دیر کے لئے تڑپتا ہے، کبھی دائیں کبھی بائیں، پھر بالآخر تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور حسرت بھری نگاہوں سے اپنے شکار کو دیکھتا رہتا ہے۔ بالکل یہی سلوک امت مسلمہ کے ساتھ بھی ہو رہا ہے جنھیں مرعوبیت و بے بسی کے اندھے کنوئیں میں ڈال کر ان کے سامنے کبھی رسول مکرم سیدنا محمد ﷺ کے توہین آمیز خاکے پیش کئے جاتے ہیں تو کبھی ملعون رشدی کو ''سَر'' کے خطاب سے نوازا جاتا ہے اور بیچارے روحانی، جسمانی و ذہنی مفلوج مسلمان کچھ عرصے کے لئے تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔

قارئین کرام! کب تک ہمارے ساتھ ایسا ہوتا رہے گا؟ کب تک انتشار و افتراق کی دلدل میں پھنسے رہیں گے؟ کب تک اختلافات کی بھٹی میں جُھلستے رہیں گے؟ کب تک فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھتے رہے گے؟ کب یہ بشارتِ مبارکہ سننے کو ملے گی کی امتِ مسلمہ اتحاد کے پلیٹ فارم (قرآن وسنت) پر اکٹھی ہوگئی ہے؟

معزز قارئین! اختلاف کا ہو جانا بڑی بات نہیں! لیکن جب یہ اختلافات، تنازعات کی صورت اختیار کر لیں، حسد و کینہ، بغض و فساد کا ذریعہ بن جائیں، نسبتیں شخصیات کی

طرف ہونا شروع ہو جائیں، مرکز ومحورغیرِ رسول بن جائے اور جب فرقوں میں منقسم کردے تو یقیناً قابل غور امر ہے!

لمحۂ فکریہ: ایسے میں ہمارا کردار کیا ہونا چاہئے؟ کہ جس سے تمام مسلمان ایک امت، ایک جماعت بن جائیں۔ وہ ہے خالص قرآن وحدیث کی دعوت عام کرنا، واضح رہے صراطِ مستقیم کا واحد ذریعہ اور اتحادِ امت کی واحد سبیل صرف قرآن وحدیث ہے۔ یہاں بھی بعض دل جلے تجاہلِ عارفانہ کی روش اپناتے ہوئے یہ نعرہ بلند کرتے ہیں کہ صرف قرآن وحدیث کہنے سے ''اجماع واجتہاد کا انکار ہو گیا'' حالانکہ جب اجماع واجتہاد کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملتا ہے تو قرآن وحدیث کے ماننے میں اجماع واجتہاد کا ماننا خود بخود آ گیا۔ **فافهم و تدبر جدًا**

قرآن، حدیث اور عملِ سلف صالحین بھی اسی طرف رہنمائی فرماتا ہے کہ اتفاق کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے کتاب وسنت۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۠﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اصحابِ امر ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں باہم اختلاف کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور بہت اچھا انجام ہے۔

[النسآء: ۵۹]

یہ آیت کریمہ واضح دلیل ہے کہ تنازعہ کی صورت میں قرآن وحدیث ہی کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور یہ فرقہ واریت کے خاتمے کا بہترین ذریعہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین بات کتاب اللہ ہے اور بہترین ہدایت محمد ﷺ کی (سنت) ہے۔ [صحیح مسلم: ۸۶۷]

آپ ﷺ نے فرمایا: ((**قد تركتكم على البيضاء ليلها كنها رها لا يزيغ عنها**

بعدي إلا هالك ..)) میں تمھیں چمکتی (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں، اس کی رات (بھی) اس کے دن کی طرح روشن ہے، میرے بعد اس سے وہی پھرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔

[سنن ابن ماجہ:۴۳ واسنادہ صحیح]

اس قدر چمکتی شریعت اور روشن دین کو چھوڑ کر غیر نبی کی چوکھٹ پر بیٹھنا یا عام شخصیات کے دامن سے چمٹنا اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے سلف صالحین کا یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ قرآن وسنت کے مقابلے میں کسی غیرے کی بات کو حجت سمجھنا تو درکنار اسے درخور اعتنا بھی نہ جانتے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "**ما كنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد**" میں کسی شخص کے کہنے سے نبی ﷺ کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ [صحیح بخاری:۱۵۶۳]

سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ملکِ شام کے ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے حجِ تمتع کے بارے میں سوال کیا تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حلال (جائز) ہے۔ تو شامی نے کہا: آپ کے والد محترم نے اس سے منع کیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر میرے والد نے اس سے روکا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہو (تو کیا) میرے والد کے حکم کی پیروی کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی؟ اس شخص نے کہا: بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی (پیروی کی جائے گی، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اسے (حجِ تمتع) کیا ہے۔

[سنن ترمذی:۸۲۴ واسنادہ صحیح]

اتحاد امت میں ایک رکاوٹ "تقلید" بھی ہے جس نے امت کو پارہ پارہ کیا اور مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**لا تقلدوا دينكم الرجال ...**" اپنے دین میں آدمیوں کی تقلید مت کرو۔ [السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۱۰ وسندہ صحیح]

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "**أما العالم فإن اهتدىٰ فلا تقلدوه دينكم**"

عالم اگر سیدھے راستے پر بھی ہو تو اس کی تقلید نہ کرو۔ [جامع بیان العلم وفضلہ ۲/۱۱۱]

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ولا تقلدوني'' اور میری تقلید مت کرنا۔

[آداب الشافعی لابن ابی حاتم ص ۶۹]

خلاصہ: ہماری اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ وقت تقاضا کر رہا ہے کہ امت مسلمہ متحد و منظّم ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم صرف قرآن و حدیث کو رہنما تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہوں۔ یہی فرقہ واریت کے خاتمے کا ذریعہ ہے، اس سے نہ صرف دنیا میں عزت کا حصول ہوگا بلکہ آخرت میں بھی سُرخرو ہوں گے۔ ان شاء اللہ

حافظ ندیم ظہیر

ماہِ رمضان اور ہم

ایک مرتبہ پھر وہی رحمتوں، برکتوں، سعادتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہمارے سروں پر سایہ فگن ہے اور یہ تقاضا کر رہا ہے کہ دیکھنا کہیں ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میری تمام تر فضیلتیں سمیٹنے سے محروم نہ رہ جانا ......شاید یہ زندگی کا آخری رمضان ہو...... دوبارہ ایسا بابرکت مہینہ نصیب میں نہ ہو...... کیا تم دیکھتے نہیں کتنے ہی ایسے ہیں جو تمھارے ساتھ سحری وافطاری میں شریک ہونے والے اور قیامِ رمضان میں ساتھ کھڑے ہونے والے لیکن...... آج نظر نہیں آ رہے! کیوں؟......اس لیے کہ ان کا مقررہ وقت پورا ہو چکا ہے۔
﴿وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ﴾ کی صدا آ چکی ہے بلکہ اب تو تم بھی......اسی قطار میں کھڑے نظر آتے ہو، عنقریب......تمھاری باری بھی آنے والی ہے، پھر کیوں نہ اس زندگی کے بقیہ لمحات وساعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو بدل دیں!

معصیت ونافرمانی کی دلدل سے نکل کر زہد وتقویٰ کے تالاب میں غوطہ زن ہوں، لیکن کیسے؟ ہم اپنی زندگیوں میں کس طرح انقلاب لائیں؟ ...... ہاں!......رب کریم نے ہمیں ایک بہترین موقع عطا کیا ہے اور وہ ''ماہ رمضان'' ہے۔ ایک اور بات...... کہ ہم کس طرح اس مہینے کے شب وروز گزاریں، تاکہ ہمارا رب رحیم ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے اعمال اس کے ہاں مقبول قرار پائیں؟

تو پھر ضروری ہے کہ درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:

توبہ: سب سے پہلے اپنی سابقہ زندگی پر ایک نظر ڈالیں کہ جس قدر بھی گناہ ہوئے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، خواہ قولاً ہے یا عملاً تو ان سب سے اپنے اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کریں، توبہ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ گناہ کے کاموں سے لوٹنا، گناہ کا اعتراف اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم کرنا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ﴾ اے ایمان والو! اللہ کے حضور خالص توبہ کرو کچھ بعید نہیں کہ تمھارا پروردگار تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے اور تمھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ (التحریم:۸)

ہو سکے تو خوفِ الٰہی سے چند قطرے آنسوؤں کے بھی شامل کر لیں، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جو اللہ کے ڈر سے رویا۔ [ترمذی:۱۶۳۳، صحیح]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ عطا کرے گا۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہے ''جسے تنہائی میں اللہ یاد آئے اور اس کے آنسو جاری ہو جائیں'' (بخاری:۶۶۰، مسلم:۱۰۳۱)

حصولِ تقویٰ: گناہوں کو چھوڑنے اور نیکی کے کام کرنے پر طبیعت کا مائل ہونا اور اپنے گناہوں کے انجام سے ڈر کر ان سے بچنے کی کوشش کرنا تقویٰ ہے اور ماہِ رمضان کا بڑا اور اہم مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

اے ایمان والو! تم پر رمضان کے روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (اور اس کا مقصد یہ ہے) کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔ [البقرۃ:۱۸۳]

تقویٰ اختیار کرنے کے دنیاوی و اُخروی بہت زیادہ فوائد ہیں جس کا تذکرہ قرآن و سنت میں جا بجا ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ آسان کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ [الطلاق:۲،۳]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو، اپنی پانچوں نمازیں ادا کرو، اپنے (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے حاکموں کی اطاعت کرو! تو تم

اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ [ترمذی:۶۱۶،حسن]

روزے کی حفاظت: روزے کی حفاظت کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ اگر ہم نے اس سلسلے میں سُستی و کاہلی کا ثبوت دیا اور صحیح طریقے سے روزے کی حفاظت نہ کر سکے تو ہم اس کی فضیلتوں اور برکتوں سے محروم رہ سکتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ (روزے کے اجروثواب کو ختم کرنے والے اعمال مثلاً) جھوٹ، بہتان چغلی، غیبت اور لڑائی جھگڑے سے بچا جائے خصوصاً زبان کی حفاظت کی جائے اور تقویٰ اختیار کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنھیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام (اللیل) کرنے والے ایسے ہیں جنھیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

[ابن ماجہ:۱۶۹۰، دارمی:۲۷۲۲، اسنادہ حسن]

یعنی جو شخص بھی مذکورہ خرافات سے نہیں بچتا اس کا روزہ اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ [بخاری:۱۹۰۳]

قیام اللیل: اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو مربوط کرنے کا اہم ذریعہ قیام اللیل ہے اور رمضان میں قیام اللیل فضیلت کے لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کرتا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ [بخاری:۳۷]

یہاں ایک بات کا خیال رہے کہ بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ''قیام رمضان اکیلے اور گھر میں کرنا زیادہ بہتر ہے، لہٰذا ہم گھر میں قیام کریں گے'' لیکن وہ بیچارے ساری رات بستر پر سوئے ہی گزار دیتے ہیں (اِلاماشاء اللّٰہ)

اور بعض حضرات قیامِ رمضان باجماعت کو سنت سمجھنے سے ہی انکاری ہیں!۔

ایسے حضرات کی اصلاح کے لیے اس لمبی حدیث کا ایک حصہ پیش خدمت ہے جو آپ ﷺ نے قیامِ رمضان کے بارے میں فرمایا تھا: ''یقیناً جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھ کر

فارغ ہو جاتا ہے تو بقیہ رات (بھی ثواب کے لحاظ سے) قیام ہی میں شمار کی جاتی ہے۔''

[ابوداود: ۱۳۷۵، ترمذی: ۸۰۶، نسائی: ۱۳۶۵، ابن ماجہ: ۱۳۲۷ واسنادہ صحیح]

امید ہے کہ اس قدر قیام رمضان با جماعت کی فضیلت جان کر حیلوں اور بہانوں سے احتراز کیا جائے گا۔

تلاوتِ قرآن مجید کی کثرت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو، اس لیے کہ قیامت والے دن یہ اپنے (پڑھنے والے) ساتھیوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔ [مسلم: ۸۰۴]

یہ حقیقت ہے کہ اجر و ثواب کے لحاظ سے ماہ رمضان میں کیا ہوا عمل زیادہ افضل ہے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ رمضان میں تو خوب قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں اور دیگر مہینوں میں قرآن مجید چھونے کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔ (والعیاذ باللّٰہ)

ذکرِ الٰہی سے زبان تر رکھنا: لغویات و فضولیات کو ترک کر کے ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رکھنا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ [مسلم: ۳۷۳]

دوسرے مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا: تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔ [ابن ماجہ: ۳۷۹۳ واسنادہ حسن]

صبح و شام کے اذکار کی بھی پابندی کرنی چاہیے جیسا کہ دیگر دلائل سے ثابت ہے۔

اعتکاف: رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنا سنتِ نبوی ہے اور یہ تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ [بخاری: ۲۰۲۵، مسلم: ۱۱۷۱]

آخری عشرہ: اس عشرے میں اپنی تمام تر توانائی اس پہ خرچ کر دینی چاہیے کہ ہم سے ہمارا اللہ راضی ہو جائے اور ہماری کمیوں، کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگزر فرما دے اور نیکیوں کے حصول میں اضافہ اور جذبۂ سبقت ہو۔ (رمضان میں) رسول اللہ ﷺ بھلائی میں تیز ہوا

سے بھی زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ [بخاری:٦، مسلم:٢٣٠٨]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب (آخری) عشرہ شروع ہو جاتا تو رسول اللہ ﷺ شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے اور (عبادت کے لیے) کمر کس لیتے۔ [بخاری:٢٠٢٤، مسلم:١١٧٤]

لیلۃ القدر: اسی عشرے میں لیلۃ القدر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ [القدر:١، ٣]

لہٰذا آخری عشرے میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کرے، تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ [بخاری:٢٠٠٨، مسلم:٧٦٠]

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ [بخاری:٢٠٢٠]

ایک اہم بات: جو سلسلہ رمضان کی مبارک ساعتوں میں قائم کیا جائے وہ بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی برقرار رہنا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص رمضان میں قیام اللیل اور اشراق وغیرہ تک کی پابندی کرتا تھا وہ غیر رمضان میں فرض نماز بھی چھوڑ بیٹھے اور پھر اسی معصیت و نافرمانی کی دلدل میں جا گرے جہاں پہلے پھنسا ہوا تھا اور مہینے بھر کے ''اعمالِ صالحہ'' کی کمائی اکارت کر دے۔ (والعیاذ باللہ)

اس لئے ضروری ہے کہ اس مبارک مہینے میں اپنا احتساب کرتے ہوئے ہمیشہ کے لئے صراطِ مستقیم کا احتساب کرلیں اور اپنا ہر لمحہ ہر لحظہ قرآن وسنت کے مطابق گزار کر آخرت میں اللہ کے ہاں سرخرو ہو جائیں۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے دین کے لیے چن لے اور ہم سے راضی ہو جائے۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

ماہِ رمضان

(فضائل واحکام)

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الأمین ، أما بعد:

رمضان، رحمتوں، برکتوں، سعادتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے۔ جونہی اس ماہ کا آغاز ہوتا ہے: ((**فتحت أبواب الجنة.**)) جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ((**غلقت أبواب جهنم**)) دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ((**سلسلت الشیاطین**)) (سرکش) شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ [بخاری:۱۸۹۸، ۱۸۹۹]

اور جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے اس مہینے (رمضان) کے روزے رکھے تو اس کے گزشتہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ [بخاری:۱۹۰۱]

روزہ دار ہی وہ خوش قسمت ہے جس کے لئے جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ''الریان'' نامی دروازہ مخصوص ہے۔ [بخاری:۱۸۹۶]

اس کے برعکس ایسے آدمی کی ناک خاک آلودہ قرار دی گئی جس نے (اپنی زندگی میں) رمضان کا مہینہ پایا، لیکن بخشش سے محروم رہا۔ [سنن ترمذی:۳۵۴۵ و إسنادہ حسن]

بڑے ہی نصیبے والا ہے وہ شخص جو ''ماہ رمضان'' کی تمام تر فضیلتیں کماحقہ اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ **اللھم اجعلنا منہ**

احکام

چاند دیکھ کر روزہ رکھنا: نبی ﷺ نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسی کو دیکھ کر روزہ افطار کرو اگر تم پر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کی گنتی میں تیس دن پورے کر لو۔

[بخاری:۱۹۰۹، مسلم:۱۰۸۱]

روزے کی نیت: اس میں کوئی شک نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، لیکن نیت دل کے قصد وارادے کا نام ہے نہ کہ زبان سے خودساختہ الفاظ کا ادا کرنا جیسا کہ '' وبصوم غد نویت من شهر رمضان '' عوام میں مشہور ہے، حالانکہ یہ بے اصل ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

سحری کے مسائل: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کا کھانا فرق (کرتا) ہے۔[مسلم:۲۰۹۶]

مزید ارشاد فرمایا: سحری کھاؤ، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ [بخاری:۱۹۲۳، مسلم:۱۰۹۵]

سحری کب تک کھا سکتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اذان سنے اور کھانے کا برتن اس کے ہاتھ میں ہو (تو اذان کی وجہ سے) اسے رکھ نہ دے بلکہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرے۔ [ابوداود:۲۳۵۰ وإسنادہ حسن]

مفتی اعظم شیخ ابن باز رحمہ اللہ سحری کے وقت کے تعین میں لکھتے ہیں:

'' جب کوئی شخص اذان سنے اور اسے معلوم ہو کہ یہ اذان فجر ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ کھانے پینے سے رک جائے۔ اگر موذن طلوع فجر سے قبل اذان دے رہا ہو تو پھر رک جانا واجب نہیں بلکہ کھانا پینا جائز ہے۔'' [فتاوی اسلامیہ ۲/۱۴۷ طبع دارالسلام]

مذکورہ بالا حدیث نبوی کا تعلق ایسے حضرات کے لئے ہے جو دیر سے بیدار ہوں جب کہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتویٰ ان متساہلین کے لئے ہے جو پیٹ بھر کے کھانے کے باوجود اذان ختم ہونے تک کھاتے رہتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حالتِ جنابت میں سحری کھانا: حالتِ جنابت میں سحری کھا کر بعد میں غسل کیا جاسکتا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم: (۸۰/۱۱۰۹)

تقاضائے روزہ: روزے کا تقاضا ہے کہ جھوٹ، بہتان، چغلی، غیبت، لڑائی، جھگڑے سے بچا جائے اور تقویٰ کو اپنایا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنہیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام (اللیل) کرنے والے ایسے

ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ [دارمی:۲۷۲۲، اِسنادہ حسن طبع دارالمعرفہ]

یعنی جو مذکورہ خرافات سے نہیں بچتا اس کا روزہ اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا اوراس پر عمل کو نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ [صحیح بخاری:۱۹۰۳]

جن کاموں سے روزہ نہیں ٹوٹتا: مباحات روزہ، غسل کرنا، مسواک کرنا، بھول کر کھانا یا پینا، سینگی لگوانا، سرمہ لگانا، کنگھی کرنا اور تیل لگانا وغیرہ، دیکھئے صحیح بخاری کتاب الصوم۔

روزہ جلدی افطار کرنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیشہ وہ لوگ بھلائی میں رہیں گے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ [صحیح بخاری:۱۹۵۷، صحیح مسلم:۱۰۹۸]

معلوم ہوا کہ وہ لوگ خطا پر ہیں جو قصداً روزہ دیر سے افطار کرتے ہیں اور اسے احتیاط کا نام دیتے ہیں۔

افطاری کی دعا: ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُإِنْ شَاءَ اللّٰه.

[ابوداوٗد:۲۳۵۷ اسنادہ حسن]

اس کے علاوہ جو دعا عوام میں مشہور ہے وہ سنداً صحیح نہیں ہے۔

قیام اللیل (تراویح): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایمان کی حالت میں اور ثواب کی نیت سے قیام رمضان کرتا ہے اس کے گزشتہ (صغیرہ) گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ [صحیح بخاری:۳۷]

قیام اللیل، تہجد، تراویح ایک ہی نماز کے نام ہیں، لیکن عموماً رمضان کی رات کو کیا جانے والا قیام تراویح کے نام سے معروف ہے اور اس کی تعداد گیارہ رکعات [(۸+۳) ۲+۲+۲+۲+۲+۱] ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد صبح تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور اسی نماز کو لوگ عتمہ بھی کہتے تھے۔ آپ ہر دو رکعات پر سلام پھیرتے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔ [صحیح مسلم:۷۳۶]

ام المومنین رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ [صحیح بخاری:۲۰۱۳]

ایسے ہی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں رات کے وقت) گیارہ رکعات پڑھائیں۔

[موطأ امام مالک ۱/۱۱۴ ح ۲۴۹، السنن الکبری للبیہقی ۲/۴۹۶ وقال النیموی الحنفی ''اسنادہ صحیح'' آثار السنن (ص ۲۵۰)]

معلوم ہوا کہ تراویح کی تعداد گیارہ رکعات (۸+۳) ہی ہے۔اور واضح رہے کہ پورا ماہ رمضان امام کے ساتھ نماز تراویح ادا کرنا مسنون اور افضل ہے۔ دیکھئے سنن ترمذی (۸۰۶) جو حضرات اسے بدعت کہتے ہیں ان کا قول بے دلیل ومردود ہے۔

غیر اہل حدیث اور آٹھ تراویح: غیر اہل حدیث کے اکابر نے بھی آٹھ رکعات تراویح کو تسلیم کیا ہے۔خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور سنت موکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعات تو بالاتفاق ہے،اگر خلاف ہے تو بارہ میں'' (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

عبدالشکور لکھنوی دیوبندی نے اپنی کتاب علم الفقہ (ص ۱۹۸) میں آٹھ رکعات ہی کو مسنون قرار دیا ہے۔

روزہ اور اعتکاف کے اجماعی مسائل: اجماع ہے کہ جس نے رمضان کی ہر رات روزہ کی نیت کی اور روزہ رکھا اس کا روزہ مکمل ہے۔

اجماع ہے کہ سحری کھانا مستحب ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار کو بے اختیار قے آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ جو روزہ دار قصداً قے کرے اس کا روزہ باطل ہے۔

اجماع ہے کہ روزہ دار (اپنی) رال اور (اپنا) تھوک نگل جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اجماع ہے کہ عورت کو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں اور درمیان میں ایام شروع ہو جائیں تو پاکی کے بعد پچھلے روزہ پر بنا کرے گی۔

اجماع ہے کہ ادھیڑ عمر، بوڑھے جو روزہ کی استطاعت نہیں رکھتے روزہ نہیں رکھیں گے (بلکہ فدیہ ادا کریں گے)

اجماع ہے کہ اعتکاف لوگوں پر فرض نہیں، ہاں اگر کوئی اپنے اوپر لازم کر لے تو اس پر واجب ہے۔

اجماع ہے کہ اعتکاف مسجد حرام، مسجد رسول، اور بیت المقدس میں جائز ہے۔[1]

اجماع ہے کہ معتکف اعتکاف گاہ سے پیشاب، پاخانہ کے لئے باہر جا سکتا ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف کے لئے مباشرت (بیوی سے بوس و کنار) ممنوع ہے۔

اجماع ہے کہ معتکف نے اپنی بیوی سے عمداً حقیقی مجامعت کر لی تو اس نے اعتکاف فاسد کر دیا۔ (الاجماع لابن المنذر ص ۴۷، ۴۸)

وما علینا إلا البلاغ

....

(۱) ان تینوں مساجد میں بالاتفاق اعتکاف جائز ہے ان کے علاوہ دوسری مساجد میں اعتکاف اگرچہ اختلافی مسئلہ ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ تمام مساجد میں اعتکاف جائز ہے۔

حافظ ندیم ظہیر

کیا آپ روزے سے ہیں؟

اگر آپ روزے سے ہیں تو پھر ایک لمحے کے لئے اپنا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ روزے کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا شمار ایسے لوگوں میں سے ہو رہا ہو جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنھیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (رات کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں جنھیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ (سنن الدارمی: ۲۷۲۲ واسنادہ حسن)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۳)

کیا آپ چغلی، غیبت، جھوٹ اور بہتان جیسے گناہوں سے اپنے دامن کو بچا پائے ہیں؟ کیا آپ اپنی زندگی میں روزے کے اہم مقصد (تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری) کے آثار محسوس کر رہے ہیں؟ اگر ان تمام باتوں کا جواب ہاں میں ہے تو ماہِ رمضان آپ کو مبارک ہو! اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر اللہ کے حضور ہاتھ اُٹھائیے، گڑ گڑائیے اور ممکن ہو سکے تو آنکھوں سے آنسو بہائیے اور مانگئے:

اے اللہ! اتنی ہمت و استطاعت اور توفیق عطا فرما دے کہ روزے کے تقاضے پورے کر سکوں اور رمضان کی تمام تر فضیلتیں اپنے حق میں سمیٹ سکوں۔ (آمین)

اس دورانیے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہے کہ آپ نے فرمایا:

((و رغم أنف رجل دخل علیه رمضان ثم انسلخ قبل أن یغفر له .))

اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جو رمضان کا مہینہ پائے، لیکن بخشش سے محروم رہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۵ وسندہ حسن)

یہ مختصر سا محاسبہ چارٹ ہے، کیونکہ جو لوگ اپنا تزکیہ و محاسبہ کرتے رہتے ہیں وہ دنیا و

آخرت میں سرخرو رہتے ہیں۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾

تحقیق جس نے اپنا تزکیہ کیا وہ فلاح پا گیا۔ (الشمّس:۹)

حافظ ندیم ظہیر

عشرۂ ذی الحجہ اور ہم

انسان کی زندگی میں بخشش و مغفرت کے کتنے ہی مواقع آتے ہیں جن کی وہ قدر نہیں کرتا اور پھر آہستہ آہستہ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی قدر کھو دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انھیں ان کی اپنی جانیں بھلوا دیں یہی لوگ نافرمان ہیں۔[الحشر:۱۹]

یعنی اپنی نجات کی فکر سے غافل ہو گئے اور اس بنا پر گناہوں میں پڑے رہے اور عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے نیک اعمال کی راہ اختیار نہیں کی۔[اشرف الحواشی ص ۶۵۴]

ماہ رمضان (جو سارا مہینہ ہی رحمت و مغفرت کا ہے) کو گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ عطا کر کے عظیم موقع فراہم کیا (کہ جس کے ابتدائی دس دن بہت زیادہ فضیلت کے حامل ہیں) تاکہ میرے بندے رہی سہی کسر ان ایام میں پوری کر کے میری محبت و قربت کے لئے مزید کوشاں ہوں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں نیک عمل اللہ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں۔ سوائے اس مجاہد کے جو اپنی جان اور مال لے کر (جہاد کے لئے) نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا (شہید ہو گیا)۔[صحیح بخاری:۹۶۹]

﴿ وَ الْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴾ سے بھی عشرہ ذی الحجہ ہی مراد ہے۔

دیکھئے تفسیر طبری (۱۱/۵۲۰ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، وسندہ صحیح)

ان دس دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حصول محبتِ الٰہی کا بہترین ذریعہ بھی ہیں۔

ان ایام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا محاسبہ کیجئے اور وہ نیک اعمال جو ہم سے سہواً یا قصداً رہ جاتے ہیں ان کو اپنی زندگی کا جزو لازم بنائیں اور تمام قسم کی منکرات وخرافات جو ہم سے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہوتی ہیں، مکمل احتراز کریں۔

یوم عرفہ کا روزہ: ۹ ذوالحجہ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے۔ اس دن کا روزہ ''سونے پہ سہاگہ'' کے مترادف ہے۔ یعنی ایک تو ان دس ایام کی فضیلت دوسرا ان فضیلت والے دنوں میں بڑی فضیلت والا عمل سرانجام دینا۔

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

[صحیح مسلم: ۱۱۶۲/۱۹۶]

سبحان اللہ! رب العزت کتنا غفور اور رحیم ہے ایک عمل سے دو سالوں کے گناہ معاف فرما رہا ہے۔ اب بھی جو سستی وکوتاہی سے کام لے تو اس سے بڑھ کر کون بدبخت و بدنصیب ہوسکتا ہے؟ عرفہ کے روزے کے بارے میں تھوڑا سا اختلاف کیا جاتا ہے۔

بعض کے نزدیک روزہ عرفہ کے دن ہی رکھا جائے گا خواہ ملک کے حساب سے قمری تاریخ ۸ ہو یا ۹ کیونکہ حدیث میں یوم عرفہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ۹ ذوالحجہ ہی کو روزہ رکھا جائے گا۔

آخر الذکر قول راجح ہے، پھر بھی مذکورہ دونوں اقوال میں تطبیق کی صورت موجود ہے اور وہ یہ کہ دو روزے رکھ لئے جائیں۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عشرۂ ذی الحجہ کے فضائل کما حقہ ہمیں اپنے دامن میں سمیٹنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

دیکھنا! کہیں یہ گھر جل نہ جائے

کسی بھی معاشرے کی تباہی کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب ''عصبیت'' ہے۔ وہ لسانی ہو یا وطنی، قومی ہو یا صوبائی، یہ ایک ایسا ناسُور ہے جس کی اسلامی معاشرے میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ نے وہ تمام رخنے بند کر دیئے ہیں جن کی وجہ سے اجتماعیت انفرادیت میں بدل جاتی ہے، قومیں قوم کہلانے کا حق کھو بیٹھتی ہیں اور معاشرے دیمک زدہ لکڑی کی طرح کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔

ایک مسلمان کے لئے کتاب و سنت کی تعلیمات اس کے لئے سرمایۂ حیات ہوتی ہیں۔ حالات خواہ کیسے ہی ہوں ان سے انحراف بہر صورت جائز نہیں ہے، انھی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر فلاح و نجات کے راستے پر گامزن اور آخرت میں سرخروئی سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ امن و آشتی اور محبت و چاہت کے اُس معاشرے کا تصور اجاگر کیا جائے جسے شریعت اسلامیہ نے تشکیل دیا ہے اور یہی وہ معاشرہ ہے جس میں خیر خواہی، اخوت اور بھائی چارگی کا درس ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ بے شک تمام مومن (آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔ (الحجرات:١٣)

اسلام میں شرف و عزت کا معیار لسانیت، وطنیت، قومیت اور صوبائیت نہیں بلکہ تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے ہاں تم میں سب سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔ (الحجرات:٩)

نسل پرستی بھی چونکہ معاشرے میں دراڑ ڈالنے کا کردار کرتی ہے، لہٰذا شریعت اسلامیہ میں حسب و نسب پر فخر کرنے کو بھی ممنوع قرار دیا گیا اور اس کی پرزور تردید کی گئی

ہے۔دیکھئے صحیح مسلم:۹۳۴،ابوداود:۵۱۱۶وسندہ حسن

اسلام ہی وہ روشن خیال مذہب ہے جس کے ذریعے سے برادری، قبیلے، علاقے اور رنگ و نسل کے امتیاز وتنگ ذہنی کا خاتمہ اور قلوب واذہان میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اسلام کسی سرحد یا باڈر کے دائرے میں قید کرنے کے بجائے پوری امت مسلمہ کو ایک معاشرہ بننے کا سبق دیتا ہے اور ایک مسلمان کے درد کو دوسرے مسلمان کا درد قرار دیتا ہے۔ جو ایمان کی حلاوت چکھ لے خواہ دنیا کے کسی خطے کا رہنا والا، کسی رنگ میں ڈھلا اور کوئی سی زبان بولنے والا ہو وہ دوسرے مسلمان کو نقصان تو درکنار اس کا تصور بھی اذیت جانتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام فروق مٹا کر ایک معیار قائم کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اے لوگو! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور یقیناً تمھارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔

آگاہ ہو جاؤ! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ (پرہیز گاری) کے۔(مسند احمد ۴۱۱/۵ وسندہ صحیح)

قارئین کرام! اُمت مسلمہ کی موجودہ صورت حال کچھ اس نوع سے ترتیب پا رہی ہے کہ عربی، عجمی سندھی، بلوچی، پنجابی، بروہی، پٹھان غرضیکہ ہر ایک نے انھیں (مذکورہ) کو بنیاد بنا کر محاذ کھڑے کر لئے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس بنا پر امت مسلمہ کمزور ہو رہی ہے اور کفار نہ صرف اس سے بھرپور فائدہ حاصل کر رہا ہے بلکہ بطور تماش بین تماشا بھی دیکھ رہا ہے۔

قارئین ہمارا معاشرہ ہمارا گھر ہے جو چار سو آگ کی لپیٹ میں ہے اور ہم نے اسے جلنے سے بچانا ہے۔(ان شاء اللہ)

آخر میں درِدل سے التجا ہے کہ خدارا اپنے آپ کو عصبیت کے حصار سے نکالئے، کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں رسوائی کا سبب ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو عصبیت کے لئے غصہ کرتا ہے اور عصبیت کے لئے لڑتا ہے وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۱۸۴۸)

وما علینا إلا البلاغ

حافظ ندیم ظہیر

مرعوبیت

دورِ جدید کے مسلمان اغیار و کفار سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ بیہودہ، مُضر اور دھتکاری ہوئی اُن رسوم و رواج کو بھی گلے لگانے سے دریغ نہیں کرتے جنھیں خود غیر مسلم معاشروں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ہمارے ہاں بسنت جسے اب جشنِ بہاراں کا نام دے دیا گیا ہے اور اپریل فول جیسے مہلک رواج بڑی تیزی سے عام ہو رہے ہیں۔

اپریل فول کے غلط ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی بنیاد جھوٹ پر مبنی ہے اور جھوٹ ایک ناسور ہے جو کہ برائیوں کی جڑ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گزشتہ رات میرے پاس خواب میں دو آدمی آئے، انھوں نے کہا: جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جا رہا ہے، وہ بہت جھوٹا تھا، ایک جھوٹی بات کہتا تو وہ سارے ملک میں پھیل جاتی۔ قیامت تک اسے یہی سزا ملتی رہے گی۔ (صحیح بخاری:۶۰۹۶)

جھوٹ کو منافقین کی علامت بھی کہا گیا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۲۴۵۹)

اپریل فول جیسے امور کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ یہ صریح اور واضح طور پر کفار کی رسم ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انھی میں سے ہے۔ (سنن ابی داود:۴۰۳۱، حسن)

اس کے علاوہ اپریل فول جیسی حرکت سے دوسرے مسلمان ایذاء و تکلیف سے دوچار ہوتے ہیں جو کسی مسلمان کے لائق نہیں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ (صحیح بخاری:۱۱، صحیح مسلم:۶۶)

اسی طرح بسنت ہندوانہ رسم ہے جو عیاشی کا ایک ذریعہ ہے۔ اس میں مرد و عورت کا اختلاط عام ہوتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی ہے، لہٰذا اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسے شنیع و قبیح فعل سے بچا کر رکھیں۔ و ما علینا إلا البلاغ

حافظ ندیم ظہیر

ذرا سنبھل کے رہنا... کہ

ہم ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جس کا ہر دن پہلے سے زیادہ پرفتن ہوتا ہے۔ نت نئے اور لادینیت کی طرف لے جانے والے اسباب اجاگر ہو رہے ہیں اور یہ یقینی امر ہے کہ آدمی ''ماحول'' کے رنگ میں رنگا جاتا ہے، یعنی وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایسے میں اسلامی تعلیمات کو اپنے لئے مشعل راہ بنانا، اپنی محافل و مجالس کو لغویات سے پاک کرنا، قلوب واذہان کی تطہیر اور محبت ونفرت کا معیار ''الحب للّٰہ و البغض للّٰہ'' رکھنا صراطِ مستقیم کی جانب ایک اہم قدم ہے۔

''ماحول'' کو انسان کیسے قبول کرتا ہے۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ نے کچھ یوں بیان فرمائی کہ ''نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال خوشبو والے (عطار) اور بھٹی دھونکانے والے (لوہار) کی طرح ہے۔ پس خوشبو والا یا تو تجھے کچھ (خوشبو) ویسے ہی عنایت کر دے گا یا تو خود اس سے خرید لے گا، ورنہ اس سے عمدہ خوشبو تو پائے گا ہی اور بھٹی دھونکانے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا پھر تو اس سے بد بو تو پائے گا ہی۔

[بخاری: ۲۱۰۱، مسلم: ۲۶۲۸]

نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ اس حدیث میں اتنے خوبصورت پیرائے میں اچھے اور برے ہم نشین کی مثال بیان کی گئی ہے کہ اس سے بہتر تمثیل ممکن ہی نہیں۔ اور عبرت ہے ایسے نوجوانوں کے لئے جو فحاشی و بے ہودگی سے لبریز مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور یہ تصور قائم کر لیتے ہیں کہ ہم کون سا (Participate) عملاً حصہ لے رہے ہیں۔

ایک مشہور مقولہ ہے:

صحبت صالح ترا صالح کنند صحبت طالح ترا طالح کنند

یعنی نیک صحبت تجھے نیک اور بری صحبت تجھے برا بنادے گی۔

اس لئے برے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ کر اچھے ہم نشینوں کی رفاقت اپنانی چاہیے۔ برے لوگوں کی محفل ترک کر کے نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرنی چاہیے۔ اچھے اور صالح دوست بنانے چاہئیں، تا کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت ہماری بہترین تربیت کریں اور ہم دنیا وآخرت میں سُرخرو ہوں۔

سنن ابی داود میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا تصاحب إلا مؤمناً ولا يأكل طعامك إلا تقي))

تو صرف مومن سے دوستی رکھ اور تیرا کھانا صرف متقی کھائے۔

(سنن ابی داود: ۴۸۳۲ وإسنادہ صحیح)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

((الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل))

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر شخص دیکھے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۸۳۳ وإسنادہ صحیح)

دوستی سوچ سمجھ کر کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بدعتی یا مشرک سے دوستی ہو اور وہ تمھیں گمراہی کے دروازے پر لے جائے اور تمھارا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا دنیاوی و اُخروی دونوں زندگیوں کی تباہی کا سبب بن جائے۔ وہ تم سے خیر وبھلائی ترک کروا کر تمھیں شریر بنا دے مسجد کا رستہ چھڑوا کر بے حیائی وفحاشی کی طرف لے جائے پڑھائی سے دلچسپی ختم کروا کر آوارگی میں مبتلا کردے۔

اکثر یوں ہوتا ہے کہ پڑھنے والے ذہین طلبا پر کچھ ناسمجھ طالب علم اپنی غلط تربیت کا اثر ڈال دیتے ہیں جس سے مستقبل میں قوم کا رہنما بننے والا اپنے گاؤں بستی والوں کی تربیت کرنے والا، ایک آوارہ شخص بن جاتا ہے جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی، پس ضروری ہے کہ ہمارا تعلق صحیح العقیدہ متبع سنت آدمی سے ہو جو وقت کی قدر کرتا ہو جس کی باتیں سننے سے اللہ

تعالیٰ کی یاد تازہ ہو۔ اپنے عقیدے کی اصلاح اور اپنی زندگی کو سنوارنے کا موقع ملے۔ انھیں دیکھ کر اپنے چہرے کو بھی سنتِ نبوی ﷺ سے سجانے کی رغبت پیدا ہو اور نبی اکرم ﷺ کی نافرمانی کرنے سے دل میں گھبراہٹ محسوس ہو، لیکن افسوس! کہ قحط الرجال کے اس دور میں ایسی شخصیات کی کمی ہے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود اگر کہیں نظر نہ آئیں تو پھر بھی بری صحبت، برے ہم نشین سے بہتر تنہائی ہے اور تنہائی میں غفلت و گمراہ کن خیالات کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر بہتر ہے۔

قارئین کرام! آج بے راہ روی کی ایک اہم وجہ وقت کی ناقدری بھی ہے۔ صرف وقت گزارنے کے لئے لوگ ایسی مجلسوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو جھوٹ، بہتان، چغلی، غیبت اور طنز و مذاق سے رونق افروز ہوں۔ تحصیلِ علم اور ذکرِ الٰہی کے بجائے تاش، لُڈّو اور سنوکر کلبز وغیرہ میں صبح سے شام تک وقت گزار دیتے ہیں اور پتا ہی نہیں چلتا ؎

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

نبی ﷺ نے وقت کی اہمیت کے بارے میں فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے، وقت اور صحت''

(صحیح بخاری: ۶۴۱۲)

یاد رہے کہ اچھی صحبت اختیار کرنا ایمان اور اعمال صالحہ کی مضبوطی کا اور بری صحبت، ایمان اور اعمال صالحہ کی بربادی کا ذریعہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت سرور کائنات سیدنا محمد ﷺ کی احادیث سے پیار کرنے انھیں سینے سے لگانے اور اپنے جسموں پر نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حافظ ندیم ظہیر

دورنگی

ہمارا معاشرہ روز بروز زوال پذیر ہوتا جارہا ہے۔اس کا ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ پرفتن اور پرخطر ہے۔ ہر کوئی دو کشتیوں کا سوار نظر آتا ہے اور دل میں یہ آرزو سمائے ہوئے ہے کہ میرا ایمان بھی برقرار رہے اور اعتدال پسند ،روشن خیال اور ترقی یافتہ معاشرے(Society) میں میری عزت (Respect) بھی بحال رہے ۔اگر میں روشن خیالی کی رَو میں بہہ کر اپنی ذاتی زندگی میں کوئی تبدیلی لاؤں مثلاً ڈاڑھی شیو کروں ، شلوار ،پاجامے سے لڑکیوں کی طرح اپنے ٹخنے ڈھانپ لوں یا گھریلو زندگی میں تبدیلی (Change) آجائے جیسے کیبل ،نیٹ ،ڈش انٹینا ،وی سی آر وغیرہ کا بے دریغ استعمال اور اپنی بیوی ،بہن ،بیٹی کو بے پردہ بازار یا مخلوط پارکوں میں سیر وتفریح کی غرض سے لے جانا ،گھر میں غیر محرم حضرات کا بلا جھجک آنا جانا (کیونکہ ان کے نزدیک روشن خیالی کا تقاضا ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ قدم بہ قدم چلیں !) تو کوئی اسلام پسند مجھے یہ نہ کہہ دے کہ یہ خلافِ شریعت ہے اور اگر میں کبھی کبھار نماز یا جمعہ پڑھ لوں تو کوئی اعتدال پسند مجھے مُلا ،انتہا پسند ''مسینٹر'' نہ کہہ دے بس اس کے درمیان زندگی کی گاڑی چلتی رہے ۔ یہ مختصر سا خاکہ ایسے حضرات کا ہے جو دنیا ،معاشرہ ،برادری وقبیلہ کے تقاضے تو یاد رکھتے ہیں ،لیکن قرآن وحدیث کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔[البقرہ:۲۰۸]

''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' والی زندگی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں یا پھر شریعت کی جو بات طبیعت ومعاشرہ کے موافق ہو اس پر عمل کرنا اور جو اس کے برعکس ہو تو اسے ترک کر دینا یہ بھی عنداللہ مذموم کام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ کیا تم کتاب کے بعض احکام مانتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟ بھلا جو لوگ ایسے کام کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ [البقرہ:۸۵]

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جس کے دو چہرے ہوتے ہیں، وہ لوگوں میں سے کسی کے سامنے ایک چہرے سے اور کسی کے سامنے دوسرے چہرے سے جاتا ہے۔

(مسلم:۲۵۲۶ بعد ح ۲۶۰۴ وترقیم دارالسلام:۶۶۳۰، وموطا امام مالک:۲/۹۹۱ ح ۱۹۳۰)

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا   سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

[الحدیث:۱۶]

حافظ ندیم ظہیر

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں!

معاشرے کے اندر پھیلتے ہوئے ''روشن خیالی واعتدال پسندی'' کے جرثومے اس قدر تیزی سے بھولے بھالے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں کہ میرا قلم ان کے تعاقب سے قاصر ہے۔ تمام شعبہ ہائے زندگی کو اپنی سوچ، فکر اور نظریے کے مطابق بنانا ان کا مقصد عظیم ہے حتیٰ کہ شریعت اسلامیہ بھی ان نظریاتی کاوشوں سے محفوظ نہیں رہی۔

روشن خیالی کا راگ الاپنے والے دین محمدی (ﷺ) کو بھی اپنے خودساختہ نظریے کے قالب میں ڈھالنا اپنی تگ ودَو کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہیں بہت سے سکالر اور دانش ور مستعار مل جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے مفکرین کا مطمح نظر شہیدوں میں نام لکھانا ہوتا ہے۔ یہ حضرات شہرت کے بھوکے اور مال ومتاع کے حریص ہوتے ہیں۔

''چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے مصداق یہ لوگ زمانے کی زبان بولتے ہیں اور اپنے اکابر کے کرتوتوں کو ''الدین یسر'' کے تحت ''اعمال صالحہ'' بنا کر پیش کرنے کی سعی نامراد کرتے ہیں۔ موسیقی، آلات طرب، اختلاط مرد وزن اور مصوری جیسے غیر شرعی امور کی حلت پر فتوے ان کی تحریر وتقریر کا خاصہ ہیں۔

قارئین کرام! دین اسلام کو اس طرح سمجھنا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا بہت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ پھر اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہ) ایمان لائے ہو تو انہوں نے ہدایت پالی۔ (البقرہ:۱۳۷)

اپنی عقل، فہم اور لغات کا سہارا لے کر دین کو اپنی مرضی سے سمجھنا گمراہی ہے۔

بعض من چلے تھری پیس میں ملبوس، کلین شیو (Clean shave) مخلوط مجالس ومحافل (Functions) میں بے حیائی وفحاشی کی عکاسی کرتے ہوئے ایسے بھی نظر آتے ہیں جو

اپنی اس چوری پر سینہ زوری سے کام لیتے ہوئے ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ دین میں کوئی تنگی نہیں ہے۔(البقرہ:۲۵۶)

یا پھر ''الدین یسر'' دین آسان ہے۔(صحیح بخاری:۳۹) سے باطل استدلال کرتے ہیں، حالانکہ قرآن وحدیث متقاضی ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوکر دنیا وآخرت کو بہتر بنایا جائے نہ کہ ان میں تحریفات اور غلط تاویلات کرکے اپنے غیر شرعی امور کو سنوارا جائے۔ع

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں!
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

[الحدیث:۱۷]

حافظ ندیم ظہیر

شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں...

توحید وسنت کے احیاء اور شرک وبدعت کے استیصال کے لئے دین اسلام میں جو تدابیر اختیار کی گئی ہیں، وہ بہت ہی جامع واہم ہیں۔ سدّ ذرائع کے تحت تمام وہ رخنے بند کر دیئے گئے ہیں جن سے شرک کی بو آ سکتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**اللهم لا تجعل قبری وثناً**))

اے اللہ میری قبر کو وثن (عبادت گاہ) نہ بنانا۔ اللہ کی لعنت ہے ایسی قوم پر جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو مساجد (سجدہ گاہ) بنایا۔ [مسند حمیدی: ۱۰۳۱ وسندہ حسن بتحقیق شیخنا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ]

کائنات میں نبی ﷺ سے بڑھ کر مکرم ومعظم اور محبوب کون ہے؟ جب آپ ﷺ اپنی قبر کو "عبادت گاہ نہ بنائے جانے" کی دعا فرما رہے ہیں تو یہ کسی دوسرے کے لئے کیسے جائز ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے، اس پر (مجاور بن کر) بیٹھنے اور اس پر عمارت تعمیر کرنے سے منع کیا ہے۔ [صحیح مسلم: ۹۷۰]

بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے قبروں (پر بنی ہوئی عمارتوں) کو (گرانے اور انہیں) برابر کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ [صحیح مسلم: ۹۶۹]

ے "یہاں گنگا الٹی بہتی ہے"

اقتدار کی حرص اور کرسی کی سلامتی کے لئے مزارات وسیع وعریض کئے جا رہے ہیں قبروں پر کمپلیکس تعمیر ہو رہے ہیں بلکہ بعض قبروں پر تو حرم (بیت اللہ) کے برآمدے کی نقل اتاری گئی ہے۔ اس کے باوجود کہ ان سے پہلے جو لوگ ان امور میں سرگرم تھے وہ تا حال "نشانِ عبرت" بنے ہوئے ہیں۔

کیونکہ **اللّٰه وحده لا شريك له** کو بھول کر قبر والوں سے لو لگانے والے نہیں

جانتے کہ ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ﴾ اللہ جسے چاہتا ہے اقتدار عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے۔ (آل عمران:۲۶)

اور جسے دینا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے اللہ روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ [بخاری:۸۴۴]

تو پھر اہل اقتدار ہوں یا حزب اختلاف، عوام ہوں یا خواص اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بجائے توحید وسنت کا دامن تھامتے ہوئے اپنے اللہ وحدہ لاشریک لہ کو راضی کر لیں تو کتنا ہی اچھا ہو!۔

[الحدیث:۱۳]

حافظ ندیم ظہیر

جس دور پہ نازاں تھی دنیا!

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ '' اولاد بہت بڑی نعمت ہے'' لیکن کب؟ جب والدین تربیت و پرورش کی بھٹی سے گزار کر اسے ایسا کندن بنائیں کہ وہ جس مقام پر بھی ہو ظلمت و تاریکی اس کی تاب نہ لا سکے۔ ایسی اولاد نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی نجات کا ذریعہ ہے اور اس کے برعکس دونوں جہانوں میں زحمت ہی زحمت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے سارے عمل منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین کے اُن میں سے ایک '' ولد صالح یدعولہ'' نیک صالح اولاد ہے (جو اس کے مرنے کے بعد) اس کے لیے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۳۱)

لیکن موجودہ دور میں والدین (Status کے چکر میں) اس انداز سے چکرا چکے ہیں کہ ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ ہماری اولاد دنیاوی فنون سیکھ کر کسی بڑی پوزیشن (Great Post) پر براجمان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے سامنے بے بس و مجبور اور ان کی ہر جائز و ناجائز خواہشات پر سرِ تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن و حدیث کے بھولے ہوئے اسباق کو مزید بھلائے جا رہے ہیں اور سلف صالحین کے طریقہ کو چھوڑ کر اغیار کی نقالی و تقلید کو قابلِ فخر سمجھ رہے ہیں۔ آہ:

ے جس دور پہ نازاں تھی دنیا اب ہم وہ زمانہ بھول گئے
اوروں کی کہانی یاد رہی اپنا افسانہ بھول گئے

آج: کتنے ہی ایسے امور معاصی ہیں جنہیں والدین اپنی اولاد میں واضح محسوس کرتے ہیں، لیکن صرف یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ '' ابھی بچے ہیں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے'' ان امور کا تعلق ظاہر سے ہو جیسے کہ لڑکوں کا حلیہ لڑکیوں جیسا یا پھر لڑکیوں کا تنگ و باریک کپڑے پہن کر بے پردہ بازار میں گھومنا وغیرہ خواہ باطن سے جیسے بغض و حسد اور جھوٹ

وغیرہ بلکہ نماز جیسے اہم مسئلہ میں بھی اس قدر سستی وکوتاہی ہے جس کے **متعلق** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**بين الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلاة.**))

آدمی اور کفر وشرک کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۲)

تربیت اولاد کے سلسلے میں نبی ﷺ نے خصوصی حکم فرمایا: **مروا أولادكم بالصلاة.**

اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں اور اگر دس سال کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انھیں مارو۔ (ابوداود: ۴۹۵)

قارئین کرام! غیروں سے مرعوب ہو کر اپنی اولاد کو بے لگام مت چھوڑ یئے اسلام کا مطالعہ کیجئے اور صحیح اسلامی نہج پر اپنی اولاد کی تربیت کریں کہیں غفلت کی بنا پر اس آیت کا مصداق نہ بن جائیں!

﴿ **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** ﴾ اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو لوگ ایسا کریں وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

(المنافقون: ۹)

تصنیف: ڈاکٹر حمد بن ابراہیم العثمان ترجمہ: ابوانس محمد سرور گوہر

مقدمة: الصوارف عن الحق

وہ اسباب جن کی وجہ سے لوگ حق نہیں مانتے

[مدینہ طیبہ کے نابینا وسلفی شیخ عبید الجابری نے ڈاکٹر حمد بن ابراہم العثمان کی کتاب ''الصوارف عن الحق'' مجھے اپنے ہاتھ سے دی۔ یعنی وہ اسباب وعوامل جن کی وجہ سے لوگ حق نہیں مانتے، اس کتاب میں ڈاکٹر حمد نے عام طور پر اسلاف کے اقوال باحوالہ نقل کئے ہیں۔ میرے دوست اور دینی بھائی پروفیسر ابوانس محمد سرور گوہر حفظہ اللہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے، جسے ان شاء اللہ قسط وار قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ حمد بن ابراہیم کے بارے میں شیخ عبید فرماتے ہیں کہ: ''معروف طیب'' / حافظ زبیر علی زئی]

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ، وَبَعْدُ .

بے شک اللہ عزوجل نے مخلوق کو فطرت پر تخلیق فرمایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾

یہی فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ (الروم: ۳۰)

لوگوں کی سرشت میں یہ بات ودیعت کردی گئی ہے کہ وہ حق سے محبت وارادت رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دل ایک ایسی خلق (خلقت) ہے جو حق کو پسند کرتا ہے، اسے چاہتا اور تلاش کرتا ہے۔ (مجموع الفتاوی ۱۰/ ۸۸)

انھوں نے مزید فرمایا: ''بے شک حق فطرت میں محبوب وپسندیدہ ہے، وہ اسے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اس میں اس کی بہت زیادہ شان وشوکت ہے اور اسے باطل کی نسبت انتہائی خوش گوار ہے، کیونکہ باطل تو ایسی چیز ہے جس کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اس لئے فطرت اسے پسند نہیں کرتی۔'' (مجموع الفتاوی ۱۶/ ۳۳۸)

مزید یہ کہ وہ محبت حق کی وجہ سے نفوس میں مرکوز ہے، کیوں کہ نفوس کو معرفت حق پر

پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی﴾

ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو صورت وشکل بخشی، پھر رہنمائی فرمائی۔ (طٰہٰ:۵۰)

جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ.)) جو چیز تیرے دل میں کھٹکے اور اس پر لوگوں کا مطلع ہو جانا تجھے ناپسند ہو تو وہ گناہ ہے۔ (مسلم، البر والصلۃ والآداب، باب تفسیر البر والاثم، حدیث:۲۵۵۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نفس میں ایسی کوئی چیز ہے جو اعتقادات وارادات میں حق کو باطل پر ترجیح دینے کا موجب بنتی ہے، اور اس بارے میں یہی کافی ہے کہ اس کی تخلیق فطرت پر کی گئی ہے۔'' (درء تعارض العقل والنقل:۸/۴۶۳)

انھوں نے مزید فرمایا: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسی فطرت پر پیدا فرمایا ہے جس میں حق اور اس کی تصدیق، باطل کی معرفت اور اس کی تکذیب، نفع مند چیز کی معرفت اور اس سے محبت اور نقصان دہ چیز سے معرفت اور اس سے بغض فطری طور پر ودیعت کر دیا گیا ہے۔'' (درء تعارض العقل والنقل:۸/۴۶۳)

پس جو حق موجود ہو تو فطرت اس کی تصدیق کرتی ہے، جو حق نافع ہو تو فطرت اس کی معرفت حاصل کرتی، اس سے محبت کرتی اور اس پر مطمئن ہوتی ہے، اور یہی وہ معروف (طریقہ) ہے، جبکہ باطل معدوم ہو تو فطرت اس کی تکذیب کرتی ہے اور فطرت اس سے بغض رکھتی ہے اور اسے ناپسند کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

وہ انھیں نیکی (کے کام کرنے) کا حکم دیتے ہیں اور انھیں برے کاموں سے دور رکھتے ہیں۔

(الاعراف:۱۵۷)

اور یہ معرفت حق، اس کی ارادت ومحبت کے بارے میں جو چیز مرکوز ہے اس کی تائید شاید شریعت سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ بھلا وہ شخص جو اپنے رب کے کھلے راستے پر ہو اور اس کے پاس اللہ کی جانب سے شہادت بھی ہو۔ (ھود:۱۷)

پس ((البیــنة)) سے ''وحی'' مراد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، جبکہ ''شاہد'' سے فطرت مستقیمہ اور عقل صریح کا شاہد مراد ہے۔ (تیسیر الکریم الرحمٰن ص ۳۷۹)

علامہ عبدالرحمٰن السعدی نے فرمایا: ''پس دین، اس حکمت کا دین ہے جو ہر چیز میں درست بات کی معرفت اور اس پر عمل کرنا اور حق کی معرفت اور حق پر عمل کرنا ہے۔''

(تیسیر اللطیف المنان: ص ۵۰)

اور نفوس جب فطرت پر باقی وقائم رہتے ہیں تو وہ صرف حق تلاش کرتے ہیں، جبکہ حق ایسا واضح اور بیّن ہے جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔

(سیدنا) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بے شک حق پر نور ہوتا ہے۔''

(مستدرک حاکم ۴/ ۴۶۰، اور انہوں نے فرمایا: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر ہے۔ نیز امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے)

سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے، پس جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور انہوں نے نبی ﷺ کی زیارت کی تو فوراً جان گئے کہ آپ کا چہرہ کسی صادق شخصیت کا (ہی) چہرہ ہے۔ (سیدنا) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے تو (بعض) لوگ آپ کے قریب نہیں آتے تھے اور میں بھی انہی میں سے تھا، لیکن جب آپ کا چہرہ مبارک دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ مبارک کسی کذاب شخص کا چہرہ نہیں، میں نے آپ کو پہلی مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا:

((أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ ،وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ)) سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور نماز (تہجد) پڑھو جبکہ لوگ سو رہے ہوں اور تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مسند احمد: ۵/ ۴۵۱ ح ۲۴۱۹۳، ترمذی، صفۃ القیامۃ، باب: ۱۱، حدیث رقم: ۲۴۸۵ وقال: ''ھذا حدیث حسن غریب

من ھذا الوجہ'')

اور اللہ عزوجل مخلوق پر حجت قائم کرنے، انبیاء علیہم السلام مبعوث کرنے اور ظہورِ حق کے ساتھ ساتھ اپنی حکمت سے جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرما دیتا ہے۔

بندے پر واجب ہے کہ وہ فطرت سے التزام رکھے اور ایسے اسباب سے بچے جو اسے حق سے روکیں اور اس سے دور کریں، اور جب کوئی صارف (دور کرنے والا) اسے حق سے دور کرے اور وہ شخص پھر حق کی طرف پلٹ آئے اور اس سے التزام کر لے (یعنی چمٹ جائے)، تو یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا انعام و احسان ہے کہ بندہ حق سے محبت رکھتا ہو، اسے اختیار کرتا ہو اور اسے تلاش کر کے اس کے ساتھ التزام رکھتا ہو۔

ابو محمد ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا بندے پر سب سے بڑا انعام و احسان یہ ہے کہ وہ اسے عدل و حق کا خوگر اور ان کی محبت و ایثار سے مانوس کر دے۔ (مداواۃ النفوس ص ۳۱)

لزوم حق کا یہ سبب ہے کہ ان اسباب کی معرفت حاصل کی جائے جو اتباع حق سے روکتے ہیں، لہٰذا حق سے دور کرنے والے اسباب کے متعلق چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔ پس انہیں پہچاننے اور ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، میں اللہ عزوجل سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اہل حق اور داعیان حق بنا دے، اور ضلالت و گمراہی میں آگے بڑھنے والے اسباب و طرق سے ہمیں بچائے۔

اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ میں نے اس کے بیان کرنے اور اکٹھا کرنے میں کسی خاص معنی کو مدنظر نہیں رکھا جو سوء قصد، جہل اور ظلم کی طرف راجع ہو۔

واللہ اعلم

[الحدیث:۱۵]

فضل اکبر کاشمیری

رحمۃ للعالمین

رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔ (الانبیآء:۱۰۷)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! مشرکوں کے لئے (لعنت کی) بددعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إني لم أبعث لعّاناً و إنّما بعثت رحمةً))

مجھے لعنت کرنے والا نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (مسلم:۲۶۱۳)

چونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں، لہٰذا غصے اور غضب میں آپ کا کسی مسلمان کو لعنت یا سَبّ وشتم کرنا بھی قیامت کے دن موجبِ رحمت قرار پائے گا۔

(دیکھئے ابوداود: ۴۶۵۹ واسنادہ حسن، مسند احمد ۵/ ۴۳۷ ح ۲۳۷۰۶)

کامل مومنوں کے لئے آپ رحمت ہیں، کیونکہ آپ کی اتباع دنیا و آخرت میں کامیابی کا سبب ہے۔ محاربین سے جہاد کرنا اُن کے لئے رحمت ہے تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ اہلِ ذمہ سے جزیہ لینا اُن کے لئے رحمت اور امن کا سبب ہے۔ منافقوں کے دل میں کفر ہوتا ہے، لیکن ظاہری طور پر اُن کو مومنوں کی طرح حقوق دیئے جاتے ہیں یہ اُن کے لئے رحمت ہے۔

سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۶۱ میں مومنوں کے لئے رحمت کی تخصیص کی گئی ہے، لہٰذا اُس سے خاص رحمت مراد ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کی امت بالکلیہ تباہی و بربادی سے محفوظ کر دی گئی یعنی اس پر کلی عذاب نہیں آئے گا۔ جبکہ گزشتہ نافرمان امتیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾

یقیناً تمھارے پاس ایک ایسے رسول تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں، جنھیں تمھاری تکلیف کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمھارے فائدے کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں۔ مومنوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ (التوبۃ:۱۲۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے آس پاس روشنی ہوگئی تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ میں گرتے ہیں اس (آگ) میں گرنے لگے اور (آگ جلانے والا) ان کو اس میں سے نکالنے لگا، لیکن وہ اس پر غالب رہے اور آگ میں گرتے ہی رہے۔ اسی طرح میں تمھیں تمھاری پشتوں سے پکڑ پکڑ کر (آگ سے دور کرنے کے لئے) کھینچتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں زبردستی گرتے جاتے ہو۔'' (بخاری:۶۴۸۳، مسلم ۲۲۸۴)

آپ ﷺ جانوروں کے لئے بھی باعثِ رحمت تھے۔

ایک بار اللہ کے نبی ﷺ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لئے گئے اس میں ایک اونٹ تھا جو رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر بلبلایا اور آبدیدہ ہوگیا۔ آپ اس کے پاس گئے اور اس کی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آکر کہا: ''میرا یا رسول اللہ'' آپ نے فرمایا: اس جانور کے بارے میں جس کا اللہ نے تمھیں مالک بنایا ہے اللہ سے نہیں ڈرتے؟ اس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو اور اس پر جبر کرتے ہو۔ (مسند احمد ۱/۲۰۴ ح ۱۷۴۵ وسندہ صحیح واصلہ فی صحیح مسلم:۳۴۲)

[الحدیث:۲۹]

ڈاکٹر ابوجابر عبداللہ دامانوی

قوموں پر اللہ کا عذاب کیوں آتا ہے؟

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے جو پورے امن واطمینان سے (زندگی بسر کر رہی) تھی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے کفر کا رویہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا (ان پر بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا) ان کرتوتوں کے بدلے میں جو وہ کر رہے تھے۔ اور البتہ ان کے پاس ایک رسول ان ہی میں سے آیا تھا تو انھوں نے اسے جھٹلا دیا پھر انھیں اللہ کے عذاب نے پکڑ لیا، اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ (النحل: ۱۱۲، ۱۱۳)

۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّ قَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ o وَمَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَکْثَرَهُمْ لَـفٰسِقِیْنَ ﴾ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی بھی نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو ہم نے سختی، تکلیف اور مصائب و مشکلات میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ ہمارے سامنے عاجزی و انکساری اختیار کریں (اور ہماری طرف رجوع کریں) پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ لوگ خوب آسودہ حال ہو گئے تو وہ کہنے لگے کہ ہمارے آباء و اجداد کو بھی یہ مصائب و مشکلات پیش آتی رہی ہیں (یعنی وہ کہتے تھے یہ لیل و نہار کی الٹ پھیر اور گردش ہے) تو ہم نے ان کو اچانک (عذاب میں) پکڑ لیا اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز گاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ان کی بداعمالی کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔ کیا پھر بھی ان بستیوں کے رہنے والے (ہمارے عذاب سے) بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ پڑے جس وقت کہ وہ سوتے ہوں اور کیا ان بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ جائے اس حال میں کہ وہ کھیلوں میں مشغول ہوں، کیا وہ اللہ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے ہیں اور اللہ کی پکڑ سے ان لوگوں کے علاوہ کہ جن کی شامت آ گئی ہو کوئی بھی بے فکر نہیں ہوتا اور کیا ان لوگوں کو جو زمین کے وارث بنے وہاں کے لوگوں کی ہلاکت کے بعد (ان واقعات مذکورہ نے) یہ بات نہیں بتلائی کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے جرائم کے سبب ان کو ہلاک کر ڈالیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں پھر وہ نہ سن سکیں، ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر دلائل و معجزات لے کر آئے پھر انھوں نے جس چیز (دین حق) کو ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات ممکن نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح حق کو جھٹلانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو فاسق و نافرمان ہی پایا۔

(الاعراف:۹۴ تا ۱۰۲)

۳) نیز فرمایا: ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ پھر ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا ان میں سے بعض پر ہم نے پتھروں کی بارش برسائی اور بعض کو سخت زوردار آواز نے دبوچ لیا اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان لوگوں نے اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا تھا۔ (العنکبوت:۴۰)

معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کے انکار اور دینِ حق سے منہ موڑنے اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان قوموں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا سے مٹا ڈالا اور آج امت مسلمہ کی بھی یہی حالت ہو چکی ہے قرآن مجید اور احادیث کی موجودگی کے باوجود یہ امت، اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ قرآن وحدیث کے روشن قوانین کو یہ اپنے اوپر نافذ کرنے کے لئے تیار ہے بلکہ اکثریت نے کتاب وسنت کا راستہ چھوڑ کر اپنی مرضی کی پگڈنڈیوں اور شرک وبدعات کو سینے سے لگایا ہوا ہے۔

[الحدیث:٦٤]

حافظ ندیم ظہیر

حجامہ (سینگی لگوانا) ایک شرعی علاج

حجامہ سے مراد پچھنے لگوانا ہے، یعنی جسم کے متاثرہ حصے سے سینگی کے ذریعے سے خراب وفاسد خون نکلوانا۔ یہ ایسا علاج ہے جس کی طبی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، بلکہ دورِ جدید میں سائنسی لحاظ سے بھی اسے مجرب ومفید قرار دیا گیا ہے۔ ہم نے ان سطور میں صحیح احادیث وآثار سے حجامہ (سینگی) کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے:

سینگی میں شفاء ہے: سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، مُقنَّع بن سنان (تابعی) کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے، پھر ان سے فرمایا: جب تک تم سینگی نہ لگوالو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إن فيه شفاء)) بلاشبہ اس میں شفاء ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۶۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شفاء تین چیزوں میں ہے: (۱) سینگی لگوانے میں (۲) شہد پینے میں (۳) اور آگ سے داغنے میں، (لیکن) میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری: ۵۶۸۱)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمھاری دواؤں میں شفاء ہے تو سینگی لگوانے میں اور آگ سے داغنے میں ہے اور میں داغنے کو پسند نہیں کرتا۔

(صحیح بخاری: ۵۷۰۴)

سینگی بہترین دوا (علاج) ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن چیزوں سے تم علاج کرتے ہو، اگر ان میں سے کوئی بہتر دوا ہے تو وہ سینگی لگوانا ہے۔

(سنن ابی داود: ۳۸۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷۶ وسندہ حسن)

سینگی لگوانے کیلئے قمری تاریخ کا انتخاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص (قمری مہینے کی) سترہ، انیس اور اکیس تاریخ کو سینگی لگوائے، اسے ہر بیماری سے شفاء ہوگی۔

(سنن ابی داود: ۳۸۶۱ وسندہ حسن)

عورتیں بھی سینگی لگوا سکتی ہیں: ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سینگی لگوانے کی اجازت چاہی تو نبی کریم ﷺ نے ابوطیبہ کو حکم دیا کہ انھیں سینگی لگا دیں۔

راوی کے نزدیک ابوطیبہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی یا نابالغ لڑکے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۲۰۶، دارالسلام: ۵۷۴۴)

راجح یہی ہے کہ وہ اُس وقت غلاموں میں سے، سینگی لگانے کے ماہر، نابالغ لڑکے تھے۔

حالتِ احرام میں سینگی لگوانا: رسول اللہ ﷺ نے لحیِ جَمل کے مقام پر حالتِ احرام میں سر کے درمیان سینگی لگوائی تھی۔ (صحیح بخاری: ۱۸۳۶، صحیح مسلم: ۱۲۰۳)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ نے حالتِ احرام میں سینگی لگوائی۔

(صحیح بخاری: ۵۶۹۵)

روزے کی حالت میں سینگی لگوانا: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے روزے کی حالت میں سینگی لگوائی۔ (صحیح بخاری: ۵۶۹۴)

سینگی لگوانے کے بعد غسل کرنا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ چار کاموں کی وجہ سے غسل کیا کرتے تھے: جنابت سے، جمعہ کے دن، سینگی لگوانے سے اور میت کو غسل دینے کے بعد۔ (سنن ابی داود: ۳۴۸ وسندہ حسن)

سینگی لگانے والے کو اجرت دینا؟ ابوطیبہ نے رسول اللہ ﷺ کو سینگی لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انھیں (مزدوری میں) ایک صاع کھجور دی جائے اور آپ نے ان کے مالکوں کو حکم دیا کہ ان پر مقررہ خراج میں کمی کریں۔ (صحیح بخاری: ۲۱۰۲، صحیح مسلم: ۱۵۷۷)

یہاں خراج سے مراد وہ رقم ہے جو غلام اپنے مالک یا مالکوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی اور حجام کو اس کی اجرت دی، اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو اسے نہ دیتے۔ (صحیح بخاری: ۲۱۰۳)

ثابت ہوا کہ جن روایات میں اس اجرت کو خبیث وغیرہ کہا گیا ہے وہ کراہت پر محمول

ہیں یا منسوخ ہیں۔ واللہ اعلم

سینگی لگوانے کے بارے میں چند ضعیف وغیر ثابت روایات

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج ہوئی، میں فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرا، وہ سب مجھے یہی کہتے رہے: اے محمد (ﷺ)! سینگی لگوایا کریں۔

(سنن الترمذی: ۲۰۵۲، عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی الواسطی ضعیف ہے، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷۷، المستدرک للحاکم ۴/ ۲۰۹ عباد بن منصور ضعیف ہے اور یہ روایت اپنے تمام طرق وشواہد کے ساتھ ضعیف ہی ہے۔)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سینگی لگانے والا اچھا بندہ ہے۔ خون لے جاتا ہے، کمر ہلکی کرتا ہے اور بینائی تیز کرتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۲۰۵۳، سنن ابن ماجہ: ۳۴۷۸، المستدرک ۴/ ۲۱۲، عباد بن منصور ضعیف راوی ہے۔)

(۳) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر نبی کریم ﷺ کو گردن کی رگوں پر اور دونوں کندھوں کے درمیان سینگی لگوانے کی ہدایت کی۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۲، اصبغ بن نباتہ متروک راوی ہے۔)

(۴) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گردن کی رگوں پر اور کندھوں کے درمیان سینگی لگوائی۔ (سنن ابی داود: ۳۸۶۰، سنن الترمذی: ۲۰۵۱، سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۳ یہ روایت قتادہ کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

(۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہار منہ سینگی لگوانا زیادہ مفید ہے، اس سے عقل میں اضافہ اور حافظہ تیز ہوتا ہے اور اچھی یادداشت والے کی یادداشت بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس نے سینگی لگوانی ہو وہ اللہ کا نام لے کر جمعرات کو لگوائے۔ جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو سینگی لگوانے سے اجتناب کرو۔ سوموار اور منگل کو سینگی لگوالیا کرو۔ بدھ والے دن بھی سینگی لگوانے سے بچو، کیونکہ ایوب علیہ السلام کو اسی دن آزمائش آئی تھی۔ جذام اور برص صرف بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں ظاہر ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۴۸۸، عبداللہ بن عصمۃ اور سعید بن میمون دونوں مجہول ہیں)

تنبیہ: جن دنوں میں سینگی لگوانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ سب ضعیف روایات ہیں، کسی بھی دن سینگی لگوائی جاسکتی ہے، البتہ قمری مہینے کے تین دنوں میں سینگی لگوانا بہتر وافضل ہے ،جیسا کہ بحوالہ حدیث گزر چکا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ سینگی کی شرعی حیثیت اور اس کے احکام صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیئے ہیں۔ امید ہے کہ اس متروکہ عمل کو جاری و عام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ ایسے ماہر معالج کا انتخاب کریں جو بخوبی جانتا ہو کہ جسم کے کس حصے پر کس مقصد یا مرض کے لئے سینگی لگانی ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

[الحدیث:۸۴]

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

کیا بھینس حلال ہے؟

موجودہ دور میں بعض لوگ تجاہلِ عارفانہ کی روش اپناتے ہوئے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں بھینس کی حلت موجود نہیں بلکہ ہماری ’فقہ‘ نے اس کو حلال قرار دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تقلیدی فقہ کو حلت وحرمت کا اختیار کس نے دیا ہے؟

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴾ کسی چیز کو اپنی زبانوں سے جھوٹ (میں) حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ (النحل:۱۱۶)

حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کی تشریح وتفسیر میں لکھتے ہیں:

”ویدخل في هٰذا كل مبتدع من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعي ، أو حلل شيئًا مما حرم الله ،أو حرم شيئًا مما أباح الله بمجرد رأيه وتشهيه“ ہر وہ بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت ودلیل نہیں ہے یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۷۵)

ثابت ہوا کہ حلال وحرام صرف وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کامل دین لے کر آئے ہیں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ

کے حکم سے حلال وحرام کے بارے میں جامع اصول بیان کر دیئے ہیں، جن کی روشنی میں ہم کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کا پتا لگا سکتے ہیں۔

دلیل نمبر۱: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾

تمھارے لئے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں۔ (المآئدۃ:۱)

جو جانور حرام ہیں، وہ دوسرے دلائل سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔

امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''**الأنعام کلها**'' سارے کے سارے جانور حلال ہیں۔

(تفسیر طبری ۹/۴۵۵، اسنادہ صحیح)

اہل سنت کے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: ''**هٰذا قول حسن**'' یہ قول حسن (اچھا) ہے۔ (تفسیر الشوکانی ۲/۴)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

''اور لفظ **أنعام**، نعم کی جمع ہے، پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ جن کی آٹھ قسمیں سورۂ انعام میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان کو 'انعام' کہا جاتا ہے۔ **بهيمة** کا لفظ عام تھا۔ ''انعام' کے لفظ نے اس کو خاص کر دیا۔ مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں، لفظ ''**عقود**'' کے تحت ابھی آپ پڑھ چکے ہیں، کہ تمام معاہدات داخل ہیں۔ ان میں سے ایک معاہدہ وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے حلال وحرام کی پابندی کے متعلق لیا ہے۔ اس جملہ میں اس خاص معاہدہ کا بیان آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اونٹ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ کو حلال کر دیا ہے۔ ان کو شرعی قاعدہ کے موافق ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔'' (معارف القرآن از محمد شفیع دیوبندی ۳/۱۳)

دیکھئے 'مفتی' صاحب تو بھینس کی حلت قرآن سے ثابت کر رہے ہیں اور 'فرما' رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھینس کو حلال قرار دیا ہے۔

دلیل نمبر۲: بھینس کے بارے میں شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس کی حرمت

پر نص قائم نہیں کی لہٰذا یہ حلال ہے۔

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحاً.... ﴾

کہہ دیجئے کہ مجھ پر نازل کی گئی وحی میں کسی کھانے والے پر مردار اور دم مسفوح (جوخون ذبح کے وقت بہتا ہے) کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ (الانعام:۱۴۵)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: ''فھٰذا یدل علٰی مالم یوجد تحریمه فلیس بمحرم ''

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ (شریعت میں کھانے پینے اور پہننے کی) جس چیز کی حرمت نہ پائی جائے وہ حرام نہیں ہے۔ (جامع العلوم والحکم لابن رجب ص ۳۸۱)

حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

'' والمقصود من سیاق هٰذه الآیة الكریمة الرد علی المشركین الذین ابتدعوا ما ابتدعوه من تحریم المحرمات علٰی أنفسهم بآرائهم الفاسدة من البحیرة والسائبة والوصیلة والحام ونحو ذلك، فأمر رسوله أن یخبرهم أنه لا یجد فیما أوحاه الله إلیه أن ذلك محرم ، وإنما حرم ماذكر في هٰذه الآیة من المیتة والدم المسفوح، ولحم الخنزیر، وما أهل لغیر الله به ،وماعدا ذلك فلم یحرم ، وإنما هو عفو مسكوت عنه ،فكیف تزعمون أنتم أنه حرام ومن أین حرمتموه ولم یحرمه ؟ وعلٰی هٰذا فلا ینفي تحریم أشیاء أخر فیما بعد هٰذا ،كما جاء النهي عن لحوم الحمر الأهلیة ولحوم السباع وكل ذي مخلب من الطیر علی المشهور من مذاهب العلماء ''

اس آیت کریمہ کا مقصد مشرکین کا رد کرنا ہے، جنھوں نے اپنی فاسد آراء سے اپنے آپ پر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کو حرام قرار دینے کی بدعت جاری کی، اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کو خبر دیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی میں یہ چیزیں حرام نہیں ہیں ،اس آیت میں مذکور مردار ،دم مسفوح (بوقت ذبح بہتا ہوا خون) خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کی طرف منسوب کی جائے ،کو ہی حرام قرار دیا گیا ہے،ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام نہیں کہا گیا ،باقی جو کچھ بھی ہے، وہ معاف ہے اور ان سے سکوت اختیار کیا (جن چیزوں کی حرمت سے شریعت خاموش ہے) تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور تم انھیں کیسے حرام قرار دیتے ہو؟ یہ قاعدہ ان چیزوں کی نفی نہیں کرتا ،جن کی حرمت اس کے بعد وارد ہو چکی ہے، جیسا کہ پالتو گدھوں ،درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کے گوشت کی حرمت ہے، علماء کا مشہور مذہب یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۱۰۳، ۱۰۴)

(۲) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ط﴾

اور تمھیں کیا ہے کہ تم اس چیز کو نہیں کھاتے ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے تم پر حرام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے سوائے ان (حرام) چیزوں کے جن کے کھانے پر تم مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام:۱۱۹)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

''فعنفهم علٰى ترك الأكل مما ذكر اسم الله عليه معللًا بأنه قد بين لهم الحرام، وهٰذا ليس منه ، فدل علٰى أن الأشياء على الإباحة وَإلا لما ألحق اللوم بمن امتنع من الأكل مما لم ينص له علٰى حله بمجرد كونه لم ينص علٰى تحريمه''

اللہ تعالیٰ نے انھیں ان چیزوں کے نہ کھانے پر ڈانٹا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا، وجہ یہ بیان کی ہے کہ حرام تو تم پر واضح کر دیا گیا ہے اور یہ چیز اس میں شامل

نہیں ہے، یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ملامت کیوں کیا ہے جو اس چیز کے کھانے سے رک گیا، جس کی حلت وحرمت پر کوئی نص (دلیل) موجود نہیں۔ (جامع العلوم والحکم لابن رجب ص ۳۸۱)

(۳) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ ، لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ)) مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا، جو حرام نہیں تھی اور وہ اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام ہوگئی۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال ومن تکلف ما لا یعنیہ ۱۰۸۲/۲ ح ۷۲۸۹، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک إکثار سؤالہ عما لا ضرورۃ إلیہ....۲۶۲/۲ ح ۲۳۵۸)

مذکورہ بالا دونوں آیات اور حدیث سے یہ قاعدہ اور اصول اخذ ہوا کہ (کھانے پینے اور پہننے کی) ہر چیز اصل میں مباح اور حلال ہے، جب حرمت پر نص وارد ہو جائے گی وہ حرام ٹھہرے گی ورنہ حلال ہوگی۔

بھینس کی حرمت پر نص وارد نہیں ہوئی ہے لہٰذا وہ شریعت کی رُو سے حلال ہے۔

دلیل نمبر ۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ))

ہر کچلی والے (نوکدار دانت جو اگلے دانتوں کے متصل ہوتے ہیں) درندے کا کھانا حرام ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع...۲/۱۴۷ ح ۱۹۳۳)

بھینس شریعت کے اس اصول کے تحت بھی نہیں آتی ہے، کیونکہ یہ ''ذي ناب من السباع'' میں سے نہیں ہے، اس کی حرمت پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے لہٰذا یہ حلال ہے۔

دلیل نمبر ۴: بھینس کے حلال ہونے پر اجماع واتفاق ہے، کسی نے اس کو حرام نہیں کہا۔ یہ بھی ایک قوی دلیل ہے، کیونکہ اجماعِ امت شریعت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔

امام ابن المنذری لکھتے ہیں: ''وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ حُكْمَ الْجَوَامِيسِ حُكْمُ الْبَقَرِ''

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ بھینس کا حکم گائے کا حکم ہے۔

(الاجماع لابن المنذر: ۴۷)

حافظ ابن قدامہ المقدسی لکھتے ہیں: ''لَا خِلَافَ فِيْ هٰذَا نَعْلَمُهٗ ، وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ : أَجْمَعَ كُلُّ مَنْ يَّحْفَظُ عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى هٰذَا وَلِأَنَّ الْجَوَامِيْسَ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَقَرِ '' ہمیں اس میں اختلاف کا علم نہیں ہے۔ ابن المنذر نے اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ بھینس گائے کی نوع ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۲/۵۹۴)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''اَلْجَوَامِيْسُ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ حَكٰى ابْنُ الْمُنْذِرِ فِيْهِ الْإِجْمَاعَ '' بھینس بمنزلہ گائے کے ہے، اس پر ابن المنذر نے اجماع بیان کیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ۲۵/۳۷)

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: ''اَلْجَوَامِيْسُ صِنْفٌ مِنَ الْبَقَرِ ''

بھینس گائے کی نوع وقسم ہے۔ (المحلّٰی لابن حزم ۶/۲)

الحاصل: بھینس شریعت کے اصول وقاعدہ کے مطابق حلال ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حلال نہیں کہا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھتا ہے۔

تنبیہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے بھینس کا حلال ہونا ثابت نہیں ہے، ان سے درخواست ہے کہ مذکورہ دلائل اور اجماعِ صحیح پر دوبارہ غور کر لیں اور اپنے مزعوم امام سے، جن کی تقلید کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، باسند صحیح بھینس کا حلال ہونا ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو.....